UnEven Page Numbers Within The Book Only

جلد بست و نہم (۲۹) | ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

بدقسمت قوم کے سال کا خاتمہ بھی ماتم پر ہوتا ہے، خطیب الامۃ مولٰنا عبدالماجد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا ناگہانی سانحۂ ارتحال، ہمارے لیے ذاتی اور قومی دونون حیثیتون سے وہ غم ہے جو بھولائے نہین بھولا جاتا، ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء کی نصف شب کو جب یہ واقعہ لکھنؤ صدر مین پیش آیا، تو مین وہان اس صبح کو موجود تھا، ۸ بجے صبح کو خبر ہوئی، جب نو بجے کے بعد وہان پہنچا، تو مرحوم کی زندہ روح خدا کے پاس اور مردہ لاش بدایون کو منتقل ہو چکی تھی،

مولٰنا عبدالماجد بدایونی کون تھے؟ لکھنے والے اُن کے محامد و اوصاف صفحون مین لکھین گے، اور بیان کرنے والے گھنٹون بیان کرینگے، لیکن اس سارے دفتر کو صرف ایک لفظ مین اگر ادا کرنا چاہین، تو کہہ سکتے ہین، کہ وہ ہستی جو سرتاپا محبت تھی، خدا سے محبت، رسولؐ سے محبت، آلِ رسول سے محبت، بزرگانِ دین سے محبت، اکابر سے محبت، دوستون سے محبت، کارکنون سے محبت، عزیزوں سے محبت،

حضرات علمار کے طبقہ مین اُنکی ذات ہر حیثیت سے قابل فخر تھی، ان تمام لوگون پر جنھون نے طرابلس کے زمانہ سے اسلامی جدوجہد مین شرکت کی، ان بیس برسون مین مختلف دور گذرے، یعنی کچھ آرام و سکون، پھر کچھ سعی و محنت، کچھ عزلت گزینی اور پھر ہنگامہ آرائی، کچھ توقف، پھر تیز رفتاری، اسطرح اُنکی زندگی کے ایام وقتاً فوقتاً گذرتے رہے، مگر جماعت علمار مین یہی ایک ہستی تھی جس کی زندگی کے ایک لمحہ کو بھی اس وقت سے چین نصیب نہ ہوا، ہر وقت اور ہر نفس ان کو کام کی ایک دھن لگی ہوئی تھی، جس کے پیچھے ان کا آرام، چین، خانگی سکون، اہل و عیال، اور جان و مال ہر چیز قربان تھی، یہ بھی گمان گذرا ہے کہ اُن کے گھر مین کفن و دفن کا سامان ہو رہا ہے، اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لیے کانپور و لکھنؤ کے تگ و دو مین مصروف ہین، خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور، خلافت، کانگریس، تبلیغ، تنظیم، مسلم کانفرنس، یہ تمام وہ مجالس ہین، جو اُن کے خدمات سے گرانبار ہین، ان مشغولیتون

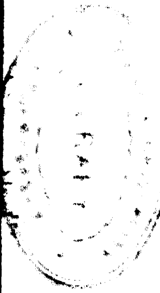
مین اپنے مدرسہ شمس العلوم کو جس کی خود انھون نے نبیاد ڈالی تھی ناتمام چھوڑا، اس کے لیے کتبخانہ کی عمارت بنوائی کتابین جمع کین، وہ بھی نامکمل رہا، یہانتک کہ انکی زندگی کی منزلین دفعۃً پوری ہوگئین،

مرحوم کی قوتِ خطابت غیر معمولی تھی، اُن کی تقریر جذباتِ اسلامی کی ترجمان ہوتی تھی، ان کی شاعری و سخنوری گو مخفی تھی، مگر شاندار تھی، ان کی عالمانہ شان اور معقول و منقول سے پرانی دلآویزی اس عالم مین بھی نمایان تھی، اُن کا دراز قد، بڑی داڑھی، سیاہ عمامہ، بڑا کرتہ اس پر جبہ گلے مین پڑا کالا رومال یا چادر، مست چال جھوم جھوم کر متانت سے چلنا، اب تک نگاہون کے سامنے ان کی تصویر بنا کر کھڑی کر دیتا ہے،

مرحوم نے عراق کا سفر اپنے بزرگون کیساتھ کیا تھا، اور حجاز و مصر کا سفر میرے ساتھ ۱۹۲۵ء مین کیا، بے گوشہ تو وہ تھے ہی، مگر ان جیسا بے زبان رفیقِ سفر ملنا بھی ممکن نہین،

وہ بہت کچھ تھے، مگر سب سے بڑھکر یہ کہ وہ اپنے ہر دوست، ہر ہمعصر، ہر رفیق کے محبوب و حبیب تھے، اُنکا ہر ملنے والا، یہی سمجھتا تھا کہ وہ اُسی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہین، اُن کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی، ہر آئینۂ دل مین وہی ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے،

سال کا آغاز تھا کہ مین نے اپنے رفیقِ یورپ (محمد علی مرحوم) کا ماتم کیا تھا، آج سال کا اختتام ہے، کہ اپنے رفیقِ حجاز و مصر کا ماتم کرتا ہون، رفیقو ! رخصت، اب تم وہان ہو، جہان تمھارے رفیق ملائکۃ اللہ اور عباد الرحمٰن ہین، اور سب سے بڑھکر وہ **رفیقِ اعلیٰ** ہے جس کی رفاقت سب رفاقتون سے بڑھکر ہے،



رحمۃ اللہ علیک خیر اَخلاف الکرام
نم قریرا لعین فی قبرک الی یوم القیام
کُنتَ فی الدنیا سلاما صرتَ فی دار السلام
اسکتَ الموتُ خطیبَ القوم حسّانَ الکلام

———•○•———

ہم نے نومبر کے شذرات مین مدیر نگار کے توبہ نامہ کو شائع کیا تھا، اور مسلمانون کے جن پیش کردہ شرائط کو انھون نے قبول کر لیا تھا، اُن کا ذکر کیا تھا، ان شرائط مین سب سے اہم وعدہ آیندہ مذہبی مضامین کی اشاعت سے قطعی باز رہنے کا تھا، اور ہم نے توقع ظاہر کی تھی کہ وہ دیانتداری سے اپنے وعدون کا ایفا کر کے اپنے شریفانہ کیرکٹر کے جوہر کا ثبوت دینگے، مگر انھون نے اپنے نومبر و دسمبر کے پچھلے دو پرچون مین افسوس ہے کہ بادلِ ناخواستہ ان شرائط کو اس ادھورے طریقہ سے پورا کیا جس سے نہ اُن کے دشمن خوش ہو سکے، اور نہ انکے دوست، انھون نے اپنے مخالفون کو از سرِ نو اقدام کا موقع دیا، اور اپنے ہمدردون کو شرمندہ کیا، یعنی توبہ نامہ شائع کیا، مگر اپنے ناظرین سے اخفا کی کوشش کیساتھ، مذہبی مضامین تصریحاً شائع نہین کئے، مگر اعتبارات و ملاحظات و تلمیحات و استعارات کے پردون مین،

زین توبہ نا درست یارب توبہ،

یہ کوشش کہ ان "اعتبارات" کے ذریعہ سے وہ اپنا کھویا ہوا اعتبار پھر پیدا کر سکین گے، بے سود ہے، اور امید ہے کہ مدیر نگار اس بیہودہ کوشش سے دست بردار ہو جائینگے،



بہرحال اب انھون نے ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو اپنا ایک اور اعلان لکھنؤ مین شائع کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

"مین بحمد اللہ ایک پکا اور سچا مسلمان تھا، مسلمان ہون اور مسلمان رہونگا، نگار مین میری بعض گزشتہ تحریرین جنسے مسلمانون کو صدمہ پہنچا، ان پر حد درجہ اظہار ندامت کرتے ہوئے مین نے گزشتہ اکتوبر مین علما و اکابرِ لکھنؤ کے مرتب کردہ توبہ نامہ پر دستخط کر دیئے جو تمام اخبارون مین شائع ہو چکا ہے اور جو تمام مسلمانون کی نگاہ سے گذرا ہوگا، لیکن مین دیکھتا ہون کہ ابھی تک بعض اصحاب نے اس تحریک کو ختم نہین کیا،

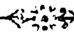
مین نے نومبر کے نگار مین بطور "ضمیمہ" توبہ نامہ کو شائع کر دیا، لیکن اس پر شکایت ہوئی کہ نمایان جگہ پر نہین تھا اور بعض لوگون کو وہ ضمیمہ نہین پہنچا، اس کا مجھے افسوس ہوا اور نگار ماہ دسمبر کے ملاحظات

مین اظہار افسوس کرتے ہوئے اسی ماہ کے رسالہ مین صفحہ ۸۸ پر نمایان طور پر شائع کردیا، لیکن با اینہمہ ۱۲ ار دسمبر کو میرے خلاف پھر جلسہ کیا جارہا ہے،

میرے پاس اب اس سے زیادہ اطمینان دلانے کی صورت اور کوئی نہ تھی اس لیے اب مین تمام عامۂ مسلمین پر ظاہر کرتا ہون کہ مین سچا مسلمان ہون اور بالکل انھین عقائد کے ساتھ جو ایک حنفی مسلمان کے ہونا چاہیئے، خدا کی عظمت، احکام قرآنی کی صداقت، انبیاے کرام کا احترام، صحابۂ کبار کی بزرگی، ائمۂ معصومینؑ کی عزت، بزرگانِ ملت اور صوفیاے عظام کی وقعت میرے دل مین پوری طرح موجود ہے، اور اب مین پھر اپنی تحریرون پر اظہار ندامت و افسوس کرتا ہون،،

امید ہے کہ مدیر نگار اپنے اس دوبارہ مقامی اعلان کو نہ صرف بحیثیت ایک سچے اور پکے حنفی مسلمان کے، بلکہ بحیثیت ایک شریف کیرکٹر والے انسان کے پورا کرکے لوگون کو اپنے قول سے نہین، بلکہ عمل سے مطمئن بنائینگے،

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ،



وسط دسمبر مین دنیاے اسلام کی ایک نمایندہ کانفرنس فلسطین مین منعقد ہوئی، مگر اسکا حشر پہلی عالمگیر اسلامی کانفرنس سے بھی زیادہ یاس انگیز ہوا، اس کانفرنس کو اسلامی سلطنتون کے تصادم نے نہین، بلکہ اسلامی اقوام کے تصادم نے ناکام کیا، اسکو پہلی چوٹ تو فلسطینی نیشنلسٹ اور پین اسلامسٹ جماعتون کے اختلاف سے لگی، پھر انگریزی اثرات کے جو مخفی ہاتھ وہان کارفرما نظر آئے، انھون نے مسلمانون کے سوء ظن کو اور بڑھایا، تیسرے فلسطین کی عالمگیر اسلامی مرکزیت کے تخیل کو مصر نے بڑی دہشت اور خوف کی نگاہ سے دیکھا، جس کے سبب سے اوسکو اس کانفرنس کی زندگی سے زیادہ اسکی موت مفید نظر آئی، کسقدر حیرت کی بات ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان کانفرنس ہو اور نتیجہ یہ نکلے کہ "ضرورت ہے کہ عربی زبان کا ایک نیا مکمل لغت تیار کیا جائے" حالانکہ اس کام کی نہ فلسطین کو بھی ہمت ہے نہ اہلیت، اگر اس کے لیے کوئی موزون مقام ہو سکتا تھا تو دمشق یا مصر، بہرحال ہم اس کانفرنس کو

صرف اس لیے پسند کرتے ہین کہ مسلمان تو مون کو بحمد اللہ ایک مشترک کانفرنس مین بیٹھنے کی عادت تو پڑ رہی ہے رفتہ رفتہ یہ مذاق کبھی نہ کبھی تو سنجیدگی اختیار کریگا،

ہم نے کسی پچھلے معارف کے شذرات مین لکھا تھا کہ خطیب کی تاریخ بغداد کی جو جلد محمدؐ کی نکلی ہے، اس مین نامون کا ایک خاصہ حصہ نسخہ سے چھوٹ گیا ہے، اب ہم خوشی سے اطلاع دیتے ہین کہ ناشرین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور اب پانچوین جلد مین اُس متروکہ حصہ کو تکملہ کی صورت مین شائع کر دیا ہے، امید ہے کہ وہ آیندہ اپنے اصل نسخہ کی تکمیل کی پوری کوشش سے دریغ نہ کرین گے،

اسماء الرجال کے سلسلہ مین ایک بڑی اہم کتاب **ابن عدی** کی کتاب الکامل ہے، جو اکثر پچھلی کتابون کا ماخذ ہے، اسکا اصل نسخہ مصر مین موجود ہے، کتبخانہ گوٹ پیر جھنڈا حیدرآباد سندھ نے بڑی کوشش سے اسکی نقل کا اہتمام کیا ہے، کتاب سات جلدون مین ہے، اور اب تک اس کے بیس جزو نقل ہوکر کتبخانہ مذکور مین پہنچ چکے ہین، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتبخانہ کو اپنی مزید توفیق سے بہرہ ور فرما دے،

معارف نے "حقوق نسوان" پر جو مسلسل مضامین لکھے تھے، ان کا منشا یہی دکھانا تھا کہ کوئی خاص فقہ نہ ہو لیکن عام فقہ اسلامی نئی نسوانی و ازدواجی قانونی ضروریات کو پورا کرنے کی ہرطرح قابلیت رکھتی ہے، چنانچہ سرکار عالی **بھوپال** نے علماء کے مشورہ سے اسی اصول پر "تحفظ حقوق زوجین" کا ایک مکمل ضابطہ مع حوالہ کتب فقہ شائع کیا ہے، ہم سرکار بھوپال کو اس اہم اور عظیم الشان اقدام پر مبارکباد دیتے ہین، آیندہ یہ ضابطہ معارف مین مزید تبصرہ کیساتھ شائع ہوگا،

مقالات

ایام صیام

از چودھری غلام احمد، پرویز، ہوم ڈپارٹمنٹ، دھلی،

اس کے بعد ان احادیث کو تختۂ مشق بنانے کی باری آتی ہی جن سے تیس روزے ثابت ہین، احادیث پرکھنے" سے پیشتر اس پر بحث کی گئی ہی کہ تیس روزون کا خیال مسلمانون کو پیدا کیسے ہوا، لکھتے ہین کہ "عربون کو عیسائیون کے راہب شام و فلسطین مین پہلے ہی سے جو چالیس دن کے روزے رکھتے تھے، عربون نے دیکھا کہ مسلمانون کے روزے ان کے مقابلہ مین کچھ حیثیت ہی نہین رکھتے اور اسی لئے یہ راہب فخر کرتے تھے کہ ان کے ہان مسلمانون سے زیادہ خدا پرستی ہی، اس لئے یقیناً مسلمانون کو تیس روزے رکھنے کا خیال رہا ہوگا، گویا راہبون کی غیرت سے روزے بڑھانے کا خیال پیدا ہوا، اب سوال یہ ہے کہ آیا جو روزے مسلمانون نے بعد مین بڑھائے اس زیادتی سے انکا وہ مقصد پورا ہوگیا جو محرک تھا اس زیادتی کا ظاہر ہے کہ نہین ہوا، کیونکہ ایک تو راہبون کے روزون سے مسلمانون کے روزے ویسے ہی نرم ہین، (راتون کی مباشرت جائز ہی) دوسرے تعداد مین بڑھکر بھی ان سے دس کم رہے، تو سمجھ مین نہین آتا کہ مسلمانون کو آخر ہوا کیا، خدا کے حکم کے خلاف بھی کیا، اور راہبون کی پھر بھی برابری نہ کرسکے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم.... اگر یہی جذبہ کارفرما تھا تو اول تو پچاس ورنہ چالیس تو کر لیتے، اسی مقام پر یہ بھی درج ہی کہ "(ENCYCLOPEDEA BRITANICA) مین (FASTING) کا مضمون پڑھنے سے واضح ہوگا کہ عیسائیون کے ہان ایام صیام مین کس طرح تبدیلیان واقع ہوئین"....."

حیرت ہے کہ عیسائیون کے ہان کی تبدیلیون کے لئے تو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون بطور سند پیش

معارف:- اس واقعہ کی تاریخی سند بھی کوئی ہمارے مدعی کے پاس ہی یا محض قیاس آرائی کے ریت پر یہ پوری عمارت کھڑی کی گئی ہی،

کیا گیا ہے لیکن اسی انسائیکلوپیڈیا مین اسی مضمون (FASTING) کے تحت، چار ہی سطرین آگے جا کر یہان یہ لکھا ہے کہ "مسلمانون کے ہان رمضان کے تیس دن کے روزے مقرر ہین" یہ یا تو "حق گو" صاحب کی نظرون سے اوجھل ہوجاتا ہے یا اسے مستند بیان تصور نہین فرماتے یعنی اپنے مطلب کی بات کا متعلقہ حصہ مستند، اور جو اس کے خلاف پڑے غیر مستند، ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

پھر دعویٰ ہی، اور ملاحظہ فرمایئے کس قدر بلند آہنگ دعویٰ ہی:

"اس کے بعد میرا دعویٰ ہی کہ حدیث مین تیس دن کے روزے کا کوئی حکم صریح میری نظر سے نہین گذرا" دعویٰ کو ذرا غور سے دیکھا آپ نے! کس قدر سچا دعویٰ ہی یعنی زیادہ سے زیادہ آپ یہی کر سکتے تھے کہ کوئی حدیث صریح حکم والی نکال کر پیش کر دیتے لیکن ایسا کرنے سے ان کا دعویٰ تو باطل نہین ہوتا، وہ دعویٰ ہی کیا جو اتنی جلدی باطل ہوجائے، وہ جھٹ سے کہدین گے کہ صاحب! مین نے کب کہا ہی کہ حکم موجود نہین مین نے تو صرف اسی قدر کہا تھا کہ میری نظر سے نہین گذرا، چلئے! اب ان کی نظر کا علاج کرتے پھریئے، ملاحظہ فرمایا کس قدر ہوشیار دعویٰ ہی، بقول غالب ؎

دعا یہ مانگو الٰہی! ہو عمر خضر دراز

اب آئی احادیث کی باری، ارشاد ہے:

"البتہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ، پرویز) کی وہ حدیث جو ابن ماجہ مین ہی رمضان کے تیس روزے پر دلالت کرتی ہے، مگر اس حدیث سے کوئی حکم مستنبط نہین ہوتا، صرف اس قدر معلوم ہوتا ہی کہ بعض لوگ نفلاً تمام ماہ رمضان کے روزے رکھتے تھے، وہ حدیث یہ ہے:

ہم نے آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ۲۹ دن کے روزے رکھے اور زیادہ سے زیادہ تیس دن کے۔"

غنیمت ہے کہ ان روزون کو نفلی روزے ہی قرار دیدیا، ورنہ حضرت ابوہریرہؓ سے تو جناب "حق گو"

وہ چڑھو ہے کہ ان روز دن کو خلافِ حکم خدا ایک بدعت قرار دیدیتے تو تعجب نہ تھا،

دوسری یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی نقل کی ہی،

رسول اللہ صلعم نے فرمایا، جب تم چاند دیکھو تو روزہ رکھو، پھر جب چاند دیکھو تو افطار کرو، پھر اگر ابر آجائے، تم پر تو تیس روزے پورے کرو"

قارئین کرام غالباً حیران ہونگے کہ اس قدر صاف اور کھلی کھلی حدیث کے موجودگی مین اب کون سی توجیہ انکار ہوگی، لیکن یہ دقت تو اسے پیش آئے جو کسی چیز کے دور کرنے کے لئے معقول وجوہات کی ضرورت محسوس کرے، حدیث کے تین ٹکڑے ہین،

(۱) جب چاند دیکھو تو روزہ رکھو،

(۲) پھر جب چاند دیکھو تو افطار کرو اور

(۳) پھر اگر ابر آجائے تم پر تو تیس پورے کرو،

نمبر ۳، جس مین کسی تاویل کی گنجائش نظر نہین آئی، کے متعلق ارشاد ہے کہ "معلوم ہوتا ہی، راوی نے یہ جملہ بڑھا دیا ہی، کیونکہ ابن عمرؓ کی حدیث مین جو بالکل اسی طرح کی ہی، یہ الفاظ نہین ہین"۔[1] چلئے چھٹی پائی،

نمبر ا، کے متعلق تحریر ہے "اس کے معنی صاف ہین یعنی مہینے کے آخر ہفتے مین چاندنی رات رات کے آخر حصے مین شروع ہوتی ہے، پس رات کے آخری حصہ سے روزہ شروع کر کے .... روزہ رکھو"

ملاحظہ فرمائی آپ نے حدیث کے اس فقرہ کی تفسیر کہ "جب چاند دیکھو روزہ رکھو" کیا معنی کہ پچھلی رات اٹھکر انتظار کرو جب چاند نظر آجائے، روزہ رکھ لو، اور چونکہ چاند اخیر مہینے مین ہر رات پہلی رات سے دیر کرکے نکلتا ہے، اس لئے ہر رات روزہ رکھنے کا وقت پہلی رات کے مقابلہ مین دیر سے ہوا، ابھی فرمایا تھا کہ روزے آخری عشرہ کے ہین، اب ارشاد ہے کہ "مہینے کے آخری ہفتے مین ...." انکے نزدیک عشرے اور ہفتہ مین فرق ہی کچھ نہین

[1] معارف :۔ یہ جھوٹ ہی دیکھو بخاری کتاب الصوم،

ٹھیک کہا ہے کسی نے کہ "حق گورا حافظہ نباشد" ابھی ابھی خیط ابیض اور خیط اسود کے باب مین فاضل مقالہ نگار فرما چکے ہین اور آیت قرآنی کا ترجمہ کرکے کہا ہو کہ "کھاؤ پیو یہان تک کہ کالا تاگہ سفید تاگے سے صبح (کے سبب سے) دکھلائی دینے پڑے" اور یہان ارشاد ہے "پس رات کے آخری حصہ سے روزہ شروع کرکے..." اب کوئی صاحب ذرا انصاف سے ہمین بتادین کہ کیا "رات کا آخری حصہ" اور وہ وقت جبکہ صبح کے سبب سے کالے اور سفید تاگے مین تمیز ہونے لگ جائے، ایک ہی وقت کا نام ہے، یا ان مین کچھ تفاوت ہوتا ہی، یہ کہتے ہوئے بھی سوء ادبی کا خیال رہتا ہے کہ بیس تاریخ کا چاند (جس رات ان کے عقیدہ کے مطابق پہلا روزہ شروع ہوتا ہی) تو آدھی رات کے قریب ہی نکل آیا کرتا ہی لیکن یہ چونکہ اپنی تاویل ہے، اس لئے اس مین اور قرآنی حکم مین کا ہیکو کوئی تناقض نظر آنے لگا، اندازہ فرمالیجئے کس پایہ کی تاویل ہے،

نمبر ۲، مین حدیث کا حکم تھا کہ "پھر جب چاند دیکھو تو افطار کرو" اس مین بڑی الجھن پیش آئی، یہ بھی کہنے سے رہے کہ یہ فقرہ بھی الحاقی ہے، اور اگر اسے درست مانتے ہین تو روزہ پچھلی رات افطار ہوتا ہی

اب یقیناً آپ سوچتے ہونگے کہ دیکھئے کیا کہتے ہین لیکن، ع

تھا کام تو مشکل مگر آسان نکل آیا،

فرماتے ہین "رات کے آخری حصہ سے روزہ شروع کرکے رات کو جب تک آسمان پر ستارہ نہ نکل آئین، روزہ رکھو" آپ حیران ہون گے کہ حدیث مین تو چاند تھا یہ "ستارہ" کہان سے نکل آیا، چاند، ستارے کے معنی مین تو کبھی استعمال نہین ہوتا، لیکن جواب یہ ہے کہ "دوسرے چاند سے غلط فہمی ہو جاتی ہی، مگر حدیث مین ایسی غلطیان بے انتہا ہین" اس کے بعد مثال کے طور پر حضرت جابرؓ کی غزوہ لبطن بوا کی حدیث (دیل مچھلی والی) بیان فرمادی ہی کہ دیکھ لیجئے حدیث مین کس قدر لفظی غلطیان ہین، اور آخر مین لکھا ہے "اس لئے اگر حدیث مین جابجا ایسی روایتین رمضان کے تیس روزے کے باب مین نظر آئین تو ان سے گھبرانا نہین چاہئے، کیونکہ ادنیٰ غور و تامل سے ان کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے"؛

آپ نے "تنقید صحیح" کا نمونہ ملاحظہ فرما لیا، جس کی "روشنی میں حدیث کا مطالعہ" کیا جارہا ہے، حدیث کے ایک ٹکڑے کو بلا دلیل و ثبوت الحاقی قرار دیدیا، دوسرے کے متعلق وہ تاویل فرمادی جو نہ صرف اہل دانش کے قریب قابل قبول نہیں بلکہ خود اپنے ہی قول کے خلاف ہے، اور تیسرے ٹکڑے میں جہاں کچھ نہ بن پڑی چاند کا ترجمہ ستارہ کرکے کہدیا کہ حدیث میں ایسی لفظی غلطیاں بے شمار ہیں، اگر یہی تنقید ہے تو خدارا کوئی بتائے تنقیص اور کس کا نام ہے، ع

یہ ہے گر آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں،

اور ہاتف غیبی نے کہا ہے کہ مصرع ثانی بھی بڑھادو کہ ع

عدو کے ہو لئے جب تم تو اپنا امتحان کیوں ہو

اس کے بعد متعدد احادیث ہیں، ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ابن ماجہ سے نقل کی ہے، اور وہ یہ ہے:-

"حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا رسول اللہ صلعم کے روزوں کے بارے میں، انھوں نے کہا آپ شعبان کے سارے مہینے کے روزے رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس کو ملا دیتے تھے رمضان سے"

اور اس کے متعلق ارشاد ہے "اس کے بالکل مخالف روایت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ، پرویز) کی ہے"

ہمیں دیر تک غور کرنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت اور اس حدیث میں کیا تخالف ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "آپ شعبان کے سارے مہینے کے روزے رکھتے تھے" اس لئے خصوصیت سے فرمایا کہ عام مسلمان یہ روزے نہیں رکھتے تھے، اور نبی اکرم صلعم یہ روزے نفلی رکھتے تھے، اور اس کے بعد جب رمضان کا ذکر آیا، تو چونکہ یہ عام بات تھی کہ رمضان کے روزے فرض ہیں اس لئے صرف اسی قدر کہدیا کہ "ملا دیا کرتے تھے رمضان سے" اگر حق گو صاحب کی تحقیق کے مطابق فرض روزے رمضان کے آخری عشرے کے ہی تھے، تو اس فقرہ کے کیا معنی نکلتے ہیں کہ شعبان کے سارے

مہینے کے روزے رکھکر رمضان سے ملادیتے تھے" تاوقتیکہ رمضان کے روزے یکم رمضان سے نہ مانے جائین یہ فقرہ مہمل ہو جاتا ہے، دوسری صورت مین تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ آپ یکم شعبان سے روزے شروع کرتے اور رمضان کے روزون سے ملادیتے یعنی ایک مہینہ بیس دن کے روزے خصوصیت سے انفرادی طور پر رکھتے اور باقی دس عام مسلمانون کے ساتھ فرضی روزے،

آخر مین پھر "تجدید ایمان" کی گئی ہے کہ "قرآن مین ایام صیام کی وضاحت ایاماً معدودات سے کی گئی ہے، اور کوئی قول قرآن کے اس حکم کو منسوخ نہین کرسکتا ...... اس لئے رمضان کے روزے اتنے ہی (آخری عشرہ کے) فرض ہین"

اس وقت تک آپ کو ایام صیام کے متعلق صرف دو متضاد باتون کا خیال آتا ہوگا یعنی یہ کہ شروع مین ایاماً معدودات کی تشریح سے یہودیون کے تتبع مین تین دن کے روزے فرض کئے جارہے تھے اور آخر مین اپنی رائے سے دس روزے فرض کردیے ہین، لیکن اگر آپ اس مضمون کے آخری حصے تک پہنچین تو پھر ایک اور پلٹا نظر آئیگا، اور باور کیجئے کہ آپ باوجود سعیِ بسیار کسی نتیجہ پر نہین پہنچ سکین گے کہ مقالہ نگار کا بالآخر مقصد کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے تحریر ہے:-

"قرآن سے ایام صیام کے دو اور نکتے، تم نے کبھی اس پر غور کیا ہے، کہ قرآن مجید نے روزہ کا حکم دیتے ہوئے یہ کیون کہا کما کتب علی الذین من قبلکم، یہ قطعی ثابت ہے کہ یہودیون مین کم سے کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ تین دن کے روزے سالانہ تھے، لہذا قرآن کا قول صحیح نہین (نعوذ باللہ) کہ تم پر یہودیون کی طرح روزے فرض کئے گئے ہین" دوسرا لطیف نکتہ مختصراً یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کی یاد مین روزہ رکھنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ قرآن ایک عہد ہے خدا اور بندون کے درمیان، جیسا عہدنامہ تھا یہود ونصاریٰ کے ساتھ، اور چونکہ خدا جانتا ہے کہ اس سے یہ عہد ٹوٹے گا" اللہ کی یہ رحمت ہے کہ اس عہد کو بار بار توڑنے کی وجہ سے ہم پر عذاب نہین کرتا، بلکہ اپنی نہایت مہربانی سے روزہ

رکھا کر ہمارے اس عہد کے توڑنے کا کفارہ ہر سال دلوا تا ہے، اور قرآن مین عہد توڑنے کا کفارہ کیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے، لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم......لعلکم تشکرون (سورہ مائدہ آیت ۸۹)"

نکتہ اول مین حق گو صاحب کے قول کے مطابق قرآن کا قول (کما کتب علی الذین من قبلکم) اسی وقت ہی صحیح ہوگا جبکہ یہود کی طرح تین دن کے زیادہ سے زیادہ روزے مانے جائین، اور اگر ایام کی تخصیص کما کتب کے لئے ضروری ہے تو تعداد روزہ بھی کما کے تحت آجائیگی، ہم تو چونکہ یہ مانتے ہی نہین کہ کما کتب سے مراد نوعیت روزہ یعنی جملہ فروعات متعلقہ سحری افطار ایام، اشیاء ممنوعہ وغیرہ ہے اور علی الذین من قبلکم سے مراد صرف یہود ہین، بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہین کہ اس سے یہ مراد ہے کہ مسلمانو! تم پر جو روزے فرض کئے گئے ہین تو یہ کوئی نیا حکم نہین بلکہ بحیثیت حکم ہونے کے یہ ایک ایسی ہی چیز ہے، جیسے تم سے پہلی کی امتون پر فرض کیا گیا تھا اور اس فرق کے لئے ہمارے پاس خود قرآن کی سند موجود ہے کہ برخلاف یہود کے مسلمانون کو روزے کی راتون مین مباشرت کی اجازت دی گئی، اور روزہ مین بولنے سے ممانعت بھی نہین فرمائی، اس لئے ہمارے مفہوم کے مطابق تیس دن کے روزے کا حکم کما کتب کے قول کی ہرگز تنقیص نہین کرتا، اب ہم جناب حق گو سے صرف اس قدر دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہین کہ جب وہ "کما کتب" سے ایام صیام کا نکتہ نکالتے ہین، اور یہودیون کے ان زیادہ سے زیادہ تین دن کے ثابت کرتے ہین تو آپکا یہ ایمان کہ روزے دس دن کے ہین، قرآن کے اس قول کی تنقیص کرتا ہے یا نہین، ہم فرمایئے کہ کون مجرم ٹھہرا، اب رہا دوسرا نکتہ، سو ظاہر ہے کہ:۔

اول تو ایمان قسم کو کہتے ہین عہد کو نہین کہتے، عہد کیلئے قرآن مین عہد ہی کا لفظ آیا ہے یا میثاق کا جو آیت مقالہ نگار نے درج کی ہے، اس سے اگر دو آیتین پہلے پڑھ لیجائین تو مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان سے مراد اس جگہ عہد شکنی ہے یا محض قسم توڑنا، اللہ تعالیٰ نے ان آیات مین مسلمانون کو کہا ہے کہ جو اللہ نے تم پر حلال طیب کر دیا ہے اسے اپنے لئے حرام مت بناؤ اور اگر کسی حلال چیز کو نہ کھانے کی تم نے یون ہی قسم کھالی ہے تو اسکا مضائقہ نہین، البتہ اگر جان بوجھکر دل سے قسم کھالی ہے تو اسکا کفارہ مساکین کا کھانا وغیرہ یا روزہ ہے، واضح ہو کہ اسی قسم کا حکم سورہ بقر کی آیت ۲۲۵ مین بھی ہے، جہان ان لوگون کو مخاطب کیا گیا ہے

جو جوش غضب مین اپنی بیویون کے پاس جانے کی قسم کھالیا کرتے تھے، لہذا یہ واضح ہوگیا کہ اس کفارے سے مراد قسم توڑنے کے کفارہ کی ہی، نہ کہ اس عہد توڑنے کے کفارہ کی جو قرآن کی شکل مین خدا اور اسکے بندون کے درمیان بندھا ہوا ہی، معاف کیجئے وہ عہد اسقدر معمولی نہین کہ عہد شکنی کا کفارہ تین دن کے روزے پورا کردین، ہمارے نزدیک تو اسکا کوئی کفارہ ہی نہین اور عہد شکن قوم پر ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کی شکل مین جو عذاب الٰہی نازل ہوتا ہی، ممکن ہو وقتی نام و نمود کی شہرت یا خود فریبی اسے کسی کی آنکھون سے چھپائے رکھے، ورنہ صاحب بصیرت تو ہر وقت اس سنت اللہ کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے،

ہم جناب "حق گو" سے یہان پھر دریافت کرتے ہین کہ جب قرآن اس عہد شکنی کا کفارہ بقول انکے صرف تین دن کے روزے مقرر کرتا ہی تو ان کا یہ فیصلہ کہ روزے دس دن کے فرض ہین، اس حکم کی ترمیم نہین ؟

آخر مین ہم جناب "حق گو" کی خدمت مین اتنا اور عرض کرتے ہین کہ اگر وہ رمضان کے مہینے کے روزے کا ثبوت صرف قرآن سے ہی چاہتے ہین، تو قرآن مین ذرا غور و تدبر سے کام لین دیکھین کہ یہ عقدہ بھی حل ہوتا ہی یا نہین ؟ یہ نہین کہ پہلے اپنی رائے قایم کرلین اور اس تک پہنچنے کیلئے قرآن وحدیث کو مروڑنا شروع کردین، اسکے لئے ہم وہی آیت قرآنی پیش کرتے ہین جو بقول انکے قرآن کی سند پیش کرنے والون کا عروۃ الوثقی ہی یعنی شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ...... فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ (بقرہ) رمضان کا مہینہ جسمین قرآن نازل کیا گیا ہی ... تو تم مین سے جو شخص اسمین موجود ہو تو چاہئے کہ روزہ رکھے (ترجمہ "حق گو") آپ نے فلیصمہ کا ترجمہ چاہئے کہ روزہ رکھے کر دیا اتنا ترجمہ تو فلیصم کا ہوسکتا تھا، یہ جو بعد مین "ہ" موجود ہی اسکے بھی تو کچھ معنی کیجئے یا یہ فضول ہی ہی، ظاہر ہی کہ ہ ضمیر ہے شہر کیلئے (سو اگر ضمیر کی جگہ اسم رکھ دین تو یہ ہوگا فلیصم الشھر) جسکے معنی ہوئے انگریزی مین (LET HIM FAST THE MONTH) اور اردو مین کم و بیش یہ کہ "وہ مہینہ روزے رکھے"

یہ ہی حکم قرآنی مہینہ بھر کے روزون کا اور اسکی تائید کرتی ہین وہ تمام احادیث جو آپکے نزدیک یا تو وضعی اختراعی ہین یا قابل تاویل و ترمیم ع " اور اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے " یہ ہی نمونہ "حق گو" صاحب کی قرآن فہمی کا،

دعا ہی کہ ان احباب کی جلدی سمجھ مین آجائے کہ نام کی شہرت کے اور بہت سے مستحسن طریقے ہین جن سے ایمان بھی ہاتھ سے نہین جاتا اور شہرت بھی بقائے دوام کی حاصل ہوجاتی ہی لیکن، ع " اس مین دو چار ذرا سخت مقام آتے ہین "

ایام صیام پر نظر ثانی

سید سلیمان ندوی

ایک "غیر مولوی" کا جواب تمام ہو چکا جسکو پڑھکر آپ کو حیرت ہوئی ہوگی، کہ وہ ایک "عربی حرف شناس تعلیم یافتہ" ہو کر کیونکر پرانے طرز کا مسلمان باقی رہ سکا، مگر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم کہین مخصوص و محدود نہین، گو اس "غیر مولوی" نے کسی "عراقی خانساماں" سے عربی نہین سیکھی، تاہم شملہ اور نئی دلی کے ہوم ڈپارٹمنٹ مین موصوف نے جو عربی پڑھی ہے، وہ نتائج کے لحاظ سے مقبول احمد صاحب کے فارن ڈپارٹمنٹ کی "عراقی عربی" سے زیادہ نتیجہ خیز ہے،

اس بحث مین ہمارے نزدیک اصل مین تین بحثین ہین،

۱- کیا جمع قلت کا جو قاعدہ مدعی نے سمجھا ہے وہ صحیح ہے؟

۲- کیا قرآن مین مہینہ بھر کے روزہ کا ذکر نہین؟

۳- کیا احادیث مین انتیس ۲۹ تیس ۳۰ روزون کا ذکر نہین،

جمع قلت کے قواعد | یہ بالکل صحیح ہے کہ عربی مین جمع کی دو قسمین ہوتی ہین، ایک جمع قلت، جسکا اطلاق تین ۳ سے دس ۱۰ تک پر ہوتا ہے، دوسری جمع کثرت جس کا اطلاق گیارہ ۱۱ سے مافوق پر ہوتا ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ایام جمع قلت ہے، لیکن قاعدہ صرف اسی قدر نہین ہے، کہ اگر اسی قدر ہو تو حسب ذیل آیتون مین وہ کون بیوقوف ہوگا جو ایام سے صرف تین سے نو دنون تک (حسب علم مقبول احمد) یا دس تک (حسب قواعد نحو) سمجھیگا،

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (آل عمران) یہ دن ہین جنکو ہم لوگون کے درمیان دست بدست الٹتے ہین،

کیا اشخاص اور قوموں کی صدیاں، اور سالہا سال جنمین ہزاروں دن (ایام) داخل ہین، صرف نو یا دس دنون مین محدود ہین؟

قیامت مین نیکو کارون سے کہا جائیگا،

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (حاقہ) — خوش خوش کھاؤ پیو اس کے بدلہ مین جو تم گذشتہ دنون (ایام) مین کرتے تھے،

کیا یہ "ایام خالیہ" ہر جنتی کے دس ہی دن ہونگے، خواہ اسکی عمر سو ہی برس کی کیون ہوئی ہو، یہ کیسی نادانی کا دعویٰ ہے، قرآن پاک مین ایک اور جگہ ہے،

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ۔ (ابراہیم) — اور ان کو اللہ کے دنون (ایام) کی یاد دلاؤ،

اللہ کے دن سے مقصود وہ دن ہے، جب اللہ تعالیٰ کی کسی عجیب قدرت کا اظہار رہا ہو تو کیا تاریخ مین اس قسم کے صرف تین سے دس تک دن گذرے ہین، یا انکی تعداد سینکڑون ہزارون تک پہنچی ہے،

امید ہے کہ عراقی خانساماں کا فاضل شاگرد" ان آیتون پر نگاہ رکھکر ابھی جمع قلت کے قواعد کو سمجھے گا،

آگے چلیے معرفہ کو چھوڑ کر تنکیر پر آئیے یمن سے شام تک کی مسافت اب بھی موجود ہے، سبا کے عہد مین یہ پورا راستہ باغ و بہار بنا ہوا تھا جو آخر ان کی بداعمالیون کے سبب ویران ہو گیا، یہ راستہ پاپیادہ یا اونٹون پر بہرحال ایک مہینہ سے کم کا نہ ہوگا، مگر اس کے متعلق قرآن پاک مین یہ ہے،

سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ۔ (سبا-۲) — چلو ان مین راتون اور دنون (ایام) بے خوف وخطر،

کیا اللہ تعالیٰ کا یہ اظہار احسان تیس دنون کے سفر مین سے صرف دس دن کے سفر کے ساتھ محدود ہے؟ پھر قاعدہ کیا ہے؟ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی لفظ کی دو جمعین آتی ہون، ایک قلت کی دوسری کثرت کی تو عموماً کمی دکھانے کے لیے جمع قلت اور کثرت دکھانے کے لیے جمع کثرت لائین گے، لیکن یہ قاعدہ ان الفاظ کے لیے نہین، جنکی ایک ہی جمع آتی ہو، ان الفاظ کے لیے یہ قلت و کثرت کی سرے سے کوئی تخصیص و تحدید ہی نہین

ورنہ لازم آئیگا کہ عربی مین دس سے زیادہ دنون کے لیے ہم کوئی لفظ ہی نہ بول سکین، مثال یہ ہے کہ سَیف (تلوار) کی جمع سیوف بھی آتی ہے، جو جمع کثرت ہے، اور اَسیاف بھی آتی ہے، جو جمع قلت ہے، تو اکثر جہان کمی دکھانی ہوگی وہان اسیاف اور جہان کثرت دکھانی ہوگی وہان سیوف بولین گے،

مگر با این ہمہ یہ قاعدہ بھی کلیہ نہین، جاہلی شاعر فخریہ کہتا ہے،

واسیافنا یقطرن من نجدۃٍ دمًا ۔ اور ہماری تلوارون سے خون ٹپک رہا ہے،

ظاہر ہے کہ یہان تلوارون کی قلت مراد نہین ہوسکتی، اسی طرح عمرو بن کلثوم تغلبی (سبعہ معلقہ مین) فخریہ کہتا ہے،

وَاَیَّامٌ لنا غُرٌّ طوالٌ، اور ہمارے لیے روشن اور لمبے دن ہین،

کیا اس سے مراد چند ہی دن ہونگے، چند لگا کر دیکھو کہ پھر شاعر کا فخر باقی رہتا ہے؟

اسیطرح لفظ قَرء (حیض یا طہر) اسکی جمع قلت اَقراء آتی ہے، اور جمع کثرت قُرُوء، اب قاعدہ کے مطابق ثلٰثہ (تین) کے ساتھ اقراء آنا چاہئے، نہ کہ قروء، مگر قرآن پاک مین تین کے ساتھ قروء آیا ہے، کیونکہ رسمی قواعد پر عبارت کی شستگی، اور توازنِ الفاظ کو فوقیت اور ترجیح حاصل ہے،

الغرض اس قاعدہ کا اگر تعلق بھی ہے تو صرف اُن الفاظ سے جنکی دونون قسمون کی جمعین آتی ہین، ورنہ وہ الفاظ جنکی ایک ہی قسم کی جمع آتی ہے، صرف جمع قلت یا صرف جمع کثرت، اُن مین یہ فرق کبھی ملحوظ نہین ہوتا، مثلاً دیکھو کہ رِجل (پاؤن) کی جمع صرف ایک آتی ہے اور وہ اَرجُل ہے جو جمع قلت ہے، مگر اسکا اطلاق دس اور دس سے ہزارہا زیادہ پاؤن پر بھی ہوتا ہے، ورنہ لازم آئیگا کہ وضو مین پاؤن دھونے کا حکم صرف دس پاؤن تک کو محدود ہو،

وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ اور اپنے پاؤن کو ٹخنون تک،

اور اس کے برخلاف لفظ رَجُلٌ (مرد) ہے کہ اسکی جمع صرف رِجَالٌ آتی ہے، جو جمع کثرت ہے، تو اب چاہئے کہ ہم ثلٰثۃ رجال اور عشرۃ رجال نہ بول سکین کہ اسکا اطلاق دس سے زیادہ پر ہوگا، تین سے دس پر نہین، مگر واقعہ یہ ہے کہ سرے سے یہ قاعدہ ہی نہین، ورنہ چاہئے کہ ایسے الفاظ جنکی صرف جمع قلت آتی ہے، ان کے

لیے دس سے زیادہ بول ہی نہ سکین اور جنکی صرف جمع کثرت آتی ہے، اونکی دس یا دس سے کم کی جمع بھی نہ بول سکین بھلا ایسی حماقت کا قاعدہ کسی زبان مین بھی ہو سکتا ہے؟

اب ہم سند کے طور پر نحو کی سب سے مستند اور مشہور کتاب رضی شرح کافیہ پیش کرتے ہین مبحث جمع مکسّر کے آخر مین ہے

واعلم انه اذا لم يأت للاسم الا بناء	اور جاننا چاہئے، کہ جب کسی اسم کی صرف جمع قلت آئے
جمع القلة كارجُل في الرِّجل، او الا جمع	جیسے رِجل (پاؤن) کی اَرجُل، یا صرف جمع کثرت آئے
الكثرة كرجال في الرَّجُل وكذا كل جمع	جیسے رَجُل (مرد) کی رجال، اور نیز ہر وہ جمع مکسّر جو ایسے
تكسير للرباعي الاصلي حروفه وكما لا	چار حرفی لفظ کی ہو جس کے چارون حرف اصلی ہون اور
يجمع الا جمعاً كاجادل ومصانع فهو	نیز وہ لفظ جسکی جمع صرف اجادل، اور مصانع کے وزن پر
مشترك بين القلة والكثرة، وقد يستعمل	آتی ہو، تو وہ قلت اور کثرت مین یکسان (مشترک) بولے
احدهما للاخر مع وجود ذلك الآخر كقوله	جاتے ہین، اور کبھی دوسری جمع (قلت یا کثرت) موجود ہونے
تعالى ثلثة قروء، مع وجود اقراء،	کے باوجود ایک دوسرے کے موقع پر مستعار بولتے ہین،
(رضی جلد دوم ص۱۵۵ مطبع نولکشور سنہ ۱۸۶۲ء)	جیسے قرآن مین ثلثة قروء ہے حالانکہ اسکی جمع قلت اقراء موجود بھی تھی،

امید ہے کہ ہمارے فاضل دوست کی عراقی سیاحت، رضی کی اس عبارت کے سمجھنے مین پوری مدد دیگی، اور عربی قواعد کی ناواقفیت سے جو احمقانہ قاعدہ تصنیف کیا گیا ہے، اور جس کی بنا پر قرآن کے مفہوم مین بھی ترمیم کی جرأت کیگئی ہے، اسکی اصلیت پوری طرح سمجھ مین آجائیگی،

اب ہم کو یہ دکھانا ہے کہ ایّام کے سوا یوم کی کوئی دوسری جمع آتی ہی نہین، اس لیے اس مین کثرت و قلت کا سوال ہی لغو ہے، گو کہ اتنی واقفیت عربی کے ہر حرف شناس کو ہے، کہ وہ اسکو بے تامل تسلیم کرلے کہ یوم کی جمع سوائے ایام کے دوسری نہین، مگر چونکہ ہمارا مخاطب وہ ہے، جس کو اہل زبان سے ثلثین ایاما سننے کی بھی توقع تھی، حالانکہ اگر کسی اہل زبان سے سنتا بھی تو غلط ہوتا، اس لئے اس کی

تشفی کے لیے عربی کے کسی مشہور لغت کو پیش کرنا ضروری ہے، چنانچہ لسان العرب اس موقع پر پیش ہے:

الیوم معروف مقدارہ من طلوع الشمس	یوم کے معنی مشہور ہیں، اسکی مدت آفتاب نکلنے سے اس کے ڈوبنے
الی غروبہا والجمع ایامٌ لا یکسّر الا علیٰ	تک ہے، اور جمع ایام ہے، اس لفظ (یوم) کی جمع مکسر نہیں آتی
ذٰلک...... ولم یستعملوا فیہ جمع الکثرۃ،	لیکن اسی وزن (ایام) پر...... اس (یوم) میں اہل عرب
(ج ۱۶ ص۱۳۷ مصر)	نے جمع کثرت نہیں استعمال کی ہے،

اب تو غالباً اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کی جمع قلت کا معاحل ہو گیا ہو گا، کہ دس دن ہوں یا دس سے صد ہا زیادہ، ہر حال میں "ایام" ہی بولیں گے، اور اس سے دس تک کی تخصیص سمجھنا قطعی ناممکن ہے،

سوال ہو سکتا ہے کہ روزہ کے حکم میں قرآن نے پہلے ابہام کے ساتھ "کچھ دنوں" کا روزہ کہا اور پھر اس کے بعد ماہِ رمضان کہکر، مہینہ بھر کی تخصیص بعد کو کیوں کی، تو اسکا جواب یہ ہے کہ روزہ یوں بھی سخت حکم ہے، اور اہلِ عرب کے لیے وہ اور بھی نہایت سخت تھا، اس لیے مہینہ بھر کا یک بیک حکم اُن پر نہایت گران گذرتا اس لیے بلاغت کا اقتضا یہ تھا کہ پہلے دنوں کا ابہام رکھا جائے، چنانچہ فرمایا گیا،

اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ (بقرہ ۲۳) کچھ گنے ہوئے دنوں میں روزے فرض کئے گئے،

مگر دیکھئے کہ تنکیر کے ابہام کے باوجود معدود (گنے ہوئے دنوں) کہنے سے اتنا بھی ثابت ہے کہ وہ کتنے ہی دن بھی ہوں، مگر وہ گنے ہوے اور مقرر (متعین دن ہیں، اب یہ سمجھنا چاہئے کہ "کچھ دن" اضافی لفظ میں سے ہے، یعنی چند دن، یا کچھ دن میں تنکیر کی وجہ سے جو قلت معلوم ہوتی ہے، وہ قلت کسی نسبت کے مقابلہ میں ہے، مثلاً اگر ایک شخص نے کسی مسئلہ پر ایک ہزار صفحوں کی کتاب لکھی ہے تو اس کے مقابلہ میں اس کے حریف نے اگر پچاس ۵۰ صفحوں کا بھی رسالہ لکھا تو وہ چند ہی صفحے کہلائینگے، الغرض اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ میں تنکیر کی وجہ سے جو قلت سمجھی جاتی ہے، وہ چار یا پانچ یا دس تک کی ہی ضروری نہیں، بلکہ صرف اسقدر ہے کہ وہ دوسرے کے مقابلہ کے لحاظ سے نسبۃً کم ہے،

اب غور کیجئے کہ سال کے تین سو ساٹھ دنون کے مقابلہ مین اگر تیس یا انتیس دنون کے روزے ہون، تو وہ چند دن نہ کہلائین گے، تو کیا کہلائین گے، با این ہمہ معدود ہونے کی وجہ سے وہ دن اپنی تعداد مین متعین ضرور ہین، گو ابھی یہ تعین مبہم ہے،

انگریزی دان اصحاب اس متعین تنکیر کے مفہوم کو انگریزی ترجمہ A CERTAIN NUMBER OF DAYS مین سمجھین کہ تنکیر کے باوجود اس کے اندر یہ بات موجود ہے کہ وہ تعداد متعین ہے، گو ابھی معلوم نہین کہ وہ تعداد کیا ہے؟

کیا قرآن مین مہینہ بھر کے روزہ کا ذکر نہین ہے؟ قرآن پاک مین اس کے بعد روزہ کی چند آسانیون کا ذکر کرکے ماہ رمضان کی اہمیت دکھا کر اس مہینہ کو روزون مین گذارنے کی تاکید اسطرح کیگئی ہے جس سے وہ پہلا ابہام جاتا رہا اور تعداد متعین ہو گئی فرمایا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ، (بقرہ ۲۳)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جسمین قرآن لوگون کی رہنمائی اور حق و باطل کی تمیز کی روشن دلیلین بنا کر اتارا گیا تو جو کوئی اس مہینہ مین موجود رہے تو چاہئے وہ اس

بعض لوگون کا فلیصمہ کا ترجمہ "اس مہینہ مین روزہ رکھے، کرنا، ہمارے نادان دوست کی لغزش کا باعث ہوا ہے، اور اسی سے اُن کو شبہہ ہوا ہے کہ رمضان مین چند روز بھی روزے رکھ لین، تو یہ کہنا صحیح ہوگیا کہ رمضان مین روزے رکھے، حالانکہ جن صاحبون نے ایسا ترجمہ کیا ہے، انھون نے حاشا یہ سمجھکر نہین کیا ہے کہ بعد کے آنے والے ان کے الفاظ سے یہ غلط معنی سمجھین گے، کیونکہ اُن کے حاشیۂ خیال مین بھی یہ نہین آسکتا تھا، کہ اس سے کوئی رمضان کے چند دنون کے روزے مراد لیگا،

عربی مین قاعدہ یہ ہے کہ فعلِ مستمر کا جو مفعول فیہ (ظرف زمانی مفعول) ہوتا ہے، وہ اپنے فعل کا اپنے اس ظرف زمانی مین پورا استیعاب چاہتا ہے، اور یہی وہ فرق ہے، جو مطلق ظرف جار زمانی اور ظرف زمانی مفعول مین امتیاز پیدا کرتا ہے، مثال کے لیے ان دو لفظون پر غور کرو،

ظرف زمانی جار	یقومُ فی اللیل	رات مین کھڑا ہوتا ہے

ظرف زمانی مفعول	یقومُ اللیلَ	رات بھر کھڑا رہتا ہے

اب اسی پر فعلِ صوم کو قیاس کرو،

ظرف زمانی جار	فلیصُم فِی الشھر	مہینہ میں روزہ رکھے
ظرف زمانی مفعول	فلیصُمِ الشھرُ	مہینہ بھر روزہ رکھے

انگریزی خوان اس فرق کو ان دو ترجموں سے سمجھیں،

FAST IN THE SAME MONTH.

FAST THE SAME MONTH.

ہر زبان کا اداشناس اس فرق کو پوری طرح محسوس کر سکتا ہے، اب غور کیجئے کہ قرآن میں روزہ کا حکم فی الشھر (مہینہ میں) کرکے نہیں ہے، بلکہ الشھر (مہینہ بھر) کرکے ہے، کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہو سکتا ہے، کہ قرآن میں مہینہ بھر کے روزے کا ذکر نہیں؟ قرآن نے انتیس اور تیس دنوں کے بجائے مہینہ کا لفظ اس لیے اختیار کیا کہ قمری مہینہ میں دنوں کی تخصیص رویتِ ہلال کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لیے مہینہ کا لفظ استعمال کیا، تاکہ بہترین اختصار کیسا تھا انتیس دنوں کا مہینہ ہو، یا تیس دنوں کا مہینہ ہو، ہر ایک پر مہینہ کا لفظ صادق آسکتا ہے،

اب کوئی بتائے کہ ہم اس "فاضل اجل" کے فضل و کمال اور عقل و دانش کے خلاف کیونکر مظاہرہ کریں جو کہتا ہے کہ قرآن میں مہینہ بھر روزہ رکھنے کا حکم مذکور نہیں،

ہم نے اوپر جو قاعدہ بیان کیا ہے، گو زبان کا ہر ذوق شناس اسکو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے، تاہم مزید تشفی کیلئے ہم ناقدِ بصیر کو اصول فقہ میں بحث حروف جار پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں، مثلاً کشف الاسرار بزدوی جلد دوم ص۷۸ قسطنطنیہ التقریر والتحبیر علی البزدوی جلد دوم ص۷۸ قسطنطنیہ و التوضیح والتلویح ص۲۴۳ قسطنطنیہ ان سب میں یہ مذکور ہی کہ مفعول فیہ زمانی میں عموم واستیعاب و استغراق ہوتا ہی، نحو میں تھوڑی تفصیل مذکور ہی، جو حسب ذیل ہی،

ظرف الزمان علی ضربین، ما یصلح جواباً   ظرف زمان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتنے کے جواب میں

لکم وھو ما یکون معدوداً سواء کان معرفۃ
او نکرۃ، فاذا کان کذا استغرقہ الفعل
الناصب لہ ان امکن، کما اذا قیل لک
کم سرت، فقلت شہراً، استغرق السیر
جمیع الشہر، لیلہ ونہارہ، الا ان تقصد
المبالغۃ والتجوز وکذا اذا قلت شہر
رمضان، فان لم یکن استغراق الجمیع استغرق
ما امکن، کما تقول شہراً فی جواب کم صمت
او کم سریت، فالاول یعم جمیع ایامہ
والثانی جمیع لیالیہ،

(رضی جلد اول ص۱۶۲)

آتا ہے، اور وہ گنا ہوا ہوتا ہے، عام اس سے کہ وہ معرفہ ہو یا نکرہ، توجب ظرف زمان ایسا ہو تو وہ فعل جو اس ظرف کو نصب دے رہا ہی، اگر ممکن ہوگا تو اس پورے زمانہ کو محیط ہوگا، جیسے اگر تم سے کہا جائے کہ "تم کتنے دن چلے" تو تم نے جواب دیا کہ "ایک مہینہ" تو تمہاری چال پورے مہینہ کو مع دن اور رات کے گھیر لیگی، لیکن یہ کہ تم (بطور واقعہ کے نہین بلکہ) مبالغہ اور مجاز کے طور پر پورا مہینہ کہدو، اور ایسا ہی اگر تم نے جواب مین "ماہِ رمضان بھر" کہدیا، تو اگر پورے کا احاطہ ممکن نہ ہوگا جیسے تم کتنے روزے رکھے اور کتنے دن چلے کے جواب مین ایک مہینہ کہدو، تو پہلا (یعنی روزہ) مہینہ کے دنون سے متعلق ہوگا (کہ روزے اسلام مین دن ہی مین رکھے جاتے ہین) اور دوسرا (یعنی چلنا) مہینہ کی راتون سے مخصوص ہوگا (کہ عرب مین راتون

اب غور سے قرآن پاک کی آیت مذکورہ پر ایک تامل کی نگاہ ڈالو کہ وہ گنتی کے دنون کو بتانے کیلئے ہے یا نہین، اور وہ کتنے دنون کے روزے کے جواب مین ہی یا نہین، اگر ایسا ہے تو اسکا ترجمہ "رمضان بھر کا روزہ ہوگا" یا "رمضان مین روزہ" ظاہر ہے کہ مہینہ کے جتنے دن جو شخص پایا جائیگا، اتنے دن بھر کا روزہ اُسپر فرض ہوتا چلا جائیگا، اسی لیے فرضیتِ روزہ کے آغاز مین جسطرح قرآن نے

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کچھ گنے ہوئے دنون مین

کہا اسی طرح آخر مین یہ کہا

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ، اور تاکہ گنتی کو پورا کرو،

تو اگر سرے سے قرآن نے روزون کی گنتی ہی مقرر نہین کی، تو اس گنتی اور شمار پر اتنا زور ہی وہ کیون دیتا، اس سے ثابت ہوا کہ فلیصمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "وہ اُس مہینہ (رمضان) بھر روزہ رکھے" نہ یہ کہ اس مہینہ مین روزہ رکھے، یا صرف روزہ رکھے،

اب بحث یہ آئی کہ مہینہ بھر کے روزون کا ذکر مان بھی لیا جائے تو تیس اور انتیس دنون کے روزون کا تو ذکر نہین آیا؟ آپ اس اعتراض پر ہنستے ہونگے کہ کیا کوئی اتنا بیوقوف بھی ہو سکتا ہے جو مہینہ بھر اور تیس انتیس دنون کو دو چیزین سمجھتا ہے، تو ہم اپنے ناظرین کو تسکین دینگے کہ ہان ہم کو خوش قسمتی سے ایسے ہی عقلمند سے واسطہ پڑا ہے، اس لیے ہم کو ایسی حدیثین نہین جن مین مہینہ بھر روزون کا ذکر ہو پیش کرنی ہین، بلکہ ایسی حدیثین پیش کرنی ہین جنین تیس انتیس دنون کے روزون کا ذکر ہو، اور مجبوراً ہم کو اپنے "عقلمند حریف" کی خاطر یہ بھی کرگذرنا ہے، کیونکہ اُسکا دعویٰ ہو کہ ایسی کوئی حدیث اسکی نظر سے نہین گذری، جسمین انتیس یا تیس روزون کا ذکر ہو،

تیس انتیس دنون کے روزے حدیثون مین

۱- ابن عمرؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلعم نے رمضان کا ذکر کیا تو فرمایا روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک پہلی کا چاند (ہلال) نہ دیکھو، اور نہ روزہ ختم کرو، جب تک پہلی کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر بادل ہون تو اندازہ کرلو۔ (بخاری الصوم)

اب ایک مہینہ کی پہلی کے چاند سے شروع ہو کر، دوسرے مہینہ پہلی کے چاند پر رمضان کے روزے ختم نہ ہوئے تو دوستو! حساب لگا کر اپنے حریف دوست کو بتاؤ کہ کے روزے ہوئے،

۲- ابن عمرؓ سے روایت ہو کہ مہینہ اونتیس (۲۹) دنون کا بھی ہوتا ہے تو روزے نہ رکھو یہانتک کہ اسکو (پہلی کے چاند کو) دیکھو، تو اگر بادل چھائے ہون تو گنتی تیس پوری کرلو، (بخاری الصوم)

دیکھ لیجئے کہ ابن عمر کی روایت مین تیس روزون کا ذکر ہے، یا نہین،

۳- ابو ہریرہ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب پہلی کا چاند (ہلال) دیکھو تو روزہ شروع کرو،

اور جب اسکو دیکھو تو روزہ ختم کرو، (مسلم صوم)

حساب لگائیے کہ ایک پہلی کے چاند سے دوسری پہلی کے چاند تک کے دن ہوتے ہین کبھی تیس اور کبھی انتیس،

۴- ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پہلی کا چاند دیکھکر روزہ شروع کرو، اور اسکو دیکھکر ختم کرو، اور اگر ابر آجائے تو تیس گنو، (مسلم صوم)

(۵) ایک تابعی امیر معاویہ کے زمانے مین شام گئے، وہان جمعہ کی رات کو چاند نکلا، اور آخر مہینہ مین وہ مدینہ آئے، تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اُن سے چاند کا حال پوچھا، کہ تم نے کب دیکھا، انھون نے کہا جمعہ کی رات کو، پوچھا کیا تم نے خود دیکھا، کہا ہان، مین نے بھی دیکھا اور سب لوگون نے دیکھا، اور سب نے روزہ رکھا اور معاویہ نے بھی روزہ رکھا، ابن عباسؓ نے فرمایا ہم نے تو سنیچر کی رات کو دیکھا، تو ہم تو روزے رکھتے جائین گے، یہانتک کہ تیس پورے ہوجائین، (مسلم صوم)

۶- ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ آنحضرت صلعم نے رمضان کے سوا پورے مہینہ کا روزہ کبھی نہین رکھا، (بخاری صوم)

یعنی رمضان مین پورے مہینہ کا روزہ رکھتے تھے، شہرًا کاملًا،

۷- حضرت عائشہؓ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے کسی مہینہ پورا روزہ نہین رکھا، لیکن رمضان کا پورا مہینہ روزہ مین گذارتے تھے، (بخاری، صوم)

استکمل شہر رمضان،

(۸) ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ آپ نے فرمایا پہلی کا چاند دیکھکر روزہ رکھو، اور اسی کو دیکھ کر ختم کرو، اور اگر بادل چھا جائے تو تیس پورے کرو، (ترمذی، صوم)

(۹) عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہین کہ ہم نے آنحضرت صلعم کے ساتھ تیس سے زیادہ انتیس دن کے روزے رکھے (ترمذی و ابوداؤد، صوم)

(۱۰) حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ آنحضرت صلعم شعبان کے دنون کے گننے مین بڑا اہتمام کرتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھنے مین، تو اگر مطلع غبار آلود ہوتا تو تیس دن پورے کرتے، (ابوداؤد، صوم)

۱۱- ابن عباس سے روایت ہو کہ آپ نے فرمایا کہ مہینہ سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھو، لیکن یہ کہ تمہاری عادت کے روزے کے دن ہون، اور رمضان کا روزہ نہ رکھو یہانتک کہ پہلی کا چاند دیکھ لو، اور روزہ نہ رکھو، یہانتک کہ اسکو دیکھ لو، پھر اگر (شوال کی پہلی کے چاند کے) درمیان ابر حائل ہو جائے تو تیس کی گنتی پوری کر لو، پھر روزہ نہ رکھو، اور مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے، (ابوداؤد، صوم)

۱۲- حذیفہؓ بن یمان صحابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مہینہ (رمضان) سے پہلے روزہ شروع نکرو، یہانتک کہ پہلی (رمضان) کا چاند دیکھو، یا (شعبان کی) گنتی پوری کرو، پھر روزہ رکھو اور روزہ نہ توڑو، یہانتک کہ پہلی (شوال) کا چاند دیکھو، یا (رمضان کی) گنتی پوری کرو، (نسائی، صوم)

۱۳- ربعی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب پہلی کا چاند دیکھو تو روزہ رکھو، اور جب پھر اسکو دیکھو تو روزہ ختم کرو، اور اگر ابر ہو تو شعبان کو تیس پورا کرو، لیکن یہ کہ پہلی کا چاند اس سے پہلے دیکھ لو، پھر رمضان کے تیس روزے رکھو، لیکن یہ کہ اس سے پہلے ہی تم پہلی کا چاند دیکھ لو، (نسائی۔صوم)

ابھی حدیث کی اور بہت سی کتابین باقی ہین، استقصا مقصود نہین، صرف مضمون نگار کو یہ دکھانا تھا کہ اس کا یہ کہنا کہ انتیس تیس روزون کا ذکر کتب حدیث مین اسکی نظر سے نہین گذرا، کہان تک سچ ہو؛ اور اگر سچ ہے تو درحقیقت اسکی نظر سے حدیث کی کتابین، گذرین ہی نہین،

چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش اس محقق نے ان حدیثون کے اردو ترجمہ کی کتابون مین ہلال کا ترجمہ چاند دیکھکر یہ ثابت کرنا چاہا ہو کہ رمضان کے آخری عشرہ مین چاند جب پچھلی پہر نکلے، تب اُس چاند کو دیکھکر کھانا پینا بند کر کے روزہ شروع کرنا چاہئے، مگر اس بر خود غلط فاضل کو اپنی اس مضحکہ انگیز تحقیق پر بشرطیکہ ذرا بھی عقل سلیم ہو یہ سنکر خود ہنسی آئیگی، کہ ان حدیثون مین سے کسی مین بھی چاند یعنی قمر کا لفظ نہین، بلکہ ہلال کا لفظ ہو، جسکا اطلاق پہلی کے چاند پر یا زیادہ سے زیادہ تیسری تک کے سرشام کے چاند پر ہوتا ہے، پچھلی کے چاند پر نہین، جو آخر شب مین پورا ہو کر نظر آتا ہو، اگر اس کے خلاف وہ لب کشائی کی ہمت کرتا ہو، تو حقیقت مین وہ فن لغت سے مذاق کرنے

کی کوشش کرتا ہے،

اس لیے ہمارے بازیگر محقق کا ان حدیثون مین ہلال دیکھکر روزہ رکھنے کا مطلب یہ سمجھنا کہ اکیسوین کی شب کو پچھلی کا چاند دیکھکر روزہ شروع کیا جائے، جہالت نہین، جنون ہے،

اصل مین یہ روزہ رکھنے سے مقصود ماہ صیام کے روزون کا آغاز کرنا ہے، اگر وہ یہ سمجھ سکتا تو اسکو اس مضحکہ انگیز غلطی مین مبتلا نہ ہونا پڑتا، کہ پچھلی پہر اٹھکر چاند جس وقت دیکھو، روزہ شروع کردو،

ان حدیثون کے اردو ترجمون مین بعد کا ٹکڑا یہ ہے کہ اور "چاند دیکھکر افطار کرو" یہ بیچارہ عراقی عربی کا حرف شناس افطار کے ایک ہی معنی جانتا تھا کہ "دن بھر کا روزہ توڑنا" اب اسکو یہ دقت پیش آئی کہ روزہ تو بہرحال آغاز شب مین توڑا جائیگا، مگر قمری مہینہ کے آخری عشرہ کی ابتدائی راتون مین تو کوئی چاند ہی سرے سے نظر نہین آتا تو اسکو مجبوراً یہ مشکل یون حل کرنی پڑی کہ اس حدیث مین جو اس کے علم مین صرف ابوہریرہؓ سے منقول ہے، غلطی ہوئی ہے، ان کو چاند کی جگہ ستارہ کہنا چاہئے تھا، مگر جناب والا یہ غلطی ایک ابوہریرہؓ ہی سے نہین ہوئی ہے، بلکہ کم از کم دس بارہ صحابیون سے ہوئی ہے، کیا ایسی متفقہ غلطی آج تک کسی نے سنی ہے؟ تمام صحابہؓ نے بالاتفاق ہلال کا لفظ استعمال کیا ہے، چاند (قمر) کا نہین، ستارون (نجوم) کا نہین، اب کون بیوقوف کہہ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ یہ صحابہؓ ایسے کم عقل اور یہ اہل زبان ایسے نادان تھے کہ ہلال (پہلی کے چاند) اور مطلق چاند اور ستارون مین کوئی فرق محسوس نہین کرتے تھے، اور ایسے عملی حسی مشاہدہ مین جو ہر سال انتیس تیس دن ان کے سامنے گذرتا تھا (بلکہ نوافل صیام کو ملاکر تعداد اور زیادہ بڑھ جائیگی) مگر پھر بھی اس کے بیان کرنے مین ایسی فاش غلطی کرتے تھے، کہ ستارہ کی جگہ، ان مین ہر شخص غلطی سے چاند ہی نہین بلکہ ہلال بول دیتا تھا، اور اسی پر عمل کردیتا تھا،

درحقیقت اس عراقی عربی کے حرف شناس سے جسطرح ہلال دیکھکر روزہ شروع کرنے کے معنی سمجھنے مین غلطی ہوئی ویسی ہی ہلال دیکھ کر روزہ ختم کرنے کے معنی سمجھنے مین غلطی ہوئی، اور بالآخر اسکو اس دلدل مین پھنسنا پڑا، افطار جسطرح ہر دن کے روزے توڑنے کو کہتے ہین، اسی طرح پورے ماہ صیام کے روزہ کے ختم کرنے کو بھی کہتے ہین، ایسے

روزون کے بعد کی عید کو عید الفطر کہتے ہین، یعنی روزہ ختم کرنے کی خوشی کا دن، ان حدیثون مین ہلال (پہلی کا چاند) دیکھکر روزہ ختم کرنے کا جو بیان ہے، اس سے مقصود، ماہ صیام کو ختم کرنے کے ہین،

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلی کا چاند (یعنی یکم رمضان کی شب کا چاند) دیکھکر رمضان کے روزے صبح سے شروع کرو، اور پھر دوسری پہلی (یعنی یکم شوال کی رات) کا چاند دیکھکر رمضان کے روزے ختم کرو،

اگر مضمون نگار کی عقل کے مطابق ان حدیثون کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ ہر روز کے روزہ کو ہلال دیکھکر شروع، اور ہلال دیکھ کر ختم کرو، تو قباحت یہ لازم آئیگی کہ اس محقق کو اواخر رمضان کے بجائے جیسا کہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے، صرف پہلی یا حد سے حد دوسری اور تیسری رمضان کے روزے ماننے پڑینگے، جنین ہلال (نیا چاند) نظر آسکتا ہے، مگر اس پر بھی ان دنون مین ہلال دیکھکر روزہ توڑنے کا مطلب تو بنجا سکتا ہے، مگر ہلال دیکھکر روزہ رکھنے کا مطلب تو بدرستی ہوش وحواس، قیامت تک نہین بن سکتا، الآیہ کہ کوئی ہمارے محقق کی طرح ہلال کے معنی ستارون کے سمجھے، یا اس پورے چاند کے سمجھے جو قمری مہینون کی آخری راتون مین نکلا کرتا ہے، مگر ایسا سمجھنا کیا عقل وہوش اور علم و دانش سے محرومی کا اعلان نہین ہے؟

پھر اس جہالت کا ماتم کس طرح کیا جائے، کہ ایسی بے بنیاد اور صد درجہ نادانی اور کم علمی کی باتین کہی جاتی ہین، اور ان کا نام تحقیقات بلکہ مرعوب کن لفظ "حدیث پر تجسس" رکھا جاتا ہے، اور اردو کے ایک ایسے پرچہ مین جو علم کی خدمت کا بھی مدعی ہے، شائع ہوتا ہے، اور مذہب کو عقل و دانش کے معیار پر پرکھنے والے نوجوان اس کو پڑھتے ہین، اور پسند کرتے ہین، ہم نہین جانتے کہ اس حادثہ علمی پر اس "مجنون محقق" کا ماتم کرین یا اپنے زود فریب نوجوانون کا جو ہر فضول گو کو محقق، اور ہر مشکل نویس کو فلسفی، اور ہر پریشان نگار کو انشاپرداز سمجھتے ہین، اور سر نیاز جھکا دیتے ہین،

تواتر عمل کا انکار حماقت ہے جو بات ہم کو سب سے پہلے کہنی چاہئے تھی وہ آخر مین کہتے ہین، آج اسلام کے عملیات کی تحقیق کیجا رہی ہے کہ وہ کہانتک اصول اسلام سے ثابت ہین، اور اس تحقیق مین یہ بھلا دیا جاتا ہے کہ اسلام

تخیلی نہین، بلکہ سرتاپا عملی مذہب ہے، جس دن سے نماز پنجگانہ کا حکم ہے اُس وقت سے لیکر آج تک نماز پنجگانہ اسی طرح اور انھین اوقات مین پڑھی جارہی ہے جنمین اسوقت پڑھی گئی، جب اسکا حکم پہلے دن نازل ہوا، ہذا رمضان کے روزے اسی طرح اور انھین دنون مین رکھے جاتے ہین، جسطرح اُس سال رکھے گئے جس سال یہ حکم نازل ہوا، اُسوقت سے لیکر آج تک تیرہ صدیان اس حکم پر اس طرح گذرین، کہ آنحضرت صلعم کے باقی عہد حیات سے لیکر خلفاے راشدینؓ کے زمانۂ خلافت تک، اور پھر تابعین و تبع تابعین سے لیکر اس ۱۳۵۰ھ کے رمضان تک ہر ملک، ہر شہر، ہر قریہ کے مسلمانون نے، اور مسلمانون کے ہر فرقہ نے بلا اختلاف رمضان کے پورے ماہ کے روزون کی فرضیت کو سمجھا اور عمل کیا، اب آج کسی گوشہ سے ایک گمنام اٹھتا ہے، اور "بڑی تحقیق" کے بعد کہتا ہے، کہ رسول اللہ صلعم بھی غلطی مین مبتلا رہے، خلفاءؓ بھی غلط سمجھے، عام صحابہؓ بھی حقیقت سے ناواقف رہے، ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہاء، علماء بھی سارے کے سارے دھوکے مین رہے، اور تمام مسلمان بھی اب تک اس نادانی مین مبتلا رہے، اور ہین، اور تیرہ سو صدیان اسی نادانی اور جہالت مین گذر گئین، اور اب اس حکم کی اصل حقیقت عراق کے جنگی سفر مین، ایک نومسلم عیسائی پادری کی بامعنی ملاقاتون مین مجھپر منکشف ہوئی، تو ایسے گمراہ کو صرف گمراہ کہنے پر قناعت کرنا لغت کی بےبسی کا اظہار ہے،

سیرۃ نبوی کی تدلیس مضمون نگار نے ہماری سیرۃ نبوی جلد دوم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے بھی لکھا ہے کہ "اصل مین تین ہی روزے فرض تھے" مگر مدعی کے فریب کا حال سیرت کی اصل عبارت سے معلوم ہوسکتا ہے،

"اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے، اوّل اوّل روزہ ان پر شاق ہوا، اسلئے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کیگئی، اوّل اوّل آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے تو سال مین تین روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی، تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے، اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے، رفتہ رفتہ

جب لوگ روزے کی خوگر ہو چلے تو یہ آیت اتری

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ — جو رمضان کا مہینہ پائے وہ ضرور اسکو روزہ رکھے،

(بقرہ)

اب بالتعیین روزہ فرض ہوگیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی،

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ سال مین تین روزون کے رکھنے کا حکم رمضان کے روزون سے قبل کا بیان ہے، رمضان کے روزون سے اس تعداد کا کوئی تعلق نہین،

ع = جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے،

دائرۃ المعارف النظامیہ

اور

کتب قدیمہ کی اشاعت

از

جناب مولانا محمد سورتی صاحب، قرول باغ دہلی

بعض پچھلے پرچون مین دائرۃ المعارف کی آئندہ قابلِ اشاعت کتابون کی فہرست شایع کی گئی تھی اور اہلِ نظر اصحاب سے اُس پر نقد و تبصرہ اور اضافہ معلومات کی درخواست کی گئی تھی، مولانا نے اس تقریب سے یہ ذیل کا مضمون لکھا ہے، گو مولانا کا لہجہ کہین کہین نقد کے حدود سے آگے بڑھ گیا ہے، تاہم صرف اس لئے کہ اس مین بہت سی مفید باتین اور مفید اصلاحین ہین ہم ان کو شائع کرتے ہین،

کام کی جو اصلی دقتین ہوتی ہین وہ اس قدر ناقابلِ بیان ہوتی ہین کہ گو نظری حیثیت سے وہ چندان قابلِ اعتنا نہین معلوم ہوتین لیکن جب کام کرنے بیٹھئے تو ان کی عملی دقتین ہر قدم پر محسوس ہوتی ہین، دائرۃ المعارف اس کس مپرسی اور ناقدروانی کے عالم مین جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ علم و فن کے ہر قدر شناس کی نگاہِ تحسین کا مستحق ہے، اور مولانا بھی اسکی کوششون کی اسی قدر عزت کرتے ہین، مگر چاہتے ہین کہ یہ کام اعلیٰ سے اعلیٰ سطحِ نظر کے مطابق ہو تاکہ عربی علوم کو حقیقی شہرت، ہندوستان کو اصلی عزت اور علماء کو پوری مدح و تعریف کا استحقاق حاصل ہو،

امید ہے کہ ناظرین اس مضمون کو اسی نظر سے پڑھین گے اہلِ دائرہ کی طرف سے اگر کوئی جواب موصول ہوگا، تو وہ بھی خوشی کے ساتھ جگہ پائیگا،

"معارف"

عرصہ ہوا مین نے رسالہ الجامعہ بابت جنوری ۲۶ء مین ایک مضمون دائرۃ المعارف کے چہل سالہ علمی ہوعملی کارنامہ پر لکھا تھا، اس مین تمام علمی رسائل و اسلامی اخبارات سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ بے لاگ صحیح تنقید اختیار کرین جس سے قوم کی علمی وذہنی ترقی کے راستے واضح ہو سکین، اور جو کچھ ہمارے نقائص و اغلاط ہین سامنے آجائین، تاکہ صراط مستقیم پر چلنے والے علی البصیرۃ اسے اختیار کر سکین،

تنقید وہ بہترین اصول ہے کہ اگر اسے صحیح طور پر انجام دیا جائے تو ہمارے تمام کام اصلاح پذیر ہو سکتے ہین، اسی کی بدولت ہم ایک دوسرے کے واسطے آئینہ کا کام دے سکتے ہین،

مسلمان اپنے تمام کامون کو عام طور پر مدارات و مداہنت یا آپس کے نزاع و شقاق، تحاسد و نفاق کی وجہ سے برباد کر چکے اور کر رہے ہین، وقت نہایت قیمتی اور ضرورت حد سے زیادہ ہے، مگر افسوس کہ آج نہ ہم اپنے علمی ادارون کی صحیح اصلاح کرنے کے واسطے تیار ہین نہ دوسرے حیات بخش شعبون کی طرف کوئی غائر نظر ڈال سکتے ہین، اولاً ہم مین احساس ہی مفقود و معدوم ہے، پھر احساس کے ساتھ قوت ارادی و عملی کا وجود نہایت مستبعد،

ہمارے مدارس قدیمہ و جدیدہ آپس کے تحکمانہ نزاع مین غرق اور تحاسد و تنافس مین تباہ و برباد ہو رہے ہین، اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے، اس کا امکان کہا؟

متی یبلغ البنیان یوماً تمامہ اذا کنت تبنیہ و غیرک یہدم

یخربون بیوتھم بایدیھم و ایدی المومنین فاعتبروا یا اولی الابصار!

آج ہمارے مدارس علم و اخلاق، صحیح تعلیم و تربیت، دین و فضل، حیات قومی و ملی سے خالی نظر آتے ہین، نہ وہان اسلامی شان و شوکت پائی جاتی ہے نہ اسلامی ہیئت و صورت، نہ ظاہر نہ باطن، بلکہ ہم اصلاح کے نام سے اسلام شکن، اعدائے دین پیدا کرتے ہین، یا ایسے نام کے مسلمان جو اسلام کی جڑ بنیاد اکھیڑنے والے وہان سے نکلتے ہین، الد الخصام ثابت ہوتے ہین، یہ اسلام کے واسطے وہ کچھ کر گذرتے ہین جو اعدائے دین

کسی طرح نہین کر سکتے!!!

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم ، کہ بامن انچہ کرد آن آشنا کرد،

یہ ایک طویل و عریض داستان ہے جس کے واسطے جو کچھ کیا جائے کم ہوگا، مگر اس وقت مجھے ایک اسلامی ادارہ کے متعلق کچھ کہنا ہے، لہذا اپنے اصل مضمون پر عود کرتا ہون،

دائرۃ المعارف سرکار نظام خلد اللہ ملکہ و عظمتہ کی سلطنت مین ایک اعلی علمی و اسلامی خدمت کا ایک ایسا مرکز ہے جس کی نظیر آج اسلامی دنیا کی دوسری کسی سلطنت مین نہین پائی جاتی، اس نے علوم اسلامیہ کی تجدید و احیاء مین معتد بہ حصہ لیا اور لے رہا ہے، اس کی بدولت ہمین علماے اسلام کے بہت سے علمی تحقیقات کے انمول موتی دستیاب ہوئے، متعدد علمی تحقیقات بالخصوص حدیث و رجال و تاریخ اسلام مین عمدہ مدد ملی، البتہ اس کی اشاعت کا دائرہ جیسا چاہئے وسیع نہین کیا گیا، نہ اسے ایک عظیم الشان تجارت خانہ کی صورت مین منتقل کیا گیا جو اس کے استحکام و ترقی کا باعث ہوتا، کم ازکم اس کی توفیر اشاعت و تجارت سے "کتبخانۂ آصفیہ" کی اتنی اعلی پیمانہ پر مالی مدد کیجاتی کہ وہ دنیا مین علوم اسلامیہ کا بہترین اور درجۂ اول کا خزانہ بنجاتا، ہندوستان و دیگر ممالک مین جسقدر اعلی اور نادر کتابین ملتین، ہر ممکن صورت سے فراہم کیجاتین خواہ قیمت سے خریدی جاتین یا نقل و عکس سے حاصل کیجاتین، اس طرح اسلام کے علمی سرمایہ کا جو کچھ حصہ بچا ہوا ہے تلف ہونے سے محفوظ کر لیا جاتا، یہ اسلامی دنیا مین ایک عظیم الشان خدمت شمار ہوتی، نیز تبادلہ مین دنیا کی اعلی مطبوعات کا ذخیرہ بھی جمع ہوجاتا،

غالبًا جامعہ کے بعد معارف نے ایک مضمون اسکی بابت لکھا تھا جسمین اصلاحی امور کی طرف اس کے ارکین کو متوجہ کیا گیا تھا، مگر اس نے بجائے اصلاح مباحثانہ و مجادلانہ صورت اختیار کرلی اور وہ سلسلہ ختم ہوگیا،

اب تک ہماری یہ حالت ہے کہ صحیح تنقید کے صبر و سکون سے متحمل نہین ہوسکتے، اگر زیادہ اس

قبول کیا تو وہ کام ہی سرے سے ترک کرنے پر مائل ہو گئے، ورنہ فضول بحث و مجادلہ کی شکل اختیار کی جو کسی طرح نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، نہ اس سے کوئی مفید علمی اثر پیدا ہو سکتا ہے،

آئیے ہم ایک نظر دائرہ کے مطبوعات پر بھی ڈال لین، تاکہ گذشتہ سے آیندہ کے لئے کچھ ذخیرۂ علمی حاصل ہو سکے، اور ماضی سے استقبال کو درست کر سکین، اولاً جسقدر کتابین اس نے شایع کی ہین، ان کو تین درجہ مین تقسیم کر لیجئے، اعلیٰ، متوسط، اور ادنیٰ، پھر بغور دیکھئے کہ ان مین ادنیٰ کس قدر ہین اور اعلیٰ کتنی؟ نیز انکی اشاعت کس طرح ہوئی، تو تصحیح و تحشیہ و طباعت وغیرہ مین کیا حیثیت قائم کی گئی، اور کس درجہ کامیابی ہوئی،

قانون کے روسے دائرۃ المعارف کو صرف اعلیٰ درجہ کی کتابین اپنے سامنے رکھنی چاہیے تھین کیونکہ اس نے اپنا مقصد آٹھوین صدی ہجری تک کی ایسی نادر کتابون کی اشاعت مقرر کیا تھا جو فنی حیثیت سے کوئی خاص اہمیت رکھتی ہون"

ابتداءً اس نے نہایت اعلیٰ و عمدہ کتابین انتخاب کین، پھر رفتہ رفتہ نہایت معمولی اور ادنیٰ درجہ کی کتابون پر اعتماد کرنا شروع کیا، اور انھین کو راس المال بنالیا، چنانچہ پچھلے اصول موضوعہ کی بنا پر ہم ان کتابون پر جو ذیل مین لکھی جاتی ہین جب غور کرتے ہین تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس قانون کا خیال نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر ترک کر دیا گیا،

۱- الکہف والرقیم، ۲- اعجاز القرآن قونوی، ۳- جامع المسانید، ۴- کنز العمال جس کے مؤلف نے ۹۷۵ھ مین وفات پائی، اور اس کا ملخص مسند احمد کے حاشیہ پر شائع ہو چکا تھا، ۵- المعتصر من مشکل الآثار، ۶- احادیث قدسیہ، ۷- قرۃ العین، ۸- رسائل خمسہ اسانید، ۹- الخصائص الکبری للسیوطی، ۱۰- مناقب الامام اعظمؒ، ۱۱- الروضۃ البہیہ ۱۲- السمط المجید، ۱۳- شفاء السقام، ۱۴- کتاب الروح، ۱۵- الرسائل التسعہ للسیوطی، ۱۶- فتح المتعال، ۱۷- الاقتراح، ۱۸- مصدق الفضل، ۱۹- النفائس الارتضیہ، ۲۰- المنحۃ السرالا، ۲۱- مفتاح السعادۃ جس کے مؤلف

نے سنہ ۹۶۲ھ مین وفات پائی،

۲۲۔ دستور العلماء، ۲۳۔ التحفۃ النظامیہ، ۲۴۔ الفقہ الاکبر، خدا جانے اس کے مکرر شائع کرنے مین کیا علمی مصلحت دیکھی گئی،

یہ اور اسی قسم کا بڑا حصہ شائع کیا گیا، جو مطبوعات مین اغلبیت واکثریت کا حکم رکھتا ہے، ایسی معمولی کتابین نہ تجارت کے نقطۂ نظر سے کامیاب، نہ اصول موضوعہ کی حیثیت سے کچھ زیادہ مفید ثابت ہونگی، پھر جو ادارہ محض علمی خدمت کے لئے قائم ہوا ہو، اس کی شان سے بہت بالاتر ہے، کہ وہ اپنا نصب العین چھوڑ کر ایسی معمولی چیزون پر اتر آئے، اگر کسی وجہ سے اعلیٰ سے تنزل کی ضرورت ہی محسوس ہوئی تو متوسط درجہ پر قناعت ازبس ضروری تھی، غرض اس طرح بجائے دوسری تیسری چوتھی صدی کی تالیفات کی پانچوین چھٹی حد آٹھوین صدی کے مخصوص مولفین کی اعلیٰ علمی کتابین انتخاب کرکے شایع کیجاتین، کیونکہ دنیا کی تمام رطب ویابس کتابون کی حفاظت نہ کوئی ضروری چیز ہے، نہ علمی نقطۂ نظر سے کسی طرح مفید ہوسکتی ہے اور نہ دائرہ کے اصول کے تحت کسی طرح اسے لاسکتے ہین،

حسن انتخاب کے بعد امور ذیل کا خاص ملاحظہ ہونا چاہئے تھا تاکہ علمی ادارہ کی شان کے مطابق کام انجام پاتا،

۱۔ تصحیح ومقابلہ: دائرہ کے لئے اس سے کوئی مفر نہین کہ اس کا مطبوعہ نسخہ تصحیح ومقابلہ کے اعتبار سے خاص اعلیٰ درجہ پر ہوتا، کیونکہ اس کے بغیر کوئی کتاب علمی نقطۂ نظر سے کسی طرح قابل اعتماد نہین ہوسکتی، متعدد نسخون سے بغایت حزم واحتیاط مقابلہ کیاجاتا اور اس طرح ایک اعلیٰ نسخہ تیار کرکے اسے اصل ٹھہراتے، اس کے ساتھ اختلاف نسخ، فہرست اغلاط وغیرہ کا بھی خاص اہتمام ہوتا،

افسوس، ابتک دائرہ نے اس قسم کا کوئی کام انجام نہین دیا، جسے ہم بلاتوقف اعلیٰ درجہ کا شمار کرسکین[1]، بلکہ اسکے

---

[1] معارف:۔ مگر شکر ہے کہ پہلے سے زیادہ اب اسکا خیال رکھا جاتا ہے،

برعکس اکثر کتابین باوجود اعلیٰ و صحیح نسخون کے ہوتے ہوئے ایسی غلط، ناقص اور محرّف طبع کین کہ جنکی بدولت اسے بدنام ہونا پڑا، اور یورپ سے بھی اس کی غلط پروری کی داد دیگئی، اس جگہ بطور نمونہ چند کتب کا حوالہ مناسب ہوگا،

الف، مسند ابی داؤد الطیالسی، یہ اعلیٰ درجہ کی کتابون مین شمار ہوتی ہے، اس کے عمدہ صحیح نسخے ہندوستان مین تھے جن سے یہ شائع ہوئی مگر افسوس یہ نہایت غلط حذف و اسقاط کے بعد ایسی شایع ہوئی کہ اگر یہ نہ شایع ہوتی تو بہتر تھا، یا اس کے لئے از سرِ نو دوبارہ اشاعت کی تکلیف گوارا کیجاتی، کیونکہ خوش قسمتی سے اس کے آخر مین خلافِ قاعدہ ایک ضمیمہ غلط نامہ کا شایع کر دیا گیا ہے، جس سے راز سربستہ آشکارا ہوگیا یعنی کتاب کا ثلث یا ربع حصہ قابلِ نقل اور لائقِ حک و ضرب ہے، آج کون ایسا شوقین علم دوست ہے کہ اس عظیم ترمصیبت کو قبول کریگا،

ب، دلائل النبوۃ ابو نعیم اصبہانی کی اعلیٰ تصنیف ہے، مگر نہ معلوم کیسا غلط محرّف و مصحّف اور ناقص نسخہ تھا جس سے یہ شایع ہوئی، اس مین صفحے کے صفحے غائب، اور روایات کا تو کچھ ذکر ہی نہ کیجئے، پھر اس پر طرّہ یہ کہ جہان اصل نسخہ مین بیاض تھی، اراکین مطبع نے اپنی طرف سے اسے باقی رکھنا پسند نہ کرکے صاف کر دیا، گویا یہ نسخہ معجون مرکب ہوگیا، یا تو اسے شائع ہی نہ کیا جاتا جیسا کہ غلطی سے تاریخ یافعی جیسی معمولی کتاب کو بلا تصحیح بے حد بیاض کے ساتھ خواہ مخواہ شائع کر دیا، حالانکہ ہندوستان مین اس کے متعدد نسخے موجود ہونگے، یا اسکی تصحیح و تہذیب کی پوری سعی کیجاتی،

ج، جمہرۃ اللغۃ، ابن درید، بلا شبہہ یہ ابتک پہلی اور آخری کتاب تھی جس کا صحیح ترین نسخہ دائرہ کو حاصل ہوا، اس کی تصحیح مین خاص اہتمام کیا گیا تھا، مین نے بھی اس کی تصحیح و تحشیہ کی خدمت انجام دی تھی، اور پوری کتاب کی فہرست (انڈکس) لغات، اشعار، وغیرہ ایک مجلد مین تیار کرکے دی تھی، اسی کے ذیل مین جناب نواب عماد الملک بہادر مرحوم کی سعی بلیغ سے دائرہ کو ایک لاکھ روپیہ تصحیح و تہذیب کے نام سے سرکار عالی نے عطا فرمایا تھا، باوجود ان تمام امور کے تعجب کی انتہا نہ رہیگی جب کہ یہ معلوم ہوگا کہ

ساری محنت دفتر طباعت مین ضائع و بیکار ہوگئی، اس طرح موجودہ نسخہ غلط اور بے قاعدہ طبع ہوگیا، لغت کی کتاب مین غلطی بہت ہی خطرناک ہے، نیز اس کی طباعت مین تقطیع وغیرہ کا بھی کوئی خاص لحاظ نہین کیا گیا،

جزاول کی طباعت پر مین نے دفتر کو لکھا تھا۔[1]

. . . .

۲۔ تقطیع و کاغذ کا خاص خیال رکھنا | آج دنیا کا مذاق بدل چکا، پرانی طویل و عریض تقطیع جو بمشکل آج کل کے لوگ اٹھا سکین، اب بہت ناپسند کیجاتی ہے، موزون تقطیع، عمدہ کاغذ کی قدر ہے، مگر نہ معلوم دائرۃ المعارف نے اپنی پرانی عادت قائم رکھنے مین کیا مصلحت خیال کی ہے، آیا قدیم کتابون کے واسطے قدیم طرز عمل بھی درکار ہے، اگر ایسا ہے تو قلمی کتابون کے مطابق طباعت مین وہی اصل کی تقطیع تجویز کیجائے، تاکہ نقل مطابق اصل ہو سکے،

۳۔ حروف و طریقۂ طباعت کی اصلاح | یہ بھی ایک اہم بات ہے، مصر وغیرہ مین طباعت جس درجہ پہنچ چکی ہے دائرہ کو اس کی طرف خاص توجہ مبذول کر کے تمام حروف و طریقۂ طباعت بدل دینا چاہئے،

۴۔ فہرست اور کیٹلاگ کا الحاق، | ہر کتاب کے ساتھ ضروری فہرست نئے طریق پر لازمی چیز ہے، اس کی بدولت مطالعہ کرنے والے کا بہت سا وقت بچ سکتا ہے، اور بعض اہم باتین مختصر وقت مین حاصل ہو جاتی ہین، اس کی قدر وہی شخص جانتا ہے، جسے کسی مضمون کی تلاش مین وقت صرف کرنا پڑا ہو، تذکرۃ الحفاظ کا جدید نسخہ ایسا چھپا ہے جسمین فہرست کا اضافہ ہوا، مگر نہایت مہمل اور ناقص، اور مکرر ہے، جس سے ہرگز کوئی فائدہ کسی قسم کا نہین پہنچ سکتا، مکمل فہرست ہر ہر نام کی ایسی درکار تھی جس سے کتاب کی کوئی بات نہ رہجاتی، جسپر عمل نہین کیا گیا، سنن بیہقی کی جدید اشاعت ہو رہی ہے اس مین بھی فہرست کا طرز نہایت غلط اختیار کیا گیا ہے، میری ناقص رائے مین جب تک کتاب مکمل نہ ہو تب تک یہ فہرست تطویل بے معنی سے زیادہ وقعت نہین رکھتی، کتاب کے مکمل ہونے پر متفرق قسم کی مکمل فہرستین جدید طریقہ کے مطابق مرتب کر کے لگائی جائین، اور غلط نامہ کا بھی اضافہ کیا جائے، کیونکہ اغلاط مین بھی کمی نہین معلوم ہوتی،

---

[1] معاف، اسکے بعد صاحب مضمون نے اپنا ایک رنج کا واقعہ لکھا تھا جس کی اشاعت کی ضرورت نہ تھی،

۵ حواشی | حواشی وغیرہ کا کوئی خاص اہتمام نہین، نہ اس کا کچھ خیال کیا جاتا ہے، کہ مؤلف نے اس تالیف مین کن کتابون سے زیادہ مدد لی ہے، اور تالیف کے وقت کون سی کتابین اس کے پیشِ نظر ہون گی، اس لحاظ سے انھین سامنے رکھنا تصحیح و مقابلہ مین کس قدر مدد پہنچا سکتا ہے، میرے خیال مین اگر یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجائے تو بہت سی اغلاط اور اکثر بیاض پورے اور درست ہو جائین گے، تعجب یہ ہے کہ معمولی ایک یا دو نسخہ سے کتاب کیون شائع کیجائے، جب تک متعدد اعلیٰ و کامل نسخے نہ ملین، اور اگر دو چار نسخے ایسے حاصل ہون جو ایک کی نقل ہین تو انھین چار نسخے کہنا ہی فضول ہوگا، یہ ایک ہی کہلائین گے، جب تک کہ دونون کی اصل مختلف نہ ہو، اس لحاظ سے سنن بیہقی کے نسخون کو دیکھنا چاہئے، ہندوستان مین متعدد نسخے ہین، مگر میرے علم مین سب کی اصل ایک معلوم ہوتی ہے، البتہ ایک قدیم نسخہ پشاور کے اسلامیہ کالج مین ہے، مگر اس کی تین جلدین کم ہین، بہرحال جس قدر بھی موجود ہین اعلیٰ و قدیم ہین، اس لئے اس سے تصحیح کی فکر کیجائے، اور اگر دائرۃ المعارف اسلامیہ کالج مین اپنی مطبوعات کا ذخیرہ بھیجکر اسے تصحیح کے واسطے طلب کرے تو بہت ممکن ہے کہ وہ مل جائے،

۶- کتاب کے اصلی نسخون اور انکی موجودہ حالت کا خاص طور پر پتہ، نیز ہر نسخہ کی کیفیت پوری طرح تحریر کیجائے اور جہان تک ممکن ہو اعلیٰ اور صحیح نسخہ کو بمنزلہ اصل قرار دیا جائے،

۷- تمام بڑے بڑے علمی ادارون مین انکی کتابین مفت جایا کرین[۱]، نیز جو لوگ مجلس کے اعزازی رکن بنائے جائین انھین بھی بطور ہدیہ بھیجی جائین، تاکہ علمی تعلقات قائم ہون اور قلمی نسخے بوقت ضرورت ان کے ذریعہ سے حاصل ہو سکین،

۸- دوبارہ کسی کتاب کو اسی وقت شائع کیا جائے کہ اس کی پوری اصلاح و تہذیب ہو چکی ہو، سابق کے جسقدر اغلاط و نقص ہون سب پورے کر دیئے گئے ہون، تاکہ ہر طور پر یہ نسخہ پہلے نسخون سے بہتر و اعلیٰ ثابت ہو سکے، مثلاً دائرہ نے استیعاب ابن عبد البر کا نسخہ پہلے غلط شایع کیا تھا، پھر جب دوبارہ شایع کیا تو مصر مین اس کا نسخہ اصابہ کے حاشیہ پر شایع ہو چکا تھا، مین نہین کہہ سکتا کہ بجز پہلے نسخہ کی نقل کے دفتر نے کوئی خاص اہتمام

[۱] معارف:- جہان تک ہم کو علم ہے، اس پر عمل کیا جاتا ہے،

کیا ہو، البتہ مجھے جب اس کی اطلاع ملی تو مین نے لکھا تھا "استیعاب دوبارہ شایع ہو تو اس کی معقول تصحیح کیجائے ٹونک کے کتبخانہ مین اس کا عمدہ نسخہ موجود ہے، جس پر نہایت اعلیٰ حواشی و تصحیحات ائمہ فن ہین، اسے خاص طور پر حاصل کر کے شایع کرنا چاہئے، تاکہ نسخہ کی تکمیل ہو جائے" مگر اس طرف کوئی توجہ نہ کی گئی،

۹- دائرۃ المعارف کا صرف یہ فرض نہ ہو کہ وہ نوادر یا غیر مطبوعہ کتب کو شائع کرے، بلکہ اس سے بلند تر اسکا مطمح نظر ہونا چاہئے، یعنی علوم و فنون اسلامیہ کی تکمیل، اور ان کی اشاعت مین مطبوعہ و غیر مطبوعہ اعلیٰ کتابون کو خاص اہتمام سے شائع کرنا،[۱]

پس اس صورت مین وہ علمی کتابین جو کسی جگہ غلط طبع ہو چکی ہین، یا ایسی طبع ہوئی ہین جن سے پورا فائدہ نہین پہنچ سکتا، دوبارہ شائع کرنا، اسی طرح درسی اعلیٰ کتابون کو خاص اہتمام سے تجارتی نقطۂ نظر سے نیز بعض علمی کتابون کو جو کسی زمانہ مین شائع ہو کر اب ختم ہو گئین، از سر نو شایع کرنا یہ سب نہایت ضروری اور اہم کام ہین،

مثال کے طور پر الانساب للسمعانی کا نسخہ لیجئے، جسے عرصہ ہوا گیپ میموریل فنڈ نے عکس سے شائع کیا تھا، اس سے پورا فائدہ محال ہے، ایک تو اس لئے کہ کچھ فہرست وغیرہ نہین، دوسرے صرف ایک غلط نسخہ کی نقل لی گئی، ہی جس کے خطوط مختلف ہین، بہت سا حصہ بگڑا ہوا یا مٹا ہوا ہے، کچھ کام ضرور چل جاتا ہے گویا نہ ہونے سے اس کا ہونا بساغنیمت، مگر نہ مصر نے ابتک اس طرف توجہ کی نہ دائرۃ المعارف نے کہ اس کا عمدہ نسخہ چار پانچ قلمی نسخون سے مقابلہ کے بعد تیار کر کے از سر نو زندہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ایسی مکمل فہرست مرتب کر کے لگائی جائے، یہ اہم ترین علمی و تاریخی خدمت ہو گی،

دوسری کتاب اس وقت میرے سامنے نصب الرایہ تخریج احادیث الہدایہ زیلعی ہے، اس کا نسخہ عرصہ ہوا نہایت محرف و مصحف بلا تصحیح چھپا تھا، اس زمانہ مین بہت سی کتابین جنکا حوالہ اس مین ہے، ناپید تھین، اب بفضلہ تعالیٰ اکثر مل گئی ہین، اور بہت سی شایع بھی ہو چکی ہین، لہذا اس کتاب کو از سر نو زندہ کرنا اس کی صحت

---

[۱] معارف:- یہ بات اس کے اساسی مقصد سے خارج ہے،

کا پورا اہتمام، تحشیہ و فہرست کا پورا پورا انتظام نہایت اعلیٰ علمی کارنامہ ہوگا جس کے تمام اہل علم آج شائق و منتظر ہین، کاش دائرہ اسے فوری انتخاب مین شامل کرکے اس کی تصحیح و اشاعت کا انتظام کرے، میرے پاس اسکا قلمی نسخہ جس سے یہ پہلی شائع ہوئی تھی، موجود ہے، اور مین اسے طبع کے لئے پیش کرسکتا ہون، دوسری مناسب تجویزین اس ذیل مین لکھکر دے سکتا ہون، تحشیہ مین خاص اہتمام کی ضرورت ہے، اولاً کتاب کی ہر روایت کا مقابلہ جہان سے نقل ہوئی کیا جائے، اور اس کا حوالہ بقید صفحات و جلد و طباعت وغیرہ دیا جائے اختلاف الفاظ بھی بتائے جائین، اگر اصل کتاب نہ مل سکے اور دوسری کسی کتاب مین یہ حدیث منقول ہو تو اس سے مقابلہ کیا جائے اور حوالہ دیا جائے، ثانیاً مشکل مقامات و لغات کا ضروری حل کردیا جائے، ثالثاً اگر کتاب کی کوئی بات قابل ذکر ترک کی گئی ہو اسے لکھدیا جائے غرض اسطرح یہ کتاب صحیح و مہذب کیجائے کہ اصل و تحشیہ دونون اعلیٰ درجہ کی معتمد علیہ کتاب بنجائین، جنکی اشد ضرورت ہے،

۱۰- کتابون کی اشاعت کی غرض سے ضرورت ہے، کتابون کی قیمتین نہایت مختصر ہون، افسوس کہ دائرۃ المعارف نے اب یورپ کی تقلید اختیار کرکے اپنی مطبوعات کو یورپ کی قیمت سے ملادیا یا بڑھادیا ہے، مثلاً آج ایک عربی کا طالب العلم یا مولوی المستدرک للحاکم کو چالیس[۴۰] روپیہ مین سنن بیہقی کو ستر[۷۰] روپیہ مین جمہرہ ابن درید کو پینتیس[۳۵] روپیہ مین، مباحث مشرقیہ امام رازی کو پچیس[۲۵] روپیہ مین کیونکر خرید سکتا ہے؟ یقیناً سیکڑون طلبہ و علما مین سے دوچار شوقین ہر قسم کی دقت اٹھاکر اسے خریدین گے، لیکن عام اشاعت کیونکر ہوگی، ہر ایک شوقین غریب طالب العلم اسے کیونکر لینے کی جرأت کرسکے گا، ضرورت تھی کہ اسکی کتابون کو نہایت قلیل منافع پر فروخت کیا جاتا، اور حتی الامکان ہر ایک جگہ بکفایت دستیاب ہوتین، تمام بڑے بڑے شہرون مین اسکی ایجنسیان قائم کیجاتین، خود مجھسے بہت سے اہل علم شوقین شکایت کرتے رہتے ہین کہ مستدرک بیہقی وغیرہ کے نسخے اسلامی دنیا کے واسطے نہین شائع ہوئے بلکہ یورپ کیلئے تیار کئے گئے ہین، کیونکہ اس قیمت پر ایک مختصر قلیل آمدنی والے کا انہین حاصل کرنا بہت مشکل ہے، مستدرک کا نسخہ جسکی چار جلدین ہین دس بارہ روپیہ تک فروخت ہوتا، سنن بیہقی پچیس یا تیس مین اسطرح کہ جو پہلے سے خریدار بنجائے اس سے خاص رعایت کیجاتی، مباحث مشرقیہ پانچ روپیہ اور جمہرہ آٹھ نو روپیہ تک،

تصحیح اس جگہ مصححین کے فرائض پر چند سطور ضروری معلوم ہوتی ہین، ان پر خاص توجہ درکار ہے، یہ مسلّم او یقینی امر ہے کہ ہر شخص جو عربی سے چندان واقف ہو یا کسی مدرسہ سے رسمی طور پر فارغ التحصیل بنا دیا جائے، تصحیح کی اہلیت نہین رکھتا جب تک کہ وہ علوم و فنون مین مہارت کے ساتھ تاریخ، رجال اور ادبیاتِ عرب سے خاص تعلق نہ رکھتا ہو، اس کا علمی ذوق ایسا ہو کہ کتب علمی پر وسیع نظر رکھے، علمائے فن کے محاورات اور مخصوص طرز بیان سے بخوبی واقف ہو، پھر بھی ایسا شخص تمام فنون کی تصحیح کا ذمہ نہین لے سکتا، نہ اسکی اہلیت کا دعویٰ کر سکتا ہے، عام طور پر ایسے مصحح رکھے جاتے ہین جو لکیر کے فقیر اور جن کی غایت علمی یہ ہوگی کہ وہ نقل کو اصل کے مطابق کر لین خواہ کوئی حرف بھی نہ سمجھتے ہون، نہ انھین اس فن سے قریب یا بعید کا کوئی تعلق ہو، ایسی صورت مین کتاب کی تصحیح کیونکر ممکن ہے، اور اگر کسی جگہ دو یا چند مختلف نسخے ہوئے تو وہ کس طور پر ان مین ترجیح دے سکتے ہین، اس قسم کی تصحیح نے آج اسلامی علوم کی کتابون کو پوری طرح خراب و برباد کر دیا، اب کوئی کتاب بہ مشکل قابلِ اطمینان نظر آئیگی،

اصلاح کی ایک اہم تجویز یہ بھی ہے کہ دائرۃ المعارف اپنا دوسالہ یا پنجسالہ ایک جلسہ کیا کرے جسمین ہندوستان کے مخصوص اہلِ علم حضرات کو دعوت دے انھین اپنی مجلس کا ممبر بنائے، ان کے پاس اپنی روئداد اور رائے بذریعہ بھیجے، غرض اس طرح ان سب سے علمی خدمت مین مدد حاصل کرے، مختصر مدت کا لائحہ عمل تیار کیا جائے جسمین سب اہل الرائے شامل ہو کر آزادی سے رائے دین، اور جس قدر کتابین منتخب ہون انکے متعدد نسخے اس مجلس مین پیش کئے جائین، نیز متفرق ذی علم حضرات سے تصحیح کی خدمت حسب لیاقت لیجائے، اس سے ملک و قوم مین بیداری اور علمی کمال کا ولولہ بھی پیدا ہوگا، اور بہت سی اہم مفید تجاویز سامنے آجائینگی، اس طرح بہت سے کام اعلیٰ طریقہ پر انجام پا سکین گے، کیونکہ اہلِ علم کے پاس پہنچ جائینگے، نیز منافست کی وجہ سے بھی عمدگی پیدا ہونے کی قوی امید ہے، (باقی)

ضعفا رف:۔ مگر مولانا عہد قحط الرجال بھی نگاہ مین رہے،

ملا سعد عظیم آبادیؒ کے کچھ مزید حالات

از

جناب شمس الہدیٰ صاحب پٹنہ

"جناب مخدوم محترم صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے معارف ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء مین ملا سعد عظیم آبادی کا ناظرین سے تعارف کرایا تھا، پھر ہم نے ماہ مئی ۱۹۳۱ء مین ملا صاحب کے کچھ مزید حالات پیش کئے، اور نیز پٹنہ کے اہل علم دوستون سے توقع کی تھی، کہ کتبخانہ بانکی پور کے قلمی تذکرون مین ملا صاحب کے مزید حالات تلاش کرین گے، مسرت ہے کہ ہماری فرمایش پر ہمارے لایق دوست جناب سید شمس الہدیٰ صاحب نے وہان کے تمام قلمی تذکرون کو کھنگالا اور مختلف کتابون مین انکے جو حالات دستیاب ہوئے انکا متن نقل کرکے ارسال کیا، نیز انھون نے ملا صاحب کی چند دیگر تالیفات کا پتہ بھی لگایا ہے، موصوف کی وہ تحریر ذیل مین درج کیجاتی ہے، جو ملا صاحب کے حالات مین ایک عمدہ تکملہ ہے، "ریاست"

نشترِ عشق، حسین قلی خان عظیم آبادی (قلمی)

"محمد سعید سعید از فاضلانِ عظیم آباد بود بہ اکثر علوم عربی تحقیقات تمام داشت، بر کافیہ و شافیہ و تہذیب شروح نگاشتہ کہ اکثر فضلا آن را پسند کردند، و در عروض و قوافی نیز رسائل تالیف ساختہ چنانچہ ہمگی تعداد تالیفات او بہ پنجاہ و پنج نسخہ میر سد بر صدق کلام این بیت او گواہ است ؎

کنون تالیف من پنجاہ و پنج است   کہ حاصل گشتہ از بسیار رنج است

گویند کہ اکثر غالب تخلص کرد، و دو دیوان فارسی داشت، یکے بتخلص غالب، دومی بتسعید بعاقل خان رازی امرائے عصر عالمگیری بسیار مخلوط و مربوط بود از سعید کلامی آن غالب سعید الخیال است ؎

آنچنان شدہ شہرہ بخوش روئی و نازک بدنی لبِ میگونِ تو ہم رنگِ عقیقِ یمنی

ہرگز از شرم نگفتی سخنے با عاشق غنچہ در باغ بنود است باین بیدہنی

مجمع النفائس :- سراج الدین خان آرزو (قلمی)

"سعد مولوی محمد سعید عظیم آبادی در منقولات و معقولات مہارتے درست داشت و بر مقامات حریری و کافیہ و شافیہ و تہذیب شروح نوشت و دیگر متداولات مانند عروض و قوافی وغیرہ قریب پنجاہ و پنج نسخہ تصنیف نمود چنانچہ خود بتعداد آن قائل است ؎

کنون تالیف الخ

صحبتِ او با عاقل خان (لفظ معدوم) ..... کوک بود، و گاہے تخلص غالب ہم میکرد، بلکہ دو دیوان دارد، یکی تخلص سعد و دوم بنام غالب، وقت تحریر این صحیفہ دو بیت از بدست آید ؎

آنچنان شدہ شہرہ، الخ

صحف ابراہیم :- عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ متخلص بہ خلیل، (قلمی)

"مولوی شیخ سعد قریشی اوایل در خدمت نواب عاقل خان رازی عالمگیری صوبہ دار دہلی خصوصیت داشت، آخر در بلدۂ عظیم آباد کہ دار النظامت صوبہ بہار است سکنی اختیار نمودہ بہ درس کتب عربی و فارسی می پرداخت، جمعے کثیر از یمن تربیت او حلیہ قابلیت آراستگی یافتہ رسایل بسیار در فن عروض و قوافی و حلِ مشکلات منظومات قدما تالیف نمودہ و شرح کتب معتبرہ مثل مقامات حریری و کافیہ و شافیہ و تہذیب وغیرہ در فارسی نوشتہ مجموع تصانیفِ او بہ پنجاہ و پنج میرسد گاہی غالب گاہی سعد تخلص کرد اگرچہ صاحب دیوان و غزل و مثنوی است اما نظمش بہرۂ از شیوع و قبول خاطر ندارد، و دیگر تالیفاتش بعد رواج رسیدہ از وست ؎

ہرگز از شرم الخ

سفینۂ خوش گو :- بندرا بن داس خوش گو (قلمی) ورق ۳۰ الف،

"مولوی محمد سعید قریشی ساکن عظیم آباد پٹنہ محلہ فرخ خان است از مصاحبان نواب عاقل خان رازی ناظم دہلی بود، در معقولات و منقولات و اکثر فنون عربی و فارسی مہارت تمام... از تالیف و تصنیف مثل شرح مقامات حریری و شرح کافیہ و شافیہ و تہذیب و دیگر متداولات ہند عروض و قوافی و غیر ذلک قریب پنجاہ و پنج نسخہ دارد، مستعدان عظیم آباد را کتب او سند تمام داشت، چنانچہ از تعداد خود دادہ سے

کنون تالیف الخ

و دیوان ترتیب دادہ یکی بنام سعد و دیگر تخلص غالب دستوی دادرسی بعد در حمون مسخر بطرز قدما می گفت، در فن خود غنیمت بود سے

آنجا شدہ شہرہ الخ

"مرأۃ آفتاب نما" عبد الرحمن شاہ نواز خان قلمی صفحہ ۱۴۱

"حاجی ابو سعید موطنش بہار است و از فضلائے کبار، اکثر متداولات پیش والد خود مولانا محمد سعید خواندہ و بخدمت بسیارے از فاضل رسیدہ و کسب علوم نمودہ، و در علم فقہ مہارت کامل دارد، بہ مساعدت وقت و مدد روزگار در سلک ملازمان فردوس آشیانی منتظم شدہ، مدتے خدمت افتائے عسکر نصرت اثر داشت، و آخر ایام سلطنت آنحضرت بجانب خوندکار روم و شرف حرمین معظمین مستسعد شدہ والآن مورد مراحم و عنایات گیہان خدیو است"،

تالیفات ملا سعد

صرف و نحو :-

(۱) عافیہ" شرح شافیہ تالیف ابو عمر عثمان جمال الدین ابن حاجب رضی - اوراق ۴۳۲ سطر ۱۴

آغاز :- ستایش و نیایش بسیار سزاوار حضرت کردگارے الخ

دیباچہ :- محرر این اجز احمد سعد .... و کشف مطالب و شرح مقاصد آن کتاب مستطاب بعبارت

عربی کردہ داعی از برائے آنکہ ہر خاص و ادنی بر الفاظ و معانی او اطلاع و وقوف یابد عنان بیان بسوے ترجمہ فارسی آن متن رفیع الشان . . . . می باید

ناقص الآخر ختم بر جملۂ و خاطر فاطر

ایضاً، اوراق ۳۴۴ سطر ۱۵، تعلیق، اختتام کتاب پر مصنف اپنے نام میں تخلص غالب کا اضافہ کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ تالیف ماہ صفر ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۵ء میں ختم ہوئی،

عافیہ ببلیوگرافی میں کانپور سے ۱۸۷۸ء میں طبع ہو چکی ہے،

(۲) انتخاب بے بدل،، شرح بر شرح عربی مولانا جامی بر کافیہ ابن الحاجب اوراق ۱۲۲ مسطر ۱۵

سپاس قدسی اساس حضرت آفریدگار را سزا است الخ

"فقیر حقیر محمد سعد جعفر معروض می دارد و بر صفحۂ التماس نگارد کہ از بہر حل اغلاق آیت و حدیث و شعر و مثل و لغت مشکل کہ در شرح کافیہ فاضل گرامی . . . . . عبد الرحمٰن جامی واقع شدہ است . . . این احقر الطلبہ بنا بر غلبۂ شوق کہ بہ تحلیل مقاصد فنون مکنون دارد، مدتے چند از روے کتابہاے اساتذۂ کبار و فضلاے نامدار در جز تحریر و تقریر آوردہ یادگار می گذارد . . . .

"چون غرض اصلی و مقصود کلی از تالیف این اوراق تربیت اطفال فرخندہ فال و تعلیم صبیان خجستہ اقبال است . . . . واتمامش چنانکہ از تاریخ بوضوح می پیوندد، در اوائل شہر ذی الحجہ ہزار و صد و دو ۱۱۰۲ھ محصل و میسر شود بقلم صدق رقم مسطور و محرر،

اخیر کتاب :-

"تمام شد کتاب منتخب اللغات بتاریخ دویم شہر رجب المرجب سنہ ۱۲۳۴ یکہزار و دو صد و چہار و سی من الہجرۃ النبویۃ در محلہ سوداے معابجان ہمکان مرزا صاحب فیضرسان مرزا جلا صاحب اولین بخط برخوردار بلند اقبال سید حمزہ علی او آخر منن سہ جز بخط فقیر حقیر میر یار علی ولد میر غلام حقیر اللہ.

(۳) "قندیل" شرح بر مصباح ناصر بن عبد السید المطرزی النحوی، اوراق ۶۲، سطر ۱۱

"سپاس و ستایش و محمدت و آفرین بے شمار الخ

"فقیر حقیر محمد سعید گوید کہ کتاب مستطاب در علم نحو .... درین احیان و ازمان کہ اوائل شہر ربیع الثانی سنہ ۱۱۰۶ ہزار و صد و شش است .... در خاطر فاطر این قاصر گذشت کہ آن کتاب نفیس را ...... ترجمہ کند ...."

اخیر:-

"الحمد للہ علی الاتمام والصلوٰۃ والسلام علی سید الانام وعلی آلہ الکرام واصحابہ العظام الی یوم الینام تمام سرکار ؟ نظام سنہ ۹ بتاریخ بست و دوم شہر ربیع الاول مطابق ماہ ساون موافق دوازدہم جولائی سنہ ؟ (؟) مطابق سنہ ۱۲۰۱ فصلی نسخہ مسمی القندیل فی ترجمہ کتاب مصباح النحو بروز سہ شنبہ نگاشتہ تیار شد"

"ایضاً" اس نسخہ کے حاشیہ پر مصنف نے عظیم آباد پٹنہ وطن مالوف بیان کیا ہے،

عروض و قوافی:-

(۴) "میزان الاشعار"

"جواہر زواہر ثنا و محمدت سزاوار حضرت داور یست الخ

"اما بعد معترف بہ عجز و قصور راقم سطور محمد سعد بر دیباچہ ظہوری نگار کہ بنا بران کہ تعلم و تعلیم شاگردان ...... ضرور است در فنون کہ این احقر ادراک و شعور داشت با مزاحمت صوالب امور ورقی چند بطریق تعلیق و تلفیق نگاشت .... و این مجموعہ مشتمل است بر اصول فن و اقسام سخن و ذکر ابحاث و اعتراضات کہ سبب تشویش خواطر مبتدیان است مسطور است و مرتب است بر مقدمہ و نوزدہ باب و خاتمہ و بفضل الٰہی این رسالہ باتمام پیوست بہ میزان الاشعار نام نہاد"

اخیر کتاب:-

تمام شد رسالہ عروض من تصنیف مولوی محمد سعد بخط کمترین لعلچند طالبعلم سیری حسب فرمودۂ

..... و مہربان منبع فضل و احسان اہل فرنگ درای ..... آرای بابو جیو بابو چین رائے سلمہ اللہ تعالیٰ

سنہ ۳۴ جلوس میمنت مانوس بادشاہ اورنگزیب غازی،

اخلاق :-

(۵) "حدیقۃ اللغۃ" شرح بر اخلاق ناصری نصیر الدین طوسی،

"حمد کثیر و شکر خارج از حزز و تحریر لایق حضرت خالقی باشد الخ

اما بعد فقیر حقیر محمد سعد معروض میدارد و بر دیباچہ التماس می نگارد کہ درین ایام سعادت فرجام بعضی

محبان ستودہ انجام اقتراح تمام و الحاح مالا کمال نمودند و فرمودند کہ از برائے توضیح الفاظ مشکل و تنقیح

کلمات مغلق اخلاق ناصری کہ از تالیفات قدوۃ المتبحرین نصیر الدین طوسی است فرہنگے مسودہ نماید

.... و این اوراق را اجزا را ایزد و رکن مرتب داشتہ اول در ایضاح مفردات دوم در

انصاح آیات و احادیث و اشعار و اقوال نصیحت سمات چون بعون و لطف الٰہی و فضل نامتناہی این

نسخہ باتمام پیوست"،

نوٹ :- آخر کے چند اوراق معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے نقل نہیں کئے کیونکہ کاتب کا نام اور سنہ کتابت

مدرج نہیں ہے،

پٹنہ لائبریری کے اندر مقامات حریری کی دو شرحیں موجود ہیں، ان میں سے ایک (نمبر ۹۳۵ انگریزی

کیٹلاگ) جس کی کتابت محمد محسن ولد سید شجاعت علی گیلانوی بہاری نے کی ہے، اور مکمل ہے، قیاساً معلوم

ہوتا ہے کہ ملا سعد کی شرح ہے،

سرجادوناتھ سرکار کی ایک غلطی

اورنگزیب کے وصیت نامہ کے سمجھنے مین،

از

مولوی محمد عبد اللہ صاحب چغتائی لکچرر اسلامیہ کالج لاہور

عالمگیر اورنگزیب کے وصایا کے کئی قلمی نسخے ملتے ہین، سرجادوناتھ سرکار نے اپنی شائع کردۂ احکام عالمگیری مین بھی احکام نمبر ۸ کے ضمن مین ان کو شایع کیا ہے، جو بہت مختصر اور تعداد مین کل بارہ ہین، مین یہان پر محض دفعہ یازدہم کے متعلق ناظرین کی توجہ ملتفت کرنی چاہتا ہون، جس کی نقل سرکار کے مطبوعہ احکام سے ذیل مین درج کرتا ہون:-

"یازدہم آنکہ، بہر پسران ہرگز اعتماد نکند نظور مصاحبت در زندگی ننماید کہ اگر اعلیٰ حضرت با دارانشکوہ سلوک نمیکردند کار باینجانمی رسید وکلمۃ الملک عقیمہ ہمیشہ نظر باید داشت"

سرممدوح نے (ANECDOTE OF AURANGZIB) کے نام سے احکام کا ترجمہ انگریزی زبان مین کردیا ہے، ان مین سے دفعہ یازدہم کے خط کشیدہ عربی فقرے کا ترجمہ سرکار صاحب نے یون کیا ہے:-

"THE WORDS OF A KING ARE BARREN"

یعنی ایک بادشاہ کے الفاظ بے معنی ہوتے ہین، اس کے معنی یہ ہوئے کہ بادشاہ کو اپنے الفاظ اور وعدون کی پابندی کرنا ضروری نہین، کہ سیاست مین سب کچھ جائز ہے، اس سے عالمگیر کا جھوٹا، غدار اور خدا جانے کیا کیا کچھ ہونا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ اس فقرے کا اگر یہ مطلب ہو جو سرکار نے سمجھا ہے تو دارانشکوہ اور شاہجہان کے باہمی

تعلق ورابطۂ پدری پر کچھ اثر نہین پڑتا، اور دعوی کو دلیل سے کوئی تعلق نہین پیدا ہوتا، اصل یہ ہے کہ سر کار نے اس فقرہ کو غلط پڑھا اور غلط سمجھا ہے، عالمگیر کا مطلب یہ ہے کہ امور ریاست اور مصالح حکومت مین سلطنت اور حکومت اور رعیت کے فائدے کو پیش نظر رکھنا چاہئے، نہ کہ بیٹے کی محبت کو اور رشتہ وقرابت کے تعلق کو اور اس بات کو کہ

"بادشاہی (یا بادشاہ) لاولد ہے، نظر مین رکھنا چاہئے"

یعنی امور ریاست مین باپ بیٹے اور بھائی کا تعلق اور رابطۂ محبت بیچ مین حائل نہ ہونا چاہئے، بات کیا تھی اور سر کار صاحب کیا سمجھے!

یہی ایک اصول درحقیقت عالمگیر کے مدنظر تھا جسنے اس کو بھائیون سے لڑکر حصول تخت کی جرأت دلائی، بلکہ یہی اصول اس کے ہر بھائی کے سامنے تھا، حیرت اس امر کی ہے کہ ایک شخص اورنگزیب کی نہایت بسیط تاریخ لکھتا ہے وہ اپنے اُن نتائج بحث کو اورنگزیب کے اس جملہ پر تطبیق نہین دیتا جو اس نے اپنی ضخیم کتاب مین اورنگزیب کے متعلق پیش کئے ہین، کہ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کے اپنے مندرجۂ بالا انگریزی ترجمہ کے مطابق اس کی تمام کتاب بیہودہ ہوجاتی ہے، کیونکہ جب اس کے نزدیک بادشاہ کے "الفاظ لاحاصل ہین" تو پھر اس قدر ضخیم تاریخ کی کتاب کہان تک معتبر ہوسکتی ہے جو اس کی شاہانہ تحریرون پر مبنی ہے خصوصیت سے اورنگزیب کے معاملہ مین جس کی اپنی ذاتی تحریرون پر سر کار نے اس کے تمام سوانح حیات کو مبنی کیا ہے، بلکہ سر کار نے اس فقرہ کا غلط ترجمہ کرکے عوام کے سامنے اس امر کو بھی واضح کردیا ہے کہ کہان تک ان کی کتاب اصلی شاہانہ تحریرون کی صحیح آئینہ دار ہوسکتی ہے، دراصل مندرجہ جملہ "کلمۃ الملک عقیمۃ" یون ہونا چاہئے تھا۔

کلمۂ ا:- "الملک عقیم"

یہ ایک عربی محاورہ ہے، جس کی سند کے لئے عربی ضرب الامثال کی معتبر کتاب میدانی متوفی ۵۱۸ھ کی مجمع الامثال پیش کرتا ہون جس مین یہ مثال جلد دوم صفحہ ۱۷۷ پر موجود ہے، اور اس کی تشریح یون کی ہے:-

الملک عقیم :- ای اذا تنازع قوم فی ملک انقطعت بینھم الارحام فلم یبق فیہ والد علیٰ ولدہٖ فصار کانہ لم یولد لہ"	سلطنت بانجھ ہوتی ہے، یعنی جب سلطنت کے بارہ مین لوگون مین تنازع ہو تو ان مین رشتہ داریون کا خیال لو لحاظ اٹھ جاتا ہے، تو پھر باپ بھی اپنے بیٹے پر رحم نہین کرتا" تو گویا کہ وہ لاولد ہے،

ایسے جملہ کا استعمال عالمگیر جیسے فاضل بادشاہ سے ہونا بین دلیل ہے کہ وہ سلطنت اور سلطان کو کیا سمجھتا تھا، یعنی ملک بانجھ کے مانند ہے، جس کا کوئی وارث نہین ہے، اور اس کی ملک حاصل کرنے کے لئے کوئی رشتہ بھی بیچ مین حائل نہین ہوتا، بلکہ اس کی مالک وہی ہستی ہو سکتی ہے، جو سب مین زیادہ قابل اور اہل ہو،

اطرافیہ

از

مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

نومبر کے معارف میں ہم نے حق گو کے اس دعویٰ کے جواب میں کہ خوارج کو اطرافیہ بھی کہتے تھے کہ ان کی نماز تین وقت کی ہوا کرتی تھی، اور وہ اطراف نہار والی آیہ سے نماز کی تعین نہیں کرتے تھے، ائمہ متقدمین امام ابو الحسن اشعری المتوفی ۳۲۴ھ اور امام ابو منصور عبد القاہر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ کے بیان پر اعتماد کر کے لکھا تھا کہ اطرافیہ خوارج کا کوئی فرقہ نہ تھا، چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی کتاب مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین اور الفرق بین الفرق میں اس فرقہ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے، کیونکہ درحقیقت یہ کوئی بڑا فرقہ تھا بھی نہیں لیکن محمد بن عبد الکریم شہرستانی جنھوں نے تمام چھوٹے بڑے فرقون کے حالات زیادہ استقصا کے ساتھ لکھے ہیں، دو چار سطرین اطرافیہ کے حالات میں بھی لکھی ہیں، جو اول نظر میں رہ گئی تھیں اور بعد میں ان پر نظر پڑی لیکن ان کے بیان اور حق گو کے دعویٰ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اطرافیہ کے عقاید کو حق گو کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں،

حق گو کا دعویٰ یہ ہے کہ خوارج اطرافیہ بھی کہلاتے تھے، یعنی خارجی اور اطرافیہ دونون مترادف الفاظ ہیں، اور اطرافیہ کی وجہ تسمیہ ہے کہ یہ فرقہ اطراف نہار والی آیہ سے نماز کی تعین نہیں کرتا تھا، اس لئے اطرافیہ کہلاتا تھا، حالانکہ یہ دونون باتین قطعاً غلط ہیں، اطرافیہ خارجی کا مترادف نہیں بلکہ اس کی ایک شاخ ہے، اور وہ اطرافیہ اس لئے نہیں کہلاتا تھا کہ اطراف نہار والی آیہ سے نماز کی تعین نہیں کرتا تھا، بلکہ اس لئے کہلاتا تھا کہ وہ اصحاب اطراف کو یعنی ان لوگون کو جو اطراف ارض میں رہتے تھے، اور جن تک شریعت کی دعوت نہیں پہنچی تھی انکو شرعی امور سے ناواقفیت پر گنہگار اور قابل مواخذہ نہیں سمجھتے تھے، بشرطیکہ وہ لوگ ان چیزون پر عامل ہون جو عقلاً

ثابت ہون جیسے خدا کا وجود، نیک و بد اعمال کا طبعی فرق وغیرہ، چنانچہ علامہ شہرستانی لکھتے ہین :۔

الاطرافیۃ فرقۃ علی مذہب حمزۃ فی القول بالقدر الا انہم عذروا اصحاب الاطراف فی ترک مالم یعرفوہ من الشریعۃ اذا اتوا بما یعرف لزومہ من طریق العقل واثبتوا واجبات عقلیۃ کما قالت القدریۃ ورئیسہم غالب بن شاذل من سجستان (الملل والنحل شہرستانی ج اول ص۱۰۴)	اطرافیہ خوارج کا ایک فرقہ ہے، جو قدر کے مسئلہ مین حمزہ (بانی فرقہ حمزیہ) کا ہم خیال ہے، یہ لوگ اطراف مین رہنے والون کو ان چیزون کے ترک مین معذور رکھتے ہین جنکو انھون نے شریعت کے رو سے نہین سمجھا بشرطیکہ وہ ان چیزون پر عمل کرتے رہین جنکا ثبوت عقل سے ہے یعنی اطرافیہ قدریہ (معتزلہ) کیطرح واجبات عقلیہ کو مانتے ہین، ان کا رئیس غالب بن شاذل سجستان کا باشندہ تھا،

اوپر کی عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اطراف نہار والی آیہ کے انکار کو اطرافیہ کی وجہ تسمیہ قرار دینا، اور اس سے یہ ثبوت پیش کرنا کہ اطرافیہ بھی تین ہی وقت کی نمازین پڑھتے تھے، دو وقت کے منکر تھے، حق گو کا ذاتی اجتہاد ہے، واقعہ سے اس کو کوئی تعلق نہین، اصل حقیقت صرف اس قدر ہے، جو اوپر بیان کی گئی، باقی حق گو کی حاشیہ آرائی ہے،

المامُون،

یعنی خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے حالات مولینا شبلی مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جسمین ممدوح نے تاریخ اسلام کے پر فخر عہد کے سیاسی، علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی حالات قلمبند کئے ہین جن سے دولت عباسیہ کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شایع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت ؏ کہ دعہ،

"منیجر"

"قابل اشاعت قلمی کتابون کی فہرست"

مین

چند اغلاط کی تصحیح،

بخدمت جناب اڈیٹر صاحب معارف زاد مجدکم،

السلام علیکم! مین جناب اور دیگر علماے کرام کا اس امر پر دلی شکریہ ادا کرتا ہون کہ ان حضرات نے اپنی عنایت سے بعض ان مطبوعہ کتابون کی طرف توجہ دلائی جو فہرست کتب قابل طبع کے ضمن مین شائع ہوگئی ہین، لہذا مندرجۂ ذیل کتابین فہرست زیر ترتیب سے خارج کردی گئی ہین:۔

۱۔ کتاب البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ۲۔ دمیۃ القصر للباخرزی،

۳۔ وصیۃ خالد بن یزید، ۴۔ رتبۃ الحکم للمجریطی،

۵۔ غرائب القرآن للسجستانی،

جناب سے امید ہے کہ ذیل کی تصحیح بھی رسالہ مین شائع فرما کر مزید شکریہ کا موقع عنایت فرمائین گے،

معزز ناظرین معارف سے التماس ہے کہ وہ مضمون شائع شدہ مین مندرجۂ ذیل کتابون کے متعلق تصحیح فرمالین،

۱۔ اصلاح المنطق لابن السکیت کے ایک نسخہ کے متعلق غلطی سے لکھدیا گیا کہ اس کا ایک نسخہ کتبخانہ آصفیہ مین موجود ہے، کتبخانہ آصفیہ کا نسخہ دراصل جوامع اصلاح المنطق لابی الحسین زید بن رفاعۃ بن مسعود الکاتب کا ہے، جو فہرست کتبخانہ مین اصلاح المنطق لابن السکیت کے نام سے درج ہوگیا ہے، امام موصوف نے ابوبکر محمد بن القاسم بن بشر الانباری سے اس کتاب کی روایت کی ہے،

۲۔ میزان الحکمۃ کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ یہ علامہ بیرونی کی تصنیف ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ

اس کے بعد کی تصنیف ہے جسمین مختلف حکماے یونان واسلام کے مقالات کو ایک جگہ جمع لیا ہے، اس میں ایک مقالہ فی رصد حجم الجواہر علامہ بیرونی کا بھی ہے، غالبًا اسی سے دھوکا ہوا ہے،

۴۔ میزان الحکمۃ کا جو نسخہ جامع مسجد بمبئی کے کتبخانہ مین ہے، وہ بھی علامہ بیرونی کی تصنیف نہین ہے بلکہ ابو الحسن علی بن محمد الخازن کی تصنیف ہے جو ۵۱۵ھ مین موجود تھے،

الملتمس

سید ہاشم ندوی، رکن دائرۃ المعارف

حیدر آباد دکن

مضامین عالمگیر

از

علامہ شبلی نعمانی

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات، اوران کے جوابات، مورخانہ تحقیق وتنقید کا ہندوستان مین پہلا نمونہ،

قیمت اختلاف کاغذ وطبع عہ، و عیر

"منیجر"

لغات جدیدہ

بیس ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، یعنی لغت،

قیمت عیر

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

جامع ازہر

اور

اوس کا ماضی و حال

تعلیم اور تغیراتِ تعلیم کی نہایت قدیم تاریخی مثال جامع ازہر ہے جس نے زمانے کے بہت سے انقلابات دیکھے ہیں، حال مین مصر کے مشہور فاضل شیخ محمود ابو العیون نے اس حیثیت سے جامع ازہر کے ماضی و حال پر ایک نہایت محققانہ مضمون لکھا ہے جس کی تلخیص ذیل مین درج کیجاتی ہے، شیخ موصوف ہمیشہ سے اصلاحی کامون مین نمایان حصہ لیتے رہے ہین، بالخصوص جامع ازہر کے مصلحین مین سب کے پیشرو ہین، اس لئے جو لوگ عربی تعلیم کی اصلاح سے دلچسپی رکھتے ہین ان کے سامنے یہ مضمون نہایت مفید معلومات کا ذخیرہ پیش کریگا،

وہ لکھتے ہین کہ

"علمی اور مذہبی حیثیت سے جامع ازہر ایک زمانے تک خیر و برکت کا سرچشمہ رہا ہے، اور لوگ ہر طرف سے آآکر اس سے سیراب ہوتے رہے ہین، اور وہ دور وسطیٰ کے مسلمانون کو برابر دینی تعلیم سے فیضیاب کرتا رہا ہے، البتہ اس نے قدیم طریقۂ تعلیم یعنی املا کے طریقے کو بدل کر درسی کتابون کے ذریعے سے تعلیم دی ہے، لیکن طالبعلمون کے لئے یہ جدید طریقہ سخت مشقت طلب تھا، کیونکہ اکثر درسی کتابین عجمیون کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھین، اور ان کے معانی و مطالب پیچیدہ طریقے پر ادا کئے گئے تھے، اس لئے ایک طالب العلم کو کافی وقت اُن کے الفاظ کے حل کرنے مین صرف کرنا پڑتا تھا، حالانکہ اگر وہ اس وقت کا عشر عشیر بھی املا کے طریقے پر درس حاصل کرنے مین

صرف کرتا تو اس کو کافی معلومات حاصل ہوجاتین،

ازہر، ایک زمانۂ دراز تک اسی دقیانوسی طریقہ پر درس و تدریس دیتا رہا، لیکن بایہمہ اس کی شریان و ریدی مین زندگی کی کافی حرکت موجود تھی کیونکہ بحث و نظر کی آزادی، اور عقل و راے کی اہمیت کا غلغلہ ہمیشہ اُس کے در و دیوار سے بلند ہوتا رہتا تھا، لیکن بالآخر ایک شہادت گاہ مین اس آزادی کی قربانی کر دیگئی، اور آزاد خیال لوگ ایک گنج شہیدان مین دفن کر دیئے گئے،

زمانہ بدل گیا اور زمانے کی ہر چیز نے نیا قالب اختیار کر لیا، لیکن ازہر اپنی اسی قدیم حالت پر قایم رہا، تاہم اس تاریکی مین بھی کبھی کبھی ایک ہلکی سی روشنی نمودار ہوجاتی تھی، جو اُس زمانے کے بہترین اشخاص مثلاً شیخ محمد عبدہٗ کی شمع زندگی کا ایک پرتو تھی، لیکن چراغ کی لو کی طرح وہ بھی عنقریب بجھنے کے لئے تیار تھی،

ازہر پر مصیبتون کے بڑے بڑے پہاڑ ٹوٹے لیکن اس نے مردانہ وار اُن کا مقابلہ کیا، اور تاریخ نے اسکی پامردی کے یہ واقعات عزو شرف کی روشنائی سے لکھے، اگرچہ وہ بوڑھا ہوگیا ہے، لیکن تاریخ مین اس کی حیثیت نہایت بلند اور قدیم یونیورسٹیون مین اس کا درجہ نہایت نمایان ہے، تمام اسلامی قومین اس پر جان دیتی ہین، اور طالب العلمون کی جماعتین پہنچتی رہتی ہین جو اس سے حسب مراتب فائدہ اٹھاتی ہین،

قدیم ازہر مین نہ تو تعلیم کے لئے مختلف درجے قائم تھے، نہ اس کا کوئی قانون و دستور العمل تھا، نہ طلبہ کا امتحان لیا جاتا تھا، نہ ان کو سند دیجاتی تھی، بلکہ استاد کی طرف سے صرف ایک اجازت نامہ ملتا تھا جسمین اس فن یا ان فنون کی تفصیل ہوتی تھی جن کو طالب العلم نے استاد سے حاصل کیا ہے، البتہ ہم نے اپنے شیوخ سے یہ سنا ہے کہ جب ایک طالب العلم کافی مدت تک ازہر مین تعلیم حاصل کر لیتا تھا، اور اس کو اپنی قابلیت پر پورا اطمینان ہوجاتا تھا، تو اپنے شرکاے درس و شیوخ کے سامنے اس کا اعلان کر دیتا تھا، اور اس وقت ازہر کے ہال مین علماے فن کا ایک حلقہ قایم ہوجاتا تھا جس کے وسط مین یہ طالب العلم بیٹھتا تھا، اور جو موضوع انتخاب کر لیتا تھا اس پر درس دیتا تھا، اس کے بعد بحث و تنقید شروع ہوتی تھی لیکن اس کا تعلق صرف اس منتخب شدہ موضوع سے نہین ہوتا تھا

بلکہ ہر متعلق موضوع دائرۂ بحث مین آجاتا تھا، اب اگر طالب العلم اس امتحان مین پورا اتر گیا، تو اُس کے حریف اسکو مبارک باد دیتے تھے، اور اس کے بعد وہ ایک عالم اور مدرس تسلیم کرلیا جاتا تھا، جن علوم کی تعلیم دیجاتی تھی اُن کی تعداد گیارہ تھی، اور یہ سب کے سب عربیت و مذہب سے تعلق رکھتے تھے، ان کے علاوہ علم منطق کی تعلیم بھی دیجاتی تھی جس مین عالمیت کے طالب العلمون کا امتحان لیا جاتا تھا، نوین صدی کے اخیر تک ازہر کی یہی حالت رہی، اس کے بعد شیخ حسونۃ النوادی کے زمانہ مین شیخ محمد عبدہٗ کی کوششون سے دوسرے علوم مثلاً جغرافیہ، تاریخ، ریاضی، املا و خوشخطی وغیرہ کا اضافہ ہوا، لیکن یہ سب زائد علوم تھے، اور نصاب درس مین ان کے داخل کرنیکا مقصد صرف یہ تھا کہ طالب العلم کسی قدر جدید خیالات سے آشنا ہو جائے،

اول اول امتحانِ عالمیت کا نظام خدیو اسمٰعیل پاشا اور مشیخت مآب شیخ محمد العباسی المہدی کے زمانے مین قائم ہوا، اور اسی زمانے مین شیخ محمد عبدہٗ کا امتحان ایک مجلس مین لیا گیا، جس کے صدر شیخ مہدی تھے، پھر خدیو توفیق پاشا، اور مشیخت مآب شیخ شمس الدین الانبانی کے عہد مین اس کا قانون بنایا گیا، اس کے بعد بہت سے قوانین و نظام بنتے چلے گئے، لیکن اس کا اثر نہ تو تعلیم کی حقیقت پر پڑا نہ طالب العلم کی آزادی فنا ہوئی، بلکہ وہ جس استاد کو پسند کرتا تھا، اُس سے درس حاصل کرتا تھا، استاد کی آزادی بھی قایم رہی اور وہ جس کتاب کو چاہتا تھا اس کا درس دیتا تھا، خود طالب العلم کے لئے ایک معین سال یا چند محدود سال کے اندر امتحان کا دینا لازمی نہ تھا، بلکہ ان تمام چیزون کا قانون ازہر والون کے صحیفۂ دل مین لکھا ہوا تھا، کسی کتاب یا کاغذ مین درج نہ تھا، اور نہ کوئی حاکم اس کا حکم دیتا تھا، یہ قوانین صرف ازہر کے نگرانی کرنے والے صیغون اور وقفون کی تنظیم، اور علما اور اُن کی موت کے بعد ان کی اولاد کے وظائف کی ضبط و ترتیب کے لئے وضع کئے گئے تھے، جنکی تعداد حسب ذیل تھی،

(۱) ۱۵۰ قرش	درجہ اول کے عالم کے لئے،
(۲) ۱۰۰ قرش	درجہ ثانی کے عالم کے لئے
(۳) ۷۵ قرش	درجہ ثالث کے عالم کے لئے،

لیکن یہ وظایف تمام علما کو نہین، بلکہ علما کی صرف ایک مختصر سی جماعت کو جنکی تعداد پچاس سے زائد نہ تھی ملتے تھے، بقیہ لوگ اُس وقت کے منتظر رہتے تھے جب انکو اس کا استحقاق حاصل ہو جائے، اس لحاظ سے یہ لوگ نہایت مفلوک الحال اور تہیدست تھے، لیکن باانیہمہ نہایت اطمینان وسکون اور وقار وخودداری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اور علم کو جاہ ومنصب اور مال ودولت کے لئے نہین، بلکہ صرف علم کے لئے حاصل کرتے تھے، اور نیز اس لئے کہ لوگون کو اس کی تعلیم دین، بلکہ اس سے بھی اعلیٰ ترین مقصد یعنی ذات خداوندی کے لئے،

ازہر والون کے لئے سلطنت کی طرف سے خاص خاص عہدے مقرر نہ تھے، البتہ مفتیون اور قاضیون کا تقرر ازہر ہی والون مین سے کیا جاتا تھا، لیکن جب مصر کے نجات دہندۂ اعظم یعنی محمد علی پاشا کبیر کا دور آیا تو اس نے ازہر کے مقابل مین ایسے مدرسے قائم کئے، جو ملٹری اور سولین خدمات کے لئے اشخاص تیار کرتے تھے، لیکن ان مدرسون کا تخم ازہر ہی کی سرزمین مین پیدا ہوا تھا، اس زمانے مین طب کا جو مدرسہ قایم ہوا اس کے سنو ابتدائی طالب العلم ازہر ہی کے تعلیم یافتہ تھے، علمی وفود بھی جو مصر مین علم وفن کا خزانہ لے کر واپس آتے تھے، ازہر ہی کے طلبہ سے مرتب ہوتے تھے، اس کے بعد جب زمانے نے اپنی رفتار بدل دی، اور قوم کی ضروریات کے مطابق نت نئے مدرسے قایم ہونے لگے، تو عام انتظامی عہدون کے لئے اہل ازہر کی حاجت نہ رہی، یہان تک کہ اسمٰعیل پاشا کے زمانے کے ختم ہوتے ہوتے اہل ازہر کے لئے صرف مفتیون اور قاضیون کے محدود عہدے رہ گئے، بلکہ قاضی کا عہدہ بھی عنقریب ان کے ہاتھ سے نکل جانیوالا تھا،

ازہر کی یہ حالت ایک مدت تک قائم رہی، لیکن ۱۹۱۱ء مین قانون نمبر۱ پاس کیا گیا، جسکو فتحی زغلول، عبدالخالق ثروت، اور اسمٰعیل صوفی نے خدیو سابق عباس پاشا حلمی کے عہد مین مرتب کیا تھا، اس قانون نے خود تعلیم پر اپنا اثر ڈالا، اور ازہر نے ایک منظم ومرتب مدرسہ کا قالب اختیار کر لیا جسمین تعلیم کے درجے قایم کئے گئے، اور بہت سی پابندیان عائد کی گئین، اس نے طالب العلمون اور مدرسون کی آزادی تعلیم اور رسائل درس کو بھی بہت کچھ محدود کر دیا، اس کے بعد حالات کے اقتضاء کے موافق اس قانون مین ترمیمات ہوتی رہین، یہانتک کہ

سنہ ۱۹۳۰ء مین قانون نمبر ۴۹ حضرت صاحب الجلالۃ فواد اول کے اشارے سے وضع کیا گیا، اور یہ سب سے پہلا قانون تھا جو جامع ازہر اور دینی درسگاہون کے لئے وضع ہوا،

اب جس زمانے مین ازہر نے نوین صدی کے اخیر تک یعنی قانون نمبر ا سے پیشتر جو سنہ ۱۹۱۱ء مین وضع کیا گیا تھا اپنی زندگی کے جو مراحل طے کئے اس کو ہم عہد تسامح یعنی آزادی کا زمانہ کہہ سکتے ہین، اور اگر ذرا اور دقت نظر سے کام لو تو اس کو مطلق العنانی اور بغاوت کا زمانہ بھی کہہ سکتے ہو، اگرچہ اس لفظ مین خاصی ناگواری پائی جاتی ہے لیکن اسی مطلق العنانی نے آج سے چند روز پیشتر شیخ محمد عبدہ، شیخ حسن الطویل، شیخ حسین، زین المرصفی، شیخ سلیم البشری شیخ حسونہ النواوی اور شیخ احمد ابی خطوہ جیسے علما پیدا کئے اور اسی مطلق العنانی نے سعد زغلول، علی یوسف ابراہیم بلباوی، عبد السلام مویلحی، ابراہیم اللقانی، حسن عبد الرزاق، احمد الحسینی، مصطفیٰ الیا جوری اور محمد ہاشمی جیسے افراد پر مصر کو بجا طور پر فخر کرنے کا موقع دیا، جنھون نے اگرچہ ازہر مین مکمل طور پر تعلیم نہین پائی تھی، لیکن یہ صرف اس دور کا اثر تھا کہ یہ لوگ مصر کے لئے مجد و شرف کا ایک عظیم الشان سبب ہوئے، اس تعلیمی سال سے جو دور شروع ہوا ہے، اس کو ہم دور نظام و تجدید کے لقب سے پکار سکتے ہین، اور نہایت مختصر الفاظ مین ہم اس نظام کا نقشہ پیش کرتے ہین، تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو سکے کہ آج تک ازہر پر جو مختلف دور گذر چکے ہین ان مین باہم کیا فرق ہے؟ اور وہ مستقبل کی نسبت اس سے کیا شگون نیک لے سکتے ہین؟

اس نظام کے قایم کرنے کے لئے جو قانون وضع کیا گیا ہے، اس نے جامع ازہر کے دو مقاصد بتائے ہین،

(۱) شریعت کے اصول و فروع کی حفاظت، زبان عربی کا بقا، اور ایسے طریقے پر اس کی اشاعت جس سے قوم کو فائدہ پہنچے، اور وہ اس سے سعادت اندوز ہو،

(۲) ایسے علماء کا پیدا کرنا جو مذہبی اور سرکاری درسگاہون مین ان علوم کی تعلیم دے سکین، اور حکومت کی جانب سے ان کو شرعی عہدے دیئے جا سکین، (مثلاً قضاءت و افتاء وغیرہ)

اس جدید قانون مین جامع ازہر کا اطلاق صرف اعلیٰ تعلیم کے کالجون اور درجہائے خصوصی پر کیا گیا ہے

اور اس مین حسب ذیل کالج شامل ہین، (۱) کلیۃ الشریعہ (۲) کلیۃ اصول الدین (۳) کلیۃ اللغۃ العربیہ، اس قانون نے علماء کی ایک کمیٹی قائم کی ہے، اور ان شرائط کی تصریح کی ہے جنکی بناپر اس کمیٹی کے ممبرون کا انتخاب ہوتا ہی، اس قانون کے روسے ازہر کے مقابل مین دوسری مذہبی درسگاہین قائم کی گئی ہین، جو ابتدائی اور سکنڈری تعلیم دینگی، اور درجہاے خصوصی کے علاوہ مدتِ تعلیم ۱۳ سال ہوگی، اس قانون مین ایک درجہ تعلیم عام کا رکھا گیا ہے، جسکا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ احکامِ دین اور عربی لغت کے متعلق اپنی معلومات کو وسیع کرنا چاہئین اس درجہ کے ذریعہ سے انکی یہ ضرورت پوری کیجائے اور عنقریب قاہرہ اور دوسرے بڑے شہرون مین اس درجہ کی شاخین قائم کیجائینگی،

کالجون کے نظامِ قانون مین اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ ازہر کی ضروریات اور اس کی شہرتِ عالمیت کے مطابق ہو یعنی ان کے ذریعہ سے عربی لغت اور مذہب اسلام کی حفاظت حالاتِ زمانہ اور ازہر کے ماحول و مقتضیات کے مطابق ہوسکے، اسکا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ ازہر کے کالج جدید یونیورسٹیون کی طرح کے ہون، یعنی ان کے لئے مستقل انتظامی صیغے ہون اور انکو آزادانہ علمی اختیارات حاصل ہون،

جو لوگ ان کالجون سے فارغ ہوکر نکلینگے اس قانون مین ان کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، اور پبلک زندگی مین ان کی جگہ اس طرح پر کی گئی ہے کہ ان کو مذہبی عہدے حاصل ہوسکینگے، وہ ازہر اور سرکاری مدرسون مین درس دے سکینگے اور وعظ و ارشاد کرسکینگے لیکن یہ اصلاحی قانون ایک عظیم الشان شورش کے بعد وضع کیا گیا ہے، جس نے ازہر کے در و دیوار کو ہلا دیا تھا، اگرچہ ہم اس قانون کو بھی مکمل اور کافی نہین سمجھتے بلکہ ہر قانون کی طرح اس کے لئے بھی تجربہ اور اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہے، تاہم ہمکو نہایت مسرت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرنا چاہئے، اور اس سے دورِ جدید کے متعلق شگون نیک لینا چاہئے،

(الہلال بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء)

"ع"

اخبار علمیہ

قوتِ ارادی کا امتحان

برطانیہ نے جو مہم کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ کے لئے روانہ کی تھی اس کے ارکین کا انتخاب ایک بالکل انوکھے طریقے سے عمل مین آیا تھا، قوتِ ارادی یون تو ہر بڑے کام کی اصلی محرک ہوتی ہے اور تمام بڑے آدمیون کی کامیابی کا راز اسی کے اندر پوشیدہ ہے لیکن کوہ پیمائی مین اس کی ضرورت خاص طور پر محسوس کیجاتی ہے، اور صرف وہی لوگ ایسی مہم مین کامیاب ہو سکتے ہین جو قوی و توانا ہونے کے علاوہ غیر معمولی قوتِ ارادی کے بھی مالک ہون، چنانچہ جرمنی کے ایک رسالہ (ILLUSTRIRTE ZEITUNG) کی اطلاع ہے کہ ایورسٹ کے ارکین مہم کے انتخاب مین قوتِ ارادی کا لحاظ خصوصیت کے ساتھ رکھا گیا، اور وہی لوگ منتخب کئے گئے جو امتحان مین اس قوت کے اعتبار سے ممتاز ثابت ہوئے، انتخاب کا طریقہ حسب ذیل تھا،

امیدوار ایک کرسی پر آرام کے ساتھ بیٹھ گیا، اس کے بعد اس سے کہا گیا کہ ایک لمبا سانس کھینچ لے اور پھر جتنی دیر تک ہو سانس نہ لے لیکن سانس کو خارج کرنے کی اجازت تھی، تیس سے پچیس سکنڈ کے بعد کچھ تکلیف محسوس ہونے لگی، اور سانس لینے کی خواہش پیدا ہوئی، اس کے بعد یہ تکلیف تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی اور چالیس سکنڈ سے اسی سکنڈ تک شدت کے ساتھ محسوس ہوتی رہی، اس وقت حبس دم کے لئے غیر معمولی ضبط کی ضرورت تھی، پھر تکلیف کی یہ شدت رفتہ رفتہ کم ہونے لگی، اور قابل برداشت ہو گئی، لیکن اس وقت تک سانس روکنے مین بہت زیادہ زور پڑ چکا تھا، اور بالآخر تین منٹ سے ساڑھے پانچ منٹ تک کے عرصہ مین وہ شخص جس کا امتحان ہو رہا تھا بیہوش ہو گیا، بعض امیدوار اس سے کم ہی مدت مین بیہوش ہو گئے،

چنانچہ ضبط نفس کے اسی معیار پر قوت ارادی کی آزمائش کی گئی، اور ارکین مہم کا انتخاب ہوا،

سائنس اور وہم پرستی

پروفیسر لیوی (H. LEVY) کا خیال ہے کہ سائنس کی ترقی کے باوجود توہمات کا اثر اب بھی لوگون کے دلون پر باقی ہے، زمانہ ماضی مین تو وہم پرستی اُن لوگون مین بھی پائی جاتی تھی جو آج کل سائنس کے مایۂ ناز خیال کئے جاتے ہین، چنانچہ کوپرنکس جس نے نظام شمسی دریافت کیا یقین کرتا تھا کہ سیارون کو فرشتے گردش مین رکھتے ہین، کیپلر زائچے کھینچتا تھا، نیوٹن علم نجوم کی ان پیشینگوئیون کو حل کرتا تھا جو کتاب دانیال مین پائی جاتی ہین، بوائل کا جو رائل سوسائٹی کے بانیون مین تھا خیال تھا کہ دوسری دھاتین بھی سونا بن سکتی ہین، یہی خیال نیوٹن اور لائبنٹز کا بھی تھا، پرسٹلے نے آکسیجن کو دریافت کیا، لیکن اسکو فلوجسٹن کے وجود کا یقین اس درجہ تھا کہ وہ آکسیجن کی اہمیت کو نہ سمجھ سکا، موجودہ زمانہ کے سائنس دان بھی کسی ایک نظریہ کو لیکر اس کی نسبت اتنا یقین قایم کر لیتے ہین، کہ اس کی حقیقت مین انھین کوئی شبہہ نہین رہجاتا، ایتھر کے متعلق جو عام یقین ہے، وہ مثال مین پیش کیا جاسکتا ہے، مذکورۂ بالا مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ تحصیلِ علوم کے بعد بھی وہم پرستی کلیتہ زائل نہین ہو جاتی، آج یورپ کے اس دور ترقی و روشنخیالی مین بھی کتنے لوگ ہین، جو جمعہ کے دن موتیون کا ہار پہننا پسند کرین گے، کتنے ہین جو اپنے مستقبل کے متعلق کوئی بری پیشینگوئی سنین اور اس کا اثر نہ قبول کرین، کتنے ہین جو خطرہ کی خفیف سی اطلاع پر کسی لکڑی کو نہین چھو لیتے، آج بھی لوگ گنڈے تعویذ کے قائل ہین، اور ان چیزون کو اپنے پاس سے اس خوف سے علٰحدہ کرنا پسند نہین کرتے کہ ان کو نقصان نہ پہنچ جائے،

برٹش میوزیم کے چند جدید مشرقی مخطوطات،

حال مین برٹش میوزیم کو مندرجۂ ذیل مشرقی قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہین،

عربی مخطوطات،

(۱) التدبیرات الالہیہ، لمحی الدین محمد بن علی ابن العربی، چودھوین صدی عیسوی کی لکھی ہوئی،

(۲) شرح مقاصد الطالبین، (لمحمود بن عمر التفتازانی) کمحمد ابن محمود، منقولہ سنہ ۱۴۰۶ء،

(۳) الامان من اخطار الاسفار و الازمان، لابی قاسم علی بن موسیٰ الطاؤسی، منقولہ سنہ ۱۶۸۲ء،

اس تالیف مین مسافرون کے لئے تمام ضروری معلومات یکجا کر دیئے گئے ہین،

(۴) عیون التفاسیر، لاحمد بن محمد (؟ محمود) السیواسی، پندرھوین صدی عیسوی کی لکھی ہوئی،

فارسی مخطوطات :-

تفسیر السور ابادی، از شیخ امام ابوبکر عتیق بن محمد، اس مین سورہ ۱۹ سے ۲۵ تک کی تفسیر شامل ہے، منقولہ سنہ ۱۴۱۴ء،

ترکی مخطوطات :-

(۱) کتاب التنبیہ، ترجمہ ترکی کتاب مناقب الاولیا، از ابو اللیث السمرقندی، منقولہ سنہ ۱۴۴۵ء،

(۲) قصۂ جلال و جمال، از شیخ مصطفیٰ، سترھوین صدی عیسوی کی نقل،

افشائے راز کا ایک عجیب طریقہ

امریکہ کے ایک عالم نفسیات ڈاکٹر ارک لنڈمان (ERICH LINDEMANN) نے ایک ایسا نسخہ دریافت کیا ہے جس کے استعمال سے ایک شخص بلا تکلف دوسرون کو اپنے تمام راز بتا دیتا ہے یہ دوا سوڈیم ترشہ (ACID) اور بعض دوسرے اجزا کو کیمیائی ترکیب سے ملا کر تیار کیجاتی ہے، ڈاکٹر لنڈمان نے پہلے اسے ان مریضون کو استعمال کرایا، جو بعض دماغی بیماریون مین مبتلا تھے، اس کے استعمال سے نیند بہت گہری آتی تھی اور دماغ مین سکون پیدا ہو جاتا تھا، اس کے بعد انھون نے خوراک کی مقدار بہت کم کرکے یہ دوا ان لوگون کو پلائی جو بالکل تندرست تھے، مقدار اس قدر کم تھی کہ نیند نہین آئی، لیکن قلب مین ایک طرح کا ہیجان پیدا ہوا جس کا سب سے زیادہ نمایان اثر یہ ہوا کہ ان لوگون مین اپنے ذاتی معاملات کو بیان کرنیکی

جنھین معمولی حالت مین وہ پوشیدہ رکھنا چاہتے ایک زبردست خواہش پیدا ہوئی، ڈاکٹر موصوف کا تجربہ ہے کہ اس دوا کے استعمال کے بعد ناممکن ہے کہ کسی شخص سے اس کے پوشیدہ ترین راز دریافت کئے جائین اور وہ اُن کو بتا نہ دے،

ایک جھیل کی کرشمہ سازی

وسط اٹلی کے مقام کیپنا (CAPENA) مین ایک چھوٹی سی جھیل ہے جسمین چند دنون سے عجیب وغریب تماشا نظر آتا ہے، دن مین کئی بار پانی غائب ہوجاتا ہے، اور جھیل بالکل خشک ہوجاتی ہے، کچھ دیر کے بعد پانی پھر واپس آجاتا ہے اور جھیل کنارے تک بھرجاتی ہے، وہان کی زمین کے نیچے کچھ دھما کا سنائی دیتا ہے، اور سطح پر خفیف سی لرزش محسوس کیجاتی ہے، پانی کی واپسی سے قبل کہرا چھاجاتا ہے جو پھر بعد کو دور ہوجاتا ہے، اہلِ سائنس اس حیرت انگیز واقعہ کی تحقیق مین مصروف ہین،

دماغ کا وزن

ایٹلسٹین کی اطلاع ہے کہ عام طور پر یورپ مین مرد کے دماغ کا وزن تقریباً (۴۵) آونس اور عورت کے دماغ کا تقریباً (۴۰) آونس ہوتا ہے، جو لوگ دماغی حیثیت سے زیادہ قوی ہوتے ہین اُن کا دماغ اسی مناسبت سے زیادہ وزنی ہوتا ہے، چنانچہ بائرن کے دماغ کا وزن (۶۰) اونس تھا اور کانٹ کا (۵۵) آونس، دماغ کے وزن کا اندازہ نہایت صحیح طور پر سر کی پیمایش سے ہوسکتا ہے، جو لوگ اب سے بیس ہزار یا تیس ہزار سال قبل رہتے تھے، اور جن کے بنائے ہوئے سنگ چقماق کے آلات فرانس کے بعض حصون مین پائے جاتے ہین، یا جنکی مصوری کے خوبصورت نمونے اسپین کے غارون مین دریافت ہوئے ہین اُن لوگون کے دماغ کا وزن اسی قدر تھا جسقدر موجودہ زمانہ مین لوگون کے دماغ کا ہے،

"ع ز"

استفسار و جواب

ابولہب

یہ مسلّم ہے کہ مکہ معظمہ مین سب سے زیادہ ابوجہل نے رسول اللہ صلعم کو تکلیفین پہنچائین، اسی نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، اسی نے آپ کے گلے مین چادر کا پھندا ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی، اسی نے دار الندوہ مین آپ کے قتل کا مشورہ دیا جس پر عمل کیا گیا" اور رات کو آپ کے گھر کا محاصرہ کیا" اسی نے بدر کا ہنگامہ برپا کیا، اور ہر قسم کی تدابیر صلح مین رخنہ اندازی کی، غرض آپ کی تکذیب مین سب سے زیادہ اسی کا حصہ تھا اور یہی برابر آپ کے تعاقب مین لگا رہتا تھا لیکن اسلام اور شارع اسلام کے ساتھ ابوجہل کے ان معاندانہ و مخالفانہ برتاؤ کے باوجود قرآن کریم نے مخالفین اسلام مین ابوجہل کا نام کہین نہین لیا، بلکہ اس کے بجائے ابولہب کا نام ایک خاص سورہ مین ان الفاظ کے ساتھ آیا " تبت یدا ابی لھب و تب" آخر ابوجہل کو چھوڑ کر غلام ابولہب کے نام لینے کی کیا وجہ ہے؟

عبدالرحمن ندوی

کندوگلی رنگون۔

معارف: خدا بھلا کرے سائل کا کہ اس نے اپنے سوال کے ذریعہ سے ہم کو اس دور آخر کے ترجمان القرآن مولانا حمید الدین بردا اللہ مضجعہ کے معارف قرآنیہ سے جمہور اہل اسلام کو مستفیض کرنے کا موقع دیا،

سوال بے شبہہ نہایت اہم ہے لیکن تعجب ہے کہ ہمارے مفسرین نے اس سوال کی طرف عام طور پر توجہ نہین کی تفسیرین بہت ہین، اور ہم کو سب کے مطالعہ کرنے کا موقع نہین ملا ممکن ہو کہ کسی مفسر کے دل مین یہ سوال پیدا ہوا ہو اور اس نے اس کا جواب بھی دیا ہو لیکن مولانا حمید الدین مرحوم نے سورہ لہب کی تفسیر مین جس شرح و بسط

کے ساتھ اس دقیق نکتہ کو حل کیا، اس کی نظیر قدیم وجدید کسی تفسیر مین نہین مل سکتی،

یہ سورہ قرآن پاک کی آخری سورتون مین ہے، سورۂ کوثر مین خانہ کعبہ کے عطیہ کی خوشخبری ہے، سورۂ کافرون مین موحدین اور کفار کی علٰحدگی اور برات کا بیان ہے، سورۂ نصر مین مکہ معظمہ کی فتح کی بشارت ہے، اب سورۂ تبت مین مکہ کے دینی رئیس ابولہب کی مخالفانہ کوششون کی بربادی کی خبر ہے، اور بعد ازین سورۂ اخلاص مین دین توحید کی تکمیل کا اعلان ہے،

اس آیت یعنی (تبت یدا ابی لہب) کے معنی یہ نہین ہین کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائین اور یہ بددعا کا فقرہ نہین ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے، بلکہ یہ خبر ہے کہ "ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے"، ہاتھ ٹوٹ جانے سے اس کے عاجزی بیکسی اور بے مددگاری اور اس کی مخالفانہ کوششون کی ناکامی مراد ہے، جیسا کہ اس آیت کے بعد کی آیت ما اغنی مالہ وما کسب (اس کے مال اور اس کی کمائی نے اس کو کچھ فائدہ نہین دیا) یہ محاورہ عربی اشعار توراۃ اور دوسری زبانون مین بھی مستعمل ہے،

اس کے بعد اس آیت کی کھلی ہوئی تفسیر یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دشمنان الٰہی کے رئیس اعظم اور اس امت کے فرعون کے ہلاکت کی خبر دیگئی ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ کا خود یہ قول، "ما اغنی عنہ مالہ وما کسب" جو اس کے بعد اخبار ہے بددعا نہین،

دنیا مین خیر وشر کا تقابل قائم ہے، اس لئے ہر نبی کے مقابل ایک فرعون اس عہد مین ضرور رہا ہے جو نبی کی روحانی قوتون کو توڑنے مین مصروف ہوتا ہے، اور بالآخر وہ ہلاک وبرباد ہوتا ہے، اور مخالفانہ کوششون کا خاتمہ ہوتا ہے، نبی کا مخالف بادشاہ بحیثیت بادشاہ کے نہین ہوتا، بلکہ بحیثیت رئیس دین کے ہوتا ہے، فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی مخالفت ملک مصر کے بادشاہ ہونے کی حیثیت سے نہین کی بلکہ مصر کے رب اعلیٰ (انا ربکم الاعلیٰ) ہونے کے لحاظ سے کی،

اس تمہید کے بعد اب اس مسئلہ پر نظر ڈالنی چاہئے،

(۱) پہلا سبب جس کو حقیقی سبب کہا جا سکتا ہے یہ ہو کہ چونکہ ابولہب ایک دینی منصب رکھتا تھا، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا نام لیا گیا، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے محمد صلعم کو بادشاہ بنا کر نہیں بھیجا تھا اسلئے جو لوگ ملکی حیثیت سے آپ کے مخالف تھے، وہ آپ کے اصلی دشمن نہیں کہے جا سکتے تھے، بلکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو داعی حق، بشیر، نذیر، اور سراج منیر بنا کر بھیجا تھا، اور آپ کو، صبر، نماز، اعلاے کلمۃ اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا تھا، اور ملت ابراہیمی کی رہنمائی اور خانہ کعبہ کو شرک کی نجاست سے پاک کرنے کی خدمت آپ کے سپرد کی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کو آپ کے قریبی اہل خاندان کے ڈرانے کا حکم دیا تھا، کیونکہ یہی لوگ خانہ کعبہ کے مجاور، متولی اور خدمت گذار تھے، صرف رسول اللہ صلعم ہی کی تخصیص نہیں بلکہ تمام پیغمبرون کا یہی طریقہ ہے، دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام علماے یہود کو کس قدر صلواتین سناتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہی امانت الٰہی کے حامل تھے، اس لئے وہ باز پرس و مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتے تھے، اس کے ساتھ وہی جمہور کے پیشوا ہین، اس لئے سب سے پہلے ان کو دعوت دیجاتی ہے تاکہ ان کی اصلاح سے عوام کی اصلاح ہو سکے اگر انبیار عام لوگون کے سردارون کو نظر انداز کر دین تو یہ مداہنت فی الدّین ہوگی، پیغمبرون اور ملکی انقلاب کوشون مین یہی تو فرق ہے، کہ جو لوگ ملک و سلطنت کے خواستگار ہوتے ہین، وہ صرف عوام کو بھڑکاتے ہین، جیساکہ ہر قوم کے باغیون کا شعار ہے، کیا تم کو نظر نہین آتا کہ خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا، حضرت دانیال علیہ السلام بنوخذ نصر یعنی بخت نصر کو دعوت دیتے تھے، جو ایک بہت بڑا بادشاہ تھا، خود رسول اللہ صلعم نے تمام دنیا کے بادشاہون کو دعوت اسلام دی تھی، اب اس اصول کے پیش نظر رکھ لینے کے بعد یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ابولہب خانہ کعبہ کا متولی اور خدمت گذار تھا، لیکن اس نے اس مذہبی سرداری مین سخت خیانت سے کام لیا تھا، اور رفادت کے ذریعہ سے بہت سی دولت جمع کر لی تھی شرک کے ذریعہ سے تو اس نے خانہ کعبہ کے ایک ستون (یعنی توحید) کو منہدم کر دیا تھا، لیکن خیانت کے ذریعہ سے خانہ کعبہ کا ایک اور ستون بھی اس نے گرا دیا تھا، یعنی قربانیون کے ذریعہ سے غریبون کی جو امداد کیجاتی تھی اور

خدا کے مہمانوں یعنی حاجیوں کو جو کھانا کھلایا جاتا تھا اس نے نیکی کے یہ تمام دروازے بند کر دیے تھے، اس لئے اس پر خدا کا عذاب نازل ہوا، اور خانہ کعبہ کی تولیت اس سے چھین لی گئی، اس لحاظ سے چونکہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کا مقصد صرف یہ تھا کہ خانہ کعبہ کو کفار کے غاصبانہ قبضے سے نکال کر اس کو بتوں سے پاک و صاف کریں، اس لئے آپ نے اور رؤسائے قریش یعنی اصحاب ندوہ، اصحاب قیادہ، اور اصحاب لواء کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی، حالانکہ انھیں لوگوں نے آپ کو تکلیفیں پہنچائی تھیں، آپ سے جنگ کی تھی، اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو خانہ کعبہ کے قرب و جوار سے باہر نکال دیا تھا۔ بلکہ آپ نے اس خائن اور دین کے برباد کرنے والے یعنی ابولہب کو زیادہ اہمیت دی کیونکہ وہ اپنے دینی عہدہ کی وجہ سے دین کا اصلی دشمن تھا، اور دینی حیثیت سے تمام قریش اس کے پیرو اور تابع تھے، اس لئے جب خدا نے یہ فرمایا کہ

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ — ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ بالکل ہلاک ہوگیا،

تو گویا یہ فرمایا کہ کفر کے دست و بازو ٹوٹ گئے، اور شر و فساد کے جراثیم فنا ہوگئے،

(۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ ابولہب کی اخلاقی حالت مذہبی اصول اخلاق کے بالکل مخالف واقع ہوئی تھی، کیونکہ رسول اللہ صلعم کو خداوند تعالیٰ نے فضائل اخلاق کا بہترین نمونہ اور مکارم اخلاق کا داعی برحق بنا کر مبعوث کیا تھا چنانچہ خود خداوند تعالیٰ کہتا ہے،

انك لعلیٰ خلق عظیم — اے پیغمبر تم میں ایک بڑے درجہ کا اخلاق پایا جاتا ہے،

اور خود رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے،

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، — میں فضائل اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں،

لیکن تمام فضائل کی اصل فیاضی، صلہ رحمی اور غریبوں کی امداد ہے، اور اہل عرب نے اسی قسم کی اخلاقی فضا میں نشو و نما پائی تھی اس لئے جب رسول اللہ صلعم نے توحید اور ہمدردی کی دعوت دی، تو شرفائے عرب نے اس اخلاقی دعوت کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر آپ کی مخالفت کی کہ وہ شرک میں مبتلا تھے اور

ان کو روز قیامت سے انکار تھا، لیکن ابولہب نے شرک سے زیادہ حرص وحسد کی بنا پر آپ کی مخالفت کی، اور اس کے حالات زندگی کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے، کیونکہ قریش نے جب ظلم اور جاہلی حمیت کی وجہ سے آپؐ کی مخالفت پر اتفاق کیا اور ظالمانہ معاہدہ نامہ لکھکر تمام بنو ہاشم سے جنمین مسلمان اور مشرک دونون شامل تھے علحدہ ہوگئے تو ابولہب بھی انھین ظالمون کا شریک تھا، اور اس طرح اس نے رسول اللہ صلعم کے رحمی تعلقات منقطع کردیئے، حالانکہ یہ اہل عرب کے نزدیک بہت بڑا گناہ خیال کیا جاتا تھا، اور ان کے نزدیک خاندانی تعلقات کا یہ درجہ تھا کہ خدا کے ساتھ خاندانی رشتے کی قسم کا بھی واسطہ دیتے تھے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے خود سورۂ نساء مین فرمایا ہے:

فاتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام، — تو خدا سے ڈرو جس کے واسطے سے اور خاندانی رشتے کے واسطے سے تم کوئی درخواست کرتے ہو،

اس لئے جب اس موقع پر ابولہب نے بنو ہاشم کا خاندانی رشتہ توڑ دیا تو اس نے ذلیل ترین کام کیا، اگر اس مین عرب کی حمیت اور شرافت کا شائبہ بھی ہوتا، تو حضرت ابوطالب کی روش اختیار کرتا، کہ وہ اپنی قوم کے دین (یعنی شرک) پر تو قایم تھے، لیکن باینہمہ (خاندانی رشتہ کی بناپر) رسول اللہ صلعم کی حمایت کرتے تھے، یا حضرت حمزہؓ کی تقلید کرتا، کہ جب ابوجہل نے رسول اللہ صلعم کو تکلیف دینا چاہی تو صرف اپنے بھتیجے (یعنی رسول اللہ صلعم) کی حمایت کے لئے مسلمان ہوگئے، اسی طرح مذہبی شدت وغلو کی بناپر بھی وہ رسول اللہ صلعم اور تمام بنو ہاشم کا مخالف نہ تھا، کیونکہ معرکۂ بدر قریش کا سب سے بڑا معرکہ تھا، اور اسمین تمام شرفاے قریش نے شرکت کی تھی، لیکن صرف ابولہب نے اس معرکے سے پہلوتہی اختیار کی اور اس مین شریک نہ ہوا، اس لئے اگر اس مین ذرہ برابر بھی مذہبی احساس ہوتا تو سرداران قریش کی طرح وہ بھی اس مین شرکت کرکے اپنے دین کی حفاظت کے لئے جنگ کرتا، غرض ابولہب نے عصبیت قومی اور تعصب دینی سے رسول اللہ صلعم کی مخالفت نہین کی، بلکہ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ کفار سے رفادت کا مال لیتا تھا اور خود اپنے لئے اس کو جمع کرتا تھا، اسی

حرص و دنارت کی وجہ سے اہلِ عرب نے اس پر سونے کی اُس ہرن کی چوری کا الزام لگایا تھا، جو خانۂ کعبہ کے اندر رکھا ہوا تھا، حالانکہ وہ عرب کے اُس معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو فیاضی مین مشہور تھا،

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ ابولہب مین ابوجہل کی خودداری اور ابوسفیان کی ریاست نہ تھی جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرتا، بلکہ وہ آپ کی مخالفت صرف اس لئے کرتا تھا کہ آپ اس کو سخاوت و فیاضی کا حکم دیتے تھے، بخل سے روکتے تھے، اور یتیمون، مسکینون اور غلامون کے ساتھ سلوک کرنے کی ترغیب دیتے تھے، اور بنو ہاشم کی رسم کے مطابق قحط کے زمانہ مین بھوکون کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے تھے، اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ سنت تھی جس کو اہلِ عرب نے قائم رکھا تھا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سنت اس لئے قایم کی تھی کہ اہلِ عرب کی روح کو جلا حاصل ہو اور خانۂ کعبہ کی تولیت کا حق ادا ہو، اسلئے وہ رسول اللہ صلعم کی ہدایت وارشاد کو سنکر جل جاتا تھا، کیونکہ اس کے دل مین خیانت اور بخل کا جو مادہ تھا اس سے وہ واقف تھا، غرض وہ صرف مشرک نہ تھا، بلکہ شرک کے ساتھ نیک خصائل و عادات کا بھی دشمن تھا، اور صرف دنیوی زندگی پر قانع ہو گیا تھا، اس لئے وہ رسول اللہ صلعم کی نبوت کا سب سے بڑا دشمن اور فضائلِ اخلاق کے دشمنون کا سردار تھا، جیسا کہ آپ کی نبوت کا سب سے بڑا دوست وہ تھا جو سب سے زیادہ فیاض اور پرہیزگار تھا،

(۳) تیسرا سبب یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے سب سے پہلے دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو اول اوّل ابولہب ہی نے آپ کی مخالفت کی، اس سے قبل کسی نے آپ کی مخالفت نہین کی تھی، بلکہ آپ کی ذات منبع الخیرات کے اثر سے کسی قدر آپ کی باتون کا یقین کرنے لگے تھے، لیکن ابولہب اسلام کی تگ و تاز کیلئے ایک سدِّ راہ بن گیا، اور اہلِ عرب کو آپ سے متوحش و متنفر بنا دیا، چنانچہ جب آپ نے کوہِ صفا پر چڑھکر باواز بلند پکارا "یاصباحاہ" تو اہلِ مکہ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ مین تم کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہون، "اس پر ابولہب نے کہا" تبالک لہذا دعوتنا "یعنی تم پر ہلاکت ہو کیا اسی لئے ہم کو بلایا ہے، پھر جب خدا نے آپ کو آپ کے عزیز اعزہ کے ڈرانے کا حکم دیا، اور آپ نے ان کو بلا کر کھانا کھلایا، اور کھانے سے فارغ

ہونے کے بعد ان سے گفتگو کرنی چاہی تو ابولہب بول اٹھا "محمد نے تم کو کس قدر مسحور کر دیا ہی" اب سب لوگ منتشر ہو گئے اور آپ ان سے گفتگو نہ کر سکے، پھر جب آپ کو اپنی خاص قوم سے مایوسی ہوئی اور ایام حج مین آپ تمام قبائل عرب کو ایمان و توحید کی دعوت دینے لگے، تو ابولہب نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپ کے پیچھے پیچھے (لوگون کو بھڑکانے کیلئے) کہتا کہ لوگو تمکو یہ، یہ دعوت دیتا ہی کہ لات وعزیٰ اور اپنے حلیف بنو مالک بن اقیش کے جن کا جوا اپنے کندھون سے اتار پھینکو اور اس کی پیدا کی ہوئی بدعت اور گمراہی کو قبول کرو، تو تم نہ اس کی اطاعت کرو، نہ اس کی بات سنو" غرض ابتدائے اسلام سے وہ اسلام کا دشمن رہا، اور اسی بغض وعداوت کے ساتھ مر بھی گیا،

(۴) چوتھا سبب یہ ہے کہ ابولہب رسول اللہ صلعم کا نہایت قریبی عزیز یعنی چچا تھا، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس کا نام صراحت کے ساتھ اس لئے لیا تاکہ ہم کو معلوم ہو سکے کہ جب کسی کے اعمال اس کو خدا سے الگ کر دیتے ہین تو نیکون کی عزیزداری یہانتک کہ خدا کے محبوب پیغمبر کی رشتہ داری بھی اسکو کوئی فائدہ نہین پہنچا سکتی جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:-

لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیمۃ — قیامت کے دن تمھاری قرابتین اور تمھاری اولادین تمکو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکین گی

اس معاملے مین ابولہب کی مثال ٹھیک آزر کی ہی جسکی نسبت ارشاد خداوندی یہ ہے:-

وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم، — ابراہیم نے اپنے باپ کیلئے مغفرت کی جو دعا مانگی تھی وہ ایک وعدے کی بنا پر تھی جسکا انھون نے اس سے وعدہ کیا تھا لیکن جب ابراہیم کو معلوم ہوا کہ وہ خدا کا دشمن ہی، تو اس سے علحدگی اختیار کر لی بیشک ابراہیم بردبار ہے،

تو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اتمام حجت کے بعد اپنے باپ سے علحدگی اختیار کر لی اسی طرح تکمیل دعوت اور ہجرت کے بعد محمد رسول اللہ صلعم نے اپنے چچا کے خلاف صدائے حق بلند کی حالانکہ یہ آپ پر نہایت شاق تھا کیونکہ آپ تمام لوگون پر عموماً اور اپنے اعزہ پر خصوصاً نہایت مہربان تھے، اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے تھے، یہانتک کہ خدا نے اس کی ممانعت کر دی،

"ع"

ادبیات

مادّہ پرست سے خطاب

از جناب محمد اسد خان صاحب بی اے ملتان،

حیرت میں کیوں ہے، عقدۂ مشکل کو دیکھکر! کر زندگی پہ غور ذرا دل کو دیکھ کر،
افسوس تو سراغ حقیقت نہ پا سکا ارض و سما کے جلوۂ باطل کو دیکھ کر
ساقی کی چشم مست سے محروم ہی رہا گردون پہ تو نجوم کی محفل کو دیکھ کر
محمل نشین کی تجھ کو خبر کیا کہ غش ہے تو نقش و نگار پردۂ محمل کو دیکھ کر
تیری نگاہ قبر سے آگے نہ جا سکی ہنستی ہے زندگی، تیری منزل کو دیکھ کر
مست[1] کہہ کہ پا لیا دُرِ دریاے معرفت اک سنگریزۂ لب ساحل کو دیکھ کر
تحقیق سے گمان کے سوا کیا ملا تجھے؟ حیران ہون تیرے علم کے حاصل کو دیکھ کر
حسنِ ازل کے نور کا پرتو ہے زندگی سورج کو مان لے مہ کامل کو دیکھ کر
کر علت العلل کی طرف ذہن منتقل خود اپنے منتہاے دلائل کو دیکھ کر
قانون ساز کون ہے آخر؟ ذرا تو سوچ نظم نظام قدرت کامل کو دیکھ کر
کیا تجھ پہ مادّے کی حقیقت نہین کھلی؟ ذرّے کے پارہ پارہ شدہ دل کو دیکھ کر

واللہ تازہ ہوتا ہے ایمان اے اسد
سائنس کے جدید مسائل کو دیکھ کر،

---

[1] سر اسحاق نیوٹن کے مشہور قول کی طرف اشارہ ہے۔ "اسد"

باب التقریظ والانتقاد

اردو زبان کے چند جدید رسالے

گذشتہ ششماہی مین اردو کے جو جدید رسالے نکلے ہین، وہ حسب ذیل ہین :-

سعید (ماہوار مصور) اڈیٹر ڈاکٹر سید احمد سعید بریلوی حجم ۷۶ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت سالانہ ہے، پتہ :- دفتر سعید کوچۂ چیلان دہلی،

ایسٹرن لٹریچر کمپنی دہلی کا ارگن رسالہ کامیابی" جو ڈاکٹر سید احمد صاحب سعید بریلوی کی ادارت مین نکلنا شروع ہوا تھا، اس کے بند ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ذاتی نگرانی مین زیر نظر رسالہ "سعید" نکلنا شروع ہوا ہے "سعید" کا اصل مقصد مسلمانون کی اقتصادی اصلاح کرنا ہے، چنانچہ شاہراہ کامیابی" اور" رازحیات" وغیرہ کے عنوان سے اس موضوع پر اس مین متعدد مضامین شایع ہوتے ہین، نیز رسالے کے مستقل عنوان" مذہب و اخلاق" "علم و ادب" اور" حفظان صحت و علاج امراض" وغیرہ بھی ہین، رسالہ مجموعی حیثیت سے دلچسپ ہے، اس کے چند پرچے نظر سے گذرے ہین، اور اس وقت پہلا نمبر بابت ماہ اگست ۱۹۳۱ء زیر نظر ہے، اس مین مختلف مقالات "مسلمان اور قومی آزادی کی تحریک" ڈاکٹر عابد حسین صاحب" یاد رفتگان" پنڈت برجموہن دتاتریا کیفی، اور فسانہ "تنہا قلی" ڈاکٹر سعید، وغیرہ کارآمد اور دلچسپ مضامین ہین، ڈاکٹر صاحب اردو کے پرانے اور اچھے لکھنے والے ہین، توقع ہے کہ وہ اپنی ذاتی مستعدی سے "کامیابی" کی ناکامی کی طرح "سعید" کو ناکامیاب ہونے دینگے،

تبلیغ (ماہوار مصور) اڈیٹر ابوالبیان آزاد حجم ۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت سالانہ ہے، پتہ :- دفتر رسالہ تبلیغ جوڑیوالان دہلی،

رسالہ تبلیغ اگرچہ اپنے نام کے لحاظ سے ایک مذہبی پرچہ ہے، لیکن مضامین کے اعتبار سے عام ادبی رسائل کی صف مین داخل ہے، مضامین چند ابواب "مذہبی" "ادبی" اور "افسانے" وغیرہ مین تقسیم ہین،

بچون کی دنیا، (ماہوار مصور) اڈیٹر سید حامد علی حامد، دیوی دت شکل حجم ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ، اور بچون کے مناسب، قیمت سالانہ عہ، نمونہ مفت، پتہ: منیجر انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد،

انڈین پریس الہ آباد سے چھوٹے بچون کے لئے یہ خوبصورت، مفید، اور دلچسپ رسالہ "بچون کی دنیا" کے نام سے جاری کیا ہے، جو اپنی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے بچون کو اپنی طرف مائل کرنے والا ہے، مضامین اور نظمین بھی بچون کی سمجھ کے مطابق ہوتے ہین، جن سے ان کی دماغی و اخلاقی تربیت ہو سکتی ہے، غالباً یہ بچون کے رسالون مین سب سے بہتر رسالہ ہے، جو بچون کی تعلیم و تربیت کے لئے کارآمد ہوگا،

تربیت، (پندرہ روزہ) مدیر مسعود عالم ندوی حجم ۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی نہایت ناقص کاغذ معمولی، قیمت سالانہ ہے، پتہ:۔ دفتر رسالہ تربیت قلعہ، بہار شریف ضلع پٹنہ،

صوبہ بہار کی سرزمین رسالون کے لئے جس قدر شور واقع ہوئی ہے، شاید ہندوستان کا کوئی خطہ اس قدر بنجر نہ ہوگا، اس گذشتہ ششماہی مین جن چند رسالون کا تعارف کرایا گیا تھا، اُن مین اب بجز ندیم گیا کے کوئی بھی جاری نہین، اب وہین سے ایک جدید پندرہ روزہ رسالہ تربیت جاری ہوا ہے، جو قصبہ بہار شریف سے نکلنے لگا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ رسالہ اپنے مضامین، ترتیب، لکھائی اور چھپائی ہر حیثیت سے کم از کم ایسی توجہ کا محتاج ہے کہ عام ادبی رسائل کی سطح پر تو آجائے، ضرورت ہے کہ مولوی مسعود عالم صاحب ندوی اڈیٹر رسالہ بذات خود اس پر توجہ کرین،

فلمی دنیا، (مصور) ادارۂ تحریر دائی کے طارق و ظفر احمد تبریزی حجم ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت ۳ر پتہ:۔ دفتر فلمی دنیا نمبر ۱۱ ہریسن روڈ کلکتہ،

جناب دائی کے طارق نے کلکتہ سے چند ماہ گذرے "فلم ریویو" کے نام سے ایک رسالہ نکالا تھا، اور

اب اُس سے علٰحدہ ہونے کے بعد "فلمی دنیا" کے نام سے ایک جدید رسالہ جاری کیا ہے، جسمین تمامتر فلم سے متعلق مضامین ہوتے ہین، اسوقت پہلا نمبر بابتہ ماہ اکتوبر ۳۱ء ہمارے پیش نظر ہے، جسکے شذرات مین فلمی دنیا کے مقاصد واضح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اُردو دان طبقہ کو فلم کی کرشمہ سازیون سے واقف کرنا، اور نیز اسکے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنا ہے ... اور نیز اسلامی ممالک کی فلم سازی وغیرہ سے باخبر کرنا ہے"،

کائنات، مرتبہ سراج الحسن تمنا صدیقی حجم ۴۶ صفحے لکھائی چھپائی معمولی، کاغذ اوسط درجہ قیمت سالانہ سے، پتہ :- دفتر رسالہ کائنات بلند شہر،

رسالہ کائنات اپنے شہر کے بلند پایہ مضمون نگار جناب سید حسن صاحب برنی ایڈوکیٹ کی سرپرستی مین ماہ جولائی ۳۱ء سے جاری ہوا ہے، سرورق پر "علمی، ادبی، اخلاقی و تاریخی مضامین کا مجموعہ، کے لقب سے رسالہ کو روشناس کیا گیا ہے، رسالہ کا پہلا نمبر ہمارے پیش نظر ہے، جسمین "امیر خسرو اور ہندوستان کی محبت" ایک دلچسپ مضمون ہے، نیز اردو کے بعض مشہور شعراء اصغر و جگر و ساغر وغیرہ کے کلام شایع ہوئے ہین، مولوی سید حسن صاحب برنی ایڈوکیٹ ملک کے روشناس اہل قلم مین ہین، اگر رسالہ کو انکی سرپرستی حاصل رہی تو توقع ہے کہ آیندہ یہ اُردو کے اچھے اور کارآمد رسالون مین جگہ حاصل کریگا،

الایمان، مدیر خصوصی :- محمد مظہر الدین حجم ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی قیمت عہ پتہ :- دفتر اخبار الامان دہلی،

مولانا محمد مظہر الدین صاحب مالک الامان کی ادارت مین الایمان کے نام سے ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے، چونکہ یہ ایک اخبار کے دفتر سے شایع ہونا شروع ہوا ہے، اس لئے ارادی وغیر ارادی طور پر اکثر مباحث سیاسی ہین اور اکثر مضامین غیر زبان کے اخبارات اور رسائل کے مضامین کا ترجمہ اس سے اگر سیاسی مباحث خارج کر کے اسکو خالص ادبی و علمی پرچہ بنا دیا جائے تو بھی غیر زبان کے اچھے ملکی و غیر ملکی اخبارات و رسائل کے ترجمون سے اس قسم کا مفید رسالہ جاری رہ سکتا ہے، تاہم اس صورت مین بھی یہ رسالہ اپنے مضامین کے اعتبار سے مطالعہ کے لایق ہے، اسوقت مئی جون کا مشترک نمبر ہمارے سامنے ہے، رسالہ کے نام کی مناسبت سے بعض مذہبی مضامین بھی ہین نیز افسانے اور تاریخی واقعات کے چٹکلون سے بھی رسالہ کو دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے، "ر"

مطبوعات جدیدہ

برہان التنزیل، مصنفہ مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی، حجم ۲۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی، کاغذ اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ: جناب محمد متین صاحب منیجر علمی کتبخانہ دیوبند ضلع سہارنپور۔

مولانا محمد مسلم صاحب عثمانی نے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کو دو سو عقلی دلیلون سے اس مفید تالیف مین ثابت کیا ہے، کتاب کا آغاز ایک مقدمہ سے ہوتا ہے جسمین پہلے کلام الٰہی کے اوصاف متعین کئے گئے ہین، پھر انھین اوصاف کے لحاظ سے قرآن مجید کو جانچا گیا ہے، اس کے بعد مختلف ابواب مین مختلف مباحث پیش کئے گئے ہین، مثلاً قرآن مجید کی مختلف پیشین گوئیون کا پورا اترنا، مخالفین اسلام کے راز سربستہ کا انکشاف کرنا، قرآن مجید کا دعوی فصاحت اور مشرکین کی ناکامی، قرآن مجید کا نوامیس فطرت کو مقرر کرنا، اور جدید سے جدید ترقیون کے باوجود نوامیس کے ان اصول کا ازلی و ابدی ثابت ہونا، حقایق قرآنی، قرآن مجید کے دعوون کے مقابلہ مین عجز انسانی، قرآن مجید کی تعلیمات کا قدیم صحف سماوی کے مطابق ہونا، اور سیرت نبوی سے کلام مجید کے کلام الٰہی ہونے کی تصدیق وغیرہ، کتاب کا طرز استدلال و اسلوب بیان دلآویز ہے، لیکن افسوس ہے کہ مباحث مین نظم و ترتیب کی کمی ہے، فہرست مضامین بھی منسلک نہین، لیکن جو مباحث ہین وہ اپنی جگہ پر جامع ہین، اور جو دلائل ہین وہ تشفی بخش اور مستحکم ہین، ضرورت ہے کہ جدید تعلیم یافتہ حلقون مین اس کی اشاعت کیجائے،

قرآن اور نئی روشنی، مترجمہ جناب مولوی سید حبیب احمد صاحب کاظمی امروہوی، حجم ۱۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ: منیجر صاحب ترقی بک ڈپو چھوٹا مارکیٹ کراچی (سندھ)

مصری صاحب قلم شیخ طنطاوی جوہری نے "القرآن والعلوم العصریۃ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا، اس کا اردو ترجمہ "قرآن اور نئی روشنی" کے نام سے کیا گیا ہے، رسالہ کا مقصود مسلمانون کو علوم جدیدہ کی طرف مائل کرنا ہے، اسکی دعوت کیلئے کلام مجید کی مختلف آیتون سے دکھایا گیا ہے کہ قرآن مجید مین مختلف علوم جدیدہ کی اصل کا سراغ

ملتا ہے، طرزِ استدلال یہ ہے کہ مثلاً قرآن مجید کی جن آیتون مین "نبات" کا ذکر آیا ہے، ان سے علم نباتات کی تحصیل، اور جنمین "نجوم" کا ذکر آیا ہے ان سے علم ہیئت کی تحصیل کی ضرورت ثابت ہوتی ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے،

مولودِ ہمایون، از جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب شروانی، حجم ۱۶۶ صفحے، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت عہ، پتہ:۔ مکتبۂ عہد آفرین، ترپ بازار، حیدرآباد دکن،

جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب شروانی رئیس دتاولی کے سلسلۂ تالیف "اسلامی خلافت کا کارنامہ" کا تعارف ایک سے زیادہ مرتبہ ان صفحات مین ہوچکا ہے، "مولودِ ہمایون" اسی کا ایک حصہ ہے، اور اس پر بھی چند سال گذرے تبصرہ کیا جاچکا ہے، اب اسی کا طبع ثانی مکتبۂ عہد آفرین حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اس مین آنحضرت صلعم کی ولادت سے ہجرت تک کے حالات ہین جن مین آپ کی اخلاقی تعلیمات کو خصوصیت سے جمع کیا گیا ہے،

عطیۂ پیغمبر، پیغامِ رسول، مظہرِ علم و دین } تصنیفات جناب غلام علی خان صاحب کامل جوناگڈھی حجم بہ ترتیب ۱۱۶، ۱۲۹–۳۶ صفحات تقطیع چھوٹی، پتہ:۔ جناب منشی غلام علی خان صاحب کامل، جوناگڈھ کاٹھیاواڑ،

اول الذکر دونون رسالے چند اخلاقی رباعیات پر مشتمل ہین، نیز انھین اخلاقی احادیث کا مختصر مجموعہ بھی کہا جاسکتا ہے، ہر رسالہ مین پچاس پچاس سے زیادہ حدیثین ہین، ایک صفحہ پر ایک حدیث اور اس کا سلیس ترجمہ اور مقابل کے صفحہ پر اسی حدیث کے مضمون کو ایک ایک رباعی مین درج کیا گیا ہے، اور آخر الذکر رسالہ "مظہر علم و دین" مین "فضیلت علم و مذمت جہل" کے عنوان پر ایک مختصر مثنوی لکھی ہے، ان رسالون کا مطالعہ عام مسلمانون کے لئے مفید ہوگا،

مغز نغز از مولٰنا ابوبکر محمد شیث صاحب جون پوری، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی حجم ۲۳۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت عہ، پتہ:۔ مولوی ابو المغازی علی اعلیٰ محلہ قضیانہ جونپور،

مولٰنا ابوبکر محمد شیث صاحب نے مسلم یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کے لئے مثنوی مولانا روم کے شش دفتر کا عطر اس مختصر مجموعہ انتخاب "مغز نغز" مین کھینچا ہے جو شش دفتر کی مناسبت سے چھ ابواب مین منقسم ہے، پہلا باب گویا

دیباچہ کتاب ہے، جسمین حمد و نعت و مناقب و اشعار مثنوی متعلق بہ مثنوی ہین، دوسرا باب مبادیِ تصوف مین ہے، جس مین مسائل ذات و صفات، نبوت، وحی، اور معجزات وغیرہ کا بیان ہے، تیسرے باب مین عام مسائل، اصطلاحیہ وحدت وجود، خیر و شر، جبر و اختیار، اور پھر مختلف ابواب مین فن تصوف کی تعلیمات، ریاضت، ارادت، مجاہدہ، ایمان و توبہ اور نتائج تعلیمات مقامات و احوال، پھر اخلاق حسنہ، زہد و تقویٰ، صبر و قناعت، شکر و سخاوت اور اسی طرح اخلاق رذیلہ کبر و نخوت، حرص و طمع شہرت و جاہ وغیرہ کے متعلق مثنوی کے منتخب اشعار مختلف عنوانون مین درج ہین، آخری باب حکایات مین ہے، جس مین سو سے زیادہ مثنوی کی حکایتین اختصار کے ساتھ اخذ کرلی گئی ہین، انتخاب کی اصل خوبی سلسلۂ بیان و سلسلہ حکایت کے ربط و تسلسل کو انتخابات کے باوجود قایم رکھنا ہے، اور یہ جامعیت بلحاظ تسلسلِ بیان در اصل مولانائے موصوف کے اس طویل مطالعہ کا نتیجہ ہے جو ان کے ذوق و عقیدت سے مثنوی کے اوراق ہمیشہ ان کے سامنے کھلے رہے ہین، اور جب انتخاب کا وقت آیا تو گویا زبانِ مثنویِ مولوی مین خلاصہ مباحث از خود قلمبند ہوگئے، کتاب کی ابتدا مین ایک مقدمہ ہے جس مین مولانائے روم کے سوانحِ حیات اور مثنوی کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے، توقع ہے کہ یہ مجموعۂ انتخاب، نصابِ درس کے علاوہ اربابِ ذوق مین بھی مقبول ہوگا،

منکرانِ خدا سے خطاب، از جناب مولوی سید علی اختر صاحب اختر، حجم ۲۹ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۴ر پتہ:- مکتبہ عہد آفرین ترپ بازار، حیدر آباد دکن،

مولوی سید علی اختر صاحب اختر اس وقت حیدر آباد کے اچھے لکھنے والے شعراء مین ہین، زیر تبصرہ رسالہ انھین کے قلم سے نکلا ہے جسمین وجود باری تعالیٰ پر نہایت لطیف و موثر انداز بیان مین روشنی ڈالی گئی ہے، اگرچہ وجود باری تعالیٰ کے دلائل وہی ہین جو علم کلام مین عام طور پر بیان کئے جاتے ہین، لیکن اندازِ بیان مین منطقی دعویٰ و استحالہ کا تصور نہین پایا ہے، رسالہ کی ابتدار مین مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کا ایک مقدمہ ثبت ہے،

مثنوی ناسخ، مرتبہ جناب حبیب اللہ صاحب غضنفر ایم اے، ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی، ناشر ہندستانی ریلوے روڈ الہ آباد، تقطیع چھوٹی، کاغذ عمدہ، خط ٹائپ، قیمت ۱۲؍

شیخ ناسخ مرحوم کی ایک مثنوی مناقب علیؓ مین تھی جو دیوان ناسخ مین شایع ہو چکی ہے، اور نیز علیحدہ رسالہ کی شکل مین بھی چھپ چکی ہے، اسی مثنوی کو جدید تحشیہ و تعلیق کے ساتھ شایع کیا گیا ہے مثنوی حمد و نعت کے بعد مناقب علیؓ کی مختلف اہم احادیث و روایات کے ترجمون پر مشتمل ہے، مرتب نے ان احادیث کا اصل متن بھی تلاش کرکے مقدمہ مین منسلک کر دیا ہے، یہ روایتین اہل سنت و شیعہ دونون کی کتابون سے ماخوذ ہین، اور آخر مین مغلق الفاظ کا فرہنگ لگایا گیا ہے، اور نیز مقدمہ مین شیخ ناسخ کے مختصر سوانح حیات لکھے ہین، اور پھر اسی مقدمہ مین اس مثنوی کے شاعرانہ خصوصیات دکھائے گئے ہین جس مین اس کو شعریت کے انبار کا حامل بتایا گیا ہے، حالانکہ یہ مثنوی محض مذہبی روایات کے سادہ اور سلیس ترجمہ پر مبنی ہے اور اس سے زیادہ اور کچھ نہین، اسی طرح مرتب کی بعض اور تنقیدین بھی محل نظر ہین،

تلاش حق، مترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی، حجم جلد اول ۳۶۲ و جلد دوم ۴۴۳ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ہر ایک جلد کی ایک ایک روپیہ،

"تلاش حق" مہاتما گاندھی کی خود نوشت سوانح حیات کا اردو ترجمہ ہے، اگرچہ مہاتما گاندھی کو دور حاضر مین جو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے، وہ ان کی پر ہیجان، سیاسی جد و جہد کے باعث ہے، لیکن اس تلاش حق مین ان کی زندگی کا اصل مطمح نظر اس اضطراب انگیز سعی عمل سے بالکل علیحدہ گیان اور معرفت کے حصول کی ایک بہت ہی خاموش سعی نظر آتی ہے، اور وہ اپنے مطلوب منتہاے عرفان کو اپنے الفاظ مین "حق" کے لفظ سے ادا کرتے ہین، گاندھی جی کو اعتراف ہے، کہ ابھی تک انھون نے عرفان کی وہ تجلیان نہین پائی ہین جنھین اصل مطلوب کہا جاتا ہے، چنانچہ کہتے ہین "خدا کی پرستش مین اسے حق محض سمجھکر کرتا ہون، مین نے اسے ابتک نہین پایا، مگر مین برابر اسے ڈھونڈھ رہا ہون، ......" "تلاش حق" اسی "متلاشی حق" کی جستجوون کی ایک تعبیری سرگذشت ہے، ان دونون جلدون مین گاندھی جی کی پیدائش سے تحریک ترک موالات کے آغاز تک کے حالات ہین، اور ساتھ مین تلاش حق کی وہ تمام منزلین نظر آتی

ہین، جو گاندھی جی کا اصل مقصد حیات ہے، کتاب کے اردو ترجمہ کے لئے اردو کے لایق و مستند مترجم کا نام کافی ہے، جنھون نے لفظی ترجمہ کی رعایت کے ساتھ گاندھی جی کے اصل مفہوم کو ایسے انداز بیان مین جو بالعموم خود گاندھی جی اردو مین رکھتے ہین، ادا کرنے کی کوشش کی ہے، کتاب مین جا بجا گاندھی جی کی مختلف زمانون کی تصویرین بھی دی گئی ہین،

بس کا روکھ، مترجمہ جناب فدا علی خان ایم اے علیگ صدر شعبۂ فارسی و اردو ڈھاکہ یونیورسٹی ناشر:- کتابستان ریلوے روڈ الہ آباد، حجم ۲۶۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، خط ٹائپ، قیمت عہ

"بس کا روکھ" یا زہریلا درخت" بنگال کے مشہور افسانہ نگار بابو بنکم چندر چٹرجی کے ایک افسانہ کا اردو ترجمہ ہے، جس مین دکھایا گیا ہے کہ جس وقت انسان کے دل مین معصیت کا بیج جگہ پاتا ہے، اس کو اسی وقت اکھیڑ کر پھینک دینا چاہئے، ورنہ وہی بیج ایک زہریلا درخت بنکر انسانیت کی بربادی کا موجب ہوتا ہے، اسی خیال کو اس افسانہ مین نہایت سبق آموز، رقت انگیز، اور دلچسپ پلاٹ مین پیش کیا گیا ہے، یہ افسانہ بابو بنکم چندر چٹرجی کے مشہور افسانون مین ہے، اور اس کا ایک اردو ترجمہ اس سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے، اس لئے افسانہ کے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہین، لیکن اس جدید اردو ترجمہ کی ایک خصوصیت کا اظہار ضروری ہے، جس کو کتاب کے سرورق پر "بس کا روکھ ہندوستان کی مشترکہ زبان مین" کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے، مترجم کا نفس مقصد نہایت لایق ستائش ہے، اگرچہ ہمین افسوس ہے کہ اس مشترکہ زبان کے لئے الفاظ اور جملون کی ترکیبون کے انتخاب مین مترجم کا قلم جادۂ اعتدال پر قائم نہین رہا ہی، اور چونکہ مترجم کے لئے اس قسم کی یہ پہلی کوشش ہے، اس لئے قلم مین وہ سلاست و روانی بھی نہین آئی ہے، جو ہر تحریر کا جزو ہوتی ہے خواہ وہ کسی ایک فرقہ کی زبان ہو یا مشترکہ زبان کہلاتی ہو،

دولتِ غزنویہ، از مولوی محمود الرحمن صاحب ندوی، ناشر:- شیخ علی بخش احمد بخش مالکان کتبخانۂ دار الآداب اندرون بھاٹی دروازہ لاہور، حجم ۳۴۹ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت عامہ

"دولت غزنویہ" سلطنت غزنویہ کی تاریخ ہے، جسمین دولت سامانیہ کے زوال کو دکھا کر غزنویہ کی بنیاد، عہد بعہد کی

ترقی ملکی فتوحات اور علمی و تمدنی خدمات کو اجمال سے دکھایا گیا ہے، مصنف کو اس کتاب کی ترتیب کا خیال پنجاب کے اسکولوں کی تاریخی کتابوں کو دیکھ کر پیدا ہوا، اسلئے کتاب میں نمایاں پہلو عام الزامات کی تردیدوں کو حاصل ہے جنکو مرتب نے عربی فارسی ماخذوں سے مرتب کیا ہے، لیکن بہتر تھا کہ اس مقصد کیلئے "دولت غزنویہ" لکھنے کے بجائے "سیرت محمود غزنوی" مرتب کیجاتی، اور اسطرح بہت سے مباحث جو اس کتاب میں بیگانہ معلوم ہوتے ہیں وہ "سیرت محمود غزنوی" میں کھپ جاتے، مثلاً دیباچہ میں "تاریخ ہند قدیم" "تاریخ ہند اور اسلام" یا امیر سبکتگین کے حالات کے ضمن میں "عربوں اور اہل ہند کا پہلا مصافحہ" کے عنوان سے ۸ صفحوں کی طویل بحث بے جوڑ معلوم ہوتی ہے جسکو یہاں زیادہ سے زیادہ چند سطروں میں بیان کرنا تھا، نیز یہ افسوس ہے کہ کتاب کی عام ترتیب بہت زیادہ ناقص ہے، مثلاً مباحث و واقعات کو ایجابی پہلوؤں کیساتھ پیش کرنے کے بجائے ہر جگہ سلبی و تردیدی اسلوب بیان میں پیش کیا گیا ہے، مثلاً محمود کے حملہ ہند کے جسقدر واقعات بیان کئے ہیں انھیں ہر جگہ "مورخ ہند لیتھبرج" کے بیان کے رد کیساتھ شروع کیا گیا ہے، اور اس طرح شکل سے پتہ چلتا ہے کہ خود مولف کے نقطۂ نظر سے یہ واقعہ کیونکر، کب اور کس شکل میں پیش آیا، اور پھر متعدد ابواب جو قائم کئے گئے ہیں اور مختلف عنوان جو دیئے گئے ہیں وہ بھی نئی ترتیب کے محتاج ہیں، اور اسیطرح اسلوب بیان میں ژولیدہ بیانی بھی نظر آتی ہے، مثلاً ۹۵ پر ہے کہ سلطان نے واپسی کے وقت بھیرہ پر حملہ کیا، لیکن اسکے بعد ہی حملہ روم کے عنوان میں دوسرے ہی صفحہ پر لیتھبرج کے اسی بیان حملہ بھیرہ کی تردید کیجاتی ہے، اور بھیرہ کے بجائے "بھنڈے" پر حملہ بتایا جاتا ہے، کوئی بات صاف اور واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی، کہ مولف کا مقصود کیا ہے، بجز اسکے کہ زیادہ سے زیادہ حد امکان تک لیتھبرج کی تردید کیجائے، اور تردید میں بھی لب و لہجہ اکثر جگہ حد درجہ غضب آلود ہے، اور پھر لطف یہ ہے کہ محمود کے سر سے الزامات کے دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے، لیکن مولف نے محمود کے حملہ ہند کے واقعات جس مجاہدانہ جوش و خروش سے بیان کئے ہیں، اور پھر ان سے جو "دینی خدمات" ثابت کئے ہیں، انھیں دیکھ کر تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ محمود کا بڑا احسان یہی ہوتا کہ یہ احسانات نہ کئے جاتے، فارسی عربی ماخذوں سے واقعات کو جانچ پڑتال کر کے لکھنے کے بجائے تمام رطب و یابس جمع کر دیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ لائق مولف اس کی طبع ثانی میں نہایت توجہ سے نظر ثانی کریں، کتاب میں چند تصویرین بھی

ناشرین کتب کو اطلاع، افسوس ہے کہ کثرت مطبوعات کے باعث ہم اپنے وعدوں کے باوجود ۱۹۳۱ء کے اختتام تک بہت سی کتابوں کے تبصرے سے سبکدوش نہیں ہو سکے، اس لئے سال رواں کے آغاز سے عارضی طور پر مطبوعات کے ان صفحات کو دو چند کر دیا گیا ہے، امید ہے کہ دو تین مہینوں کے اندر ۱۹۳۱ء تک کی تمام موصولہ کتابوں پر تبصرے شایع ہو جائیں گے، "سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر"

جلد بست و نہم ۲۹ | ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۳۲ء | عدد ۲

مضامین

موحدون کی عید

دنیا مین ہر مذہب و ملت نے سال کے مختلف دنون کو قومی و مذہبی خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے چن لیا ہے اور چونکہ ہر مذہب و ملت کا نقطۂ نظر یکسان نہین اس لیے ان دنون کے انتخاب اور تعین مین بھی یکسانی نہین، یہودیون کے دن الگ ہین، عیسائیون کی تاریخین دوسری ہین، ہندون کے تہوار اور ہین اور مجوسیون کے ایام جشن خاص ہین، اسی طرح مسلمانون کی عیدین بھی سب سے علحدہ ہین،

ان عیدون اور تہوارون کا ایک عمومی مقصد تو یہ ہے کہ ملت کے الگ الگ افراد اور خاص خاص خاندانون کو گو سال کے مختلف دنون مین خوشی و مسرت کے سامان پیش آتے ہین، مگر صورت حال یہ ہے کہ زید کو خوشی ہے تو عمر کو نہین، بکر کے گھر شادی ہے تو خالد کے گھر غم، ایک گھر سے انبساط کے نغمے بلند ہو رہے ہین، تو دوسرے گھر سے صدائے ماتم، غرض فطری طور سے انسانون کی قسمت مین یہ نہین ہے کہ زید کی خوشی پوری قوم کی خوشی بنجائے اور بکر کی مسرت پوری ملت کی مسرت کا باعث ہو جائے، اس لیے جماعتی اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ سال مین کچھ دن ایسے مقرر کیے جائین جنمین تمام افراد علحدہ علحدہ شخصیتون کے احوال کا لحاظ کئے بغیر خوشی و مسرت کا عام اظہار کر سکین، اور اسطرح قومی و ملی وحدت کا سمان مجسم ہو کر آنکھون کے سامنے آجائے،

دوسرا مقصد ان تہوارون کا یہ ہوتا ہے کہ واقعات خواہ چھوٹے ہون یا بڑے وہ بہرحال کسی نہ کسی دن واقع ہوتے ہین، جب کسی دن مین کوئی ایسا تاریخی واقعہ کسی قوم و ملت مین پیش آتا ہے جس کو یاد رکھنا اس کی اپنی قومی و ملی زندگی کے لیے ضروری ہوتا ہے، تو اس دن کو یوم عید، روز جشن اور تہوار کا دن مان لیا جاتا ہے، تاکہ سال بسال اس کی یاد تازہ ہوتی رہے،

یہی دونون مقصد مسلمانون کی عید مین بھی نہان ہین، مگر سوال یہ ہے کہ اس کے لیے کون سے دن منتخب کیے جائین، ہندوستان کے تہوارون پر غائر نظر ڈالو تو ظاہر ہوگا کہ اس نے اس کے لیے عجائبات قدرت اور زمین و آسمان کے فطری انقلابات کو زیادہ تر اپنی خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے اختیار کیا ہے، زمین کے موسمون کے تغیرات اور آسمان کے سورج اور چاند کی حرکات کو اپنی خوشی کے اوقات بنائے ہین، جاڑا شروع ہوا تو ایک تہوار، گرمیون کا آغاز ہوا تو ایک تہوار، برسات ہوئی تو ایک تہوار، ساتھ ہی سورج گرہن اور چاند گرہن اور دوسرے ارضی و سماوی انقلابات اس کے تہوار کے دن ہین،

مجوسیون کے ہان دوسرے تمام ارضی و سماوی انقلابات و تغیرات کو چھوڑ کر صرف نیر اعظم کی عظمت اور یاد ان کے ایام جشن صرف خورشید انور کی نیرنگیون کے نذر ہین، نوروز کے جشن، نئے سال کا آغاز اور بہار کے دن ہین،

یونانیون، رومیون، مصریون، اور دوسری بت پرست قومون مین تہوار کے یہ دن ان کے علم الاصنام اور میتھالوجی کے قصون کی مناسبت سے تھے، اور انھین کی محرف نقل رومی عیسائیون نے اتاری، اور ان کو حضرت عیسیٰؑ کے یادگاری دنون سے نسبت دیکر کرسمس، نیوایرس ڈے، اور ایسٹر بنا لیے، حالانکہ ان دنون کو تاریخی حیثیت سے حضرت عیسیٰؑ سے دور کی نسبت بھی نہین، یہ وہی رومی بت پرستون کے تہوار کے دن ہین جنکو اپنے خدا کے بیٹے کے لیے بھی انھون نے اختیار کر لیا،

یہودیون کی اکثر عیدین خوشی کے بجائے غم کے دن ہین، اور ان کی حیثیت کفارہ کی ہے، وہ جسطرح مہینہ کا ہر ساتوان دن اُن کا سبت تھا، اسی طرح سال کا ساتوان مہینہ ان کی یادگار اور کفارہ کا سال تھا، اس کی مختلف تاریخون مین وہ روزے رکھتے، اپنے کو غمزدہ بناتے، اور قربانی جلاتے تھے، پھر سات دن تک خوشی مناتے تھے، یہ روزے اور یہ غم اور یہ خوشی کے مظاہر سب کے سب سرزمین مصر سے نجات کی یادگار مین تھے جیسا کہ توراۃ سفر احبار کی تیسوین فصل مین اس عید کے تمام مراسم اور احکام کی تفصیل کے بعد آخر مین ہے ۔

"تاکہ تمھاری نسل در نسل جانین کہ جب مین بنی اسرائیل کو زمین مصر سے نکال لایا تو مین نے خیمون مین آباد کیا

مین خداوند تمھارا خدا ہون، سو موسیٰ نے بنی اسرائیل سے خداوند کی عیدون کا ذکر کیا؛"

اسلام نے اپنی عید موسمون کے تغیر، اجرام فلکی کے انقلاب، ستارون کے طلوع وغروب اور سورج اور چاند کے مختلف برجون مین ہبوط وصعود کو نہین قرار دیا کہ یہ تمام مراسم بت پرستیون اور ستارہ پرستیون کے علامات تھے اور مخلوق کے مخلوق کو خدا بنانے کے نشانات تھے، اسکا مذہب مادہ پرستی سے ماورا تھا، وہ دنیا مین دائمی توحید کا آوازہ بلند کرنے کے لیے آیا تھا، وہ خدائے واحد کا پرستار تھا، اور اس کے سوا آسمان وزمین کے کسی سورج، کسی چاند، کسی موسم، کسی درخت اور کسی پتھر کو اپنا معبود نہین بناتا تھا، اس نے اپنے لیے کسی تاریخی فتح وقومی نجات کے دن کو بھی اس کے لیے منتخب نہین کیا، روز ہجرت بھی اس کی عید کا دن نہین، بدر کا یوم الفرقان بھی اس کی عید نہین، بلکہ فتح مکہ کا دن بھی اسکا تہوار نہین؛

اس نے اپنی ملت کی عمومی خوشی ومسرت کے لیے وہ دن مقرر کیا جو اس کی خیروبرکت اور نزول وحی کے مہینہ (رمضان) کے ختم کے بعد آیا، تاکہ خود قرآن بھی اس کا بت نعوذ باللہ نہ ہوجائے، اسلام کی عید خوشی ومسرت کی عید ہے، شکرانہ کی عید ہی، تکبیر وتہلیل کی عید، سجدۂ عبودیت کی عید ہے مگر کس خوشی کے واقعہ کے لیے ؟ کس مسرت کے پیغام کیلئے؟ اس واقعہ، مسرت اور پیغام خوشی کے لیے کہ خدائے واحد نے اپنے موحدون کو اپنے پیام سے سرفراز فرمایا، اس ظلمتکدہ مین ان کو نور بخشا، بت، ستارہ پرستی، مخلوق پرستی اور دوسری ہر قسم کی باطل پرستیون کی ضلالت سے نکال کر توحید کی ہدایت عطا فرمائی، قرآن پاک مین ہی،

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن	رمضان کا وہ مہینہ ہے جس مین قران لوگون کے
هدی للناس وبینات من الهدی	لیے ہدایت اور حق وباطل مین تفریق کی دلیل
والفرقان ج فمن شهد منکم الشهر	بنکر اتارا گیا، تو جو کوئی اس مہینہ کو پاوے تو
فلیصمه ط ومن کان مریضا او علی	چاہئے کہ وہ مہینہ روزہ مین گذارے، اور
سفر فعدة من ایام اخر ط یرید الله	جو بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے دنون مین گنتی
بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا	پوری کرے، خدا تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے

العدة ولتکبروا اللّٰہ علیٰ ما ھدٰیکم	سچی نہین اور تاکہ تم گنتی پوری کرلو اور تاکہ اس ہدایت
ولعلکم تشکرون، واذا سألك	کے ملنے پر تم خدا کی بڑائیان بیان کرو، اور
عبادی عنی فانی قریب اجیب	تاکہ تم شکر ادا کرو، اور جب میرے بندے
دعوة الداع اذا دعانِ فلیستجیبوا	میری نسبت پوچھتے ہین تو مین ان کے
لی ولیومنوا بی لعلھم یرشدون،	قریب ہی ہوتا ہون اپنے پکارنے والے کی
(بقرہ ۲)	پکار کا جواب دیتا ہون جب وہ مجھے پکارتا ہے
	تو چاہئے کہ لوگ مجھے جواب کے لیے پکارین، اور
	مجھ پر یقین رکھین تاکہ وہ ہدایت پائین،

اس کے بعد پھر قرآن مین روزے کے احکام شروع ہوتے ہین، ان کی آیتین آتی ہین، ان اوپر کی مذکورہ آیتون مین بڑی وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ رمضان، قرآن، پیام توحید، نزول ہدایت، اور عطائے رہنمائی کے یادگار اور شکریہ کے لیے اور اس لیے کہ روزون کی گنتی کامل ہونے کے بعد خدا کی بڑائی اور شکریہ کا مظاہرہ کیا جائے، اور اس کو پکارا جائے جو ہمارے قریب ہی سے ہمارے دلون کی آوازین بھی سنتا ہے یہی موحدون کا روزِ عید اور یوم مسرت ہے،

یہی سبب ہے کہ عید کے دن نماز کے راستون مین اور خود نماز مین سب سے زیادہ جس حکم کی تعمیل ہوتی ہو وہ لتکبروا اللّٰہ علیٰ ما ھدٰیکم (تاکہ تم خدا کے اس ہدایت دینے پر اس کی تکبیر (بڑائی) کہو،)

دیکھو عیدگاہ کے راستہ بھر مسلمان اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر و للّٰہ الحمد، (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہین، اللہ سب سے بڑا ہی اللہ سب سے بڑا ہی، سب خوبیان اسی کے لیے ہین کی صدائین بلند کرتے جاتے ہین، ہر نماز مین ایک ایک دفعہ تکبیر ہے تو عید کی نماز مین ہر رکعت مین چھ چھ دفعہ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر کہتے ہین کہ لتکبروا اللّٰہ کی تعمیل ہو،

اسلام نے اپنی عید کے لیے دنیا کی تمام قومون اور ملتون کے برخلاف شمسی تاریخ کا دن نہین اختیار کیا کہ وہ یکسان طور سے واقع ہو سکے، یہ اس لیے تاکہ ستارہ پرستون اور آفتاب پرستون اور موسم پرستون کے بالکلیہ برخلاف موحدون کی عید کا روز کسی ایک متعینہ شمسی یا قمری حرکت کا وقت نہ ہو، اور باطل پرستی کی ہر علامت اور نشان سے وہ پاک وصاف ہو، (یہ نکتہ معلوم رہے کہ قمر کی حرکت آفتاب کی طرح ہمیشہ یکسان نہین رہتی) دوسری ملتون کی طرح اس نے اپنی عید کو فحش گوئی، رنگ بزی، آتش افروزی اور جشن نوروزی کا مظہر نہین بنایا، بلکہ صرف اسی خدائے واحد کی پرستش، اس کی بڑائی کے اظہار، اور اس کی تکبیر کی بلندی کا موحدون کی عید کی شان یہی ہو اور اُن کی خوشی کا جشن اسی مین ہے کہ سب مل کر اس کے آگے سربسجود ہون، اور اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کا نعرہ بلند کرین،

یہ موحدون کی عید کا دسمان تھا، جو اس کے عہد اول کے نگارستان مین آج بھی نظر آتا ہے مگر اس پورے جوش و خروش کے بعد جب آج کے مسلمانون کی کثرت پرستی پر نظر پڑتی ہے تو عید کی خوشی، محرم کے غم سے بدل جاتی ہے،

موحد اسلاف کے بیٹون نے وہ کونسا در ہے جسکو خدا کا در نہین بنالیا ہے، اور وہ کونسا دن ہو جس کو کسی نہ کسی کی نسبت سے دینی عزت نہین بخشی ہے، اور وہ کون سی پکی عمارت ہے جس کو انھون نے اپنا سجدہ گاہ نہین بنایا،

اسلام زندہ خدا کا، زندہ پیام تھا، مگر ہم نے اب اس کو صرف "مردہ خداؤن" کے مردہ رسوم نیاز و عقیدت کا حریف بنالیا ہے، اور اب جب کبھی ہمارے مقرر و محرر پورے جوش و خروش سے غیر مسلمون کے سامنے اسلام کا اصول پیش کرتے ہین، تو وہ مسلمانون کے عمل کو پیش کر کے ان کو نادم و شرمندہ بنا دیتے ہین، عزیزان! توحید صرف زبان کے کلمہ سے نہین، بلکہ دل کے یقین اور اعضاء کے عمل سے اپنی توحید کا اعلان کرو، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد،

مقالات

خان اعظم تاتارخان
اور
اسکی یادگار علمی خدمات

از

سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

ہندوستان مین عہد مغلیہ سے پہلے کی اسلامی تاریخ کے جو دور گذرے ہین، ان کی یاد بس اب اسی قدر باقی رہ گئی ہے، کہ وہ درۂ خیبر سے گھوڑے بڑھا کر آئے اور ملک کو تاخت و تاراج کرکے مال غنیمت سے لدے پھندے خیمہ و خرگاہ سمیٹے کابل سے پار اتر گئے، اور پھر جب دلی کی تسخیر کے بعد حکومت کے نائبین کے قیام کا دستور جاری ہوا، اور اس کے بعد جب فرمانروایان ہند کے مختلف خاندان برسر حکومت آتے گئے، تو یہ لوگ بھی بجز اس کے کہ برعظم ہند کے مختلف صوبون پر فوج کشیان کرکرکے نذرانے وصول کرنے، بغاوتون کو فرو کرنے، ہر سال جزیہ وصول کرنے کی مہمون پر جانے، اور ایک شہر کو اجاڑ کر دوسرے شہر آباد کرنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے،

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس دور اول یا زمانۂ وسطی کے متعلق یہ جو کچھ خیالات ہین، اس کا اصل باعث بڑی حد تک یہ بھی ہے کہ ہندوستان مین اسلامی تہذیب و تمدن، علوم و آداب، اور فنون جمیلہ وغیرہ کی جن ترقیون کا ذکر ہمارے سامنے بار بار آتا ہے، وہ سب عہد مغلیہ ہی سے تعلق رکھتی ہین، اس لئے چند ماہ پیشتر

خیال آیا تھا کہ اب ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس "عہد تاتار" کی طرف بھی توجہ کیجائے چنانچہ اسی سلسلہ مین چند ماہ پیشتر معارف مین ایک مقالہ "ہندوستان آٹھوین صدی ہجری مین" پیش کیا گیا تھا، جو اس عہد کی رزمیہ داستان کے بجائے اس زمانہ کی تمدنی ترقیون کا ایک سرسری مرقع تھا، اور آج اسی سلسلہ مین اس عہد کے ایک نامور کا ذکر کیا جاتا ہے، جو گوناگون حیثیتون سے ہماری عزت وتعظیم کا مستحق ہے، وہ عالم، فاضل، صوفی، شاعر، مدبر، شجاع، سپہ سالار، اور علوم وفنون کا سرپرست بیک وقت تھا،

تاتارخان عہد عالمگیری کی یادگار تالیف فتاوئ عالمگیری کا نام آج زبان زد خاص وعام ہے، لیکن "فتاوئ تاتارخانیہ" کا نام باوجودیکہ زبانون پر آتا ہے، لیکن اس کے نام کے التباس سے اس کے تاتاریون کی یادگار ہونے کا شبہہ ہوتا ہے، حالانکہ جس طرح فتاوئ عالمگیری دلی مین ترتیب پائی، بالکل اسی طرح اس سے صدیون پیشتر فتاوئ تاتارخانیہ اسی دلی ہی مین تاتار خان کی فرمایش سے جو سلطان فیروزشاہ بن سپہ سالار رجب کے ممتاز ترین ارکان سلطنت مین تھا، ترتیب پاچکی تھی،

حسب ونسب تاتارخان نسلاً ترک تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کے آباواجداد خراسان کے تخت شاہی کے مالک تھے، لیکن اس کی قسمت اس کو کشان کشان ہندوستان کھینچ لائی، اور پیدایش کے بعد ہی جب اس کی آنکھ کھلی تو ماں کی گود سے الگ ہوکر ایک اتفاقی واقعہ سے فرمانروائے خراسان کے محل کے بجائے فرمانروائے ہند سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے محل مین جاپہونچا، اور یہین اس کی پرورش ہوئی، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروزشاہی کا بیان ہے کہ "فرمانروائے خراسان نے سلطان غیاث الدین تغلق غازی کے عہد مین حکومت ہند کی ولایت ملتان و دیبالپور پر تاخت کی، شاہ خراسان کے ساتھ اس کی حبیبی بیگم بھی لشکر کے ہمراہ آئی تھی، اتفاق وقت کہ اسی سفر مین تاتارخان کی پیدایش کا وقت بھی آپہنچا، جب غیاث الدین تغلق کو اس خراسانی حملہ کا حال معلوم ہوا، تو اس نے بھی مدافعت مین پیشقدمی کی، اور دشمنون کے قریب پہونچ کر ان پر بیخبری مین شبخون مارا، تاتارخان اسی دن پیدا ہوچکا تھا، جب شبخون کی گھبراہٹ سے خراسانی لشکر مین بھگدڑ مچی اور میدان

فوج سے خالی ہوگیا تو یہ خوبصورت بچہ میدان ہی مین پڑا ملا، لوگ اس کو اٹھا کر سلطان کے پاس لے آئے، بچہ صورت شکل مین اچھا تھا، سلطان کو پسند آگیا، محل مین اس کی پرورش کا حکم جاری ہوا، تاتار ملک نام پڑا، اور شاہی خانوادہ کے بچہ کے طور پر اس کی پرورش ہونے لگی،

نشو و نما، | تاتار ملک سلطان تغلق (۷۲۰ھ تا ۷۲۵ھ) کے عہد مین خورد سال رہا، اس کے بعد جب سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کی حکومت کا عہد شباب تھا تو یہ بچہ بھی جوان ہو چکا تھا، تعلیم و تربیت شاہی خاندان کے بچون کی طرح ہوئی تھی، جوان ہونے پر فن سپہ گری مین نہایت طاق نکلا، اور فوج کے کسی معزز عہدے پر سرفراز ہوکر لڑائیون مین شرکت کرنے لگا، اور رفتہ رفتہ اپنی بہادری، دلاوری اور سپہ گری سے سارے لشکر مین تفوق حاصل کر لیا، اور سلطان محمد تغلق اس کے کارنامون کے باعث دل سے اس کا قدردان بن گیا، اور ارکین دولت مین اس کا شمار ہونے لگا، چنانچہ محمد تغلق کے دور مین ایک طرف امور مملکت مین شریک رہا، تو دوسری طرف رزمگاہون مین پہونچ کر معرکے جیتے[۱]، اور خصوصاً ان تمام لڑائیون مین جنمین محمد تغلق نے بہ نفس نفیس خود شرکت کی، ملک تاتار اکثر اس کے ہمرکاب رہا،

امیر الامرائی، | یہان تک کہ جب محمد تغلق کے سفر آخرت کا وقت آیا، اور اثنائے سفر مین وفات پائی تو امرائے دولت نے اس کے بجائے اس کے بھتیجے فیروز بن سپہ سالار رجب کو اورنگ حکومت پر بٹھانا چاہا، ان مین تاتار ملک بھی شریک تھا، اور فیروز کے تخت شاہی قبول کرنے سے انکار کرنے پر تاتار ملک ہی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی تخت کی جانب کھینچنا شروع کیا، اور بالآخر اسی کے اصرار سے اسنے اس منصب کو قبول کیا، اور اس سے چند لمحون کی فرصت لیکر دوگانہ شکر ادا کیا، اور اس کے بعد تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا[۲]،

سیاسی و جنگی کارنامے، | فیروز شاہ کی تخت نشینی کے وقت تاتار ملک کو امور مملکت مین نہایت رسوخ حاصل تھا، اور درحقیقت فیروز شاہ کی طرفداری مین اس کے آجانے سے اس کے تخت شاہی کو استوار کرنے مین اس کے

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از ص ۴۰۸ تا ۴۰۹، [۲] ایضاً ص ۴۶،

زبردست ہاتھ بھی کام کر رہے تھے اس کا احساس اس زمانہ مین تمام امرائے دولت کو بھی بخوبی تھا چنانچہ فیروز شاہ کے شاہی قبول کر لینے کے بعد جب دلی مین محمد تغلق کے خان جہان نے ایک خورد سال لڑکے کو محمد تغلق کا لڑکا مشہور کرکے تخت شاہی پر بٹھادیا، اور پھر اپنی ناکامی کے بعد جب اپنی معذرت پیش کی تو اس مین صحیح یا غلط اس نے یہی بیان کیا کہ اس کو فیروز شاہ اور اس کے دست راست تاتار ملک کے متعلق یہ خبر ملی تھی کہ وہ دونون مغل باغیون سے خوف کھا کر فرار ہو گئے ہین، اور اسی لئے عارضی طور پر اس نے تخت دلی کو سنبھالنے کے لئے اس بچہ کو سامنے کر دیا[1]،

تاتار ملک سے فیروز شاہ کو بھی غایت درجہ اخلاص تھا، تمام امور مملکت مین یہ شریک و دخیل رہتا، کوئی شاہی کام ایسا نہ تھا کہ اس مین اس سے مشورہ نہ کر لیا جاتا، شمس سراج عفیف لکھتا ہے:۔

"حضرت فیروز شاہ را بر تاتارخان دولتخواہ اعتماد کلی بود، در امور ملکی بیشتر احوال حضرت خسرو خوشخصال مشورت با تاتارخان کردی والبتہ حضرت فیروز شاہ با اوج جاہ برائے تاتارخان نیکخواہ کارہائے مملکت و کردارہای سلطنت بپرداخت رسانیدی، خان مذکور چون دوستداران مشہور مخلص وہواخواہ حضرت فیروز شاہ بود، صلاحیت بسیار داشت، حضرت اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ ذات او را بانواع آراستگی آراست[2]"

اسی کے ساتھ اس کے ظاہری اعزاز و اکرام کا بھی خاص لحاظ رکھا، سلطان محمد تغلق کے عہد مین یہ "درجہ ملوک" کی صف کے امراء مین تھا، فیروز شاہ نے "تاتارخان" اور "خان اعظم" کا خطاب دیا، پھر دیگر امرائے دولت سے اس کے امتیازات زیادہ قایم کئے، مثلاً جب خطاب دیا گیا تو "چتر قطیفہ" بھی بارگاہ سلطانی سے عطا ہوا، اس چتر کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ تمام امرائے دولت مین سے صرف اسی کے چتر مین "ہمائے زرین" کے بجائے "طاؤس زرین" لگانے کا اعزاز عطا کیا گیا تھا، حالانکہ یہ طاؤس زرین اس زمانہ مین صرف سلاطین کے چتر کی

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۵۱، ۶۸ [2] ایضاً ص ۳۹۱،

ایک مخصوص نشانی سمجھی جاتی تھی،

تاتارخان باوجودیکہ خانجہان یعنی وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز نہین تھا، کہ وہ صاحب قلم سے زیادہ صاحب السیف کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن اس کے باوجود دربار اور درون محل اور بیرون محل شاہی مین امرا و عہدیدارون کی جو نشستین متعین تھین، ان مین سب سے اعزازی نشست یعنی تخت کے دائین جانب کی جگہ تاتارخان کے لئے مخصوص تھی، حالانکہ دربار کے آداب و قوانین کے رو سے اصولاً یہ جگہ خانجہان کے لئے مخصوص ہوتی تھی، اور ہر زمانہ مین اسی پر عملدرآمد رہا، مگر عہد فیروز شاہی مین یہ صرف تاتارخان کی ذاتی وجاہت تھی کہ اس کو اعزاز و اکرام مین وزیر سلطنت سے بھی ممتاز رکھا گیا، اور تاحیات وہ سلطان فیروز شاہ کے دائین پہلو پر بیٹھتا رہا، اور اس کے انتقال کے بعد جب وہ جگہ خالی ہوئی تو پھر وہ خانجہان ہی کے حصہ مین آئی، اور یہ امتیاز خوانین مین سے کسی دوسرے کو حاصل نہین ہوا[۱]،

تاتارخان جب تک زندہ رہا، فیروز شاہ کا یہی برتاؤ اس کے ساتھ قائم رہا، یہ لڑائیون مین ہمیشہ شرکت کرتا تھا، اور عہد فیروز شاہی کے باکمال دلاورون مین شمار کیا جاتا تھا، ۷۵۴ھ مین بنگالہ کی مشہور مہم اسی نے سر کی، اور اس مین اس کی بہادری، دلاوری، دشمنون سے رحمدلی، اور امور مملکت مین اصابت رائے کے جوہر نہایت نمایان ہوئے،

بنگالہ کی یہ مہم حاجی الیاس الملقب بہ شمس الدین شاہ کے خلاف اختیار کی گئی تھی، لشکر آرائی کے وقت فیروز شاہ نے قلب کی تیس ہزار فوج پر تاتارخان کو سپہ سالار مقرر کیا تھا، تاتارخان نے فن سپہ گری کے جوہر دکھائے اور گھمسان کی لڑائی کے بعد میدان اس کے ہاتھ مین آگیا، اس کے بعد جب شمس الدین شاہ فرار ہوا تو تاتارخان منڈوہ سے اکدالہ تک اس کے پیچھے تعاقب کرتا چلا گیا، جب شمس الدین کے قریب پہونچا تو للکار کر کہا۔

"اے شمس سیاہ رو کجا میروی مردرامی بایست کہ بروی مردان پشت ندہد، زمانے ایستادہ شو

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۰-۳۹۱، ۲۰۶،

"تاقوت بجائے فیروز شاہی می بینی"

اس کے بعد تاتارخان اس کے سر پر اس طرح جا پہونچا کہ ایک ہی حملہ میں اس کا کام تمام کر سکتا تھا، مگر محض اپنی رحمدلی اور پاکیزہ اخلاق سے اس پر تلوار اٹھانے کے بجائے، ہاتھ کھینچ لیا اور شمس الدین قلعہ مین جا کر پناہ گزین ہو گیا، جب فیروز شاہ نے شمس الدین پر قابو پا جانے کے باوجود اسے تہ تیغ کرنے سے باز رہنے کا سبب پوچھا تو جواب مین کہا:-

"بر تاجداران تیغ انداختن کار من نیست"[1]

اخلاقی کمالات، تاتارخان فطرۃً نہایت عابد و زاہد اور متبع شریعت تھا، احکام شرعیہ کے اوامر و نواہی کا ہمیشہ پاس رکھتا، اس زمانہ مین خوانین و ملوک کا دستور تھا کہ وہ لڑائیون مین اپنے پہلو بہ پہلو اپنی کنیزون کو بھی گھوڑون پر سوار کر کے ساتھ لیجاتے لیکن تاتارخان نے یہ روش کبھی پسند نہین کی اور پردہ کے خیال سے ان کے لئے رتھ کا انتظام کراتا، اور اس کی کنیزین اسی رتھ مین سوار ہو کر لڑائیون مین ساتھ جاتین، شمس سراج عفیف لکھتا ہے:-

"در دل خان اعظم و خاقان معظم عالم دین، حاجی و غازی تاتارخان چندان خوف امور شرع بود کہ چون خان اعظم مذکور در لشکر منصور روان شدی کنیزگان خود را اسپ سوار نبردی، گرد و نہارا کنایندہ بود کہ آنرا بزبان ہندی" بھر کر" گویند خان مذکور برائے ستر آنرا تخت پوش کنانیدہ بود و مانند حجرۂ ساختہ کنیزگان را درون گرد و نہا قفل میکردند تا نظر نامحرم بر ایشان نہ فتد زہے احتیاط کہ تاتارخان اہل برکات داشت ہمہ افعال پسندیدہ و خصال ستودہ در ذات تاتارخان مرکب بود"[2]

اس عہد مین امرائے دولت مین شراب نوشی کا عام چرچا تھا، مگر اس نے شراب کا پیالہ کبھی منہ سے نہین لگایا، سلطان فیروز شاہ کے دل پر اس کی اس پاکباز زندگی کا گہرا نقش تھا، کیونکہ یہ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر کبھی کبھی فیروز شاہ کو غیر شرعی امور کے ارتکاب پر ٹوک بھی دیتا تھا،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۹۰ سے ۳۹۱ و ۲۸۶ [2] ایضاً ص ۳۹۳ و ۳۹۴،

سلطان فیروزشاہ پہلے شراب کا سخت عادی تھا، اتفاق سے تخت نشینی کے بعد جب ہانسی آیا تو نماز جمعہ کے بعد شیخ الاسلام قطب الدین کی زیارت کو گیا، تاتارخان بھی سلطان کے ہمراہ تھا، شیخ الاسلام سے اور ان دونوں سے مصافحہ کے بعد سلسلۂ گفتگو شروع ہوا، شیخ الاسلام نے اثنائے گفتگو میں سلطان کو ترک مینوشی کی نصیحت کی، اور سلطان نے بہ اقرار صالح شیخ الاسلام کے سامنے شراب نوشی سے توبہ کرلی، لیکن کچھ زمانہ گذرنے کے بعد سلطان اس عہد پر قائم نہیں رہا، اور اس کی مجلس میں کبھی کبھی جام شراب کا دور چلنے لگا، مگر تاتارخان کی طبیعت سے آگاہ تھا، اس لئے اپنی عادت کو اس سے ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرتا رہا،

لیکن تاتارخان اس کے سفروحضر کا حاضر باش تھا، اس لئے اس سے یہ راز کب تک نہاں رہتا، چنانچہ ایک مرتبہ سلطان ۷۶۵ھ میں لکھنوتی جارہا تھا، اثنائے راہ میں ایک جگہ قیام ہوا، اتفاق سے ایک دن اثنائے راہ ہی میں بارگاہ سلطانی میں صبح کے وقت سلطان کے ہم مشرب مصاحبین کا اجتماع ہوا، مجلس میں رنگ برنگ کی مختلف قسم کی شرابوں کا اہتمام تھا، سلطان نماز صبح اور اوراد و وظائف سے فارغ ہوکر شراب کا پیالہ منہ سے لگانا ہی چاہتا تھا کہ ناگاہ دروازے پر تاتارخان کی آمد کی خبر ملی، لوگوں نے سلطان کو اس سے آگاہ کیا، وہ یہ سنتے ہی سخت بےچین ہوا، اور ایک سربرآوردہ امیر فتح خان کو بھیجا کہ وہ تاتارخان کو اس وقت اندر آنے سے باز رکھے، لیکن تاتارخان کو کوئی اہم مشورہ طلب کرنا تھا، اس لئے فتح خان کی کوششوں کے باوجود تاتارخان واپسی پر رضامند نہیں ہوا، آخر سلطان کو چارونا چار تاتارخان کو اندر آنے کی اجازت دینی پڑی، لیکن تاتارخان سے یہ راز پوشیدہ رکھنے کے لئے یہ خاص اہتمام کیا کہ شراب کو مع تمام سازوسامان کے اپنے پلنگ کے نیچے رکھوایا اور سب کو ایک چادر سے ڈھک دیا اور اس کے بعد مزید احتیاط کے لئے خود پلنگ سے نیچے اتر کر اسی رخ پر نیچے قالین پر بیٹھ گیا، اس اہتمام کے ختم ہونے کے بعد تاتارخان اندر بلایا گیا اور اسی اہتمام سے اس عظمت کا پتہ چلتا ہے جو سلطان فیروزشاہ کے دل میں تاتارخان کے بلند اخلاق کی قائم تھی،

مگر سوء اتفاق سے سلطان کا یہ اہتمام بالکل بےسود ثابت ہوا، اور تاتارخان کے اندر آتے

ہی اس کی نگاہ اسی پلنگ کے نیچے جا پہنچی، اور اس نے خفیہ سامان کا پورا جائزہ لے لیا، اور اسی کے ساتھ اس پر ایک سناٹا چھا گیا، اور اس کی خاموشی سے مجمع مین ایک عام خاموشی چھا گئی، تھوڑی دیر کے بعد تاتارخان نے پھر سلسلۂ گفتگو چھیڑ کر کچھ نصیحت آمیز پیرایہ مین ذومعنین جملے کہکر سلطان پر چوٹین شروع کر دین جس پر سلطان نے کسی قدر خفت کے ساتھ جواب دیا کہ "اس سے کیا مطلب ہے؟ شاید میری کوئی حرکت پسند نہین آئی ہے" اس پر تاتارخان نے کھل کر کہا "پلنگ کے نیچے کچھ علامتین دیکھ رہا ہون" اس کے جواب مین سلطان نے اقرار کیا کہ "تاتارخان کبھی کبھی اس طرف میلان ہو جاتا ہے" اس پر تاتارخان نے پھر نصیحتین شروع کین، مگر اب سلطان بہت خفیف ہو چکا تھا، آخر بشریت غالب آئی اور کسی قدر برہم لہجہ مین قسم کھا کر یہ انوکھے قسم کا عہد کیا کہ "جب تک تم اس لشکر مین ہو مین شراب کو ہاتھ نہ لگاؤنگا" مگر تاتارخان نے اس کی بھی کوئی پرواہ نہ کی، اور صرف "الحمد للہ" کہکر وہان سے اٹھ آیا،

سلطان کو اس واقعہ مین اس قدر ندامت اٹھانی پڑی کہ اس مرتبہ تاتارخان کا یہ رویہ اس کی طبیعت پر ناگوار گذرا، اور اس کو اپنے شاہانہ رعب و داب کے خلاف سمجھا، لیکن اس کے باوجود اس نے تاتارخان کو ایک حرف بھی زبان سے نہین کہا، اور اس وقت بالکل خاموش رہا، اس کے بعد جب چند دن گذر گئے، اور اس کا اندیشہ باقی نہین رہا کہ تاتارخان کو اب کوئی خیال ہوگا، تو اس نے اس سے کہا کہ "حصار فیروزہ مین رعایا پریشان ہے، تم وہان جا کر لوگون مین امن و سکون پیدا کرو" سلطان کا یہ فرمان صرف اس لئے صادر ہوا کہ اس کی قسم برقرار رہے اور شراب نوشی کا موقع ملجائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاتارخان پر بھی اپنے اس مدعا کو ظاہر نہ ہونے دیا، اور سلطان نے اپنی ناراضی کے باوجود اس کا احترام ملحوظ رکھا،[1]

زہد و ورع و ریاضت روحانی، غرض اسی طرح اس کی تمام زندگی نہایت زہد و اتقا، سے گذری، تصوف کا بھی اچھا مذاق تھا، آخر عمر مین کسب و ریاضت مین مصروف رہتا، اور پھر سلطان سے اجازت لیکر حج و زیارت سے بھی مشرف ہوا، شمس سراج عفیف اس کے ذوقِ تصوّف کے متعلق لکھتا ہے:۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۷ و ازہ ۴ تا ۱۴۸،

"از غایت فراوان وجد بے پایان تاتارخان پاے برزو بان عشق نہاد حضرت اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ بقدرت اعلیٰ ابواب شوق در دل او کشاد"

اس کے بعد اس کا ایک شعر جو تصوف کے رنگ مین ہی نقل کرتا ہی،

"چنانچہ خان مذکور خبر داد

گفتی کہ تتارخان دیرینہ غلام تست، اغماز چنان کردی گوئی کہ نمی دانی[1]"

مجمع کمالات غرض تاتارخان عہد فیروز شاہی کے ممتاز ترین اراکین مین تھا اور دنیاوی اعزاز و اکرام مین بلند رتبہ رکھنے کے علاوہ اپنے بلند و پاکیزہ اخلاق، زہد و اتقا، اور اتباعِ شریعت مین بھی ایک نمونۂ کمال تھا، یہی وجہ تھی کہ اگر ایک طرف اپنے فنونِ سپہ گری اور امورِ مملکت مین باکمال سمجھا جاتا تھا، تو دوسری طرف مختلف علوم و آداب مین بھی اس کو وافر حصہ عطا ہوا تھا، چنانچہ آدابِ امارت کے لحاظ سے اگر شعر و شاعری سے خاص دلچسپی تھی اسی طرح علوم شرعیہ سے بھی بخوبی آگاہ تھا، اور پھر علم تصوف مین بھی درک رکھتا تھا،

شاعری اس کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ذیل کی ایک غزل سے ہوگا، جو اگرچہ غزل کے رنگ مین ہی لیکن ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے، یعنی سلطان محمد تغلق ایکبرتبہ اس سے کسی بات پر کبیدہ خاطر ہوا تھا، اسی کو منانے کیلئے یہ غزل لکھی اور اس کو بارگاہ سلطانی تک پہونچایا، اس غزل کے چند شعر یہ ہین:-

وہ ندانم از کجا رنجیدۂ، بے سبب از دوستان ببریدۂ

بانگ نی خوش می زند جانانِ من نالۂ بیچارگان نہ شنیدۂ

در تو باری ہر گز این عادت نبود از طریق خود دگر گردیدۂ،

گر گناہے کردہ ام ما را ببخش زانکہ تو چندین گنہ بخشیدۂ

از تتار خستہ باللہ العظیم، نیست جرمی بے سبب رنجیدۂ[2]

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۳، [2] ایضاً ص ۳۹۰

علم شرع، اسی طرح اس کے علوم شرعیہ میں دستگاہ رکھنے اور ذوقِ تصوف سے آشنا ہونے کا اندازہ شمس سراج عفیف کے اس بیان سے ہوگا، وہ لکھتا ہے:۔

"تاتار خان در علم شریعت علو بسیار داشت، بقوت شریعت در درگاہ طریقت بحقیقت آراست،
برائے ادراک نکات کمال این ہر سہ مقامات کوشش بیش گماشت"

علوم وعلماء کی سرپرستی، یہی وجہ ہے کہ چونکہ خود باکمال تھا، اس لئے اس کی صحبت میں بھی اربابِ کمال کا مجمع لگا رہتا اور ہمیشہ علمی مباحث کے مذاکرے ہوتے رہتے، شمس سراج عفیف لکھتا ہے:۔

"مدام وعلی الدوام در صحبت تاتار خان اہل عظام علمائے کرام ومشایخ خوش نام
می بودند"

تفسیر تاتار خانی اور **فتاویٰ تاتار خانیہ**، اس کی انھیں علمی صحبتوں کے نتیجہ میں ہیں، یہ دونوں کتابیں اس کے زیر اہتمام خاص اسی کی فرمائش اور اس کے ذاتی اخراجات سے علماء کی ایک بڑی جماعت کے اشتراکِ عمل سے ترتیب پائی ہیں،

تفسیر تاتار خانی وفتاویٰ تاتار خانیہ، یہ دونوں کتابیں نہایت ضخیم ہیں، اور دونوں ایک ہی نقطۂ نظر کے مطابق ترتیب پائی ہیں یعنی تفسیر تاتار خانی کے ذریعہ سے گویا تمام پچھلی عربی تفسیروں کا ایک مجموعہ تیار کیا گیا، اور اس طرح ہر آیت کے متعلق قدیم مفسرین نے جو کچھ کہا تھا، سب کو حوالہ کے ساتھ نقل کیا گیا، اور اسی طرح فتاویٰ میں بھی ہر مسئلہ کے متعلق ائمہ وعلمائے سلف کے تمام اختلافات مع دلائل یکجا کئے گئے، شمس سراج عفیف تفسیر کے متعلق لکھتا ہے:۔

"تفسیر تاتار خانی کہ در جہان مشہور است آن تفسیر جمع کردۂ تاتار خان بود چنین گویند راویان روایات وحاکیان حکایات کہ تاتار خان خواست کہ تفسیری مفصل مرتب کند تمام تفاسیر را جمع کنانیدہ جماعہ علماء را حاضر گردانیدہ در ہر آیتی وکلمہ آن قدر مفسران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بود

برائے تالیف تفسیر بدل و جان در نشست، و در ہر یک حوالہ بدان صاحب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ، چون آن تفسیر مرتب گذشتہ تاتارخان آن تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ"

اسی طرح فتاویٰ کے متعلق لکھا ہے:۔

"وہمچنین خان اعظم طالب دین یک فتاویٰ راست کنانیدہ و آن برین نوع بود کہ جملہ نسخ فتاویٰ شہر دہلی بر خویش جمع کرد، و در ہر مسئلہ و در ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی است در فتاویٰ خود نوشتہ و آنرا فتاویٰ تاتارخانی نام داشتہ و اختلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آن فتویٰ کردہ این چنین فتاویٰ موازی سی جلد مرتب شدہ"[1]

فتاویٰ تاتارخانی کے دو دو نسخے تین تین جلدون مین بانکی پور اور رام پور کے کتبخانون مین محفوظ ہین،

وفات، تاتارخان نے فیروز شاہ کے عہد حکومت ہی مین وفات پائی معین سال وفات دستیاب نہین ہوا لیکن ۷۷۵ھ سے بہت پہلے اس کا انتقال ہو چکا تھا، کیونکہ اسی سال ظفرخان حاکم گجرات کے انتقال کے بعد جب اسکا لڑکا دریاخان دہلی مین ظفرخان کے لقب سے آیا تو اس کو سلطان کے بائین جانب جگہ ملی، اور اسی موقع پر شمس سراج عفیف نے لکھا ہے، کہ اس وقت تاتارخان کا انتقال ہو چکا تھا، اور اس کی جگہ خانجہان بیٹھنے لگا، اور خانجہان کی نشست کچھ دنون خالی رہنے کے بعد پھر ظفرخان کو ملی، اور اس کے انتقال پر اس کے لڑکے دریاخان الملقب بہ ظفرخان کو دیگئی[2]، اس لئے گویا اس کا سال وفات ۷۵۲ھ سے ۷۷۵ھ کے درمیان کسی سال مین ہوا ہے،

سفر حجاز

اس سفرنامہ مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ چشمدید حالات جمع کئے ہین، اور حج و زیارت کے متعلق تمام فقہی معلومات و ہدایات کو جمع کر دیا ہے، ضخامت ۴۱۹ صفحے، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، قیمت عہ/ "منیجر"

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۲، [2] ایضاً ص ۲۸۶،

لندن مین نماز ظہر اور عصر کے اوقات

از

مولوی قاضی عبد الرحمٰن صاحب پنشنر وکیل ریاست پٹیالہ

(۱) رسالہ معارف بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء مین صفحہ ۳۲۰ پر بحوالہ رسالہ نگار یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انگلستان مین جاڑے کے دنون مین نماز ظہر اور عصر کے وقت مین کوئی فرق نہین اور نہ وہان کوئی آدمی نماز ظہر ادا کر سکتا ہے، اس لئے علم الاوقات سے یہ تحقیق کیا جانا ضروری ہے کہ مدیر نگار کا یہ قول صحیح ہے یا غلط،

(۲) نماز ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے بعد فوراً شروع ہوتا ہے اور زوالِ آفتاب اس وقت ہوتا ہے جب دن کا پہلا نصف حصہ ختم ہو کر دوسرا نصف حصہ شروع ہوتا ہے، اس لئے اس وقت کو نصف النہار کا وقت بھی کہا جاتا ہے،

(۳) زوالِ آفتاب کا وقت ہر ایک مقام پر دھوپ گھڑی کے گھنٹون سے دن کے بارہ بجے ہوتا ہے، خواہ وہ مقام یورپ مین ہو یا ایشیا مین یا کسی اور براعظم مین، اس لئے نماز ظہر کا وقت ہر ایک مقام پر ہمیشہ دن کے ۱۲ بجے کے بعد فوراً شروع ہو جاتا ہے،

(۴) زوالِ آفتاب کا وقت مروجہ گھڑی گھنٹون سے ہر ایک مقام پر زیادہ سے زیادہ ۱۲ بجکر ۱۴ منٹ پر اور کم سے کم ۱۲ بجے سے ۱۶ منٹ پہلے، ہوتا ہے، جیب گھڑی کے اس وقت کو لوکل مین ٹائم یعنی متوسط وقت مقامی کہا جاتا ہے، اس وقت کے مطابق یورپ و ایشیا کے ہر ایک مقام پر نماز ظہر کا وقت زیادہ سے زیادہ ۱۲ بجکر ۱۵ منٹ پر ماہ فروری مین اور کم سے کم ۱۱ بجکر ۴۴ منٹ پر ماہ نومبر مین شروع ہوتا ہے،

(۵) زمانہ حال مین تمام غیر اسلامی ممالک مین گھڑیون گھنٹون کا وقت اپنے اپنے مقام کے نصف النہار

کے مطابق نہین رکھا جاتا، بلکہ تمام ملک کے لئے گھڑی گھنٹون کا وقت ایک خاص مقام کے نصف النہار کے مطابق رکھا جاتا ہے، اس وقت کا نام سٹینڈرڈ ٹائم یعنی مستند وقت ہے جس کو ریلوے ٹائم بھی کہا جاتا ہے، اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق ہر ایک مقام پر نصف النہار کا وقت طول بلد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، انگلستان مین اسٹینڈرڈ ٹائم اس وقت کو قرار دیا گیا ہے جو رصد گاہ گرینچ کے نصف النہار کا ہے، اس لئے انگلستان کے دار الخلافہ شہر لندن مین بھی گھڑی گھنٹون کا وقت گرینچ ٹائم کے مطابق رکھا جاتا ہے، بذیں وجہ شہر لندن کا وقت زوال آفتاب کہ جس کے بعد فوراً نماز ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے، بغرض توضیح دھوپ گھڑی اور مقامی وقت متوسط اور سٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کا اور سب سے چھوٹے دن ۲۲ دسمبر کا نقشہ مندرجہ ذیل مین درج کیا جاتا ہے:-

نقشہ زوال آفتاب بمقام لندن، بابتہ سنہ ۱۹۳۲ء

دھوپ گھڑی[۱] متوسط مقامی وقت[۲] اور اسٹینڈرڈ ٹائم[۳] کے مطابق،

تاریخیں ۱۹۳۲ء	دھوپ گھڑی (گھنٹے)	(منٹ)	(سکنڈ)	مقامی وقت متوسط (گھنٹے)	(منٹ)	(سکنڈ)	سٹینڈرڈ ٹائم (گھنٹے)	(منٹ)	(سکنڈ)	تاریخیں ۱۹۳۲ء	دھوپ گھڑی (گھنٹے)	(منٹ)	(سکنڈ)	مقامی وقت متوسط (گھنٹے)	(منٹ)	(سکنڈ)	سٹینڈرڈ ٹائم (گھنٹے)	(منٹ)	(سکنڈ)
یکم جنوری	۱۲	۰	۰	۱۲	۳	۱۳	۱۲	۳	۳۶	یکم اگست	۱۲	۰	۰	۱۲	۶	۱۱	۱۲	۶	۳۴
یکم فروری	۱۲	۰	۰	۱۲	۱۳	۳۵	۱۲	۱۳	۵۸	یکم ستمبر	۱۲	۰	۰	۱۱	۵۹	۵۸	۱۲	۰	۲۱
یکم مارچ	۱۲	۰	۰	۱۲	۱۲	۲۹	۱۲	۱۲	۵۲	یکم اکتوبر	۱۲	۰	۰	۱۱	۴۹	۴۴	۱۱	۵۰	۵
یکم اپریل	۱۲	۰	۰	۱۲	۳	۵۷	۱۲	۴	۳۰	یکم نومبر	۱۲	۰	۰	۱۱	۴۳	۴۰	۱۱	۴۴	۳
یکم مئی	۱۲	۰	۰	۱۱	۵۷	۲	۱۱	۵۷	۲۵	یکم دسمبر	۱۲	۰	۰	۱۱	۴۹	۸	۱۱	۴۹	۳۱
یکم جون	۱۲	۰	۰	۱۱	۵۷	۳۸	۱۱	۵۸	۱	۲۲ دسمبر	۱۲	۰	۰	۱۱	۵۸	۴۱	۱۱	۵۹	۴
یکم جولائی	۱۲	۰	۰	۱۲	۳	۳۸	۱۲	۴	۱										

(۶) نماز ظہر کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد فوراً شروع ہو کر اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے،

(۷) نماز عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہی جب سایہ اصل کی مقدار پر ایک مثل اور بقولے دو مثل سایہ اور زیادہ ہو جاتا ہے، اور سایہ اصلی اور سایہ یک مثل و دو مثل کی کیفیت یہ ہے کہ ہر ایک شے کے سایہ کی مقدار سمت الراس سے مرکزِ آفتاب تک کے فاصلہ پر منحصر ہے، جب سمت الراس سے مرکزِ آفتاب تک فاصلہ زیادہ ہوتا ہے تب ہر ایک شے کا سایہ بھی زیادہ ہوتا ہے اور جب فاصلہ کم ہوتا ہے تب ہر ایک شے کا سایہ بھی کم ہوتا ہے، اس لئے طلوعِ آفتاب کے وقت ہر ایک شے کا سایہ زیادہ سے زیادہ لمبا ہوتا ہے، پھر طلوعِ آفتاب سے بعد افق سے آفتاب کا ارتفاع جس قدر بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر فاصلہ سمت الراس سے مرکزِ آفتاب تک کم ہوتا جاتا ہے، اس طرح پر سایہ اصلی اس سایہ کا نام ہے جو زوالِ آفتاب کے وقت ہوتا ہے، پھر زوالِ آفتاب سے بعد غروبِ آفتاب تک سمت الراس سے مرکزِ آفتاب تک کا فاصلہ بتدریج زیادہ ہوتا جاتا ہے، اس لئے زوال کے بعد سایہ بھی بتدریج بڑھتا جاتا ہی اس عرصہ مین جب زوالِ آفتاب کے بعد سایہ بڑھتا جاتا ہی تب ایک وقت ایسا بھی آتا ہی جب ہر ایک شے کے سایہ کی مقدار سایہ اصلی کی مقدار پر اس قدر اور زیادہ ہو جاتی ہی کہ ہر ایک شے کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جاتا ہی اسی مقدار کو اصطلاحِ فقہا مین یک مثل کے نام سے موسوم کیا گیا ہی، اور جب سایہ اصلی کی مقدار پر اس قدر سایہ اور زیادہ ہو جاتا ہی کہ ہر ایک شے کے قد کے دو چھوٹی کے برابر ہو جاتا ہی تب اسقدر سایہ کو اصطلاحِ فقہا مین سایہ دو مثل کہا جاتا ہے،

اس لئے لندن مین کسی تاریخ کو نماز عصر کے شروع ہونے کا وقت دریافت کئے جانے کے لئے یہ معلوم کیا جانا ضروری ہے کہ اس تاریخ کو لندن مین زوالِ آفتاب کے وقت میل شمسی اور فاصلہ سمت الراس سے مرکزِ آفتاب تک کس قدر ہوگا اور سایہ اصل کی مقدار کس قدر ہوگی، نیز یہ کہ سایہ یک مثل و دو مثل سمت الراس سے مرکزِ آفتاب تک کسقدر فاصلہ ہونے پر ہوگا، بدین غرض نقشہ مندرجۂ ذیل مین ان سب امور کو درج کیا جا کر واضح کیا جاتا ہی

تاریخہائے سنہ ۱۹۳۲ء	لندن میں میل آفتاب بوقت نصف النہار			لندن میں فاصلہ سمت الراس سے مرکز آفتاب تک بوقت نصف النہار			لندن میں بوقت نصف النہار ایک فٹ لمبی شے کے سایہ اصلی کی مقدار		لندن میں فاصلہ سمت الراس سے مرکز آفتاب تک بوقت یک مثل			لندن میں فاصلہ سمت الراس سے مرکز آفتاب تک بوقت دو مثل		
	درجے	دقیقے	ثانیے	درجے	دقیقے	ثانیے	فٹ	انچ	درجے	دقیقے	ثانیے	درجے	دقیقے	ثانیے
یکم جنوری	۲۳	۴	۵۹	۷۴	۳۵	۵۹	۳	۷،۵۶	۷۷	۴۸	۴۸	۷۹	۵۵	۴۴
یکم فروری	۱۷	۲۱	۲۹	۶۸	۵۲	۲۹	۲	۷،۰۵	۷۴	۲۶	۰	۷۷	۴۳	۰
یکم مارچ	۷	۳۳	۱۰	۵۹	۴	۱۰	۱	۸،۰۲	۶۹	۲۸	۰	۷۴	۴۶	۰
یکم اپریل	۴	۳۴	۱۱	۴۶	۵۶	۴۹	۱	۱۸۴	۶۴	۱۴	-	۷۱	۵۸	۰
یکم مئی	۱۵	۵	۵۱	۳۶	۲۵	۹	۰	۸،۸۵	۶۰	۵	۰	۶۹	۵۷	۰
یکم جون	۲۲	۴	۵	۲۹	۲۶	۵۵	۰	۷،۷۷	۵۷	۲۵	۰	۶۸	۴۲	۰
یکم جولائی	۲۳	۷	۱	۲۸	۲۳	۵۹	۰	۴،۶۹	۵۷	۱	۰	۶۸	۳۱	۰
یکم اگست	۱۸	۱	۰	۳۳	۳۰	۰	۰	،۹۴	۵۸	۵۸	۰	۶۹	۲۵	۰
یکم ستمبر	۸	۱۶	۸	۴۳	۱۴	۵۲	۰	۱۱،۲۹	۶۲	۴۵	۰	۷۱	۱۴	۰
یکم اکتوبر	۳	۱۲	۲۸	۵۴	۴۳	۲۸	۱	۴،۹۶	۶۷	۳۰	۰	۷۳	۱۴	۰
یکم نومبر	۱۴	۲۷	۲۵	۶۵	۵۸	۲۵	۲	۲،۹۲	۷۲	۵۲	۰	۷۶	۴۵	۰
یکم دسمبر	۲۱	۴۹	۳۰	۷۳	۳۰	۳۰	۳	۴،۱۰	۷۷	۲	-	۷۹	۲۴	۰
۲۲ر دسمبر	۲۳	۵۶	۵۹	۷۴	۵۷	۵۹	۳	۸،۶۸	۷۸	۲	۴۶	۸۰	۵	۳۰

(۸) لندن میں ایک فٹ لمبی لکڑی کا جس قدر سایہ نصف النہار کے وقت لکھا گیا ہے یک مثل کے وقت اسی قدر سایہ سے مقدار سایہ ایک فٹ زیادہ اور دو مثل کے وقت دو فٹ زیادہ ہوگی،

(۹) شہر لندن دار الخلافہ انگلستان کا عرض بلد شمالی ۵۱ درجہ ۳۱ دقیقہ اور طول بلد غربی ،۵ دقیقہ ہے، بدین حساب شہر لندن میں نماز ظہر و عصر و مغرب کے شروع ہونے کے اوقات ہر ایک ماہ کی پہلی تاریخ

کے اور سب سے چھوٹے دن ۲۲ دسمبر کے نقشہ مندرجۂ ذیل میں سٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق درج کئے جاتے ہیں،

تاریخہائے سنہ ۳۲ء	شروع وقت نماز ظہر			شروع وقت از نماز عصر یک مثل			شروع وقت از نماز عصر دو مثل			مغرب			مقدار وقت ظہر تا عصر یک مثل			مقدار وقت از ظہر تا عصر دو مثل			مقدار وقت از عصر یک مثل تا مغرب			مقدار وقت از عصر دو مثل تا مغرب		
	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سیکنڈ
یکم جنوری	۱۲	۴	۰	۱	۴۵	۰	۲	۱۵	۰	۴	۲	۰	۱	۴۱	۰	۲	۱۱	۰	۲	۱۴	۰	۱	۴۴	۰
یکم فروری	۱۲	۱۴	۰	۲	۲۴	۰	۳	۰	۰	۴	۳۹	۰	۲	۱۰	۰	۱۰	۴۶	۰	۲	۲۳	۰	۱	۴۷	۰
یکم مارچ	۱۲	۱۳	۰	۳	۴	۰	۳	۴۸	۰	۵	۴۱	۰	۲	۵۱	۰	۳	۳۵	۰	۲	۳۵	۰	۱	۵۱	۰
یکم اپریل	۱۲	۵	۰	۳	۳۷	۰	۴	۳۱	۰	۶	۳۴	۰	۳	۳۲	۰	۴	۲۶	۰	۲	۵۶	۰	۲	۲	۰
یکم مئی	۱۱	۵۸	۰	۴	۰	۰	۵	۴	۰	۷	۲۴	۰	۴	۲	۰	۵	۶	۰	۳	۲۴	۰	۲	۲۰	۰
یکم جون	۱۱	۵۹	۰	۴	۱۸	۰	۵	۳۱	۰	۸	۸	۰	۴	۱۹	۰	۵	۳۲	۰	۳	۵۲	۰	۲	۳۹	۰
یکم جولائی	۱۲	۵	۰	۴	۲۷	۰	۵	۴۱	۰	۸	۲۱	۰	۴	۲۲	۰	۵	۳۶	۰	۳	۵۷	۰	۲	۴۳	۰
یکم اگست	۱۲	۷	۰	۴	۱۷	۰	۵	۲۴	۰	۷	۵۰	۰	۴	۱۰	۰	۵	۱۷	۰	۳	۳۶	۰	۲	۲۹	
یکم ستمبر	۱۲	۱	۰	۳	۴۴	۰	۴	۴۱	۰	۶	۴۸	۰	۳	۴۳	۰	۴	۴۰	۰	۳	۷	۰	۲	۱۰	۰
یکم اکتوبر	۱۱	۵۱	۰	۲	۵۷	۰	۳	۴۵	۰	۵	۳۹	۰	۳	۶	۰	۳	۵۴	۰	۲	۴۴	۰	۱	۵۶	۰
یکم نومبر	۱۱	۴۵	۰	۲	۷	۰	۲	۴۵	۰	۴	۳۴	۰	۲	۲۲	۰	۳	۰	۰	۲	۲۸	۰	۱	۵۰	۰
یکم دسمبر	۱۱	۵۰	۰	۱	۳۷	۰	۲	۱۹	۰	۳	۵۶	۰	۱	۴۷	۰	۲	۲۹	۰	۲	۱۷	۰	۱	۳۵	۰
۲۲ دسمبر	۱۲	۰	۰	۱	۳۸	۰	۲	۸	۰	۳	۵۴	۰	۱	۳۸	۰	۲	۸	۰	۲	۱۳	۰	۱	۴۳	۰

(۱۰) اوقات مندرجہ نقشہ بالا کو ملاحظہ کرنے کے بعد مدیر نگار اگر بدلیل طور پر یہ بتلا سکیں کہ اوقات مندرجہ نقشہ صحیح نہیں ہیں، تو یہ بتلانا بھی انکا فرض ہوگا کہ ایام سال میں سے وہ کون سے دن ہیں، جب لندن میں نماز ظہر کا وقت شروع نہیں ہوتا اور اگر شروع ہوتا ہی تو وہ وقت اس قدر قلیل ہوتا ہے کہ جس میں نماز ظہر کے صرف چار رکعت فرض بھی تعدیل ارکان کیساتھ پورے نہیں ہوسکتے کہ اس عرصہ میں نماز ظہر کا وقت ختم ہوکر نماز عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے،

آلِ سلجوق

مقدمہ تاریخ سلاجقہ

از

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مصنف "الجہاد فی الاسلام"

"مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مصنف الجہاد فی الاسلام آج کل حیدرآباد دکن میں آلِ سلجوق کی ایک تاریخ مرتب کر رہے ہیں، ذیل کا مضمون اسی تاریخ کا مقدمہ ہے، وہ اس کا مواد قریب قریب پورا فراہم کر چکے ہیں، صرف مرتب کرنا باقی ہے، اسی کے ساتھ وہ ایک مبسوط تاریخ دکن کا مواد بھی جمع کر رہے ہیں جس کے متعلق اندازہ ہے کہ دو ہزار صفحات میں ختم ہوگی"

دولت آل سلجوق کی تاریخ اسلام کی عظمت و بزرگی کے ایک نہایت اہم دور کی تاریخ ہے، دولت عباسیہ کے سیاسی زوال کے بعد جس سلطنت نے ممالک اسلامیہ کے بیشتر حصہ کو ایک مرکز پر جمع کیا، وہ یہی سلجوقی سلطنت تھی، اس نے سرحد چین سے لیکر سواحلِ بحر ابیض تک اور عدن سے لیکر خوارزم و ابخاز تک تمام مسلمان قومون کو ایک کر دیا، اور ایشیا کے اس بہترین خطہ کو جو اس وقت نہ صرف اسلامی تہذیب کا بلکہ دراصل تمام عالم کی تہذیب کا علمبردار بنا ہوا تھا، سیاسی انتشار و پراگندگی کی حالت سے نکال کر پھر اس قابل بنا دیا کہ وہ انسانی تمدن کی تعمیر میں اپنے حصہ کا کام پورا کرے لیکن اس سے زیادہ جو چیز اس سلطنت کی تاریخ کو ہمارے لئے اہم بناتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کا دور مسلمانون کے تقدم و پیش روی کا آخری دور ہے، اس زمانہ میں ہم آخری مرتبہ مسلمانون کو عالم انسانی کے امام اور رہنما کی حیثیت سے تمام قومون کے آگے آگے

چلتے ہوئے دیکھتے ہین، طاقت وثروت تہذیب ومدنیت علم وفن، تحقیق واجتہاد، اخلاق وروحانیت غرض ہراعتبار سے مسلمانون کی فوقیت وبرتری اسی دور کے ساتھ ختم ہوتی ہے، اس کے بعد اگرچہ مدتون تک اسلامی تہذیب کے چشمے ابلتے رہے، بڑے بڑے علما پیدا ہوئے، بڑے بڑے فاتح اور مدبر اٹھے، بڑی بڑی سلطنتین قائم ہوئین، ہندوستان، مصر، روم مین بڑی بڑی پررونق محفلین گرم ہوئین، مگر واقعہ یہ ہے کہ فتنۂ تاتار کی مہلک ضرب کھاکر اسلام کے دل ودماغ اور دست وپا کی قوت اس بری طرح سلب ہوئی کہ پھر وہ دنیا کی اجتماعی زندگی مین بالادست اور فرمان روا کی حیثیت برقرار نہ رکھ سکا، اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ سلاجقہ کی تاریخ اسلام کے آخری عہد زرین کی تاریخ ہے، اور تاریخ عالم مین وہ اپنا ایک خاص درجہ رکھتی ہے،

تاریخ سلاجقہ کے ادوار، اس عہد کا آغاز پانچوین صدی ہجری کی ابتدا سے ہوتا ہے، اور ساتوین صدی کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوتا ہے، کم وبیش تین سو برس کی اس مدت مین سلاجقہ کی قوت بہت سے نشیب وفراز سے گذرتی ہے، ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء سے ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء تک (۱۲۳) سال کا زمانہ ان کا بہترین زمانہ ہے، جسمین طغرل، الپ ارسلان، ملک شاہ، برکیارق، محمد اور سنجر فرمان روا تھے، یہ لوگ تاریخ کی زبان مین سلاجقہ عظام کہلاتے ہین، ان کے بعد یہ عظیم الشان سلطنت منتشر ہوجاتی ہے، اور مختلف اسلامی ممالک پر کچھ سلجوقی غلام، اور کچھ سلجوقی شہزادے، اپنی خودمختار ریاستین قایم کرلیتے ہین ان مین سے خالص سلجوقی ریاستین کرمان، عراق، شام اور روم کی ہین جنکو علی الترتیب سلاجقہ کرمان، سلاجقہ عراق، سلاجقہ شام اور سلاجقہ روم کہاجاتا ہے، یہ ریاستین سلاجقہ عظام کے عہد مین مختلف تاریخون سے شروع ہوتی ہین، اور مختلف تاریخون پر ختم ہوتی ہین، جن کی کیفیت ذیل کے نقشے سے معلوم ہوسکتی ہے،

سلاجقہ عراق وکردستان	۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء	۵۹۰ھ ۱۱۹۴ء
سلاجقہ شام	۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء	۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء

سلاجقۂ کرمان	۴۳۳ھ ۱۰۴۱ء	۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء
سلاجقۂ روم	۴۷۰ھ ۱۰۷۷ء	۷۰۰ھ ۱۳۰۰ء

انھین بڑے اور چھوٹے سلجوقیون کے زمانہ کی حالت اس کتاب کا موضوعِ سخن ہے، لیکن مورخانہ ذوق کی رعایت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ کی پچھلی اور اگلی کڑیون کو جوڑنے کے لئے یہ بتادیا جائے کہ سلاجقہ نے کن سے ملک پایا اور کن کے لئے اس کو چھوڑ گئے، نیز یہ کہ دولت سلجوقیہ کے قیام کے وقت اسلامی دنیا کی سیاسی حالت کیا تھی؟ سلجوقیون کے آنے سے اس مین کیا تغیر ہوا؟ ان کی سیاست کے خاص اور نمایان پہلو کیا ہین؟ اور منظرِ تاریخ سے رخصت ہوتے وقت انھون نے اسلامی دنیا کو کس حالت مین چھوڑا؟ ان امور کے متعلق ایک مجمل بیان پڑھ لینے سے تاریخ کا متعلم سلاجقہ کے عہد سے اچھی طرح روشناس ہو جائیگا، اور ان کی داستان کو بخوبی سمجھ سکے گا،

دولت عباسیہ کا انحطاط معلوم ہے کہ عباسیون نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے عرب کے خلاف عجمیون کو استعمال کیا تھا، اور انھین کی مدد سے اموی خلافت کو مٹا کر ہاشمی خلافت قائم کرنے مین کامیاب ہوئے تھے، یہ عجمی عنصر ابتدا مین تو عباسی خلفا کی پشت پناہ تھا، مگر آگے چل کر اس مین عرب کے خلاف عجمیت کی اسپرٹ پیدا ہوگئی (یا یون کہئے کہ ابھر آئی) اور بڑھتے بڑھتے اس نے اتنی قوت پیدا کرلی کہ اہل عجم خسرو پرویز اور نوشیروان کے عہد کے خواب دیکھنے لگے، مامون اور امین کی باہمی خانہ جنگی مین یہ عربی و عجمی عنصر بالکل دو مقابل کے عنصر تھے اور گویا مامون و امین کے لئے نہین بلکہ عربی اور عجمی عصبیت کے لئے لڑ رہے تھے معتصم کے عہد تک پہنچتے پہنچتے ان کی باہمی کشمکش اور توڑ جوڑ نے سلطنت کے لئے ایک نمایان خطرہ پیدا کر دیا، اور عنانِ سلطنت ہاتھ مین لیتے ہی اس کے سامنے سب سے پہلے اور سب سے اہم جو مسئلہ پیش ہوا وہ یہی تھا کہ ان دو متضاد عنصرون کے تصادم کو روکنے اور ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو دبانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کیجائین؟ معتصم نے اس کا بہتر علاج یہ سمجھا

که ان کے خلاف ایک تیسرے (یعنی ترکی) عنصر کو مضبوط کرے[۱] جو ضرورت کے وقت عرب اور عجم دونون کی قوت کو دبانے کے لئے سلطنت کے کام آسکتا ہو، سیاسی اعتبار سے یہ چال جس قدر مفید تھی اسی قدر خطرناک بھی تھی، کیونکہ دو مخالف طاقتون کے درمیان توازن قایم کرنے کے لئے کسی تیسری طاقت کو قائم کرنا صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ سلطنت کا اصلی اقتدار اسی کے ہاتھ مین ہو، اس پر بھی اگر یہ احتیاط کیجاتی کہ وہ تیسری طاقت مختلف قومون اور نسلون کے آدمیون سے مرکب ہوتی اور ہوشیاری کے ساتھ ان کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے کی کوشش کیجاتی تو اس تدبیر کے خطرات بہت کچھ کم ہو سکتے تھے[۲]، لیکن معتصم اس نکتہ کو نہ سمجھ سکا اور اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ہی قوم کے غلامون کو جمع کرکے ایک زبردست فوج مرتب کی جو قومی و نسلی وحدت کی بناپر بہت جلد عجم و عرب کی حریف بن گئی[۳]، یہ فوج ایک ایسا طاقتور آلہ تھی، جسے استعمال کرنے کے لئے اس سے زیادہ طاقتور ہاتھ درکار تھا، مگر بدقسمتی سے معتصم کے جانشینون مین کوئی اس قابل نہ نکلا کہ اسے استعمال کرنا تو درکنار کم ازکم اس کی مضرت ہی سے سلطنت کو محفوظ رکھ سکتا، نتیجہ یہ ہوا کہ جو قوت دوسرون کو دبانے کے لئے مہیا کی گئی تھی اس نے خود مہیا کرنے والون کو دبالیا،

ف ۱ خلفاے عباسیہ مین بنی امیہ کے برعکس مختلف قومون کا خون شامل تھا، کسی کی ماں عرب تھی، کسی کی ترک، کسی کی ایرانی، کسی کی بربری اور کسی کی صقلبی، ان ماؤن کو اپنے بیٹون پر اکثر غیر معمولی اثر حاصل ہوتا تھا جس کی باعث وہ بسا اوقات انھین کی قوم کی طرف مائل ہو جاتے تھے، اور ان کو اپنے سیاسی منصوبون کے لئے اپنی ننھیال ہی مین مددگار میسر آتے تھے، امین کی ماں عربیہ تھی، وہ عربیت کا دلدادہ تھا، اور سلطنت کا عربی عنصر اس کا حامی تھا، مامون کی ماں ایرانیہ تھی، وہ ایرانیون کی طرف مائل تھا، اور ایرانیون ہی کی مدد سے اسنے عرب کا زور توڑکر تخت حاصل کیا، معتصم کی ماں ترکیہ تھی اس کا میلان ترکون کی طرف ہوا، اور اپنی اس تدبیر کے لئے اس نے انھین کو منتخب کیا،

ف ۲ اس مین شک نہین کہ معتصم نے مغاربہ کی بھی ایک فوج بھرتی کی تھی، مگر وہ کسی شمار مین نہ تھی، اسے بھرتی کرنے سے نہ تو یہ مقصود تھا کہ ترکون کے مقابلہ مین اسے توازن قایم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے، اور نہ اسے کبھی اتنی قوت دیگئی کہ وہ کسی بڑے مقصد کے لئے استعمال کیجاسکتی، ف ۳ اس جدید ترکی عنصر کے عروج مین اسلامی سیاست وتمدن کیلئے سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ ان لوگون مین اسلامی تہذیب کو قبول کرنے کی صلاحیت بہت کم تھی، ان کی بداوت مسلمانون کی حضریت کا ساتھ نہ دیسکتی تھی حتی کہ ان مین سے ایک معتد بہ جماعت سچے دل سے مسلمان بھی نہ تھی اور محض دولت وحکومت کی خاطر اس نے منافقانہ اظہار اسلام کرلیا تھا چنانچہ افشین کا قصہ مشہور ہے،

اور سلطنت کے اصلی مالک عباسیون کی بجائے ان کے ترکی غلام بن گئے،

سلطنت کی قطع و برید یہ تیسری صدی ہجری کے ربع اوّل کا زمانہ ہے، معتصم کی زندگی ہی مین اس خطرناک سیاسی چال کے بُرے نتائج ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے، اسے ترکون کے لئے ایک الگ شہر (سامرا یا سُرّمن رای) بسانا پڑا کیونکہ بغداد کے مہذب باشندے ان وحشی فوجیون کے ساتھ گذر نہین کر سکتے تھے پھر عین اس وقت جبکہ معتصم رومیون کے خلاف فیصلہ کن جہاد کر رہا تھا، دار الخلافہ مین اس کے عزل اور قتل کی سازش ہوئی جس کا اصلی محرک انھین ترکون کی بڑھتی ہوئی قوت کے خلاف امرائے سلطنت کا جوشِ غضب تھا، آخر مین معتصم کے محبوب ترکی سردار افشین کی سازش نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اس پودے سے آیندہ کس قسم کے پھل پیدا ہونیوالے ہین، معتصم کے بعد واثق کے لئے موقع تھا کہ وہ اس بڑھتے ہوئے خطرے کی روک تھام کرتا، مگر وہ اپنے باپ کی پالیسی پر آنکھ بند کر کے چلتا رہا، اور اپنی سلطنت کے مختصر عہد مین اس نے ترکی عنصر کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ اس کے انتقال کے بعد جب اس کی جانشینی کا سوال پیش ہوا تو ترکی سردار وصیف نے تمام عمائدِ سلطنت کے علی الرغم متوکل کی حمایت کی اور اسے تخت نشین کرانے مین کامیاب ہوا، یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی عنصر نے تختِ خلافت کی وراثت کے مسئلہ مین مداخلت کی[^1] اس کے بعد پوری ایک صدی تک ترکی غلام سلطنت کے مالک بنے رہے اور خلفار کو کٹھ پتلیون کی طرح اٹھاتے اور گراتے رہے[^2]، متوکل کو انھون نے قتل کیا، مستعین کو انھون نے اتنا دق کیا کہ وہ سامرا سے بغداد بھاگ گیا، اور جب وہ ان کے بلانے پر بھی نہ آیا تو انھون نے اسے معزول کر کے

[^1]: ؁ اگرچہ اس وقت وصیف کی مداخلت بالکل جائز بنیاد پر تھی، مگر اس نے آیندہ کے لئے فوج کی ناجائز اور نہایت خطرناک مداخلت کا دروازہ کھول دیا،

[^2]: ؁ مشہور ہے کہ جب معتز باللہ تختِ خلافت پر بیٹھایا گیا تو اس کے بعض امرائے دربار نے منجمون کو بلا کر دریافت کیا کہ خلیفہ کی کتنی عمر ہوگی، اور کب تک حکمرانی کرے گا، اس پر ایک ظریف نے کہا کہ مین ان منجمون سے زیادہ اس کو جانتا ہون، لوگون نے کہا کہ تم ہی بتا دُو، اس نے جواب دیا کہ جب تک ترک چاہین،

قتل کردیا، معتز کو انھون نے نہایت ذلت کے ساتھ معزول، قید اور قتل کیا،[۱] مہتدی نے ان کا زور توڑنے کی کوشش کی تو انھون نے اس سے جنگ کی اور گرفتار کرکے قید کردیا، قاہر کو انھون نے معزول کرکے اندھا کیا اور متقی کو اندھا کرکے معزول کر دیا، اس زمانہ مین بغداد کے اصلی فرمان روا خلفا نہین بلکہ خلفا کے یہی آقا صفت غلام تھے،[۲]

طاہریہ ترکی غلامون کے اس غلبہ سے ناراض اور مرکزی حکومت کی اس کمزوری سے جری ہوکر مختلف اسلامی صوبون کے ترکی، عربی اور عجمی گورنر خود سری اور خود اختیاری پر آمادہ ہونے لگے، آہستہ آہستہ انھون نے اپنی الگ ریاستین قایم کرنی شروع کردین اور دولت عباسیہ کی قطع و برید شروع ہوگئی، سب سے پہلے خراسان کے گورنر طاہر بن عبد اللہ نے خود اختیاری کا رنگ اختیار کیا، ۲۳۰ھ / ۸۴۴ء مین جب اس کے باپ عبد اللہ کا انتقال ہوا تو واثق نے اسحاق بن ابراہیم المصعبی کو خراسان کا والی بنانا چاہا، مگر طاہر کی جڑین مضبوط دیکھکر اس کو اپنا حکم منسوخ کرنا پڑا، اس طرح خراسان عملاً خود مختار ہوگیا، اور اس کی تابعانہ حیثیت صرف اس قدر رہگئی کہ ایک امیر کے مرنے کے بعد اس کا جانشین محض ضرورةً اور رسماً خلیفہ سے اپنی جانشینی کی توثیق کرانا ضروری سمجھتا تھا،

طولونیہ ۲۵۴ھ / ۸۶۸ء مین احمد بن طولون مصر کا گورنر مقرر کیا گیا، اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے مصر و شام مین اپنی خود مختار ریاست قائم کرلی، جو ۲۹۲ھ / ۹۰۵ء تک اس کے خاندان مین رہی،

صفاریہ تیسری صدی کے وسط مین یعقوب لیث ایک ٹھٹھیرے نے سیستان مین قسمت آزمائی شروع کی

سے ۱ معتز کے ساتھ ان کا سلوک بڑا ہولناک تھا، وہ اس کے کمرے سے اسے ٹانگ پکڑ کر کھینچ لائے، اسے ڈنڈون سے پیٹا، اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے، اسے دھوپ مین کھڑا کیا، بیچارہ ایک پاؤن رکھتا اور دوسرا پاؤن اٹھاتا تھا، پھر اسے مارتے ہوئے لے گئے، اور تین دن تک اسے بے آب و دانہ قید کیا، اس کے بعد اسے ایک تہخانہ مین بند کرکے اس کا دروازہ چن دیا،

سے ۲ اس مین شک نہین کہ وزارت اس زمانہ مین بھی ایرانی مدبرون کو حاصل رہی، ابن وہب، ابن الفرات، علی بن عیسیٰ اور ابن مقلہ وغیرہ اس عہد کے مشہور وزرا گذرے ہین، مگر یہ وزرا ترکون کے مقابلہ مین بے بس تھے، کیونکہ فوجی قوت ان کے ہاتھ مین تھی اور ترکی امرار کے مالی مطالبات انھین بے چون و چرا پورے کرنے پڑتے تھے، ورنہ ان کا اس سے زیادہ برا حشر ہوتا تھا، جو حشر خلفاء کا بیان کیا گیا،

اور ۲۵۳ھ/۸۶۷ء میں وہ پورے صوبہ کا مالک بن گیا، ۲۵۹ھ/۸۷۲ء میں اس نے طاہریوں سے خراسان چھین لیا، اور سندھ سے لیکر فارس اور طبرستان تک اپنی حکومت قائم کرلی، آخر میں وہ خود بغداد پر حملہ کے لئے چلا تھا، مگر خلیفہ معتمد کے بھائی موفق سے شکست کھا کر واپس ہوا، اس کا خاندان تاریخ میں صفاریہ کے نام سے موسوم ہے، خود اختیاری کے اعتبار سے وہ طاہریوں اور طولونیوں کے مقابلہ میں عباسی خلافت کے اثر سے بہت زیادہ آزاد تھا، اگرچہ عمرو بن لیث نے بعد میں مصلحۃً خلیفہ معتمد سے خراسان، فارس، کردستان اور سیستان کی ولایت کا پروانہ حاصل کیا، مگر اس کی فرماں روائی جیسی اس پروانہ کے حصول سے پہلے تھی ویسی ہی اس کے بعد رہی،

علویہ شمال میں دیلم و طبرستان، اور گیلان کے علاقوں پر علوی خاندان کے سرداروں نے اپنا اثر جمانا شروع کیا، اور ۲۵۰ھ/۸۶۴ء میں حسن بن زید علوی نے باقاعدہ اپنی امامت کا دعویٰ کرکے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کردیا، ساٹھ برس سے زیادہ مدت تک یہ علاقے عباسی خلافت سے بالکل آزاد رہے، آخر ۳۱۶ھ/۹۲۸ء میں طبرستان کا علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا، مگر اس کے بعد بھی گیلان اور دیلم پر ان کے اثرات عرصہ تک باقی رہے، انھیں کے اثر سے دیلمیوں میں شیعیت پھیلی جنھوں نے بعد میں سوا سو برس تک مشرقی خلافت کے قلب پر حکمرانی کی۔

سامانیہ تیسری صدی کے وسط میں ماوراء النہر میں سامانی خاندان نے فرماں روائی کا علم بلند کیا، صفاری سلطنت کے حائل ہوجانے سے یہ دور دراز صوبہ مرکز خلافت سے منقطع ہوگیا تھا، اس فرصت سے فائدہ اٹھاکر سامانی خاندان نے جو طاہریوں کے زیر اثر تھا اپنی قوت بڑھانی شروع کی یہاں تک کہ ۲۶۱ھ/۸۷۴ء میں انکو دربار خلافت سے مملکت ماوراء النہر کی حکومت کا پروانہ مل گیا، ۲۷۹ھ/۸۹۲ء میں جب اسمٰعیل بن احمد سمرقند کا فرمانروا ہوا تو وہ ایک خود مختار بادشاہ کی طرح آزاد تھا، اس نے ۲۹۰ھ/۹۰۳ء میں صفاریوں سے خراسان چھین لیا اور کاشغر سے لیکر خلیج فارس کے سواحل تک اور سرحد ہندوستان سے لیکر بغداد کے نواح تک اپنی حدود سلطنت وسیع کرلیں، اس کا خاندان ۳۸۹ھ/۹۹۹ء تک حکمران رہا،

ساجیہ ۲۷۶ھ میں محمد بن ابی الساج آذربیجان کا گورنر مقرر ہوا، جہاں اس نے بہت جلد ہی مطلق العنانی

کارنگ اختیار کرلیا، اور ۳۱۸ھ / ۹۳۰ء تک اس کا خاندان آرمینیہ اور آذربیجان پر حکمران رہا، اس کے بعد یہ علاقے دوبارہ بلاواسطہ عباسی اقتدار مین آگئے،

زیاریہ، ۳۱۶ھ / ۹۲۸ء مین مرداویج بن زیار نے طبرستان و جرجان مین علمِ استقلال بلند کیا، اور اصفہان وہمدان فتح کرکے حلوان تک پھیل گیا، مگر اسکے بعد ہی آل بویہ کا اقتدار شروع ہوگیا، اس لئے بنو زیار کی قوت ان کے سامنے دب گئی، تاہم جرجان وطبرستان پر پانچوین صدی کے ربع ثانی تک ان کی حکومت رہی،

اخشیدیہ، خاندان طولونیہ کے بعد ۳۲۳ھ / ۹۳۵ء مین مصر پر محمد اخشید نے اپنی آزاد حکومت قائم کی، اور ۳۳۰ھ / ۹۴۱ء مین شام اور حجاز کو بھی شامل کرلیا، ۳۵۸ھ / ۹۶۹ء تک اس کا خاندان اس علاقہ پر حکمران رہا،

اختیاراتِ خلافت کی تقسیم، اب تک یہ قطع وبرید صرف دور دراز کے صوبون مین ہو رہی تھی، اور مرکزِ حکومت اس سے محفوظ تھا، عباسی خلیفہ گو کمزور سہی، تاہم بغداد مین عنانِ سیاست کا مالک وہی تھا اور بغداد کے علاوہ عرب، عراق، الجزیرہ آذربیجان، آرمینیہ اور سواحلِ بحرِ ہند تک اس کی بلاواسطہ حکومت قائم تھی، لیکن قوت کے بغیر اس بچی کھچی سلطنت کو بھی زیادہ عرصہ تک قبضہ مین رکھنا اس کے لئے مشکل تھا، چنانچہ الراضی باللہ (۳۲۲ھ / ۹۳۴ء، ۳۲۹ھ / ۹۴۰ء) کے زمانہ مین واسط وبصرہ کے گورنر محمد ابن الرائق نے خلیفہ کو معاملاتِ سلطنت سے عملاً بے تعلق کردیا، اور اسے امیرالامرا، کا لقب حاصل کرکے سلطنت کی قوتین اس طرح اپنے لئے مخصوص کرلین کہ خلیفہ کی حیثیت ایک وظیفہ خوار روحانی رئیس سے زیادہ نہ رہی، کچھ عرصہ کے بعد یہ امیرالامرائی کا منصب بھی ترکی غلامون کی طرف منتقل ہوگیا، اور خلیفہ کی حکومت قصرِ خلافت تک محدود ہوکر رہ گئی[1]

امویون کا دعوائے خلافت، اسی زمانہ مین اندلس کے اموی فرمان روا عبدالرحمن ثالث نے جو ۳۱۷ھ مین قرطبہ کے تخت پر متمکن ہوا، اپنی خلافت کا اعلان کردیا، گو اندلس کی حکومت نے پہلے بھی عباسی خلافت

۱؎ امیرالامرائی کا منصب درحقیقت سالاری فوج کا منصب تھا، مگر ہم دیکھتے ہین کہ اس کا دائرۂ اثر فوج سے گزرکر تمام امورِ سیاسی پر حاوی ہوگیا تھا، خصوصاً دیالمہ کے عہد مین تو ان امیرالامراؤن نے سلطنت سے خلفاء کو بالکل ہی بےدخل کردیا،

کو کبھی تسلیم نہین کیا تھا[1] تاہم وہ ابتک عباسیون کے مقابلہ مین خلافت کا علانیہ دعویٰ کرنے سے محترز رہی تھی، مگر جب مشرقی خلافت نے اپنا رہا سہا اقتدار بھی کھو دیا تو اس کے مغربی حریفون کو کھلم کھلا اپنے بزرگون کی میراث حاصل کرنے کی جرأت ہوگئی، یہ پہلی ضرب تھی جو عباسی خلافت پر لگی، اس سے پہلے خلافت محفوظ تھی صرف سلطنت پر ضربین لگ رہی تھین،

آلِ بویہ کا ظہور اس کے بعد پیہم دو واقعات اور پیش آئے جنھون نے "سنی"[2] خلافت کو بالکل نیم مردہ کردیا، ان مین سے پہلا واقعہ آلِ بویہ کا ظہور تھا، اور دوسرا فاطمیین کا مشرق ادنیٰ کی طرف اقدام، مقدم الذکر خاندان دیلم کے جنگ آزما قبائل مین سے تھا، اور اپنا تعلق ایران کے قدیم ساسانی خاندان سے ملاتا تھا، چوتھی صدی کی فتنہ پرور آب و ہوا نے اس کے اندر بھی قسمت آزمائی کا ولولہ پیدا کیا اور اس کا بانی اول ابو شجاع بویہ گمنامی کے گوشہ سے نکل کر ناموری اور اقتدار کے لئے ہاتھ پاؤن مارنے لگا، ابتداءً علویون اور سامانیون کی باہمی لڑائیون مین حصہ لینے کے سبب اس کی قوت مضبوط ہوئی، پھر اس کے تین بیٹے علی، حسن، اور احمد طبرستان و جرجان کے فرمان روا مرداویج بن زیار کی ملازمت مین داخل ہوگئے، اسکو کچھ زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ انھون نے مرداویج سے الگ ہو کر خود اپنے طریق پر ملک گیری کا سلسلہ شروع کردیا، اور ۳۲۱ھ ۹۳۲ء اور ۳۲۳ھ ۹۳۴ء کے درمیان ان تینون نے اصفہان، شیراز، اور ارّجان تک اپنے حدود اثر وسیع کر لئے، اب علی فارس کا مالک تھا، حسن الجبال کا اور احمد مشرق و مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا، ۳۲۴ھ ۹۳۵ء مین اس نے کرمان فتح کیا، اور ۳۳۴ھ ۹۴۵ء مین بڑھتے بڑھتے خود بغداد مین داخل ہوگیا، خلیفہ مستکفی کیلئے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کیا چارہ تھا، اس نے احمد کو امیر الامرائی کا منصب اور معز الدولہ کا خطاب عطا کیا، اور اس کے دونون بھائیون کو بھی فارس اور الجبال کی حکومت کا پروانہ عطا کیا، علی کو دربار خلافت

---

[1] کبھی کبھی مصلحۃً درپردہ اس کے خلاف جو واقعات ظاہر ہوئے ہین ان سے یہ نتیجہ نہین نکالا جاسکتا کہ کبھی حکومت اندلس نے عباسیۂ بغداد کو فی الواقع جائز خلیفہ تسلیم کیا تھا، [2] یہان "سنی" خلافت کا لفظ "شیعی" یا "فاطمی" امامت کے مقابل استعمال کیا گیا ہے،

سے عماد الدولہ کا خطاب ملا، اور حسن کو رکن الدولہ کا، اس طرح بغداد پر آل بویہ کی حکومت قائم ہوگئی، اور تقریباً ایک صدی تک وہ الجزیرہ، عراق، اور مغربی ایران پر حکمران رہے، انھون نے ترکی غلامون کے اقتدار کو ختم کردیا، ملک مین ایک باضابطہ حکومت قائم کی، اور تہذیب و تمدن کی ترقی مین بہت کچھ حصہ لیا، لیکن مذہباً وہ شیعی تھے، اس لئے سنی خلیفہ پر (جس کی خلافت کو وہ اعتقاداً تسلیم نہ کرتے تھے،) اور بیشتر سنی آبادی رکھنے والے علاقون پر ان کے تسلط نے ایک طرف عباسی خلافت کی جڑین کمزور کردین اور دوسری طرف مذہبی اختلاف کی آگ مشتعل کردی، ان کے زمانہ مین بہت سی ایسی رسمین جاری ہوئین جو اہل سنت کے نزدیک بدعات سیئہ مین داخل تھین، انھین کے زمانہ مین دسوین محرم کو عام ماتم کا دن مقرر کیا گیا، تعزیہ داری کی رسم نکلی، اور خلفائے ثلثہ پر علانیہ سب و شتم کا سلسلہ شروع ہوا، ان باتون پر سنیون اور شیعیون کے درمیان سخت جھگڑے ہوئے، اور بغداد کے بازار دونون فرقون کی سرپھٹول سے اکثر ہنگامہ زار رہنے لگے،[1]

فاطمیین کا ظہور ایک طرف شیعی سلاطین سنی خلافت کے مرکز پر قابض تھے، دوسری طرف شمالی افریقیہ سے فاطمی خاندان کے مدعیان خلافت، جو عباسیون کے اصلی حریف تھے، سیلاب کی طرح مصر و شام اور حجاز کی جانب بڑھے، ۳۵۶ھ ۹۶۹ء مین انھون نے مصر فتح کیا، چند سال بعد شام اور حجاز بھی ان کے قبضہ مین چلے گئے

---

[1] تاریخ کا یہ ایک نازک سوال ہے کہ جب آل بویہ کو سلطنت عباسیہ کے قلب پر کامل اقتدار حاصل ہو چکا تھا، تو انھون نے عباسی خلیفہ کو معزول کرکے مصر کے فاطمی خلفاء کی اطاعت کیون نہ اختیار کرلی؟ میرے نزدیک اس کے دو وجوہ تھے، ایک یہ کہ بنو بویہ باایہمہ طاقت و شوکت اتنے قوی بازو نہ تھے کہ مشرقی دنیائے اسلام کے سواد اعظم کے علی الرغم عباسی خلافت کی بیخ کنی کرسکتے، خود ان کی سلطنت مین آبادی کا بیشتر حصہ سنی تھا، اور ان کی سلطنت سے متصل جتنے اسلامی ممالک تھے، وہ سب سنی عقیدے کے پیرو تھے، اس لئے صرف یہی نہین کہ ان کو عباسی خلافت سے تعرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی تھی، بلکہ فعلاً وہ مقام خلافت کے آگے سر اطاعت خم کرنے پر اپنے تئین مجبور پاتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ خود ان کے مصالح بھی اس کے مقتضی نہ تھے، کہ وہ کسی فاطمی کو خلیفہ تسلیم کرین، چنانچہ جب معز الدولہ کو مصری خلیفہ سے بیعت کرنے کا مشورہ دیا گیا تو اس نے اس بناپر اس سے احتراز کیا کہ اس کی فوج اور ارکان دولت مین سب شیعہ تھے جو دل سے فاطمیین کو مستحق خلافت سمجھتے تھے، اس لئے اسے اندیشہ تھا کہ اگر ان لوگون نے فاطمی خلیفہ سے بیعت کرلی تو خود اس کا اور اس کے خاندان کا کوئی اقتدار باقی نہ رہیگا،

اور مکہ و مدینہ تک مین عباسی خلیفہ کے بجاے فاطمی خلیفہ کا خطبہ جاری ہوگیا، یہ سب سے بڑا صدمہ تھا جو عباسی خلافت کو پہنچا، حکومت و سلطنت چھن جانے کے بعد عباسیون کے پاس سکہ و خطبہ ہی ایک ایسی چیز باقی رہ گئی تھی جس سے عالم اسلامی پران کا اثر و اقتدار قائم تھا، اس کو پہلا صدمہ اندلس کے امویون نے پہنچایا تھا مگر وہ ایسا کچھ زیادہ شدید نہ تھا، کیونکہ اندلس پہلے بھی عباسی خلافت کے زیر اثر نہ تھا، لیکن یہ دوسری ضرب ایسی تھی جس نے عباسی خلافت کو حالتِ نزع تک پہنچادیا، یہان صرف یہی نہ تھا، بلکہ مصر اور شام جیسے اہم اسلامی ممالک خلافت عباسیہ کے اقتدار سے نکل گئے تھے بلکہ اس سے شدید تر مصیبت یہ تھی کہ خاص مکہ اور مدینہ مین جو دنیاے اسلام پر روحانی و دینی اقتدار کے اصلی مرکز تھے، حریف خلیفہ کا خطبہ جاری ہوچکا تھا جس کے بعد عباسیون کی خلافت بالکل نیم جان رہ گئی تھی، اس پر مزید یہ کہ آخر زمانہ مین ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ عباسی خلیفہ کو بغداد چھوڑ کر بھاگنا پڑا اور اس کے عین دارالخلافہ مین کامل ایک سال تک مصر کے شیعی خلیفہ کا خطبہ پڑھا جاتا رہا،

غزنویہ | چوتھی صدی کے آخر مین غزنی سے ایک دوسری قوت اٹھی جس نے ہندوستان سے لیکر عراق تک پورے وسط ایشیا کو زیر و زبر کر دیا، یہ سبکتگین کے بیٹے محمود کی قوت تھی، اس نے ۳۸۹ھ مین غزنین کے تخت پر بیٹھنے کے بعد دولت سامانیہ کی براے نام اطاعت کا جوا اتار پھینکا، براہِ راست خلیفہ سے خراسان اور غزنی کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا اور تقریبًا ۳۳ سال کے اندر اپنی سلطنت پنجاب، افغانستان، ماوراء النہر، خراسان، رے، اور اصفہان تک وسیع کر لی، اس اولوالعزم فاتح کا طاقتور ہاتھ اسلامی دنیا کی ان سیاسی گتھیون کو سلجھانے کی پوری قدرت رکھتا تھا جنمین وہ اس وقت الجھی ہوئی تھی، لیکن اس نے اپنی قوت کو ملک گیری کے کام مین صرف کرنا زیادہ پسند کیا، اور عالم اسلامی کے مسائل کو ایک دوسری طاقت کے لئے چھوڑ دیا، جو اس کی زندگی ہی مین ابھرنی شروع ہوگئی تھی، اور جو اس کے مرتے ہی اسلامی سیاست کے اسٹیج پر نمودار ہوگئی،

سلجوقیون کی آمد یہ نوخیز قوت انھین سلجوقیون کی تھی جن کی تاریخ ہماری اس کتاب کا موضوع ہے، پانچوین صدی کی ابتدا تھی جب کہ یہ سیدھے سادے ترکمان شمال کے غیر متمدن علاقون سے جنوب کی طرف بڑھے جہان کے بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کے لئے ان کے تازہ اور گرم خون کی ضرورت تھی، صدی کی پہلی چوتھائی انھون نے سیاسی طاقت بہم پہنچانے مین صرف کی، دوسری چوتھائی مین تخت شاہی پر جلوہ گر ہوئے اور تیسری چوتھائی مین وہ پورے مشرق اوسط و ادنی کے مالک تھے، ان کی آمد کے وقت مشرقی خلافت کی سرزمین جس طرح منتشر طاقتون مین بٹی ہوئی تھی اس کی کیفیت ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو سکتی ہے،

غزنویہ،	افغانستان، خراسان، خوارزم، الجبال، رے وغیرہ،
ایلکیہ،	ماوراء النہر، ترکستان،
بنو کاکویہ	اصفہان، ہمدان، یزد، نہاوند،
زیاریہ،	جرجان، طبرستان،
آل بویہ،	عراق، فارس، کرمان، الجزیرہ،
بنو عقیل،	موصل، مدائن، انبار، بادیۂ شام،
بنو مرداس	حلب، الرحبہ، الرقہ، بنبج،
بنو مروان	دیار بکر، کیفا، میافارقین،
بنو مزید،	حلہ، بادیۂ عراق،
فاطمیین مصر	شام، حجاز، مصر، افریقہ،

ابتداء امر سلاجقہ مین دنیائے اسلام کی سیاسی حالت ان مین سے غزنویہ اور بنو کاکویہ صرف اس حد تک عباسی خلیفہ کے مطیع تھے کہ ان کے فرمان رو ا اپنی رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے اس سے اپنی حکومت کو تسلیم کرا لیتے تھے، آل بویہ مذہباً شیعی ہونے کے سبب عباسی خلافت کو تسلیم ہی نہین کرتے تھے،

اس لئے فی الحقیقت نہ وہ اس کے مطیع تھے، اور نہ اس کا احترام ملحوظ رکھتے تھے، مگر سیاسی حالات نے انھین ریاً اظہارِ اطاعت اور اظہارِ احترام پر مجبور کر رکھا تھا، بنو عُقیل عباسی خلافت اور بویہی سلطنت کے تابع مگر عملاً خود مختار تھے، بنو مروان شیعی اور فاطمی خلیفہ کے حلقہ بگوش تھے، فاطمیین مصر خلفاے عباسیہ کے علانیہ حریف تھے، اور ان کی طاقت اتنے عروج پر تھی کہ ایک مرتبہ بغداد تک مین ان کا خطبہ پڑھا گیا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مرکزی قوت کے اس طرح معطل ہو جانے، ممالک اسلامیہ کے مختلف سلطنتون اور ریاستون مین منقسم ہو جانے اور آپس کی لڑائیون کی بدولت متواتر بدامنی برپا رہنے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا، کہ مسلمانون کی ثروت، سیاست، اور تہذیب زوال و سقوط کی جانب مائل ہونے لگی، اسلامی تہذیب و تمدن کے مختلف مرکزون کے درمیان آمد و رفت کی آسانیان کم ہوگئین، طلب علم، اور تحقیقات علمی کے لئے سیر و سیاحت کی مشکلین بڑھ گئین، سیاسی انقلابات اور سلطنتون کی باہمی کشمکش نے معاشی زندگی کا نظام ایک بڑی حد تک مختل کر دیا، اور مجموعی طور پر اس سے نہ صرف اسلامی تمدن کی بڑھتی ہوئی ترقی سست ہوگئی[۱] بلکہ اس کے ساتھ ہی دنیا کی بین الملّی سیاست مین مسلمانون کا رعب و داب بھی بہت کچھ کم ہو گیا، چنانچہ وہی سلطنت روم جو معتصم کے ہاتھون مٹتے مٹتے بچی تھی، اب اس قدر جری ہوگئی تھی کہ اس نے جنوب مین انطاکیہ تک اور مشرق مین آرمینیہ تک اپنی حدود وسیع کرلی تھین اور بسا اوقات اس کے فوجی دستے جزیرہ ابن عمر اور راس العین تک چھاپے مارتے ہوئے چلے آتے تھے،

سلاجقہ کی آمد سے کیا انقلاب ہوا، ان حالات مین آلِ سلجوق نے خراسان کی طرف پیش قدمی شرع کی، ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء مین طغرل بیگ نے خراسان کی باشاہت کا اعلان کیا، چند سال کے اندر بلخ، خوارزم، جرجان، طبرستان، بلاد الجبال

---

۱ گو اس وقت اسلامی تمدن مین جوانی کا زور تھا، جس کے باعث اس کی صحت مین ان امراض سے کوئی نمایان انحطاط پیدا نہین ہوا، لیکن اس کے باوجود سیاسی احوال کی پراگندگی کے قدرتی نتائج سے نہ وہ بچ سکتا تھا، اور نہ کوئی طاقتور سے طاقتور تمدن بچ سکتا ہے، کم از کم اس حقیقت کو تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ نظامِ سیاست کے ایک مرکز پر رہنے کی صورت مین اس کی ترقی کی رفتار جتنی تیز ہوتی، اتنی اس عالمِ انتشار و افتراق مین نہ تھی،

ہمدان، دینور، حلوان، رے اور اصفہان ایک ایک کر کے اس کے تابع ہوتے گئے، ۴۴۹ھ ۱۰۵۵ء مین اس نے خود دار الخلافہ پر قبضہ کیا اور اپنی وفات سے پہلے جیحون سے فرات تک سلطنت وسیع کرلی، اس کے بعد الپ ارسلان نے اس سلطنت کو مشرق مین جند تک اور مغرب مین حلب تک وسیع کیا، ایشیائے کوچک کا ایک بڑا حصہ فتح کیا، مکہ و مدینہ مین از سر نو عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کیا، اور قیصر روم کو فاش شکست دیکر اقوام عالم مین اس کی ہیبت پھر قائم کردی، اس کے بعد ملک شاہ کے زمانہ مین یہ سلطنت اپنی وسعت کے انتہائی حدود کو پہنچ گئی، مغرب مین بحر روم کے سواحل تک، مشرق مین سرحد چین تک، جنوب مین یمن تک اور شمال مین خوارزم اور حدود ابخاز تک تمام اسلامی ممالک ایک حکمران، ایک قانون اور ایک سیاسی نظام کے تابع فرمان ہوگئے، تمام مملکت مین کامل امن و سکون ہوگیا، تجارت و صنعت کو فروغ ہوا، علوم و فنون کے سر چشمے ابلنے لگے، سلطنت کی حمایت و سرپرستی نے اہل کمال کی ہمتون کو تیز کردیا، اور تھوڑی ہی مدت مین عالم اسلامی کی کایا پلٹ گئی، اس دور مین عمید الملک، نظام الملک، مؤید الملک، شرف الدین، انوشروان بن خالد، کمال الملک، اور مجد الدین عز الملک جیسے مدبر پیدا ہوئے، قسیم الدولہ آق سنقر، خاص بک بلنجری، عماد الدین زنگی، اتابک ایلدگز، سعد الدولہ گوہر آئین، صدقہ بن مزید جیسے فوجی جنرل پیدا ہوئے، امام غزالی، ابو اسحٰق شیرازی، امام الحرمین ابو المعالی الجوینی عبد الکریم شہرستانی، ابو الحسن فرغانی، ابوبکر شاشی، سیف الدین آمدی، علم الدین سخاوی، اثیر الدین ابہری، عمر خیام، ابن جوزی، ابوبکر سمعانی، زمخشری، میدانی، حریری، راغب اصفہانی، عبد القاہر جرجانی ابو زکریا التبریزی اور ابو البقا عکبری جیسے علما و حکما پیدا ہوئے، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، خواجہ ابو یوسف چشتیؒ، خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ، ابو القاسم قشیریؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ فرید الدین عطار جیسے بزرگان دین پیدا ہوئے، اور اسلام کے چمن مین وہ پھول کھلے جو اگر نہ کھلتے تو یقیناً اسلامی تہذیب نامکمل رہ جاتی،

سلجوقیون کی خصوصیات سلاطین سلجوقیہ کی وہ خصوصیات جن کی بدولت یہ درخشان نتائج ظاہر ہوئے یہ تھین کہ انھون نے ایک عرصہ تک اپنی بدوی سادگی برقرار رکھی، اور حضریت اختیار بھی کی تو صرف اس حد تک کہ ترکمانی فوجیت کی روح مردہ نہ ہونے پائے، مملکت کے نظم ونسق کے لئے انھون نے قابل وزرا کا انتخاب کیا، اور انھین آزادی کے ساتھ انتظام کرنے کا موقع دیا، علوم وفنون کی قدرشناسی مین انھون نے کسی قسم کی کوتاہی نہ کی، ان کے ماتحت نیشاپور، اصفہان، بغداد اور دوسرے مقامات پر بڑے بڑے کالج قایم ہوئے، علما کی خوب ہمت افزائیان کی گئین اور سلطنت کی سرپرستی مین تعلیم کو عام رواج دیا گیا، ان سب کے ساتھ سیاسی حیثیت سے ایک نہایت اہم بات یہ تھی کہ وہ راسخ العقیدہ سنی تھے اور مذہبی معاملات مین انکا مسلک جمہور اسلام کی مرضی کے مطابق تھا، اس وجہ سے وہ رعایا مین بہت ہر دلعزیز تھے، مورخین نے ان کی اس خصوصیت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے، چنانچہ حمد اللہ مستوفی لکھتا ہے:-

"ارباب دول کہ در عہد اسلام بودند اکثر بعیبے چند ملوث بودند، چون بنی امیہ بزندقہ واعتزال، وخارجی، وبعضے از بنی عباس باعتزال و بنی لیث وآل بویہ برفض، وغزنویان وخوارزمشاہیان وغیرہم بحقارت گوہر، اما سلجوق شاہیان ازینہا پاک بودند سنی وپاک دین ونیکو اعتقاد صاحب خیر مشفق بر رعیت[۱]"

ایک دوسرا مصنف ابن الراوندی لکھتا ہے:-

"در خستے کہ بخش تقویت وتربیت دین وثمرہ اش بنائے خیرات از مدارس وخانقاہہا ومساجد ورباطہا، وپولہا وآبگیرہائے راہ حجاز وتربیت علما ومجالست زہاد وابدال، وبذل کردن مال، وآئین عدل را تازہ گردانیدن، ورسم سیاست زندہ داشتن، .... وبرکت

[۱] تاریخ گزیدہ (طبع لندن) ص۴۳۴،

پرورش علما وعلم دوستی و حرمت داشت، سلاطین سلجوق بوذکہ در روے زمین خاصہ ممالک عراقین و خوراسان علما خاستند، وکتب فقہ تصنیف کردند .... چنانک طمعہاے بد دنیان منقطع شد وطوعاً وکرہاً فلاسفہ واہل ملل منسوخ وتناسخیان ودہریان بکلی سربفرمان شریعت ومفتیان امت نہادند .... وچون بادشاہ وزیردست وامیر ووزیر جملہ لشکر در املاک واقطاعات بوجہ شرع ومقتضائے فتوی ائمۂ دین تصرف می کردند، بلاد معمور وولایات مسکون ماند[۱]،

موجودہ زمانہ مین یہ بات چندان قابلِ لحاظ نہین ہے، لیکن جس عہد سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہین، اس مین حکمران کے مذہب کو ملکی سیاست مین خاص اہمیت حاصل تھی، اور رعایا کی اکثریت کے خلاف مذہبی عقائد رکھنے والی حکومت کا کامیاب ہونا مشکل تھا، (باقی)

[۱] راحت الصدور (طبع لیدن) ص ۲۹-۳۰،

دائرۃ المعارف النظامیہ

اور

کتب قدیمہ کی اشاعت

از

جناب مولانا محمد سورتی صاحب قرول باغ دہلی

(۲)

انتخاب کتب کا معقول طریقہ

جس قدر یہ مسئلہ اہم وضروری ہے اسی قدر مشکل اور وسعت نظر و اعمال فکر کا محتاج ہے اسکے واسطے معمولی کتبخانون کی فہرستین، کشف الظنون، ابن الندیم وغیرہ کو سرسری نظر سے دیکھ لینا کچھ زیادہ مفید نہین ہو سکتا، اس کا راس المال علوم و فنون اسلامیہ مین کمال تاریخ و رجال پر غائر نظر، کتب علمیہ کا ذوق و شغف اور مطبوعات و خطی کتب پر وسیع اطلاع ہے، اس کے ساتھ قوت انتخاب لازمی چیز ہوگی جس کے بغیر تمام سعی نفخ فی الرماد ہو کر برباد ہو جائیگی،

اس کے واسطے بطور مثال ہم دائرہ کی منتخب فہرست کے نمونہ پر ایک سرسری نظر ڈال کر یہ بتانا چاہتے ہین کہ موجودہ انتخاب مین بیحد عجلت سے کام لیا گیا ہے اور جو غور و فکر، امعان نظر و تکلیف و دماغ سوزی اس مین ضروری تھی وہ پوری طرح نہین انجام دی گئی، بخلاف اس کے نہایت معمولی اور بعض مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابون کو پیش نظر رکھ لیا گیا، محض فہرستون کے ذریعہ انتخاب کی صورت

عمل مین آگئی جس سے خاطر خواہ معقول نتیجہ کی امید کسی طرح ممکن نہین،

مثلاً لغت مین اصلاح المنطق ابن السکیت کے ملخص کا انتخاب ہوا ہی جس کا نسخہ عرصہ ہوا مصر سے مع شرح شواہد بنام تہذیب الاصلاح چھپکر آچکا ہے،

تاریخ مین البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر الدمشقی (نہ جزری جیسا کہ انتخاب مین چھپ گیا) جو عرصہ ہوا مصر مین زیر اشاعت ہے، اور ابتک دو تین جلدین طبع ہوکر ہندوستان آچکی ہین (اسی طرح اہلِ علم کو معلوم ہو کہ تاریخ بغداد للحافظ ابی بکر الخطیب البغدادی کا نسخہ بھی مصر مین چھپ رہا ہے، جسکی چار جلدین ہمارے سامنے موجود ہین،

دمیۃ القصر باخرزی کا نسخہ عرصہ ہوا حلب مین شایع ہوکر ہندوستان آچکا، پھر اس مین عربی ادب کا کونسا ایسا اعلیٰ کارنامہ ہے، جسکی وجہ سے انتخاب کیا گیا، یہ کتاب طبقات الشعراء یا تراجم مین بطور ذیل یتیمۃ الدہر ثعالبی ہے،

اسی طرح المستجاد من فعلات الاجواد بھی کوئی اعلیٰ ادبی تالیف نہین شمار ہوسکتی، یہ قصص و حکایات و محاضرات کا ایک مختصر مجموعہ ہے اور بس،

طبقات الحنابلہ لابی یعلی ابن الفراء البغدادی الحنبلی (نہ ابو یعلی الموصلی المحدث جیسا کہ انتخاب سے شبہ ہوتا ہے) البتہ عمدہ کتاب ہے مگر اس کا انتخاب ابھی شام سے طبع ہوکر آچکا ہے، نیز عرصہ ہوا ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا تھا، غالبًا جنگِ عظیم کی وجہ سے موقوف کردیا ہو، اب معلوم نہین وہ شایع کرتے ہین یا نہین؟

اسی طرح طبقات ابن رجب یقینًا عمدہ انتخاب ہے، اور اس کا ذیل بھی جو بنام التحب لوابلہ علی ضرائح الحنابلہ بانکی پور لائبریری مین ہے،

عرصہ ہوا مین نے طبقات حنابلہ کے سلسلہ کی اشاعت کا ارادہ کیا تھا، اور اس ذیل مین کتب

ذیل انتخاب کی تعیین،

(۱) مناقب الامام احمد لابن الجوزی، جواب مصر سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے،

(۲) طبقات ابی یعلی ابن الفرا، جو طبقات اصحاب الامام احمدؒ کے نام سے معروف اور اس مین عموماً ان کے تلامذہ کا ذکر ہے،

(۳) طبقات ابن رجب الحنبلی جو ذیل ابی یعلی ہے،

(۴) ذیل ابن رجب السحب الوابلہ،

ابن رجب کا نسخہ اکثر محدثین وفضلا، متاخرین پر شامل اور جلد میسر آگیا تھا، اس لئے اسکی اشاعت مقدم خیال کی گئی، اسی زمانہ مین عجائب اتفاق سے مولانا ابو الکلام صاحب سے اس کا ذکر آگیا، وہ بھی نہایت شوق و جوش سے اس کی طباعت مین شرکت کے لئے تیار ہو گئے، غرض پہلی جلد بعد از تصحیح و تحشیہ ان کے سپرد کی گئی، عرصۂ دراز کے بعد بدقت تمام اس کے چند صفحات چھپے، پھر مولینا کے اصول قدیمہ کی بنا پر کہ "ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد" یہ مطبوعہ حصہ اور قلمی بھی ان کے عجائب خانہ مین غائب ہو گیا،

معارف: یہ نسخہ کتبخانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا تھا،

معرفۃ علوم الحدیث حاکم کا نسخہ نہ معلوم کس حیثیت سے اہم شمار کیا گیا، حالانکہ اصول حدیث مین ابن الصلاح کی شرح اور اس سے قبل ابن خلاد الرامہرمزی کی کتاب المحدث الفاصل جو ابن حجر عسقلانی کے نزدیک اس فن کی اولین کتاب ہے، اعلی کتابین مین، ابو بکر الخطیب بغدادی کی تالیفات جنکا خلاصہ ابن الصلاح نے کیا ہے، اصول فن شمار کیجاتی ہین، ان مین سے کتاب الکفایہ فی اصول الروایۃ جس کے متعدد قدیم و جدید نسخے ہندوستان مین ہونگے قابل اشاعت و اعلی ہے،

اسی سال مین نے کتاب الکفایہ کا نسخہ نقل کرا کر نہایت محنت سے مرتب کیا ہے، بڑی حد تک اس کے ضروری حواشی و فہرست بھی مرتب کر لئے ہین، اب ایک ایسے قدیم و صحیح نسخہ کی ضرورت ہے

جس سے مقابلہ کے بعد یہ شایع ہونے کے قابل ہوسکے گا،

غریب الحدیث ابن سلام کا نسخہ رامپور مین میری نظر سے بھی گذرا ہے، مگر وہ ناقص جدید الخط اور غلط ہے، بعض احباب سے سنا تھا کہ اس کا قدیم نسخہ بہار کے ضلع مین کسی جگہ ہے، بہت جستجو کے بعد بھی ابتک پتہ نہین لگا، واللہ اعلم،

لغت مین ابنیۃ الافعال والاسماء والمصادر لابن القطاع الصقلی کا نسخہ رامپور مین بتایا گیا، مگر یہ فہرست کی تقلید ہوگی، ابن القطاع نے ابنیۃ الافعال الگ کتاب لکھی ہے اور ابنیۃ الاسماء والمصادر الگ، پہلی کتاب کا قدیم نسخہ رامپور مین ہے، عرصہ ہوا جناب حاذق الملک حکیم اجمل خانصاحب مرحوم کے ذریعہ اس کی ایک نقل جامعہ مین آئی تھی، مگر جامعہ کی مالی حالت نے اس کی اشاعت کا موقع نہین دیا، چونکہ اصل نسخہ باوجود قدیم ہونے کے غلط اور غیر مرتب تھا، نیز اس مین مؤلف کی تذییل اور اصل ابن القوطیہ کی علامت مین بیحد اختلاف تھا، مین نے اپنا نسخہ نہایت احتیاط و محنت سے ابن القوطیہ مطبوعۂ یورپ سے مقابلہ کرتے ہوئے نہایت صحیح ترتیب پر تیار کیا ہے، جس کی دو جلدین مکمل ہوچکی ہین، اور تیسری زیر ترتیب و تہذیب ہے، اس کا نام تہذیب ابنیۃ الافعال رکھا ہے،

فقہ مین شرح الجامع للصدر الشہید نہ معلوم کس حیثیت سے انتخاب مین آئی،

اسی طرح علم کلام مین التقریب والارشاد کا نسخہ کیونکر انتخاب کیا گیا، حالانکہ اس کی صرف ایک جلد کتبخانۂ آصفیہ مین ہے، ایسے ناقص نسخہ کا انتخاب، نیز بغیر پوری کیفیت معلوم کئے کہان تک مناسب ہوسکتا ہے،

اسی طرح نہایۃ المرام علم کلام مین قابلِ غور کتاب ہے، مؤلف غیر معلوم و غیر مشہور ہے، تعجب و افسوس ہے کہ ائمۂ فن مثلاً ابوالحسن الاشعری، ابن الباقلانی، امام الحرمین، غزالی، ابن رشد، رازی وغیرہ کی اعلیٰ سے اعلیٰ کتابین اس فن مین موجود ہوتے ہوئے ان کا انتخاب نہ ہو، اور غیر معروف مؤلفین

کی کتابین انتخاب کیجاتین،

حدیث مین مصنف عبد الرزاق کا نسخہ منتخب ہوا ہے، مگر جہان تک مجھے علم ہے ہندوستان مین اس کا مکمل نسخہ نہین آیا، صرف ایک قطعہ مدینہ منورہ سے نقل در نقل چلا آتا ہے،

بیانِ ماسبق سے یہ واضح ہو گیا کہ انتخاب کرنے والے فضلا نے اصل کتابون کو بغور ملاحظہ نہین فرمایا جس سے کتابون کا صحیح اندازہ ہو سکتا، نہ کسی معقول طریقۂ انتخاب کو پیشِ نظر رکھکر یہ کام انجام دیا، کیونکہ مطبوعہ، ناقص اور غیر مفید کتابین اس مین بکثرت پائی جاتی ہین، اگر بعض اعلیٰ قسم کی کتابین ہین تو ان کے مکمل نسخے نہین بتائے گئے، اس لئے ان کا وجود و عدم یکسان ہو گیا،

ایک اہم غلطی اس انتخاب مین یہ ہوئی کہ صرف متون پیشِ نظر ہے، شروح کا کوئی لحاظ نہین کیا گیا، حالانکہ بہت سی شروح تکمیلِ فنون و علوم کے لئے نہایت ضروری اور لازمی ہین،

میری ناقص رائے مین انتخاب کی یہ صورت بہتر تھی کہ پہلے فنون پر نظر ڈالی جاتی، اور ہر فن کی متفرق کتابون کو بغور دیکھا جاتا، نہ کہ محض فہرست کے ذریعہ یہ کام انجام دیا جائے، اولاً ہر ایک کتاب کو صحیح طور پر جانچ کر ہر فن کی اعلیٰ و متوسط کتابون کا ایک اعلیٰ ذخیرہ جمع کرنا چاہئے اور پھر اس مین سے جو کتاب انتخاب کیجاتی یقیناً ہر حیثیت سے ممتاز و برتر ہوتی،

انتخاب کرنے والون کے لئے ایک اور چیز بھی قابلِ توجہ اور ضروری معلوم ہوتی ہے، یہ گذشتہ مولفین کے وہ تعلیق اور علمی کتابین ہین جنمین انھون نے اصول تعلیم اور کتب مولفہ پر اپنی رائے لکھی ہے، علمائے کرام نے اس بارہ مین کافی بحث کی ہے، انتخابِ کتب کے سلسلہ مین بھی عمدہ ذخیرہ متاخرین کے واسطے چھوڑ گئے ہین، اس بحث پر مقدمہ ابن خلدون کا مطالعہ بصیرت افروز ہوگا، اسی طرح اسنی المقاصد ساعد انصاری اور طبقات الامم صاعد اندلسی سے بہت کچھ مدد ملے گی، بلکہ اسنی المقاصد مین انتخاب بھی بکثرت ہے، الفہرست ابن الندیم اور کشف الظنون سے بھی مفید معلومات کی امید ہے،

محض طرز تعلیم پر ابن العربی الاندلسی نے العواصم والقواصم کے آخر میں عمدہ بحث کی ہے، مگر سب سے زیادہ مفصل بحث امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مراتب العلوم میں کی ہے، نیز رسالہ فضل اہل الاندلس سے بھی اس بارہ میں بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ ابن حزم کی سوانح حیات میں اس بحث پر بسیط مضمون لکھا جائیگا، پہلے کبھی خیال ہوتا تھا کہ ایک جید تالیف اعلیٰ و متوسط کتب موجودۂ ہند پر لکھی جائے، مگر اس کے واسطے فرصت نہیں مل سکی، اس وقت صورت انتخاب پر مختصر اشارہ کر کے یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے،

اہم اسلامی فنون حسب ذیل ہو سکتے ہیں:-

(۱) علوم القرآن، (۲) الحدیث و متعلقاتہ،

(۳) الفقہ والاصول والجدل، (۴) الکلام و متعلقاتہ،

(۵) الرجال والتاریخ، (۶) اللغۃ والآداب،

(۷) علوم الاوائل،

علوم قرآن کی تقسیم حسب ذیل عنوانات پر ہو سکتی ہے:-

(الف) نظم القرآن و اعجازہ، (ب) احکام القرآن،

(ج) لغات القرآن و اعرابہ، (د) تفسیر القرآن،

ہمارے پاس اب تک علوم قرآن پر اتقان کے سوا کوئی بسیط کتاب مطبوعہ نہیں معلوم ہوتی، اس فن میں البرہان زرکشی بمنزلہ اصل اصول اور عمدہ کتاب ہے، جس کے متعدد نسخے ہندوستان میں ہونگے،

نظم القرآن اور اعجاز القرآن کے تحت وہ تمام متفرق تصانیف ادبا و متکلمین کی آجائیں گی جنمیں ترتیب سور، نظم آیات پر گفتگو کی گئی یا جنمیں ملاحدہ اور زنادقہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے،

اس ذیل میں وہ تمام تالیفات جو مسائل القرآن، مشکل القرآن کے نام سے ہیں شمار کیجائینگی، تفصیل کے لئے کبتخانوں کی فہرستیں اور ابن الندیم وغیرہ ملاحظہ فرمائیں،

احکام القرآن میں آج ہمارے پاس چھ سات کتابیں ہیں جن میں بہترین کتاب احکام القرآن ابن العربی المالکی اور احکام القرآن الجصاص الرازی الحنفی ہیں، باقی تیسیر البیان خطی، تفسیرات احمدیہ مطبوعہ نیل المرام مطبوعہ وغیرہ کچھ زیادہ مفید نہیں،

ائمۂ قدما نے اس پر نہایت بسیط اور اعلیٰ کتابیں لکھی ہیں جنمیں خصوصیت کے ساتھ قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق بغدادی، قاضی منذر بن سعید البلوطی الاندلسی کی تالیفات قابلِ قدر ہیں، اس قسم کی کتابیں جستجو کے بعد انتخاب کی جائیں،

لغات القرآن میں مفرداتِ راغب مطبوعہ کے سوا کوئی چیز قابلِ ذکر نہیں معلوم ہوتی، اس بارہ میں نیز اعراب میں السمین کا لدر المصون اور ابو علی الفارسی کی کتاب الحجۃ، لغات القرآن فراء و معانی القرآن اور زجاج کی تفسیر وغیرہ قابلِ انتخاب ہیں،

تفسیر کے دو حصے ہونگے، تفسیر السلف، التفسیر الجامع اس وقت ہمارے پاس بجز ابن جریر الطبری اور ابن کثیر کے کوئی اثری تفسیر نہیں اس موضوع پر ابن ابی حاتم کی تفسیر عمدہ شمار کیجاتی ہے بعض علمائنے ذکر کیا تھا کہ اس کا نسخہ نجد میں موجود ہے واللہ اعلم۔

ابن حزم کی رائے ہے کہ دنیا میں بقی بن مخلد کی تفسیر سے بہتر کوئی تفسیر نہیں، یہانتک کہ ابن جریر سے بھی بہتر ہے، چونکہ ہم نے نہیں دیکھی، نہ اب تک اس کے نسخہ کا کہیں پتہ معلوم ہوسکا، اس لئے اپنی رائے محفوظ رکھینگے، بہر حال ضرور عمدہ کتاب ہوگی، اس پر زر خطیر صرف کرکے دنیا کے جس حصہ میں ہو اسے کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا چاہیے،

تفسیر جامع میں بہت کچھ متاخرین کی تالیفات شایع ہوچکی ہیں، مگر ذیل کی تفاسیر قابلِ اشاعت ہیں

کتاب التہذیب فی التفسیر للحاکم: یہ ضخیم اور عمدہ تقسیم سے تفسیر القرآن الکریم ہے، اس مین اسباب النزول، احکام القرآن، لغات، اعجاز القرآن، غرض ہر موضوع کو الگ الگ بیان کیا ہے، اس قسم کی ایک اور مطبوعہ تفسیر طبرسی کی مجمع البیان میری نظر سے گذری ہے، اس تفسیر کا نسخہ بانکی پور اور دوسری جگہ سے پورا ہوگا،

کتاب جامع البیان فی تفسیر القرآن للقرطبی جس کا انتخاب مین ذکر ہوا ہے، اس کے ناقص نسخے ہندوستان کے کتبخانون مین ہین، مگر مکمل نسخہ صرف نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم کے کتبخانہ مین تھا، اور اب غالباً لکھنؤ مین ہوگا، یہ نسخہ قدیم الخط اور نہایت صحیح ہے، مگر کہین کہین سے کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے یا تجلید مین قطع و برید سے کچھ نقص آگیا ہے جس کی تلافی ممکن ہے،

تفسیر ابن العربی المالکی المسمی انوار الفجر، تفسیر ابی الحسن الاشعری المسمی المخترن، تفسیر ابن الجوزی، تفسیر ابن تیمیہ اور اسی قسم کی اعلیٰ تفسیرون کا انتخاب مطلوب و مرغوب ہے،

الحدیث و متعلقاتہ کی تفصیل اس طرح کیجاسکتی ہے،

۱- المسانید والمعاجم والسنن والجامع، (۲) علل الحدیث،

۳- شروح الحدیث واطرافہ ۴- علوم الحدیث یا مصطلح الحدیث،

مسند مین جو صحابہ کے نام پر مدون کیجاتی ہے، بہترین کتاب امام احمد رحمہ اللہ کی مسند ہے، جو عرصہ ہوا مصر سے شایع ہوچکی، مگر افسوس کہ یہ نہایت غلط اور غیر مرتب بلا فہرست شایع ہوئی، اس لئے اس سے پورا استفادہ حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت و عرقریزی درکار ہے،

اب تک جرمنی زبان مین ایک عام فہرست کتب حدیث و سیر کی شائع ہوئی ہے[1]، اگر کسی مسلمان

---

[1] معارف :- صرف ایک جلد چھپی ہے، جو ناتمام ہے، یہ جلد ۱۹۲۶ء مین لیڈن سے شائع ہوئی ہے، ابھی اس مہینہ مین ایک اور فہرست حدیث کا اعلان ہوا ہے، جو دس برس مین جاکر پوری ہوگی، اسکا پورا حال آئندہ معارف مین ہوگا،

کو اس کی اشاعت کا خیال نہین ہوا، عرصہ ہوا اس کی بابت ایک تجویز بعض مخیر اصحاب سے پیش کی گئی تھی اور وہ اس کے واسطے کچھ تیار بھی ہوئے تھے، مگر مین نے مناسب موقع نہین پایا، اور یہ معاملہ مع دیگر خیالات کے بحر تجاویز و آرا رمین اب تک غوطہ زنی کر رہا ہے، لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

کاش دار المصنفین یا اس قسم کی کوئی جماعت اس جرمنی انڈکس کا اردو یا عربی مین ترجمہ کرا کر شایع کروے تاکہ ہم جیسے غربا اس سے مستفید ہو سکین، اس کے واسطے علاوہ علمی مدد کے کچھ مختصر سی مالی اعانت بھی دے سکتا ہون،

مسند احمد کی تبویب و فہرست کی خدمت علما متاخرین نے بہت کچھ کی ہے، مگر اس زمانہ مین اہلحدیث جماعت کے ایک بزرگ مولوی عبد الحکیم صاحب نصیر آبادی نے بھی محنت کر کے اسے ابواب بخاری پر مرتب کیا ہی، عرصہ ہوا، جماعت اہلحدیث نے اس کی اشاعت کا کچھ اہتمام کیا تھا، پھر جس طرح ہمارے کام انجام پاتے ہین، اس کا بھی حشر رہا، اور کوئی مکمل حصہ شایع نہ ہو سکا،

خود میرا خیال ہوا تھا، کہ اس کی سات قسم کی فہرستین مرتب کرون، چنانچہ دو قسم کی مرتب کر چکا تھا، اور باقی کے واسطے جو راستہ اختیار کیا وہ بیحد طویل وعریض تھا، پانچ چھ مسندون کے بعد ختم کرنے پر مجبور ہوا، اس لئے کہ متعدد عوائق و اسباب علاوہ اس لق و دق میدان علمی کے حائل ہو گئے،

اب مصر سے اعلان آیا ہے کہ اس کا نسخہ مع انڈکس و تبویب از سر نو شایع ہو رہا ہے، خدا کرے، اس خواب کی تعبیر صحیح نکلے،

مسند مین دوسری کتاب مسند بقی بن مخلد الاندلسی ہے، یہ امام احمد وغیرہ کے شاگرد اور بخاری و مسلم کے ہمعصر جلیل القدر امام ہین، یہ کتاب بقول ابن حزم تمام دنیا کی مسندون پر فوقیت رکھتی ہے، ایک عجیب صنعت اس مین یہ بتائی گئی ہے، کہ یہ مسند بھی ہے، اور سنن بھی، یعنی ہر صحابی کی حدیث کو ابواب فقہ پر مرتب بھی کر دیا گیا ہے، آٹھوین صدی تک اس کے نسخے اہل علم کے پاس

موجود تھے، علامہ ذہبی نے اپنی تجرید اسماء الصحابہ مین (جس کا نہایت غلط و محرف نسخہ دائرۃ المعارف نے عرصہ ہوا شایع کیا تھا) اس کا حوالہ اور علامت ہر نام کے ساتھ دی ہے، اب معلوم نہین اس کا نسخہ کہان ہے؟ یہ جامع ترین مسانید اور قابلِ اشاعت علمی سرمایہ ہے،

فن حدیث کی ایک اعلیٰ ترین کتاب مصنف ابن ابی شیبہ جو اصل اصول اور قابل اشاعت ہے، دو تین برس سے ہمارے مکرم صدیق و محترم مولوی عبد التواب صاحب ملتانی تاجر کتب دینیہ محلہ قدیر آباد، ملتان، اس کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے ہین، ایک حصہ کتاب الزکوۃ والجنائز والایمان والنذور کا نہایت محنت سے شایع کر چکے اور مجھے لکھا تھا کہ اس کے جس قدر قلمی نسخے ہون اس سے مقابلہ کے لئے سفر کرنا چاہتا ہون، مگر افسوس قلت مال کثرت حوائج و افکار ابناے وقت و دیار کی ناقدری نے یہ کام اب روکدیا، آج ایسے علم دوست حضرات کہان تلاش کئے جائین، جو جان و مال سے اس کی خدمت کے واسطے تیار ہون، آج علم دین کی غربت انتہائی حالت پر پہنچ چکی، مذاقِ زمانہ بدل چکا، اس لئے دین کے ایسے فدائی کہان سے نکالے جائین جو اس قسم کے علمی کام مین کچھ مدد دین یا انھین اسکا درد ہو،

وقد کنا نعدھم قلیلا فقد صاروا اقل من القلیل

کیا بڑی بات تھی اگر کوئی ذی استطاعت نواب صدیق حسن خان مرحوم کی طرح ایسی کتابون کو خود چھپوادیتا، یا اس کے پانچ چھ سو نسخے خرید لیا کرتا، خواہ وہ آہستہ آہستہ فروخت کرتا یا تقسیم کرتا محض اس لئے کہ یہ کتاب شایع ہو جائے، فن حدیث مین ایک اعلیٰ اضافہ ہو، اور غربا شایقین اس سے متمتع ہو سکین،

مین دل سے چاہتا ہون کہ دائرۃ المعارف یا اور کوئی ذی ہمت اس خدمت کو اپنے ذمہ لیلے اور مولوی صاحب سے ان کا نسخہ مناسب معاوضہ مین لیکر اس فرض سے انھین سبکدوش کر دے،

یا اور جس طرح ممکن ہو اس کی اشاعت و اتمام کا سامان کیا جائے،

آمدم برسر مطلب:- دوسری اور تیسری صدی کے محدثین نے فن حدیث مین جو مسانید و سنن کا ذخیرہ چھوڑا ہے، اس کا ایک معتدبہ حصہ شائع کرنا اہم ترین علمی خدمت ہوگی، اس ذیل مین یہ کتابین شامل کی جاسکتی ہین:-

۱- جامع سفیان الثوری ۲- جامع عبدالرزاق الصنعانی،

۳- مسند اسحٰق بن راہویہ، ۴- مسند الحمیدی المکّی،

۵- مسند عبد بن حمید الکشی، ۶- مسند حماد بن سلمہ

۷- مسند سعید بن منصور ۸- مسند بزار،

۹- معجم طبرانی اوسط و کبیر، صغیر ہندوستان مین عرصہ سے شائع ہو چکی ہے

۱۰- سنن ابن ایمن الاندلسی، ۱۱- سنن قاسم بن اصبغ

۱۲- صحیح ابن خزیمہ، ۱۳- صحیح ابن السکن،

۱۴- صحیح ابن حبان البستی المسمی[۵] "الانواع والتقاسیم" وغیرہ،

مجامیع مین کتاب الجمع بین الصحیحین للحافظ الحمیدی الاندلسی کا نسخہ قابل اشاعت ہے، اگر اسمین موطا کو ضم کر دیا جائے، تو مکمل متن متین ہوگا، مین نے اس کا نسخہ ایک حد تک چار مجلد مین مرتب کرایا ہے اور آخر مین کتاب الملخص لابی الحسن القابسی الاندلسی، اور کتاب التقصی حافظ ابن عبد البر الاندلسی سے موطا کے متون کی ایک مکمل فہرست بھی اضافہ کر دی ہے،

مجمع الزوائد ہیثمی کا نسخہ حیدرآباد مین موجود ہے، اس کا ایک قطعہ رامپور مین ہے جس سے پورا نسخہ

---

[۵] معارف:- مگر مولانا یہ کتابین ملتی کہان ہین؟ سب سے پہلے تو ان کے وجود کا پتہ لگانا اور نسخون کا بہم پہنچانا ہے، ان مین سے بعض کتابون کے ناقص نسخے اور بعض کے ایک آدھ البتہ دیکھے گئے ہین،

تیار ہو سکتا ہے، عرصہ ہوا اسکی ایک جلد شائع ہوئی تھی، یہ علم حدیث کا اعلیٰ ترین خزانہ ہے، کاش دائرۃ المعارف سے یہ شائع کیا جاتا، یا اب اسکا انتخاب کسی طرح عمل مین آجاتا،

اس باب مین حافظ ابن کثیر الدمشقی کی جامع المسانید والسنن غالبًا مصر مین ہے اور ابن الجوزی کی منتخب المسانید، حافظ عبد الحق الاشبیلی کی جامع الصحاح اور الاحکام الکبری (ہندوستان مین ہی) اس فن کی تکملات ہین،

ابن دقیق العید کی کتاب الامام شرح احادیث الاحکام بھی نہایت نفیس کتاب ہے، اس کا جسقدر حصہ ملے قابلِ اشاعت ہوگا،

اطراف مین جو بمنزلہ انڈکس و شرح حدیث ہے، ابتک کوئی کتاب شائع نہین ہوئی، اطراف الکتب الستہ حافظ جمال الدین مزی کی جو تحفۃ الاشراف کے نام سے مشہور و معروف ہے قابلِ اشاعت ہے، اس کے متعدد قدیم نسخے ہندوستان مین دیکھے گئے ہین،

علل الحدیث مین اب تک صرف ایک مختصر کتاب ابن ابی حاتم الرازی کی پانچ چھ سال ہوئے فاضل شیخ محمد نصیف رئیس جدہ کی ہمت سے مصر مین شائع ہوئی، مگر غلط ہونے کے علاوہ اس کی فہرست نہین دی گئی جس سے پورا فائدہ اٹھانا مشکل ہوتا ہے، اگر دائرۃ المعارف اس کی فہرست و اغلاط کی اشاعت کا ذمہ لے تو مین اسے تیار کرکے بھیج سکتا ہون،

اس فن مین بہترین کتاب علل الدار قطنی ہندوستان مین موجود ہے، مگر کچھ ناقص ہے، اس کے نسخے بانکی پور، سندھ، اور حیدرآباد مین موجود ہین، کمی کی تکمیل باہر سے کرائی جائے،

علامہ حمیدی الاندلسی کا خیال تھا کہ فن حدیث کے شائق کو تین چیزین خاص طور پر معلوم کرنی چاہئین، ۱۔ علل، ۲۔ وفیات شیوخ، ۳۔ رجال و ضبط مختلف و موتلف، اس کے متعلق بہترین تالیف علل مین دار قطنی نے کی، (اور اگرچہ موتلف و مختلف بھی اس نے لکھے ہے، مگر) امیر ابن ماکولا کی کتاب الاکمال

اس بارہ میں اعلیٰ و اکمل ہے، وفیات پر خود حمیدی لکھنا چاہتے تھے، مگر ختم نہ کر سکے بعض کا خیال ہے کہ جمع بین الصحیحین کی خدمت میں مشغول رہے، اور یہ تالیف پوری نہ کر سکے واللہ اعلم،

الکمال کا نسخہ ہندوستان میں متعدد جگہ ہے، سب کی اصل ایک ہوگی، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نسخہ ندوہ اس میں ہے یا مولانا عبد الحئی لکھنوی صاحب مرحوم کے کتبخانہ میں یا اور کہیں اس کی اعلیٰ صحت و تہذیب و تحشیہ سے اشاعت ہو، یا اگر حازمی کا نسخہ تہذیب الکمال وادہام الامیر ملے تو اسی کو شائع کیا جائے، یہ رجال و ضبط مختلف میں بہترین خدمت ہوگی،

شروح حدیث میں قابلِ قدر کتابیں حسب ذیل ہیں،

کتاب التمہید حافظ ابن عبد البر المغربی کی بہترین کتاب ہے، جس کی نظیر اب تک کوئی شرح نہیں دیکھی گئی، ابن حزم نے اس کتاب کی بیحد تعریف کی، اور یہ اس کا استحقاق بھی رکھتی ہے، اس کی پانچ یا چھ جلدیں ہندوستان میں میری نظر سے گذری ہیں، مکمل نسخہ مدینہ منورہ یا اور کہیں ہوگا، یہ کتاب اپنے فن میں لاجواب اور اعلیٰ ترین علمی کارنامہ ہے، اس کا انتخاب از بس ضروری سمجھنا چاہئے،

ابن ماجہ کی شرح مغلطائی اگرچہ ناقص ہے، مگر جس قدر ہے، عمدہ اور فن حدیث کے بہت سے مفید مسائل پر مشتمل ہے، اس کا عمدہ قدیم نسخہ بانکی پور میں موجود ہے،

شرح ترمذی ابن سید الناس الیعمری کا جس قدر حصہ ہے، نفیس اور قابلِ اشاعت ہوگا،

علوم حدیث کی بابت رامہرمزی کی المحدث الفاصل اور خطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ.

حاکم کی کتاب المدخل الی الصحیحین اور بیہقی کی کتاب المدخل الی السنن اہم ترین کتب ہیں، ان کے علاوہ وہ متفرق رسائل بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں، جو کسی خاص مسئلہ پر لکھے گئے، قاضی عیاض کی الالماع فی احکام الروایۃ والسماع اور شروط الائمۃ الستۃ حافظ ابن طاہر المقدسی وغیرہ،

غرض یہ اور اس طرح ہر فن کی عمدہ اعلیٰ کتابیں اس طرح مرتب و منظم شائع کیجائیں، کہ وہ فن کو

مکمل کردین، اور ان سے تحقیق و تالیف مین پوری مدد ملے، گویا ایسا پورا ذخیرہ مہیا کر دیا جائے کہ ایک جستجو کرنے والے کو بسہولت پورا سامان ملجائے،

امید ہے کہ یہ مختصر تنقید و نمونہ کافی ووافی اور اس سے کام مین پوری بصیرت حاصل ہوگی، اگر اس بارہ مین مزید بسط و شرح کی ضرورت ہوئی تو مکمل لائحہ عمل تیار کر کے پیش کر سکتا ہون،

۱ معارف:- نوادر کے صرف نامون سے کام نہین نکل سکتا جب تک انکے نسخے نہ ملین، اور وہ بھی متعدد نسخے،

مولانا شیخ محمد نور علی محدث سہسرامی

از

مولوی سید محمد عبدالرؤف صاحب ندوی مدرس مدرسہ قادریہ کاراگیا

معارف میں "ہندوستان میں علم حدیث" کے عنوان سے جو مقالات نکل چکے ہیں، اس کے نمبر ۲ میں شیخ المحدثین حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فہرست تلامذہ میں ذیل کے بزرگ کا نام نامی نہیں آیا ہے، لہذا اطلاعاً نوشتۂ ذیل ارسال خدمت ہے، توقع ہے کہ معارف کے کسی گوشہ میں جگہ دیکر شکریہ کا موقع فرمائیں۔

مولانا شیخ محمد نور علی محدث سہسرامی نسباً شیخ صدیقی، مذہباً حنفی، سلسلۃً نقش بندی تھے، فقہ و حدیث میں کمال تبحر حاصل تھا، آپ شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے ارشد تلامذہ سے ہیں، بہار کے مشہور قصبہ سہسرام (شاہ آباد) میں ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے، فارسی اور مختصرات عربی کا درس اپنے والد ماجد سے لیا، پندرہ برس کی عمر میں علم کے شوق میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اور مشہور درسگاہوں میں پہنچکر بڑے بڑے اساتذۂ کرام کے حلقۂ درس میں بیٹھے، اور فیض حاصل کیا، مگر اس سیاحت کے تفصیلی احوال کے لئے کوئی نوشتہ موجود نہیں ہے اسلئے صراحت کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کہاں کہاں پہنچے اور کن اساتذہ سے درس لیا، بایں ہمہ بیس برس کی عمر میں ۱۲۳۵ھ میں شاہجہان آباد (دہلی) کا سفر کیا، اور شاہ محمد اسحٰق کے حلقۂ درس میں داخل ہوکر صحاح ستہ کے کتب حدیث کو سبقاً سبقاً اس اہتمام سے پڑھا کہ جس قدر پڑھتے جاتے، اسی قدر لکھتے جاتے تھے، اور نیز افادات شیخ اور تقاریر استاذ کو حاشیۂ کتاب پر نقل کرتے جاتے تھے، ساتھ ہی مسائل تصوف کی تحقیق اور باطنی علوم کا فیض حاصل کرتے جاتے تھے، کامل چودہ برس فیض صحبت میں رہ کر ظاہر و باطن سے آراستہ ہوکر ۱۲۵۰ھ میں علوم ظاہر و باطن کی سند فراغ لیکر وطن مالوف کی طرف رخ کیا، خشکی راہ طے کرتے ہوئے

شہر میں اس کے مغربی دروازہ سے اس شان سے داخل ہوئے کہ کتابیں دو گھوڑے پر بار تھیں، اور خود پیادہ پا تھے، اور اہل علم حضرات اور رؤسائے شہر پیشوائی کے لئے بڑھے اور اعزاز و اکرام سے پیش آئے، حضرت شاہ کبیر الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ سہسرام نے اپنے مدرسہ[1] خانقاہ کبیریہ کی افسری کمال آرزومندی سے شیخ کے سامنے پیش کی، شیخ نے مدرسہ میں مسند تدریس پر بیٹھکر اگر ایک طرف درس و تدریس کی مجلس گرم کرکے حدیث و سنت کو فروغ دیا تو دوسری طرف مسجدوں میں منبر پر کھڑے ہو کر رسوم و بدعات کا ابطال کیا، اور اہل تشیع کے رد میں پورا زور صرف کیا،

شیخ کے عہد میں سہسرام میں ایک پورا محلہ شیعوں سے آباد تھا، ان کے اثر سے اہل سنت شیعیت میں جذب ہو رہے تھے، لہذا آپ نے دلائل کے زور اور اثر و اقتدار کی قوت سے ان کا قلع قمع کیا، شیخ کے فضل و کمال اور درس و تدریس کا شہرہ ہوا تو بہار و بنگال اور بنارس و اضلاع بنارس سے طلبہ اور مشتاقان علم جوق جوق آکر شریک درس ہوئے، سہسرام اور مضافات سہسرام میں کوئی ایسا عالم نہ تھا اور نہ ہے، جس نے بلا واسطہ یا بواسطہ زانوے شاگردی تہ نہ کیا ہو، اور سبق نہ لیا ہو، صدہا ان کے فیض درس سے فاضل عالم پیدا ہوئے، افسوس کہ شیخ کے تلامذہ کی کوئی فہرست ہے نہ کہیں صراحت ہے، چند کے نام و نشان معلوم ہو سکے ہیں جنکی تفصیل درج ذیل ہے،

---

[1] یہ دیرینہ مدرسہ کسی زمانہ میں درس و تدریس کے اعتبار سے بنگال و بہار میں یگانہ و بے ہمتا تھا، ابتدائے وجود سنہ ۱۱۹۱ھ سے سنہ ۱۳۴۰ھ تک اس کی مسند درس پر ہندوستان کے مشہور اساتذہ و علماء متمکن رہے، جو اپنے فضل و کمال میں کافی شہرت و عزت رکھتے تھے، چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں، مولانا محمد نور علی محدث سہسرامی، مولانا محمد فصیح فقیہ غازی پوری، مولانا محمد فاروق ادیب چریاکوٹی، مولانا مصطفےٰ شیر دسنوی بہاری، مولانا سعادت حسین کسنوی بہاری، مولانا عبد الوہاب منطقی بہاری، مولانا حفیظ الدین بہاری، مولانا عبد الحق پھلی بھیت، مولانا محمد عثمان سہسرامی مہاجر مکی، مولانا استاذی محمد ابو الحسن جناب خوشدل سہسرامی، سنہ ۱۸۶۴ء میں یعنی جبکہ درس عالیہ درس نظامیہ کی جگہ لے چکا تھا، تعلیمی لحاظ سے سابقہ روایات کا حامل تھا، اس دور کا سلسلہ مولینا حفیظ الدین ؒ سے شروع ہو کر خلفاً بعد خلف مولینا محمد عثمان مہاجر مکی و مولینا محمد ابو الحسن خوشدل سہسرامی، مولینا ظفر الدین میجر دی بہاری سے منتقل ہوتا ہوا مولینا استاذی رحیم الٰہی صاحب منظفر نگری پر ختم ہو جاتا ہے، تاحال یہ مدرسہ قایم ہے، مگر بدنظمی کے باعث بہت پست حالت میں ہے خدا منتظمین کو توفیق دے،

شاہ محی الدین سابق سجادہ نشین خانقاہ سہسرام جانشین حضرت شاہ کبیر الدین درویش، مولوی حکیم ابراہیم علی خان سہسرام، مولوی یار محمد فرزند کلان محدث موصوف، مولوی محب حسین بلیاری، مولوی مرزا محمد بیگ،

شیخ نے ساری زندگی علوم شرعیہ کی خدمت اور درس و تدریس مین صرف کردی، کامل بارہ برس درس دیکر، ۷۴ سال کی عمر مین اواخر ۱۲۶۲ھ مین وفات پائی،

تاریخ وفات[1] بلغ العلی بکمالہ ہے،
۱۲۶۲ھ

شیخ کے چار فرزندون مین سے سب سے چھوٹے فرزند مولوی محمد حسن کی اولاد سے ایک کہن سال بزرگ مولوی محمد ابو الحسن[2] صاحب خوشدل بقید حیات ہین،

محدث موصوف الصدر کے پورے علمی و قلمی سرمایے آپ کے پاس محفوظ ہین، حضرت شاہ صاحب سے قراءۃً و سماعاً کتب حدیث و تصوف کی جو سند شیخ کو ملی ہے، اس کی نقل حرف بحرف درج ذیل ہے:۔

نقول سند قد قرأ علی الشیخ نور علی بن الشیخ رجب علی السہسرامی جمیع کتب الحدیث من الصحاح الستۃ وغیرہا فعلیہ ان یشتغل بالکتب المذکورۃ ویعلمہا الناس وینشر علم النبی وکاتب ہذہ السطور محمد اسحاق عفی اللہ عنہ ۱۲۵۰ھ الہجری،

---

[1] تاریخ مذکور شیخ کے پوتے مولوی ابو الحسن صاحب خوشدل سہسرامی کے قلم سے ہے، [2] مولوی صاحب ممدوح کو فارسی درسیات اور مختصرات عربی مین والد ماجد سے اور درس عالیہ کلکتہ کی تحصیل مین مولانا حفیظ الدین و مولانا عبد الرحمن بہاری مدرس مدرسہ خانقاہ سہسرام سے اور درس نظامیہ کی تکمیل مین مولینا احمد حسن کانپوری سے اور ادبیات عربی و ریاضیات مین مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے شرف تلمذ حاصل ہے، کامل ۳۲ سال آپ نے صرف مدرسہ سہسرام مین تعلیم دی، ۱۶ سال بحیثیت مدرس اعلیٰ اور ۱۶ سال دیگر حیثیات سے مصروف تدریس رہے، فی الحال دس سال سے مدرسہ قادریہ کارا ضلع گیا مین مدرس اول کی حیثیت سے قیام رکھتے ہین، آپ کو شاعری سے پورا ذوق ہے، تاریخ گوئی اور قصیدہ گوئی آپ کا حصہ ہے اور دیگر اصناف سخن مین بھی طبع آزمائی فرماتے ہین، پہلے بیدل تخلص کرتے تھے، اب خوشدل سے مشہور ہین، سن شریف آپ کا ۸۵ سے بالا ہے، باایں ہمہ درس و تدریس اور طبع آزمائی مین سارا وقت صرف کرتے ہین" حماہ اللہ تعالیٰ عن الحوادث،

والیضاً اجزت لہ الکتاب المسمیٰ بالقول الجمیل تالیف الشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ

محمد اسحٰق سنہ ۱۲۲۹ھ

مہر بخط نستعلیق

علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کے ارشاد کی جو سند سنی عطا ہوئی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں،

والیضاً اجزت لہ الطرق المشائخ القادریۃ والنقشبندیۃ والچشتیۃ فعلیہ ان یشتغل بھا فاللہ الموفق لہ ولنا الحمد للہ رب العالمین، مہر

محمد اسحٰق سنہ ۱۲۲۹ھ

سند بیعت و ارشاد کے طرز تحریر اور اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت شاہ صاحب کی خلافت بھی حاصل تھی، واللہ اعلم،

بعض تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ محدث موصوف نے قیام دہلی کے زمانہ مین مفتی اکرام الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ سے بھی فقہ کی بعض کتابون کا درس لیا ہے، چنانچہ ہدایہ آخرین کے خاتمۂ کتاب پر مفتی موصوف کے خاص دست مبارک سے عربی مین ایک سند مرقوم ہے، جس سے امر مذکور کی پوری وضاحت ہوتی ہے، سند بجنسہ ذیل مین نقل کیجاتی ہے،

قد تم ھذا الکتاب المستطاب بعون الملک الوھاب علی ید الاخ الصالح التقی المولوی محمد نور علی ساکن بلد سہسرام نزیل دار الخلافۃ شاہجہان آباد صانہا اللہ تعالیٰ عن الآفات والبلیات فی تاریخ عشرین من شہر صفر المظفر فی سنۃ ستۃ واربعین ومأتین بعد الالف من ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقد کتب سبقاً سبقاً حین قرأتہ علی ھذا الفقیر الحقیر المسکین محمد اکرام الدین بن نظام الدین عفی اللہ عنہما ثم لما ختم ھذا الکتب سألنی ان یکتب ھذا الفقیر اسطراً معدودۃ من عبارات الختم نکتب ھذا الفقیر ھذہ العبارۃ بالتماسہ اللّٰھم اغفرلی ولہ ولجمیع المؤمنین والمومنات بحرمۃ النبی الامی سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم، فقط

تفسیر وحدیث وفقہ کی جن کتابون کو سبقاً سبقاً آپ نے پڑھا ہے اور لکھا ہے، ان مین سے بیشتر اب تک محفوظ ہین، بڑی خوبی یہ ہے کہ قریب قریب کل محشی اور ان کے حواشی حل مطالب اور توضیح مشکلات

کے اعتبار سے متداول مطبوعہ حواشی سے بہت بہتر ہین، اور نیز تقریباً ہر کتاب پر ختم و تمامِ درس کی تاریخ و سنہ مرقوم ہے" ان مین سے جو کتاب نظر سے گذر چکی ہے، ان کے نام بقید سنہ اتمام درس درج ذیل ہین،

شرح وقایہ جلدین اولین کامل محشی اور بین السطور و ضمائر سے معمور سنہ اتمام درس ۱۲۴۰ھ

ہدایہ آخرین محشی ۱۲۴۶ھ تفسیر جلالین کامل جلد اول محشی کامل جلد دوم محشی از جابجا بین السطور اور ارجاع ضمائر سے پر" سنہ کرم خوردہ"

فوز الکبیر ۱۲۴۵ھ، فوز الخبیر ۱۲۴۹ھ مشکوٰۃ شریف محشیٰ کامل سنہ کرم خوردہ مسوی شرح موطا شریف محشیٰ کامل سنہ کرم خوردہ"

مصرحہ بالا کتابون کے علاوہ صحاح وغیرہ کی اور کتابین بھی ہین جو تنگی وقت اور عدیم الفرصتی کے سبب مطالعہ مین نہ آسکین،

سیرت عائشہؓ

از

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

(طبع دوم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، کاغذ لکھائی اور چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۵۰۰ صفحے،

قیمت:- ستے

"منیجر"

دیوبند کی ایک مسجد پر ایک اہم کتبہ

از

مولوی محمد عبداللہ صاحب چغتائی لکچرار اسلامیہ کالج لاہور

مجھے ایک دفعہ جناب مولانا سید انور شاہ صاحب سے ملنے کے لئے دیوبند جانے کا اتفاق ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ وہ مدرسہ سے الگ ہوکر ڈابھیل جا چکے تھے، ان کے در دولت پر پہنچکر معلوم ہوا، کہ دہلی تشریف لے گئے ہین، مین نے فوراً واپسی کا ارادہ کیا، مگر اسی دوپہر کو مجھے ان کے مکان کے مقابل کی مسجد مین نماز عصر پڑھنے کا اتفاق ہوا، جو شاہ صاحب کے گھر کے شمال کی طرف ہے، جو دیکھنے سے ہرگز پرانی معلوم نہین ہوتی، میرے ہمراہ جناب شاہ صاحب کے شاگرد مولوی یوسف صاحب پشاوری بھی نماز مین شامل تھے، فوراً میری نگاہ مسجد کے درمیانی محراب پر پڑی تو ایک عجیب سی عبارت خط نسخ مین معلوم ہوئی، جو عہد اکبری کا ایک کتبہ تھا، جسکا مجھے مسجد کی ہیئت کے مطابق وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا، مین نے اسے مولوی یوسف صاحب کی مدد سے پڑھنا شروع کیا اور اشتیاق بڑھتا گیا، بڑی محنت کے باوجود بعض الفاظ صاف نہ پڑھے گئے، سیڑھی منگوا کر بھی اس کو پڑھا مگر کامیابی نہ ہوئی، پھر مین نے ایک کاغذ پر ان الفاظ کا ایک چربہ لے لیا اس کی پیمایش تشکل سے ۹ × ۱۵ ہوگی، وہ کتبہ یہ ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الہ الا اللہ محمد الر (؟) سول اللہ"

بنا شد این مسجد درعہد سلطان السلاطین نور حدقۂ شہریاری

مہر سپہر سلطنت و کامکاری شاہنشاہ عادل ابوالمظفر محمد جلال الدین

اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بسعی و اہتمام فقیر

حقیر میرزا بیگ ابن خواجہ علی محب بخشی شہر صفر سنہ نہصد و شصت

و پنج از ہجرۃ؀

اسی کتبہ مین مجھے بہت سی باتین تاریخی اعتبار سے اہم نظر آتی ہین، ایک تو اس کی تاریخ ۹۶۵ھ جو اکبر کے جلوس کے تقریباً دو سال بعد کی ہے، غالباً ہندوستان بھر مین اکبر کا یہ کتبہ اس کے تمام موجودہ کتبون پر جواب تک معلوم ہین سبقت رکھتا ہے، کیونکہ امکاناً اکبر کا کوئی قریب ترین کتبہ اگر ہوسکتا تھا تو اس کے پایہ تخت آگرہ فتح پور سیکری مین ہوسکتا تھا، مگر وہان بھی کوئی نہین ہے، دوسرے اس مین اکبر کی کنیت ابوالمظفر لکھی ہے، حالانکہ دوسرے بعض کتبون پر جو بعد کے ہین ابوالفتح ہے، تیسرے اس کا رسم الخط قریب قریب دہلی کے پٹھانی دور کی عمارتون کے کتبات سا ہے، دیوبند کو اول زمانہ سے ہی تاریخی اہمیت رہی ہے، عہد اکبری مین یہ صوبہ دہلی مین پانچوین سرکار سہارنپور مین تھا، آئین اکبری مین اس کے متعلق یہ ہے :-

" دیوبند قلعہ از خشت پختہ دارد "

اسی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اہمیت کا مقام تھا، ممکن ہے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ بانی مدرسہ دیوبند کے سامنے دیوبند کے تمام حالات منکشف تھے اور ان قدیم علمی سرگرمیون کی وجہ سے قدرت کو پھر اسی پاک ہستی سے انکی از سر نو تجدید مقصود تھی، دیوبند مین عام طور پر جو عمارتین نظر آتی ہین وہ تاسیس مدرسہ کے بعد کی ہین، مدرسہ ۱۲۸۳ھ مین قائم ہوا، اور جامع مسجد جو مسجد عابد کے نام سے یاد کیجاتی ہے ۱۲۸۶ھ کی تعمیر ہے گو یہ ضرور ہے کہ دیوبند مین مدرسہ کے گرد و نواح مین بعض قدیم مکان نظر آتے ہین، جو وہان کی قدامت پر دال ہین، بعض طلبہ نے بیان کیا کہ مدرسہ سے کچھ میل کے فاصلہ پر غیر مسلم معابد کے نشان ملتے ہین، میرا خیال ہے، اگر اسی ضمن مین مزید توجہ کیجائے تو بہت کچھ انکشاف ہوسکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہان کے لوگون کو مزید حالات کا علم ہو، بہر حال اس قدیم کتبہ مسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہان علمی چرچا ضرور تھا، جسکی اب مدرسہ کی صورت مین تجدید ہورہی ہے،

تلخیص و تبصرہ

یورپ و ایشیا پر ایک تنقیدی نظر

موسیو پول فالیری نے جو فرنچ اکاڈیمی کے ایک معزز ممبر ہین، اور موجودہ یوروپین مصنفین مین اعلیٰ درجہ کے انشا پرداز شاعر، فلسفی اور ریاضی دان تسلیم کئے جاتے ہین، موجودہ زمانہ کی مشکلات پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا اصلی فرنچ نام توہمکو معلوم نہین لیکن عربی مین اس کا ترجمہ نظرات فی العصر الحاضر "یعنی موجودہ زمانہ پر تنقیدی نگاہ" کے ایک مرکب جملہ سے کیا گیا ہے، کتاب اس موضوع کے دقیق اور تفصیلی مسائل پر مشتمل نہین ہے جیسا کہ اس زمانہ کے اور مصنفین کا انداز تصنیف ہے، بلکہ سیاست، تاریخ، اور تمدن کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتون پر شاعرانہ طرز ادا مین بحث کی گئی ہے، پروفیسر ابراہیم مصری نے اس کی تلخیص کی ہے اور اس پر ایک تنقیدی نوٹ بھی لکھا ہے ذیل مین ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کیلئے اس تلخیص کا خلاصہ درج کرتے ہین،

موسیو پول فالیری یورپین سیاست کی حقیقت یہ بتاتے ہین کہ

"گذشتہ زمانے مین دنیا ناہموار ٹیلون کی شکل مین منقسم اور باہم غیر مربوط تھی، اور سیاست کی بنیاد انھین ناہموار ٹیلون کے درمیان مین قائم تھی، لیکن آج ملک اور ملک کے ساتھ ملکی مصالح بھی بدل گئے اس لئے مجبوراً اس انقلاب مین قدیم سیاست کو بھی اپنا انداز بدل دینا پڑا، سلطنتون کے تعلقات پیچیدہ ہو کر باہم گتھ گئے، اور دنیا ایک عظیم الشان وحدت کی شکل مین تبدیل ہو گئی، اور اس مین اس قدر اتحاد پیدا ہو گیا، جو ایک جسم کے اعضا مین ہوتا ہے، جنکی حالت یہ ہے کہ

چو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضو ہا را نماند قرار

اس انقلاب کو علم و صناعت کی ترقی نے عموماً اور یورپ نے خصوصاً پیدا کیا ہے، کیونکہ یورپ نے

اپنی عظمت کی بنیاد اُن قوانین و اوضاع پر رکھی ہی جنکی بدولت انسان زمین کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کرکے اس پر اپنا قبضہ جمالیتا ہے لیکن یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جدید علوم و فنون جنکی ترقی مین یورپ نے شب بیداریان کی ہین، فطرۃً ایک سیال اور ممتد چیز ہین، بلکہ وہ ایک ایسی قوت ہین، جو اپنے تہ مین پھیلنے کی خاصیت رکھتی ہے، اور مختلف احساسات، مختلف امزجہ اور متضاد نسلی اور مذہبی جذبات کو مخاطب نہین کرتی، بلکہ صرف عقل سے بات چیت کرتی ہے لیکن عقلی، منطقی، اور خالص ریاضی کے قوانین ایک ایسی چیز ہین، جن پر تمام دنیا اتفاق کرسکتی ہے، اور اپنے علمی فوائد کے لئے ان کو عام طور پر تسلیم کرلیتی ہے، اس لئے گو علوم جدیدہ کو یورپ نے ایجاد کیا ہے لیکن وہ دوسرے براعظمون مین بھی پھیل گئے ہین، اور ان براعظمون کے باشندون کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کی رگون مین شباب کا نشاط انگیز خون دوڑ رہا ہے جنمین آزادی و استقلال کا جذبہ عموماً پیدا ہوگیا ہے، اور وہ یورپ کے تباہ و برباد کرنے کے لئے علمی دقایق و رموز سے علانیہ کام لے سکتے ہین، چنانچہ امریکہ نے یورپ پر اقتصادی تفوق حاصل کرلیا ہے، ایشیا کی بعض قومین مثلاً روس و جاپان جدید آلات و کارخانہ جات کے قائم کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہین چین و ہندوستان اپنا اقتصادی اور سیاسی نظام مضبوطی کے ساتھ قایم کرنا چاہتے ہین، اور اکثر مشرقی قومین یورپین تمدن کے لوازم سے مسلح ہوکر یورپ کی نوآبادیون پر قبضہ کرنا چاہتی ہین، اور زندگی اور آزادی کے متعلق اپنے حقوق کی خواستگار ہین، اس حالت مین اگر یورپ زندہ رہنا چاہتا ہے، تو اس کو اپنی سیاسی روش بدل دینی چاہئے، تاکہ علم نے مختلف قومون کے تعلقات مین جو انقلاب پیدا کردیا ہے، وہ اس کے مناسب و موزون ہوجائے؛

فن تاریخ کے متعلق یہ رائے ظاہر کرتے ہین :-

اس مین شک نہین کہ جو لوگ مستقبل پر غور و فکر کرتے رہتے ہین، وہ حال کو ماضی کی روشنی مین دیکھتے ہین، اور واقعات تاریخی سے مستقبل کے حالات کا سراغ لگاتے ہین، اس لحاظ سے مختلف زمانون کے مورخین

مین باہم کوئی فرق دامتیاز نہین، تاریخ صرف نقل و روایت کا نام ہے، اور مورخ جس قدر انشا پرداز، بدیع الاسلوب اور فصیح البیان ہوگا، اسی قدر ہم کو متاثر کر سکے گا، لیکن تاریخ مین بعض ایسے ما فوق الفطرت واقعات مذکور ہوتے ہین کہ مورخ حیرت زدہ ہو کر رہجاتا ہے، اور ان کی کوئی تعلیل و توجیہ نہین کر سکتا، اس لئے مجبوراً تاریخ پڑھنے والے کو اپنے مذاق کے مطابق ان واقعات کی تفسیر کرنی پڑتی ہے اور یہ بتانا پڑتا ہی کہ ان مین کونسا واقعہ حقیقی ہے؟ اور کونسا خیالی؟ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ تاریخ ایک ایسا فن ہے جو مورخ کے جذبہ، مزاج، اسلوب اور تاریخ پڑھنے والے کے احساس اور خواہش کا تابع ہے، لیکن باہیمہ اسکو حال کے متعلق فیصلہ کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہی، اور واقعات کی رفتار، انقلابات اور اثرات کے ذریعہ سے مستقبل کی تنظیم کیجاتی ہی، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ماضی و حال مین کوئی مضبوط تعلق نہین ہے،

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ قدیم فلسفۂ تاریخ صحیح تھا، تب بھی اسکی صحت کوئی مفید نتیجہ پیدا نہین کرتی، کیونکہ اس کی بنیاد اس نظریہ پر قایم ہے، کہ "دنیا متفرق تودون کا ایک مجموعہ ہے جس کے مصالح مین اختلاف ہے اور وہ باہم ایک دوسرے سے برسرجنگ رہتے ہین" لیکن آج تو دنیا ایک اقتصادی اتحاد کا نام ہے، اس لئے جب تک قدیم فلسفۂ تاریخ کے علاوہ اس کے لئے کوئی دوسرا فلسفۂ تاریخ نہ بنایا جائے، وہ فنا ہو کر مٹ جائیگی، حالانکہ یہ علانیہ نظر آتا ہے کہ مدبرین یورپ کے جذبات و خواہشات تاریخ کے مطالعہ، واقعات کی یاد اور اس خواہش سے پیدا ہوتے ہین کہ تاریخی واقعات کے اصول و قواعد کو ایسی دنیا پر منطبق کیا جائے، جسمین کسی قسم کا لگاؤ نہین، یورپ کے ایک سیاسی مدبر کے سامنے جب کوئی عظیم الشان اور اہم واقعہ پیش آتا ہے، تو وہ یہ نہین سمجھتا کہ وہ اپنی نوعیت کا صرف تنہا واقعہ ہے، بلکہ وہ متعدد تاریخی واقعات سے اس کا تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے، حالانکہ تاریخ اس واقعہ کی نظیر سے ناآشنا ہوتی ہے، اور اس کے لئے ایک جدید اور تازہ حل کی ضرورت ہوتی ہی، لیکن یہ

یہ مدبر اس کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اُس کے دماغ مین جو تاریخی واقعات محفوظ ہوتے ہین، انکی طرف رجوع کرتا ہے اور جدت و ابداع سے بھاگتا ہے، اور جدید واقعہ کے لئے جدید حل تلاش نہین کرتا، اس غلط طریقہ سے تاریخ ایک سیاسی مدبر کے ذہن کو خراب کر دیتی ہے اگرچہ دنیا روز بروز آگے بڑھتی اور نئے نئے قالب بدلتی رہتی ہے، لیکن باینہمہ قدیم بوسیدہ فلسفۂ تاریخ کی اب تک محکوم بنی ہوئی ہے، اسمین شک نہین کہ تاریخ طاعون اور ہیضہ سے بھی زیادہ قومون کو تباہ کرتی ہے، لیڈر لوگ اپنی خواہشون کے مطابق تاریخ کی تفسیر کرتے ہین، اور قوم اس شبِ تاریک مین عجیب عجیب پریشان خواب دیکھتی ہے، جنگی مفاخر کا غلغلہ بلند کرتی ہے، اور قدیم نسلی جھگڑون کو یاد کرتی رہتی ہے، اور آیندہ نسل کے دلون مین جنگی جذبات کا بیج بوتی ہے، جیسا کہ آج اٹلی کی حالت ہی،

یورپ کی علمی حالت یعنی یورپین طریقۂ بحث و نظر کے متعلق رقم طراز ہین:۔

یورپین طریقۂ نظر و فکر مین عجیب تناقض پایا جاتا ہے، ایک طرف تو صرف علم ہی علم ہے، جس مین کوئی غرض شامل نہین، آزاد، فیصلہ کن، پاک و صاف ضمیر، نقاد، دقیق اور بحث کرنے والی عقل اذناس وار جاس کی آمیزش کی متحمل نہین، لیکن یہی علم جب سیاسی مدبرین کے دماغ مین آتا ہے، تو خطرناک خواہشون مسلسل ہوس رانیون، اور طرح طرح کے مصیبتون کی صورت مین بدل جاتا ہی،

مدبرین یورپ اور ان کی خیانتون کے متعلق تحریر فرماتے ہین کہ:۔

یورپ کی تاریخ مین یہ بات خاص طور پر نظر آتی ہے کہ یورپ کی کوئی سلطنت اپنے اقتدار کو پچاس سال سے زیادہ قایم نہ رکھ سکی، چارلس پنجم، لوئیس چہارم، نپولین، میٹرنک اور بسمارک یورپ کے سب سے بڑے مدبر ہین، لیکن ان کی کوششون کی بہار چالیس پچاس سال سے زیادہ قایم نہ رہ سکی، کیون؟ اس لئے کہ جس وقت یورپ کے ممتاز دماغ، یورپ کی ذہانت کی ترقی مین انتہائی کوششین کر رہے تھے، مدبرین یورپ کی خیانت ان کے مقصد مین خلل انداز ہوتی تھی جس کی

کی صورت یہ تھی کہ عقلاے یورپ نے جن قومون کو محکوم بنانا چاہا تھا، مدبرین یورپ انھین کو وہ آلات و ذرایع عطا کرتے تھے جن پر یورپ کے عظمت کی بنیاد قایم تھی، اپنے تمدن و تہذیب کی اشاعت کے لئے ان مدبرین کا دور و دراز ممالک مین آلات وادوات کے ساتھ مخصوص ماہرین فن کا بھیجنا، مدارس جاری کرنا، فوج اور بیڑا مرتب کرنا اس اقتدار کے منافی تھا جس کو عقلاے یورپ دنیا مین قائم کرنا چاہتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی طاقتین ان قومون مین پھیل گئین جنکی مردم شماری تو یورپ کی مردم شماری سے زیادہ لیکن ان کی عقلی طاقت یورپ کی عقلی طاقت سے کم تھی،

اگر یہ خیال کیا جائے کہ ایشیا کا رقبہ یورپ کے رقبہ سے چوگنا بڑا ہے امریکہ کی وسعت بھی ایشیا سے کم نہین، چین کے باشندے بھی یورپ کے باشندون کی تعداد کے برابر ہین، اور جاپان کی مردم شماری جرمنی کی مردم شماری سے زیادہ ہے، اور یہ سب کے سب دل وجان سے اس کوشش مین مصروف ہین کہ یورپ مین تمدن و تہذیب کے وسائل اختیار کرین، تو یقیناً یہ ماننا پڑیگا کہ یورپ خطرے مین مبتلا ہے،

آج جبکہ ایشیا مین کانین دریافت ہو رہی ہین، ایشیا کے شہر آلات و کارخانجات سے بھرے ہوئے نظر آتے ہین، وہان فولاد، حریر، چاندی اور کیمیاوی پیداوارون کی کثرت ہے جنکو وہ ارزان قیمت پر اس لئے فروخت کر رہا ہے کہ وہان مزدورون کی کثرت کے ساتھ ان کی شرح اجرت بھی معتدل ہے، اور جدید وسائل صحت بھی وہان پھیلتے جاتے ہین، ایسی حالت مین مدبرین یورپ کو سمجھنا چاہئے کہ انکی دقیانوسی سیاست کا اب کوئی اثر باقی نہین رہا، اور غلبہ تعداد اور تعداد کے تفوق کو ہے، اس لئے انھون نے اپنے تمدن کو فروخت کر دیا ہے:

مشرق و مغرب کا موازنہ اس طرح کرتے ہین:-

جدید مغرب اور قدیم مشرق مین صرف یہ فرق ہے کہ مغرب صرف اسی آن تک زندہ ہے جسمین وہ پیدا ہوا ہے لیکن مشرق ابد تک زندہ رہے گا،

مغرب دنیا کی فضا کو اس لئے تنگ کر رہا ہے کہ وہ اس کو سمجھنا چاہتا ہے، یا کم ازکم اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اس کو سمجھ سکتا ہے، لیکن مشرق تمام کائنات کو صرف ایک اجمالی اور عمومی تصور میں جس کے اجزا، مذہب شاعری اور فلسفہ مین شامل کر لیتا ہے،

مغرب سرعت دقت، ندرت، اور جدت کی تلاش مین ہے، لیکن مشرق ان چیزون کو ایک دردسر سمجھتا ہے،

مغرب ایک چیز کو پیدا کرتا ہے، پھر اس کو فنا کر دیتا ہے، دوبارہ پھر پیدا کرتا ہے، اور پھر فنا کر دیتا ہے، غرض وہ کسی خیال اور عقیدے پر قایم نہین رہتا، گویا اس نے خیالات کا ایک تھیٹر قایم کر رکھا ہے، جس کے پردے ہر وقت بدلتے رہتے ہین، یورپ کی اصطلاح مین اسی کا نام قانون تطور یعنی قانون انقلاب یا اصول ارتقار ہے، لیکن مشرق شدت کے ساتھ اپنی گذشتہ چیزون کی پابندی وحفاظت کرتا ہے، وہ یورپ کو ایک تفریحی نگاہ، تبسم زیر لب اور تمسخر آمیز طریقے سے دیکھتا ہے، اور ان تغیرات و انقلابات پر اس طرح غور کرتا ہے، جیسے ایک صوفی شاعر پانی کے بلبلون پر،

مغرب صرف اسی دنیا کے لئے عمل کرتا ہے، اور مشرق دوسری دنیا کی دائمی زندگی کا خواستگار ہے، مغرب قوت کی پوجا کرتا ہے، اور مادہ کو مقدس سمجھتا ہے، لیکن مشرق صرف روحانی اسوہائے حسنہ کی عزت کرتا ہے،

چینیون نے قطب نما، بارود اور چھاپہ کا فن ایجاد کیا، لیکن ان سے کام لینے کی طاقت یورپ نے حاصل کی، اور یہ معلوم کیا کہ دنیا مین ان کے ذریعہ سے کیونکر انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مشرقی شخص کو موجودہ زندگی اور اس کے تغیر و اصلاح سے کوئی دلچسپی نہین، وہ اپنے آپ کو اس سے بلند سمجھتا ہے، اور روحانیت کو چھوڑ کر موجودہ حقایق علمیہ کی پست سطح پر کھڑا ہونا اپنی علوے شان کے منافی سمجھتا ہے، لیکن مشرق کا یہ میلان گذشتہ زمانہ مین تھا، ورنہ آج حالت

بالکل بدل گئی ہے، اور ہر تعلیم یافتہ مشرقی شخص کے دماغ مین یہ سودا سمایا ہوا ہے کہ وہ دنیا کے عملی جہاد کا ایک سپاہی بنکر یورپ کے مقابلہ مین کھڑا ہو جائے، اور جہان تک ممکن ہو اس کی تقلید کرے، اس طرح مشرق و مغرب کا یہ اتحاد جب مکمل ہو جائیگا تو وہ یورپ پر غلبہ حاصل کریگا، لیکن یہ سوال کہ اس وقت یہ مصنوعی تمدن اپنی موجودہ شکل مین قایم رہیگا، یا مشرق اس کو دوسرے قالب مین ڈھال دیگا، سردست لاینحل ہے، اور اس کی نسبت کوئی پیشینگوئی نہین کیجا سکتی،

یہ یورپ کے ایک مشہور فلاسفر، مشہور شاعر، مشہور مصنف اور مشہور ریاضی دان کے خیالات ہین اور بظاہر نہایت دلچسپ ہین، لیکن آخران مین ہماری دلچسپی، بلکہ دلچسپی سے زیادہ ہمارے فائدہ کی بات کیا ہے؟ کیا یہ ایک آزاد خیال اور صاف گو مصنف کی رائے ہے، جس کا تعلق صرف اجتماعی اور سیاسی مقاصد سے ہے؟ یا یہ ایک امن دوست شخص کے خیالات ہین؟ یا منافقانہ طور پر در پردہ شاندار انشا پردازانہ الفاظ مین یورپ کو اقتدار و استعمار (نوآبادیان قائم کرنا) کے لئے بھڑکایا گیا ہے؟ اصلی بات یہ ہے کہ ان سے مصنف کی خالص اور بے لاگ رائے کا پتہ نہین چلتا، اس نے پرانی سیاست کی بیخ و بن کو اکھاڑ کر پھینک دیا، تاریخ کے ارکان کو بھی جس سے اس سیاست کو فائدہ پہنچتا تھا، متزلزل کر دیا، لیکن اس نے یورپ کے سامنے کوئی واضح سیاسی لائحہ عمل نہین پیش کیا، پھر کیا اس مصنف کے سامنے کوئی مقصد ہی نہین تھا جس کو وہ اپنے ناوک کا نشانہ بناتا؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ پول فالیری اگرچہ یورپین سیاست کی تجدید کرنا چاہتا ہے، اور اس کو موجودہ دور کی روح کے مطابق بنانا چاہتا ہے، لیکن دل سے وہ ایک خالص یورپین ہے، یعنی نفس عالم انسانیت کے انجام و عواقب کی اس کو پروا نہین، صرف یورپ کا دردناک انجام اس کے دل مین غصہ اضطراب اور ہیجان پیدا کر رہا ہے، وہ یورپین ہے اور یورپ ہی کی حمایت کر رہا ہے، اور اپنے بھائیون کو مستقبل کے خطرات سے آگاہ کر رہا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ یورپ کی تقلیدی سیاست کی اصلاح خود یورپ کے مصالح کے

کے لحاظ سے ہو نہ کہ عام عالمِ انسانیت کے مصالح کے لحاظ سے، لیکن اس کے دل مین کس چیز نے یہ احساس پیدا کیا؟ اور کس کی ضد سے وہ اصلاح کی دعوت دے رہا ہے، ہ؟ غور کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ مشرق اور اہلِ مشرق کی ضد ان اصلاحی خیالات کی محرک ہے، اسکو خوف ہے کہ مشرق یورپ پر خود مغرب ہی کے ہتھیار سے حملہ نہ کر دے، وہ ایشیا کو ایک دشمن خیال کرتا ہے، جو بڑھتا ہے، بڑا ہوتا ہے، متمدن بنتا ہے، اور آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے، صرف ایشیا ہی سے نہیں بلکہ مختلف مشرقی قومون سے بھی وہ خائف نظر آتا ہے، اس لئے وہ یورپ کو جھنجھوڑتا ہو کہ بیدار ہو، خطرات کو محسوس کر، مستقبل بعید کو دیکھ، پرانی عداوتون کو پس پشت ڈال دے، اور مشرق اور مشرق کی ترقی کے خلاف متحد ہو جا، حقیقت مین یورپ کے تمام علما یورپین دماغون کو دول یورپ کے اتحاد کے لئے آمادہ کر رہے ہین، ایک طرف امریکن اقتدار کا خاتمہ ان کے پیش نظر ہے اور دوسری طرف وہ مشرق کے دست و بازو کو توڑنا چاہتے ہین لیکن یورپ جو اتحاد بھی قائم کرتا ہے، اس کی قیمت مشرق کو ادا کرنی پڑتی ہے اور یہی نکتہ ہے، جسکو چاہئے کہ ہم اچھی طرح سمجھ جائین، بول فالیری کا یہ فقرہ کہ "یورپین مدبرین نے اپنے تمدن کو مشرقیون کے ہاتھ فروخت کر ڈالا ہے" کس قدر نفرت انگیز ہے، کیا تمدن کو صرف ایک ہی جنس، ایک ہی برِّ اعظم اور ایک ہی دماغ پر وقف ہو جانا چاہئے؟ کیا اسی کا دوسرا نام استعمار نہین ہی؟ ٹیگور وغیرہ کے خیالات سے ان خیالات کو کیا نسبت ہی؟ یہ لوگ چاہتے ہین کہ تمام قابلیتین ایک ہی تمدن مین مدغم و منضم ہو جائین اور ایک ایسا سیاسی نظام قائم کیا جائے جس کی بنیاد انسانیت، راحت اور امن و سلامتی پر قائم ہو اور ان سے تمام دنیا فائدہ اٹھائے،

یہ مقصد نہین کہ یورپ صرف متحد ہو جائے، بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے علوم، تمدن اور ذہانت سے ایسا جدید انسانی نظام قائم کر دے جو ایک متحدہ انسانیت کے لئے موزون ہو، لیکن اجتماعی تفوق، نسلی تعصب اور اپنے فائدہ اور دوسرون کی ضد کیلئے اتحاد، یہ سب ایسی چیزین ہین جو صورت حال کو بالکل اس کے برعکس کر دیتی ہین، اور ایسی حالت مین ابھرنے والے اور کام کرنے والے مشرق ہی کو جیسا کہ خود بول فالیری کی پیشینگوئی ہے کامیابی حاصل ہوگی،

"ع"

اخبار علمیہ

تاریخ کی تعلیم سینما کے ذریعہ سے

انگلستان کے ابتدائی اور ثانوی مدارس مین سینما کے ذریعہ سے تاریخ کی تعلیم کا تجربہ گذشتہ تین سال سے ہورہا تھا اس کے متعلق انجمن تاریخ (HISTORICAL ASSOCIATION) نے حال مین جو رپورٹ شائع کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ تاریخ کے معمولی طریقہ تعلیم کی نسبت یہ جدید طریقہ بہتر ہے، اس کے فوائد حسب ذیل بیان کئے جاتے ہین :۔

(۱) اس طریقہ سے ماضی اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ نہایت واضح طور پر آنکھون کے سامنے آجاتا ہے، یہ بات کسی اور طرح ممکن نہین ہے، (۲) یہ شوق کو ابھارتا ہے، اور دوسری دماغی کوششون کی طرف بچون کو ترغیب دیتا ہے، یہ خیال غلط ہے کہ اس طریقہ کی تعلیم سے دماغی انفعالیت پیدا ہوتی ہے، مضمون سے جو دلچسپی اس طرح پیدا ہوتی ہے وہ قائم بھی رہتی ہے (۳) اس سے قوت متخیلہ کو تقویت پہنچتی ہے، بچے زمانہ گذشتہ کے مرد اور عورتون کی زندگیون اور ان کے جذبات سے کسی حد تک واقف ہوجاتے ہین، اور ان کے ماحول کو زیادہ صاف طور سے دیکھ لیتے ہین، (۴) اس سے بچون مین کسی ایک مضمون کے مختلف پہلوؤن کو یکجا کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے، (۵) یادداشت کو تقویت پہنچتی ہے، (۶) اس طریقہ سے بچون کو اپنے خیالات کے اظہار یا مناظر کے بیان کے لئے خود ہی مناسب الفاظ تلاش کرنے پڑتے ہین، اور وہ صرف استاد یا کتاب کے الفاظ پر قناعت نہین کرسکتے (۷) یہ بچون کے سامنے استاد یا درسی کتاب کے نقطۂ نظر کے علاوہ ایک دوسرا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے، (۸) یہ طریقہ تعلیم کے

علاوہ بچون کے لئے ایک سامانِ تفریح بھی مہیا کرتا ہے، اور اس طرح ان کی دلچسپی تاریخ سے بڑھتی جاتی ہے،

طیارون سے ایک نیا خطرہ

ہوابازی نے صحت عامہ سے متعلق بالکل نئے مسائل پیش کردیئے ہین، صحت کے وہ قوانین جو بندرگاہون مین نافذ ہین، اب کسی ملک کو ان وبائی بیماریون سے محفوظ نہین رکھ سکتے، جو دوسرے ملکون کے مسافرون کے ساتھ کبھی کبھی آجاتی ہین، وجہ یہ ہے کہ جو سفر پہلے چار پانچ ہفتون مین ہوا کرتا تھا، اب چند دنون مین ہو جاتا ہے، اور جو کیڑے بحری سفر مین فنا ہو جاتے تھے اب ہوائی جہازون کے ذریعہ سے زندہ اور سلامت چلے آتے ہین، اور مسافر ہر قسم کے جراثیم کے ساتھ ملک مین داخل ہو جاتے ہین، برطانوی طبی انجمن مین اس مسئلہ پر جو بحث ہوئی اس مین اس خطرہ پر بہت زور دیا گیا کہ زرد بخار کے مچھر طیارون کے ذریعہ سے افریقہ سے ایشیا مین آجائین گے، سر میلکم واٹسن نے بیان کیا کہ اگر ایسا ہوا تو سمجھنا چاہئے کہ ہماری تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو جائیگا، اس خطرہ کے انسداد پر غور کیا جارہا ہے، اور ابتک جو قوانین اس کے متعلق بنائے گئے ہین، ان مین بہترین وہ ہین جو ممالک متحدہ امریکہ مین یکم جنوری ۱۹۳۰ء سے نافذ ہین،

ایک جدید کولمبس

جولیو گلن (JULIOQUILLIN) نامی اسپین کے ایک بحری افسر نے ایک ایسا جہاز تیار کرایا ہے، جو کولمبس کے مشہور جہاز سینٹا میریا (SANTA MARIA) کا صحیح مثنیٰ ہے، یہ وہی جہاز ہے جسمین سفر کرکے کولمبس نے ۱۴۹۲ء مین دنیائے جدید کو دریافت کیا تھا، اسپین کے اس جدید کولمبس نے بھی ایک جدید سینٹا میریا تعمیر کرکے امریکہ پہونچنے کا قصد کیا ہے، اس جہاز مین کوئی ایسے آلات استعمال نہ کئے جائین گے، جو پندرہوین صدی مین رائج نہ تھے، بھاپ کی جگہ بادبان کام دین گے، اور اسی قسم کا قدیم قطب نما استعمال کیا جائیگا جو کولمبس کے زمانہ مین مستعمل تھا،

سبز خون

پروفیسر منروفاکس (MUNROFOX) برمنگھم یونیورسٹی نے یہ حیرت انگیز نظریہ پیش کیا ہے کہ غالباً انسانی جسم کا خون کسی زمانہ مین بجائے سرخ کے سبز تھا، دلیل یہ ہے کہ انھون نے بعض اقسام کے ایسے حشرات البحر معلوم کئے ہین جنمین خون کی طرح ایک رقیق مادہ ہوتا ہے، لیکن اس کا رنگ بجائے سرخ کے سبز ہوتا ہے، ان کے متعلق یہ خیال ہے کہ یہ ان جانورون سے دور کا تعلق رکھتے ہین، جو پہلے کیڑون کی شکل مین تھے، اور جن سے بنی نوع انسان کا ارتقا، عمل مین آیا ہے، پروفیسر موصوف کا خیال ہے، اب سے لاکھون برس پہلے جبکہ روے زمین کی بہترین مخلوقات یہی کیڑے تھے، جن کے اعزہ آج بھی سمندرون مین پائے جاتے ہین، ممکن ہے کہ ان حشرات البحر کی دو قسمین رہی ہون، ایک وہ جنکا خون سرخ ہورہا تھا، اور دوسری وہ جنکے خون کا رنگ سبز تھا، کسی سبب سے انھین کیڑون مین ارتقا شروع ہوا، جنکا خون سرخ تھا، اور لاکھون سال کے بعد وہ بالآخر انسان کی شکل مین نمودار ہوئے سبز خون والے کیڑے اپنی قدیم حالت پر قایم رہے، اور اس وقت اسی حالت مین پائے جاتے ہین،

ہندوستان مین انگریزون کی علم دوستی

سرایڈورڈ گیٹ (SIR. E. GAIT) صدر کونسل رائل سوسائٹی آف آرٹس نے اپنے خطبۂ صدارت مین انگریزون کی علمی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ جس وقت برطانیہ نے ہندوستان کی زمام حکومت اپنے ہاتھ مین لی تھی، یہان کے ادب و تاریخ کا اکثر و بیشتر حصہ نامعلوم تھا، چنانچہ مسلمان بادشاہون سے قبل کی مسلسل تاریخ کے لئے کافی مواد فراہم نہ تھا، ان کا خیال ہے کہ اس کھوئی ہوئی دولت کو دوبارہ حاصل کرنے کا فخر انگریزون ہی کو حاصل ہے، پہلا انگریز فاضل جس نے سنسکرت زبان کی مہارت حاصل کی سرچارلس ولکنس (SIR CHARLES WICKINS) تھا، اس نے ۱۷۷۹ء مین ایک سنسکرت قواعد شایع کی، اور پھر چھ سال بعد بھگوت گیتا کا ترجمہ شائع کیا، اس کے بعد اور کتابون

کے ترجمے بھی انگریزی زبان مین کئے گئے لیکن یہ امتیاز سر ولیم جونس (Sir W. JONES) جج عدالت العالیہ کلکتہ کو نصیب ہوا کہ اس نے ہندوستان کے علوم قدیمہ کی تحقیق و تفتیش کو ایک منظم اور باقاعدہ صورت مین قائم کر دیا، ۱۷۸۴ء مین اس نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی بنیاد رکھی، اس سوسائٹی نے فوراً ہی علمی تحقیق کا کام شروع کر دیا اور مختلف شعبون مین بہت نمایان ترقی حاصل کی، تقریباً بیس سال بعد ایسی ہی سوسائیٹیان بمبئی، مدارس اور پیرس مین بھی قائم ہوگئین، ۱۸۲۳ء مین کول بروک (COLEBROKE) نے جو تیس سال تک ہندوستان مین بسلسلہ ملازمت رہ چکا تھا، انگلستان واپس پہونچ کر رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ قائم کی، ہندوستان کے قدیم کتبون کی تحقیق مین بھی انگریزون نے بہت نمایان حصہ لیا خصوصاً اجنٹا، الیفینٹا، الورا اور کھنڈ اگیری کے غارون مین جو آثار قدیمہ دستیاب ہوئے وہ زیادہ تر ان ہی کی کاوشون کا نتیجہ ہین،

انجیل کی ایک جدید تدوین

عنقریب مطبع شکاگو یونیورسٹی سے انجیل کا ایک جدید نسخہ شایع ہونے والا ہے جس کی زبان موجودہ نسخہ کے مقابلہ مین زیادہ سہل اور آسان ہوگی، اب تک تین سو سال سے زیادہ سے جو نسخہ انگریزی زبان مین رائج ہے، وہ شاہ جمیس (انگلستان) کا تیار کردہ ہے، اور اپنی سلاست کی وجہ سے نہایت مقبول عام ہے، لیکن امریکہ کے بعض اہل قلم کے نزدیک اس کی زبان کو سہل تر بنانے کی ضرورت ہے، یہانتک کہ آٹھ سال کا بچہ بھی آسانی کے ساتھ اسے پڑھ اور سمجھ سکے، چنانچہ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھکر یہ نسخہ تیار کیا گیا ہے، اس کی تیاری مین آٹھ ہزار قلمی نسخون سے مدد لی گئی ہے،

"ع ز"

ادبیات

کلامِ طاہر

از

جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان صاحب طاہرؔ

آباد ہے دنیائے تمنا مرے آگے
خود میری ہی ہستی ہے تماشا مرے آگے

اک معجزۂ زندہ ہے قرآن کا مرے پاس
شرمندہ ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے،

ہین کیفِ مے ذات سے وہ مستِ ازل ہون
قلقل نہین کرتا کبھی مینا مرے آگے

ہے کعبۂ مقصود مرا منزلِ جانان،
ہین سنگِ نشان دیر و کلیسا مرے آگے

ہے حسنِ تعین سے کہین ارفع و اعلیٰ
افسانہ ہے اک محمل و لیلیٰ مرے آگے

چھایا ہے نظر مین رخِ پرنور کا جلوہ
خورشید ہے ہر ذرۂ صحرا مرے آگے

ہے مے کا تصور بھی مے عشق کی توہین
لائے نہ کوئی ساغر و مینا مرے آگے

دنیا کو پلٹ دیتی ہے تاثیرِ محبت
اک وہم ہے ماہیتِ اشیا مرے آگے

کہتے ہین جسے جلوہ وہ خود حدِ نظر ہے
اک پردہ ہے، ہر دیدۂ بینا مرے آگے

طاہر ہے ہر اک نشۂ اغراض مین سرمست
میخانہ سے کچھ کم نہین دنیا مرے آگے

فکرِ عزیز

از جناب محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

کس کس انداز سے ہوتے ہیں وہ پنہاں ہم سے
دیکھ لیتے ہیں مگر آئینہ ساماں ہم سے

ایسا تاریک ہوا قالبِ انساں ہم سے
روح سے ہم ہیں خجل روح پشیماں ہم سے

دیر و کعبہ کی دوراہی ہیں گریزاں ہم سے
کفر آزردہ ہے اسلام پشیماں ہم سے

شکنیں دامنِ ایماں کی مٹائے نہ مٹیں
چین برابر دہے ہر اک آیتِ قرآں ہم سے

جادۂ کفر بنائی گئی سر منزلِ دوست
شکوہ کرتا ہے یہ زنّار رگِ جاں ہم سے

پھر کرینگے ہمیں اس رسمِ کہن کو تازہ
طور پھر ہوگا، کبھی شعلہ بداماں ہم سے

آئینہ خانے ہیں اے زلف بنانیوالے
دیکھے جاتے نہیں اب خواب پریشاں ہم سے

دل لیا، دین لیا، پھر بھی نہ بدلے تیور
یہ نگاہیں تری غارتگرِ ایماں ہم سے

بجلیاں ٹوٹ پڑینگی دلِ بیتاب ابھی
ہل بھی جائیگا اگر پردۂ ایواں ہم سے

صبحِ محشر ہو بپا ظلمتِ دنیا چھوٹے
کیوں چھڑاتے ہو ابھی گوشۂ داماں ہم سے

خونِ گلرنگ بہا دیدۂ تر سے اکثر
بارہا فاش ہوا رازِ گلستاں ہم سے

نہ چلا فطرتِ مجبور پہ قابو نہ چلا
آہ پامال ہوئی رفعتِ انساں ہم سے

ضبطِ وحشت کا زمانہ نہیں دشوار ہوا اب
خندۂ زیرِ لب و گریۂ پنہاں ہم سے

ہیں خس و خارِ نشیمن ہیں بہت کچھ دعوے
لے ملائیں تو نوا سنج گلستاں ہم سے

جھٹکے ہچکی نے دیئے روح عرق ہوکے بہی
جب کھلا ہے کہیں قفلِ درِ زنداں ہم سے

سانس لینے ہیں اب اڑتی ہیں لہو کی چھینٹیں
کیا چھپاؤ گے چھپے کاوشِ مژگاں ہم سے

یادِ ایام طرب خیز کہ زندہ تھے عزیز
کم تھے اس میکدے مین مست و غزلخوان ہم سے

تجلیات

از جناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی ایم اے ال ال بی، سیالکوٹ

دیر و حرم سے بے نیاز ہی جو ترا آشنا ہوا — اسکو کسی سے کیا غرض اجسکا تو مدعا ہوا
شوکتِ دو جہان مرے پاؤن مین ہو گری ہوئی — کونسی بارگاہ مین! سر ہے مرا جھکا ہوا
اس کی نظر مین ہیچ ہین قیصر و جم کی عظمتین — وہ تو ہے سب کا آسرا جسکا تو آسرا ہوا
سرحدِ عقل سے پرے، رفعتِ عرش سے بلند — جانے کہان نکل گیا مین تجھے ڈھونڈتا ہوا
تم تو نگاہ پھیر کر ناز سے مسکرا دیئے، — شیشۂ آرزو مگر ٹوٹ کے کیا سے کیا ہوا
کشتیِ زندگی مری چھپ تو گئی نگاہ سے — یہ نہ کبھی کھلا مگر حشر پھر اس کا کیا ہوا
بزمِ جہان کا حسن ہی موجِ طلسمِ رنگ و بو — دیدۂ شوق یکبار[1] تارکِ ماسوا ہوا
گلکدۂ بہار یا میکدۂ جمال ہے، — آپ سے کھو گیا ہون مین حسن کو دیکھتا ہوا

یہ بھی عجیب راز ہے میری حیات کا اثر
مائلِ کشمکش ہون مین جبر کو جانتا ہوا

[1] معارف:- بعض اہل عروض اسکو جائز نہین رکھتے،

مطبوعات جدیدہ

آخری نبی، آنحضرت اور سرکار کا دربار از جناب الیاس احمد صاحب مجیبی فرخ آبادی حجم بہ ترتیب ۸، ۴۸، ۴۰ اور ۴۸ صفحات تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی بچون کے مناسب قیمت بہ ترتیب ۴ر ۶ر اور ۱۰ر پتہ:۔ دفتر سرکار کا دربار نامپلی حیدر آباد دکن،

مسلمان بچون کے لئے ایسی مذہبی کتابون کی عام اشاعت کی ضرورت ہے، جو سہل اور آسان زبان مین لکھی گئی ہون، اور آج کل کی ضرورت کے مطابق ہون جناب الیاس احمد صاحب مجیبی کو چند سال سے اس کا احساس ہوا ہے اور ان کے قلم سے اس قسم کے مختلف رسالے نکلے ہین جنمین سے آخری نبی، آنحضرت اور سرکار کا دربار اس وقت پیش نظر ہین، ان مین آنحضرت صلعم کے حالات طیبہ موثر انداز مین بچون کی عقل وفہم کا لحاظ رکھتے ہوئے بیان کئے گئے ہین، رسالہ "آخری نبی" بالکل کم سن بچون کیلئے ہے، پھر "آنحضرت" اور اس کے بعد "سرکار کا دربار" بڑے لڑکون کے لئے ہے، یہ رسالے بچون مین رائج کرنے کے لایق ہین،

تذکرۂ پاک، از مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب رحمانی حجم ۱۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی معمولی کاغذ اچھا قیمت ۱۲ر، پتہ:۔ حکیم محمد ابراہیم صاحب رحمانی محلہ خلیفہ باغ بھاگلپور،

مولوی حکیم محمد ابراہیم صاحب رحمانی کی کتاب حیات المفسرین کا سال گذرے ان صفحات مین تذکرہ کیا جا چکا ہے "تذکرۂ پاک" اسی کا دوسرا حصہ ہے، جسمین شیخ محی الدین ابن العربی کے حالات وسوانح کسی قدر تفصیل سے اور چند دوسرے مفسرین وعلماء کے حالات اجمال کے ساتھ بیان کئے گئے ہین،

ہندو اور عیسائیون کے لئے ایک کتاب، مرتبہ مولوی ابو محمد مصلح صاحب ناشر دفتر قرآنی تحریک، حیدر آباد دکن، حجم ۱۲۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی کاغذ اوسط درجہ، قیمت ۸ر

یہ رسالہ سلسلۂ اشاعتِ قرآن کی ایک کڑی ہے، جسمین اولاً نفس مذہب پر اصولی حیثیت سے گفتگو کی گئی ہے اور پھر ہندو اور عیسائی مذہب کی اخلاقی تعلیمات پیش کرکے قرآن کی اخلاقی تعلیمات بتائی گئی ہین، اور پھر تفصیلی طور پر اسلام کو قرآن مجید کے اقتباسات کے ذریعہ سے سمجھایا گیا ہے، رسالہ مفید ہے، اور مسلمانون اور غیر مسلمون مین اشاعت کے لائق ہے،

فیض میر، مرتب جناب پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے، حجم ۶۵ صفحے کاغذ اور لکھائی عمدہ، چھپائی معمولی، مجلد، ناشر انجمن اردو لکھنؤ،

میر تقی میر کی تصنیفات مین ایک رسالہ "فیض میر" کا نام آتا تھا، اس کو پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی (لکھنؤ یونیورسٹی) نے تلاش اور جستجو کے بعد مرتب کرکے شایع کیا ہے، میر نے یہ رسالہ اپنے لڑکے میر فیض علی فیض کے لئے سہل و آسان درسی زبان فارسی مین لکھا تھا، رسالہ کل پانچ حکایتون پر مشتمل ہے، جنمین میر صاحب نے خود اپنے حوالہ سے مختلف بزرگون اور درویشون کی حکایتین لکھی ہین، مرتب نے اپنے مقدمہ مین رسالہ کے حالات پر روشنی ڈالی ہے، اور پھر آسانی کے لئے ان فارسی حکایتون کو اردو مین ترجمہ بھی کردیا ہے، بزرگون کی ہر چیز تبرک ہوتی ہے، اس لئے یہ تبرک بھی زیارت کے قابل ہے،

اقوال نپولین، مترجمہ مولوی فضل قدیر صاحب ظفر ندوی ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول کیتھل پنجاب ناشر میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز تاجران کتب انار کلی لاہور، حجم ۲۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۰/ر،

نپولین کی زندگی اور اس کی سیرت پر یورپ کی مختلف زبانون مین بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور اسکی سیرت کے مختلف پہلوون پر آج تک تحقیقات ہو رہی ہے، لیکن ابھی تک کسی نے اس کے سوانح حیات مین سے اُس کے اقوال کو چن چن کر الگ کرنے کا فرض انجام نہین دیا تھا، کہ اس آئینہ مین اس کی سیرت کے تمام خط و خال صحیح طور پر نمایان ہوتے، اس ضرورت کو سب سے پہلے ایک مصری اہل قلم نے محسوس

کیا، اور کلماتِ نابولیون کے نام ایک مختصر رسالہ مرتب کیا ہو لوی فضل قدیر صاحب نے اسی رسالہ کو اردو مین منتقل کیا ہے، رسالہ اگرچہ نپولین کے تمام اقوال پر مشتمل نہین لیکن اچھا خاصہ حصہ اس مختصر رسالہ مین جمع ہوگیا ہے، ابتدا مین ایک مختصر باب مین نپولین کے سوانح حیات بھی درج ہین، ترجمہ صاف اور سلیس ہے،

مرشد المبتدی الی اللسان العربی (جزء اول) تالیف جناب ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ ایم اے پی ایچ ڈی ناظر مدرسۂ عالیہ اسلامیہ کراچی حجم ۹۰ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین، پتہ:۔ قاضی عبد الرزاق احمد معلم العربیہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی

جناب ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ ایم اے پی ایچ ڈی (حال پروفیسر اسماعیل کالج بمبئی) نے چھوٹے بچون کو آسان عربی سکھانے کے لئے یہ ابتدائی رسالہ لکھا ہے، جسمین جدید طریقۂ تعلیم کے اصولون پر مختلف مشقون مین اسباق تقسیم کئے گئے ہین، اور انھین مشق و تمرین کے ذریعہ پڑھانے کی ہدایت کی گئی ہے، یہ رسالہ ۳۶ مشقون پر مشتمل ہے، جن مین حروف تہجی سے چھوٹے چھوٹے جملون کے ترجمون تک اسباق قلمبند کئے گئے ہین، رسالہ مدارس مین رائج کرنے کے قابل ہے،

مآثر الشعراء، مرتبہ جناب نصیر علوی حجم ۱۵۹ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت ۸؍ ناشر مشاعرہ کمیٹی مین پوری (یوپی)

مین پوری مین ایک بزم مشاعرہ قائم کی گئی ہے، جس کے زیر اہتمام سالانہ مشاعرے منعقد ہوتے ہین، چنانچہ اسی بزم کا پہلا مشاعرہ ماہ اپریل ۱۹۳۰ء مین منعقد ہوا تھا جسمین ملک کے بعض ممتاز شعرانے بھی شرکت کی تھی، اسی مشاعرہ کی تمام غزلین اور نظمین بہ ترتیب حروف تہجی بہ ترتیب اقسام کلام مآثر الشعراء کے نام سے شایع کی گئی ہین، نیز اکثر شعراء کے مختصر حالات زندگی بھی بطور تذکرہ پیش کئے گئے ہین، اور تمہید و تعارف مین بزم مشاعرہ کی روداد درج کیگئی ہے، اس رسالہ سے مشاعرہ کی وقتی دلچسپیان مستقل طور پر یادگار رہنگئین، ارباب بزم اس ادبی خدمت پر شکریہ کے مستحق ہین،

طائر خیال، از جناب سدرشن حجم ۲۷۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ کاغذ عمدہ

قیمت ؎ پتہ:- سدرشن پبلشنگ ہوس لاہور،

جناب سدرشن اس وقت اردو کے مختصر افسانہ نگارون مین ممتاز درجہ رکھتے ہین، طائر خیال انکے مختصر افسانون کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے، اس مین کل ۱۱ افسانے ہین، جو قریب قریب سب کے سب اچھے اور پڑھنے کے لایق ہین،

اوراق پریشان، از جناب محمد صادق حسین صاحب بی اے علیگ حجم ۱۶۸ صفحے تقطیع چھوٹی

لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ قیمت مجلد عہ، پتہ صفدر حسین صاحب ادریس گنج ہردوئی (اودھ)

جناب محمد صادق حسین صاحب بی اے علیگ کے مختلف مضامین کا مجموعہ اوراق پریشان کے نام سے شایع ہوا ہے جو مختلف رسالون مین شائع ہوئے تھے، ان مضامین مین بعض افسانے ہین، اور ادبی و تنقیدی مباحث پر مشتمل ہین،

غنچۂ تبسم، از جناب سید تمکین صاحب کاظمی، منشی فاضل ایم اے، (؟) ایس بی کلکتہ (؟) وغیرہ

۱۹۶ صفحے تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اوسط درجہ، کاغذ اچھا قیمت عکر، پتہ:- مکتبہ ابراہیمیہ

اسٹیشن روڈ حیدر آباد دکن،

جناب سید تمکین صاحب کاظمی نے اپنے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ "غنچۂ تبسم" کے نام سے شایع کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مین جناب نیاز فتحپوری، جناب احسن مارہروی، جناب ملا رموزی، ضیاء الملک فاضل الہیات ایم آر اے ایس (لندن) ایم ال ایس (امریکہ) اور عبد المنعم صاحب سعیدی بی اے علیگ کے کئی کئی صفحون کے دیباچے مختلف عنوانون سے ہین، پھر مضامین شروع ہوتے ہین جو تعداد مین ۱۹ ہین، آج کل ظرافت آمیز مضامین مین مضمون نگار بالعموم اپنے ذاتی حالات اور نجی تذکرون کو کسی نہ کسی طرح مضامین کا جزو بنایا کرتے ہین، یہ خصوصیت اس مجموعہ کے دیباچہ اور مضامین دونون مین نمایان نظر آتی ہے،

الترجمۃ العربیہ، از مولوی مسعود عالم صاحب ندوی اوگانوی، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۴؍ پتہ:۔ مولوی سید مطیع الرحمن صاحب ہوٹل لکھنو،

مولوی مسعود عالم صاحب ندوی نے نومشق طلبہ کے املا کی مشق کے لئے یہ رسالہ لکھا ہے، جو ۲۸ مشقون مین تقسیم ہے جن مین نحوی قواعد کی ترتیب سے بچون کو اردو سے عربی اور عربی سے اردو املا مشق کرانے کے لئے مفرد و مرکب الفاظ اور جملے بہ ترتیب درج کئے گئے ہین، اور آخر مین چھوٹے چھوٹے خطوط پر رسالہ ختم کیا گیا ہے ایک فرہنگ بھی منسلک ہے، جسمین مشقون کے مشکل الفاظ حل کئے گئے ہین، بچون کی صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم کے وقت اس رسالہ سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے،

انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ مترجمہ جناب شیخ حسام الدین صاحب بی، اے حجم ۱۱۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت تقریباً عمر و عہ، پتہ:۔ شیخ حسام الدین بی اے، ذوالفقار گنج لدھیانہ (پنجاب)

ہندوستان کے مشہور انقلاب ۱۸۵۷ء پر مختلف انگریز اہل قلم نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے کتابین تالیف کی ہین جن مین بیشتر ایسی ہین جنمین انگریزون کے مظالم کی پردہ پوشی کرنے کے بعد ہندوستانیون کے مفروضہ انسانیت سوز مظالم دکھائے گئے ہین، اور اس طرح یورپ کو ہندوستان سے بدظن کرنے اور ہندوستان مین برطانوی حکومت کو مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن زیر نظر کتاب" انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ" دورِ حاضر کے ایک انگریز اہل قلم ایڈورڈ ٹامس کے قلم سے نکلی ہے جس مین ہندوستان مین موجودہ تحریک وطنیت کی ترقی کے امکانات بتاکر انگریزون کو اس پر ہمدردانہ غور کرنے کی دعوت دیگئی ہے، اور اسی کو پوری طرح سمجھانے کیلئے انقلاب ۱۸۵۷ء پر ایک جدید روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس ضمن مین انقلاب کے اسباب و علل، واقعات کی تحقیق انگریز مورخین کے غلط پروپگنڈے کی تردید اور پھر انقلاب مین ہندوستانیون کی ناکامی کے اسباب بتائے گئے ہین، یہ کتاب جن جذبات کے ساتھ تالیف ہوئی ہے، ان کے اثرات کے لحاظ سے ایک حد تک غیر جانبدارانہ موگئی

تصنیف کہی جاسکتی ہے، اگرچہ استنباطِ نتائج وغیرہ مین پھر بھی کہین کہین قلم مین لغزش آگئی ہے، جس کی لائق مترجم نے اپنے تعلیقات مین کسی نہ کسی حد تک تصحیح کردی ہے، اس کتاب کی تلخیص کی اشاعت کا سلسلہ الہلال کلکتہ کے دورِ جدید مین مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی کے قلم سے نکلنا شروع ہوا تھا، جو الہلال کے بند ہوجانیکے بعد موقوف ہوگیا، اور اب شیخ حسام الدین صاحب بی اے نے تلخیص کے بجائے اس کے مکمل ترجمہ کی مفید خدمت اپنے ایامِ اسیری مین انجام دی ہی، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور روان ہی، ابتدا مین مولوی عبد الرحیم خان پوپلزی پشاور کے قلم سے ایک مقدمہ ثبت ہی، جسمین کتاب پر تبصرہ کیا گیا ہے، امید ہو کہ اردو دان طبقہ اسکے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیگا،

انگریزی افسانے، مرتبہ جناب عبد القادر صاحب سروری ناشر انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن، حجم ۳۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ

مکتبہ ابراہیمیہ نے "دنیا کے شاہکار افسانے" کی اشاعت کا جو سلسلہ جاری کیا ہے، اس کا یہ دوسرا حصہ ہے، جسمین انگریزی زبان کے کل ۱۴ منتخب و مختصر افسانون کا ترجمہ کیا گیا ہی، ہر افسانہ کی ابتدا مین افسانہ نگار اور افسانہ کا مختصر تعارف درج کیا گیا ہے،

ہندو اخلاقیات، مترجمہ مولوی غلام ربانی صاحب مدرس مدرسہ نارمل اسکول اورنگ آباد، پتہ نیز دوست اینڈ کو کتب فروش ریزیڈنسی بازار حیدرآباد دکن، ضخامت ۱۴۳ صفحات، قیمت عہ

جناب جی لے جینڈ اور کر صاحب بی اے ایم آر اے ایس نے انگریزی زبان مین ایک کتاب ہندو اخلاقیات پر تالیف کی ہے اسی رسالہ کا اردو ترجمہ خود مصنف کی فرمائش سے مولوی غلام ربانی صاحب نے کیا ہی، ترجمہ نہایت صاف سلیس اور روان ہی، کتاب پندرہ ابواب پر منقسم ہے، جنمین وید، اپنشد، شاستر، گیتا اور ہندو مذہب کے مشہور بزرگون کے اخلاقی عقائد و تعلیمات کو پیش کیا گیا ہی، ابتدا مین مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی کا ایک مختصر تبصرہ ہے، اور ہمین موصوف کے اس تبصرہ سے اتفاق ہے کہ "ہند کے قدیم فلسفے مین بلند سے بلند اور پست سے پست عقائد موجود ہین، مصنف نے اسی انبار سے بلند معیار اخلاق و عقائد کا ایک عمدہ مرقع انتخاب کرلیا ہے،" "ر"

جلد سی و نہم | ماہ شوال المعظم سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۷ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

قدیم اور جدید کی جنگ دنیا مین ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گی، لیکن کیا کبھی اسپر غور کیا گیا کہ قدیم وجدید دونون حقیقی نہین، بلکہ اضافی نسبتون مین سے ہین، ہر قدیم اپنے اگلے کے لحاظ سے جدید، اور ہر جدید آیندہ کے لحاظ سے قدیم ہے عہدِ شاہجہانی کا طور وطریق، تہذیب وتمدن، لباس وپوشاک، اور طرزِ عمارت اپنے زمانہ مین کتنا پسندیدہ، معیاری اور مقبول ہوگا، لیکن محمد شاہ رنگیلے کے عہد مین وہی بھدا، نازیبا اور ناپسندیدہ ٹھہر گیا ہوگا، پھر ابتدائی انگریزی عملداری مین انگریزی لباس کس قدر ہندوستانیون کو ناپسندیدہ، غیر دلکش، بلکہ بدنما، اور بدتہذیبی اور بے شعوری کا مرقع نظر آتا ہوگا، بالآخر پچیس تیس برس مین وہ تہذیب وشرافت، اور بڑی سوسائٹی کا نشان امتیاز اور طریق حصول اعزاز بنگیا، اب اگر عہدِ شاہجہان کا کوئی وضعدار امیر اپنی پگڑی، جامہ اور گھتلے جوتون مین ہمارے سامنے آئے تو ہم اسکو کیا سمجھین، تو آج آپ جس کو جدید سمجھ کر خوش ہو رہے ہین اور جس کو عقل ودانش، فضل وکمال اور تہذیب وتمدن کا معیار سمجھتے ہین، اس کی زندگی بھی کتنے روز کی ہے، پھر یہ قدیم وجدید کی جنگ کتنی بے معنی ہے،



جدید ہی کو لے لیجئے انگریزی طرز ولباس کو پچاس ساٹھ برس سے تو ہندوستانی بھی برت رہے ہین، مگر کیا اس جدید کے بعد جدید تر، اور جدید تر کے بعد جدید ترین وضع وقطع اور تراش وخراش کیسی نمایان ہے، سر کے بالون کی وضع، کوٹ کی شکل، پتلون کی کاٹ اور داڑھی مونچھ کی ہیئت ہر چند سال کے بعد بدل جاتی ہے، اور نئی شکل ووضع کے سامنے اس سے ذرا پرانی شکل ووضع کس نظر سے دیکھی جاتی ہے، تو اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چ

کہ صرف کسی چیز کا جدید ہونا کسی معنوی خوبی کی ضمانت نہین، اور نہ کسی چیز کا قدیم ہونا اس کی اصلی برائی کا مرادف ہو یہ بازیگر قدرت کے تماشے ہین، اور ہم کاٹھ کی پتلیان اپنے اپنے لباس و شکل پر اسقدر اترا رہے ہین کہ گویا ہم خود اسکے خلاق وصانع ہین، کیا کسی تماشاگاہ کے ایکٹر اپنے مصنوعی عاریتی لباس و شکل پر اگر فخر کرین تو اس کو کوئی ذی ہوش کبھی پسند کر سکتا ہے،

ازروی حقیقتی نہ ازروی مجاز ما لعبتگانیم و فلک لعبت باز
بازیچہ ہمی کنیم بر نطع وجود رفتیم بصندوق عدم یک یک باز

کسی چیز کے حسن و قبح کے پرکھنے مین ہم ہمیشہ یہ دھوکا کھاتے ہین، کہ پسند تو اپنی آنکھون سے کرتے ہین اور اس قابل پسند ہونے کی اہلیت ہم خود ان اشیار مین یقین کرتے ہین، حالانکہ حسن و قبح، بالذات اشیار مین نہین، بلکہ خود ہماری آنکھون مین ہی، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مغل دربار کا کوئی وضعدار امیر اپنے زمانہ مین کوئی بدصورت اور بدنما لباس و وضع اختیار کرتا تھا، وہ تو اپنے زمانہ کا انتہائی فیشن ایبل حسین وجمیل ہی لباس پہنتا تھا، مگر آج وہی وضعدار امیر کسی جادو کے منتر، یا اعجاز مسیحائی سے زندہ ہو کر، لال قلعہ سے نکل کر نئی دہلی کی کسی سڑک پر کھڑا ہو جائے تو کیا وہ تماشا نہ بنجائے گا، اور اس زمانہ کا فیشن ایبل جنٹلمین اس کو دقیانوسی تصور کر کے ذلیل وحقیر تصور نہ کریگا، اس سے آجکل کے فیشن ایبل یہ یقین کرین کہ آج جو گت اس مغل دربار کے وضعدار امیر کی ہوئی ہے، کل وہی گت اس عہد کے فیشن ایبل نوجوانون کی بنے گی، اور کل کی نئی دہلی مین ان کی حیثیت اسی پرانی وضع کے مجرم کی ہوگی،

ظاہری لباس و وضع کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے، یہی حال اندرونی افکار وخیالات کا بھی ہو، وہ بھی ہر عہد مین نئے، اور ہر زمانہ مین متغیر ہوتے ہین اور جسطرح ہر زمانہ مین جو لباس و وضع مقبول ہو جاتی ہے، اسکی قبولیت کی دلیل عقلی نہین ہوتی، بلکہ سراسر زمانی ہوتی ہے، یعنی وہ حسن اشیار مین نہین ہوتا، بلکہ اس زمانہ کے دیکھنے والون کی آنکھون

مین ہوتا ہے، اسیطرح ہر زمانہ مین جو خیالات پھیل جاتے ہین، وہ نظری ہونے کے باوجود بھی اس زمانہ مین بالکل بدیہی معلوم ہونے لگتے ہین یا اینہمہ ان خیالات کی جدت، ان کے عقلی، اور مبنی برحکمت ومصلحت ہونے کی شہادت نہین، اس لیے صرف جدید اور نیا ہونا، یا کسی عہد مین رواج پذیر اور شائع ہونا کسی اندرونی خوبی کی قطعی دلیل نہین ع

بیا و یکدمے تو در کمین خود بنشین،



پھر کیا ابدی ودائمی حقیقت کوئی چیز نہین، اور ہر چیز تغیرات زمانہ کے نظر فریب طلسمی وجود سے زیادہ وقعت نہین رکھتی؟ اس کا جواب آپ کو ابھی مل جائیگا، ان نت نئے تغیرات، اور دم بدم بدل جانے والے اشکال وصور کیساتھ ساتھ ایک دائمی حقیقت بھی ہمیشہ موجود ہے، وضعین بدلتی ہین، شکلین مٹتی اور بنتی ہین، تراش وخراش بگڑتی اور بنتی ہے، مگر ایک چیز ان تمام تغیرات کے اندر یکسان قائم ہے، اور وہ سردی اور گرمی سے بچاؤ اور بعض اعضاء کی پوشش کا خیال، یہی غیر متغیر اور غیر متبدل خیال، لباس کی حقیقت ہے، جو ہزار تغیرات کے باوجود بھی قائم ہے، اور وہی غیر متغیر حقیقت اہل نظر کی نگاہون مین لحاظ کے قابل ہے، اسی اصول کو باطنی خیالات وافکار کی حقیقت رسی مین کام مین لاسکتے، اور حقیقت اور فریب کے درمیان فرق کرسکتے ہین، اور کتنے خوش قسمت ہین جو اس راستہ سے مجاز کے فریب سے نکل کر حقیقت کی منزل تک پہنچے ہین،

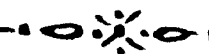


فروری کے اواخر مین مین نے ایک خاص غرض سے دہلی کا سفر کیا، وہان میری ملاقات ایک نئی وضع کے پیر کہن سال سے ہوئی، یہ بزرگ آج سے تیس ۳۰ برس پہلے لکھنؤ کی ایک بڑی کوٹھی مین "اپ ٹو ڈیٹ" کونسلر کی حیثیت سے رہتے تھے، اور ظاہری ومعنوی دونون حیثیتون سے اپنے زمانہ کے بہترین تعلیم یافتہ فیشن ایبل تھے، اور وہی ان کے مشاغل بھی تھے، وہی خیالات تھے، وہی اعمال بھی تھے، لیکن اب جو ان کو دیکھا، تو ان کی جدید وضع وقطع اس عہد مین پرانی ہو چکی تھی، اور جن خیالات کو وہ اپنے زمانہ مین یقینی جانتے تھے وہ تمامتر فرسودہ ہو چکے تھے،

کوٹ پتلون کے باوجود اُن کے دل کی ہیئت بدل چکی تھی، اللہ اکبر کفر و اسلام کا کیسا انقلاب تھا، وہ پیشانی جو کبھی جھکی نہ تھی، ہر پانچ دفعہ خدا کے آگے جھک رہی تھی، وہ روزے جو کبھی جوانی کی قوت مین کمزوری و نقاہت کا باعث سمجھے جاتے تھے، وہ اب پیری کی کمزوری مین نئی قوت کا سبب تھے، قرآن پاک کا مطالعہ انکا دلچسپ مشغلہ تھا، اور اس سے بڑھکر حکمت کا کوئی صحیفہ ان کی نگاہ مین نہ تھا، اسکی آیتین ہر موقع کلام پر لبون پر تھین، اور ہر وہ چیز جو پہلے قابلِ اعتراض تھی، اور مضحکہ انگیز نظر آتی تھی، اب عین مصلحت اور سنجیدہ معلوم ہوتی تھی، اس انقلاب حال پر آج کے نوجوان غور کرین اور سمجھین کہ آج کے ممکن و محال کی منطق کل فریب نظر سے زیادہ قابل وقعت نہ ٹھہریگی، اور غیر متغیر حقیقت اس کے ماورا نظر آئے گی،



آج ہر نوجوان جو کسی بلند سرکاری منصب کا امیدوار ہو، اپنی ترجیح کے وجوہ و اسناد مین ایک بڑی چیز خاندانی عزت واحترام، اور موروثی جاہ و اعزاز کو قرار دیتا ہے، کیون مسلمان نوجوانو! تمھارے جدید علمی مناصب کے دعووٰن مین تمھارے خاندانی اعزاز اور موروثی جاہ واحترام کی دفعہ بھی شامل ہے؟ ہم نے مانا کہ آج تم ہیئت کے مسلم الثبوت استاد اور کمیسٹری کے مایۂ ناز محقق ہو، مگر کیا تم دنیا کے بازار مین نو دولتون کی عزت رکھتے ہو، یا وہ سپوت ہو، جو بزرگون کی موروثی دولت اور کمائی کو بڑھا کر اس رتبہ کو پہنچے ہو،



ہم اگر ہندوون کی مثال دینگے تو ہمارے غیر تمند احباب برا مانین گے اس لیے اُودھر اشارہ کئے بغیر پوچھنا چاہتے ہین، کہ تم نے اپنے ذاتی اعزاز کے حصول کی کوششین توکین مگر اپنے خاندانی و قومی اعزاز کی خاطر کیا کیا، کیا اپنے نئے علم کے زور سے اپنے بزرگون کے علمی جواہر کو قدامت کے گرد و غبار سے جھاڑ کر اس عہد کے شیشہ مین رکھکر پیش کیا ہے، اور اس طرح اپنے وجوہ استحقاق کی قدیم ترین سند تمنے حاصل کی؟ یا محض قدیم کو قدیم سمجھکر باطل سمجھتے، اور ناقابل التفات تصور کرتے ہو؟



اسلامی کیمیا، اسلامی علم ہیئت، اسلامی طبیعیات اور دیگر اسلامی فنون کی حقیقی صورت و شکل موجودہ وضع و ہیئت

مین تم نے دنیا کو دکھا کر اپنا قدیم اعزاز حاصل کیا ہے؟ تم نہین کر رہے ہو، اور دوسرے کر رہے ہین، قدیم ترین ہندو اپنے کو جدید ترین ثابت کر رہے ہین آج کونسا اُن کا علم ہے جس کو نئی صورت مین سجا کر دنیا کے سامنے انھون نے پیش نہین کیا، اور اس طور سے ہر ترقی کا اپنے کو قدیم خاندانی اہل ثابت کیا ہے، اور ہم ابھی تک نشۂ جدید مین ایسے سرست ہین کہ اپنے بزرگون کی خاندانی قدیم اشیا کو ہاتھ لگانے کے قابل بھی نہین سمجھتے،

ہم اپنی سب سے بڑی نئی قومی درسگاہ مین اپنے پرانے خزانون کی کس مپرسی کا جب حال سنتے ہین، تو افسوس آتا ہے، ہماری اس درسگاہ کی ایک دیرینہ آرزو تھی کہ وہ ابوریحان بیرونی کی **قانون مسعودی** نامی ایک ہیئت وریاضی جغرافیہ کی کتاب کو شائع کرے، سالہاسال اس کی کوششین رہین، ہزارون روپیے اس پر صرف ہوئے، اور بالآخر بارہ[۱۲] برس کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ "آن دفتر را گاؤ خورد، وآن گاؤ را قصاب برد" اصل قیمتی نسخہ ایک بوالہوس کی معرفت علیگڈہ سے برلن پہنچ گیا، اور سنا ہے کہ وہان سے اس کا کچھ حصہ چھپکر شائع ہوا ہے،

ایک نوجوان فاضل طبیعیات کو جو مسلمانون کے علم ہیئت پر کوئی محقق کتاب لکھنا چاہتے ہین، اس علم پر قلمی کتابون کی ایک ایسی فہرست کی تلاش ہے، جسمین مصنف کا نام، تصنیف کا نام، سنہ، اور کتاب کا مقام درج ہو، اور وہ اس سلسلہ مین بذریعۂ معارف یہ اعلان کرتے ہین، کہ اس موضوع پر بہترین مضمون نگار کو ایک طلائی تمغہ یا ایک گنی کا انعام دینگے، یہ مضامین دفتر معارف مین بھیجے جائین، اور یہین سے فیصلہ ہوگا، انعام گو اہم چیز نہین، مگر اس وسیلہ سے اگر یہ قلمی سرمایہ فراہم ہو جائے تو یہ بجائے خود کتنا بڑا انعام ہے،

دائرۃ المعارف کے فاضل رفیق مولوی سید ہاشم صاحب ندوی نے ایک بڑا اہم کام انجام دیا ہے، یعنی دائرہ کے حکم سے عربی زبان کے ہر علم وفن کے نادر قلمی نسخون کا نام ونشان دریافت کرکے کتاب النوادر نام ایک کتاب مین

جمع کیا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ نسخے کس کس کتبخانہ مین اس وقت موجود ہیں، یہ اہم علمی خدمت ایسی ہے کہ جس کے لیے تمام شائقین علم کو مؤلف موصوف اور دائرہ کا ممنون احسان ہونا چاہیئے،

ہمکو اسکے اظہار مین نہایت خوشی ہو کہ ملیبار کے مسلمانون کا جمود پچھلی خونین مظلومیت کے بعد بہت کچھ بدل رہا ہی اور انکو اپنی حالت کا احساس پوری طرح ہو رہا ہی، اور اس کے لیے وہ رفتہ رفتہ کوشش وجدوجہد مین مصروف ہو رہے ہین، انھین کوششون مین سے ایک کالی کٹ سے ایک مذہبی رسالہ "مارگدرسکن" کا اجراء ہی جسکے معنی "ہادی" کے ہین، اس رسالہ کے اجراء کے مقاصد دعوت اسلام، دفع الحاد، نشر اخلاق، رد اعتراض اور مدافعت اسلام ہین، امید ہو کہ رسالہ مذکور اپنی قوم مین پوری کامیابی حاصل کریگا،

اسی سلسلہ مین یہ جاننا بھی دلچسپ ہو کہ وہان اردو کے مفید رسالون اور کتابون کو ملیباری زبان مین ترجمہ کرنے کا خیال بھی روز افزون ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہی چنانچہ ٹراونکور کے اسلامی دار الاشاعت نے ابھی معارف کے چند مسلسل مضامین کا جو اہل السنۃ والجماعۃ کے عنوان سے الگ بھی رسالہ کی صورت مین چھپے ہین، ملیالم مین ترجمہ کیا ہے، یہ رسالہ اس دار الاشاعت کے منشورات کا تیسرا نمبر ہے،

مارچ کا ابتدائی ہفتہ ہمارے صوبہ کے مرکزی شہر لکھنؤ مین اسلئے خاص اہمیت رکھتا ہو کہ اسمین اعلحضرت ہز اگزالٹڈ ہائنس حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے اپنے ورود مسعود سے اسکو اعزاز بخشا، یہ واقعہ اس لحاظ سے تاریخی ہو کہ یہ پہلا موقع تھا کہ نظام الملک آصفجاہ کے جانشین نے صفدر جنگ اور آصف الدولہ کے جانشینون کے دار الحکومت کو شرف قدوم بخشا، سلطان دہلی کے یہ دو **وزیر الممالک** تھے جنمین سے ایک نے لفظی بادشاہ بنکر معنوی سلطنت کھوئی، اور دوسرے نے لفظی وزارت پر قانع رہ کر معنوی بادشاہی پائی، خلد اللہ ملکہ واقبالہ۔

ملک اودھ، بلکہ صوبہ متحدہ مین جو نوابون، تعلقدارون، اور خاندانی رئیسون کی سرزمین ہو اعلحضرت کی تشریف آوری نے جو فائدے پہنچائے انمین سے اہم ترین یہ ہو کہ ہندوستان کے اس سب سے بڑے والی ملک کی سادگی، بے تکلفی، تواضع اور خاکساری نے انکو بتادیا کہ بڑائی اور جلالت ظاہر مین نہین باطن مین ہو، ترفع اور تعالی مین نہین محبت اور شفقت مین ہو، فرمانروائے کشور دکن نے ایک ہفتہ تک لکھنؤ کے قلوب پر جو حکمرانی کی ہو وہ یادگار رہیگی،

مقالات

سرکارِ بھوپال کا عظیم الشان کارنامہ

ضابطۂ تحفّظِ حقوقِ زوجین،

والیانِ بھوپال کو اپنی تمام رعایا، اور عام باشندگانِ ریاست کی شفقت وعدل پروری کے علاوہ مسلمانون کے مذہبی کامون سے جو عقیدت وشیفتگی ہمیشہ رہی ہے، وہ محتاجِ بیان نہین، وہ ہماری کونسی مذہبی تعلیمی، علمی، اجتماعی، بلکہ سیاسی مشکل ہے، جو والیانِ بھوپال کی توجہ والتفات کے اشارون سے حل نہین ہوئی ہو،

ہندوستان مین مسلمان عورتون کو اپنی ازدواجی زندگی مین جو قانونی مصائب پیش آتے ہین انکا کوئی دفعیہ موجودہ حکومت کے قانون مین موجود نہین ہے، علماے اسلام مصلحینِ امت، اور اسلامی اخبارات نے بار بار حکومت کو متوجہ کیا، معارف نے مدت تک ایک سلسلۂ مضمون "حقوقِ نسوان" کے عنوان سے جاری رکھا، حکومت صوبہ مین اس کے متعلق بعض تجویزین شخصی طور سے پیش ہوئین، مگر ہنوز کامیابی نہین ہوئی جس کی تین وجہین ہین،

۱۔ موجودہ علماے اسلام کا مسائل مین عدم اتفاق،

۲۔ عوام کی طرف سے زبردست خواہش کا ہنوز عدم اظہار،

۳۔ حکومت کا واقعات سے تغافل،

اس سلسلہ مین حسب معمول اعلیحضرت ہزہائینس فرمانرواے کشور بھوپال نے اپنی موروثی مذہبی مذہبی کی بنا پر ادھر توجہ فرمائی اور علماے ریاست کو ایک ضابطۂ تحفظِ حقوقِ زوجین پر متفق کیا اور اپنی منظوری

خاص سے اپنی ریاست مین اس ضابطہ کو جاری فرمایا، ضرورت ہے کہ ہندوستان کے علماء و مصلحین ادھر توجہ فرمائین، اور اگر خود ہز ہائینس اپنی سرپرستی مین مشاہیر علمائے ہند کی ایک منتخب مجلس دلّی مین نامزد فرما کر اپنی صدارت مین اس کے چند اجلاس کرا کر اس ضابطہ کو اس لائق بنا دین کہ اس کا اطلاق کل ہندوستان پر ہو سکے، اور اس کے بعد عوام کی اپیل اور خواہش سے ان قوانین کو محمڈن لا مین جگہ دیجائے، تو یہ عظیم الشان کارنامہ ہندوستان مین مسلمانون کی نصف بے زبان آبادی کی دادرسی کا بہترین کفیل ہوگا، امید ہے کہ اسلامی اخبارات اس پر اپنی رائے کا اظہار فرمائین گے،

"سلیمان"

تمہید

ملک مین ایک عرصہ سے اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ جب کبھی نزاع باہمی اختلاف طبائع یا دیگر وجوہ سے مسلمان عورتین بدرجۂ مجبوری رشتۂ نکاح سے آزادی حاصل کرنا چاہتی ہین، تو ان کو ایسی ایسی دشواریان پیش آتی ہین کہ اُن کے سبب سے بسا اوقات نہ صرف اُن کی بلکہ ایک جماعت کثیر کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے، حالانکہ مذہب اسلام نے تمام افراد کے حقوق کا یکسان خیال رکھا ہے، اور ہر ایک کی جائز و بجا خواہشات کی مساویانہ و منصفانہ رعایت کی ہے، اور کبھی کسی حال مین کسی کی حق تلفی نہین فرمائی، اور اسی اصول کے مطابق فقہائے کرام نے بربنائے ضرورت و مصلحتِ وقت مذاہب اربعہ مین سے کسی ایک پر عمل کرنے کو جائز رکھا ہے، اور اسی لحاظ سے قبل ازین ریاست محروسۂ بھوپال مین ایک حکم نافذ و جاری ہو چکا ہے (حکم نمبر ۹ مورخہ ۲۱ رجب جمادی الاول ۱۳۲۳ھ ہجری مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۰۵ء مطبوعہ ہدایات سلطانی حصہ نمبر ۳) چنانچہ اس سے اس قسم کی مشکلات کا ایک حد تک حل ہوگیا، لیکن اسکے سوا اور بہت سی صورتین ہین جنکے تدارک مناسب کی ضرورت تسلیم کیگئی ہے،

چونکہ مذہب حنفی مین اس بات کی اجازت دیگئی ہے کہ باقتضائے ضرورت حاکم کے حکم کے مطابق[۵] دیگر ائمہ[۲] کے مسلک کو اختیار کیا جا سکتا ہے، اس اصول کے تحت مین حالات حاضرہ اور ضروریات موجودہ کی بنا پر

---

[۱] شامی جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۰۵ [۲] شامی جلد نمبر ۲،

بمنظوری اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ و بملحوظی احکام شرعیہ مندرجۂ ذیل ضابطہ منظور کیا جاتا ہے،

مختصر نام و تعلق نفاذ مع تاریخ نفاذ	دفعہ (۱) جائز ہے کہ یہ "ضابطہ" از نام تحفظ حقوق زوجین موسوم کیا جائے،

(الف) یہ ضابطہ محکمات شرعیہ ریاست بھوپال سے متعلق ہوگا، اور

(ب) فوراً نفاذ پذیر ہوگا،

شوہر مفقود الخبر	دفعہ (۲) جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور لاپتہ ہو[1] اور اس نے اپنی زوجہ کے نان

نفقہ کا کچھ انتظام نہ کیا ہو، اور زوجہ بوجہ مفقودی شوہر خود استدعائے تفریق پیش کرے تو محکمۂ قضا[2] ثبوت مفقودی و عدم کفالت نان و نفقہ و عدم نشوز کے متعلق زوجۂ مفقود سے حلف لینے کے بعد تین ماہ تک تین اشتہار حسب ذیل مضمون کے شائع کریگا،

"چونکہ فلان شخص اتنے عرصہ سے لاپتہ ہے اور اس نے اپنی اہلیہ مسماۃ فلان کی خبر گیری نہین کی نہ اسکے نان و نفقہ کا کچھ انتظام کیا، لہذا وہ جلد سے جلد اپنی جائے قیام و صحیح پتہ سے محکمۂ ہذا کو اطلاع دیکر اپنی زوجہ مسماۃ فلان کی شکایت کا مناسب انتظام کرے ورنہ حسب مسلک امام مالکؒ اسکا نکاح فسخ کردیا جائیگا"

توضیح (۱) مسلک امام مالکؒ یہ ہے کہ اگر مفقود[3] نے مال بقدر کفالت نان و نفقہ چھوڑا ہو تو یوم مرافعہ سے چار سال گذرنے کے بعد نکاح فسخ ہو جائیگا، ورنہ فوراً طلاق ہو جائیگی،

(۲) اعلان مذکورہ بالعموم جریدہ بھوپال مین یا کسی اور طریقہ سے جو محکمۂ قضا بلحاظ حالات متعلقہ مناسب سمجھے شائع کیا جائے گا،

(۳) حسب طریقۂ بالا جو اعلانات[4] شائع ہون گے ان کے مصارف بشرط امکان شخص مذکور کی جائداد سے وصول کئے جائین گے، ورنہ عورت بصورت استطاعت ادا کرے گی، بصورت دیگر معاملہ گورنمنٹ[5] کے سامنے پیش

---

[1] قاضی خان جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۹ [2] قاضی خان جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۱ [3] سعیدی حاشیہ کفایت الطالب جلد نمبر ۲ صفحہ ۱۰۷،
[4] سعیدی جلد نمبر ۲ صفحہ ۷۰،
[5] سعیدی نمبر ۲ صفحہ ۷۰، [6] قاضی خان جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۹۹،

کرکے جریدہ مین مفت اشاعت کا انتظام کیا جائیگا،

نمبر۴-اگر یہ ثابت ہوگا، کہ مفقود نے مال بقدر کفالت زوجہ چھوڑا ہے، تو محکمۂ قضاء سے زوجۂ مفقود کو تاریخ درخواست سے چارسال تک انتظار شوہر مفقود کا حکم دیا جائیگا،

نمبر۵-بصورت عدم ذرائع کفالت تاریخ اشاعت اشتہار آخر سے تین ماہ گذرنے کے بعد اگر پتہ شخص مذکور کا نہ معلوم ہوگا تو محکمۂ قضاء سے ان زوجین مین تفریق کرادیجا دیگی،

نمبر۶[ف] - اگر چار سال کے انتظار کے بعد بھی شوہر کا پتہ نہ معلوم ہوگا، تو محکمۂ قضاء سے حکم فسخ نکاح صادر کیا جائیگا،

نمبر۷[ف]، بعد صدور حکم فسخ نکاح زوجہ چار ماہ دس دن ایام عدت گذار کر نکاح ثانی کر لینے کی مجاز ہوگی،

نمبر۸ - اگر شخص مذکور بعد فسخ نکاح و مرور ایام عدت واپس آئے اور اس عورت پر دعوی کرے تو ایسی صورت مین اس کا دعویٰ قابلِ سماعت نہ ہوگا،

تفریق بصورت عدم ادائے نان ونفقہ | دفعہ ۳ - جن مستورات کے شوہر اُن کا نان ونفقہ دینے سے عاجز ہون اور بوجہ عدم استطاعت ایسا نہ کرسکتے ہون[۳] یا باوجود مقدرت[۴] استطاعت ایسا نہ کرتے ہون، اور اُس پر ان کا اصرار ہو تو مستورات آخر الذکر بھی نان ونفقہ سے محروم ہونے کی وجہ سے اہل عسرت شوہرون کی زوجات کے مثل سمجھی جائینگی، اور ان کی ایسی شکایت پیش ہونے پر شوہرون کو حکم ادائے نان ونفقہ معادی سہ ماہ محکمۂ قضاء سے دیا جائے گا، اور یہ حکم صادر کیا جائے گا کہ بصورت عدم تعمیل فلان تاریخ مقررہ کے بعد فیما بین اوس شوہر اور اس کی زوجہ کے تفریق کردیجائے گی،

توضیح، اس تفریق کے بعد ایسی عورت کا نکاح ثانی حسب قواعد شرعیہ ہوسکیگا،

نان ونفقہ کی مقدار کا تعین | دفعہ (۴) نان ونفقہ کی مقدار کا تعین ہر صورت مین نفقہ دہندہ کی حیثیت اور ذرائع آمدنی کے لحاظ سے محکمۂ قضاء کریگا، اور آیندہ ذرائع آمدنی کی کمی وبیشی پر بصورت عذر داری مقدار مقررہ مین کمی وبیشی ہوسکے گی،

تفریق بصورت امراض | دفعہ (۵) اگر کسی عورت کی جانب سے اس کے شوہر کی نسبت یہ شکایت پیش ہو کہ اس کا شوہر

[ف] عبارت مندرجہ دفعہ (۱) توضیح نمبر ۶ و ۷ کیلئے کافی ہے، [۳] صعیدی جلد ۲ صفحہ ۲۲، [۴] منہاج مع شرح المحلی صفحہ ۹۱، ۸۰، وصفحہ ۱۳۴ سطر ۱،
[۴] ہدایہ اولین صفحہ ۴۱۴،

عنین[1] یا مجذوم، یا مبروص، یا خصی ہے اور اس بنا پر استدعاء تفریق کیجائے تو حسب قواعد شرعیہ ایک[2] سال کی مہلت علاج کے[3] واسطے شوہر کو دیجائیگی اگر اس مدت مین شوہر صحت یاب نہ ہو تو حسب استدعاء زوجہ محکمۂ قضاء سے فیما بین زوجین تفریق[4] کردیجائیگی،

توضیح، (۱) بصورت بالا تفریق کے لیے شرط ہے کہ عورت اپنی درخواست تفریق مین یہ لکھدے کہ وہ اپنے زر مہر اور ایام عدت کے صرفہ سے دست بردار ہوتی ہے اور اسکا مطالبہ نہ کریگی، بشرطیکہ[5] یہ امراض نکاح کے بعد پیدا ہوئے ہون، اور عورت بھی رتقاء و قرناء نہ ہو،

(۲) اگر امراض مذکورہ مرد مین قبل نکاح تھے، اور بوقت نکاح چھپائے گئے، تو اس صورت مین عورت تفریق کے ساتھ مہر پانے کی مستحق ہوگی، لیکن اگر قبل نکاح مرد کے ان امراض مین مبتلا ہونیکا عورت کو علم تھا، تو عورت کو تفریق حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا،

| تفریق بصورت نفرت زوجین | **دفعہ** (۶) اگر کسی عورت کی جانب سے اس کے شوہر کے مجبوب ہونے کی بنا پر استدعاء تفریق پیش ہو، اور شوہر نکاح کے بعد مجبوب ہوا ہو، یا قبل نکاح تھا اور عورت کو اس کا علم نہ ہوا تھا، تو ثبوت مجبوبیت پر بلا مہلت تفریق کردیجائے گی، اور مہر بھی بذمۂ شوہر واجب الادا ہوگا، اس کے علاوہ ہر وہ عیب[6] جو باعث نفرت زوجین ہو اور اس سے مقصد نکاح حاصل نہ ہوتا ہو، اختیار فسخ کو واجب کردیگا،

توضیح، اگر باوجود علم کے کہ شوہر مجبوب ہے عورت نکاح پر بیان دیچکی ہو، تو عورت کا حق تفریق[7] باطل ہوگا

| قاضی کا اختیار تفریق | **دفعہ** (۷) محکمۂ قضاء کو تفریق کرانے کا اختیار ان وجوہ کے علاوہ کہ شوہر زوجہ سے ہمیشہ بدسلوکی کرتا ہے، یا اس نے شرائط نکاح کی تکمیل نہین کی یا زوجین باہمی رحمت و مودت نہین رکھتے اس صورت مین بھی ہے کہ قبل نکاح احد الزوجین امراض لاعلاج مین مبتلا تھے،

| عورت کو طلاق مانگنے کا حق، | **دفعہ** (۸) اگر زوجہ اس بنا پر استدعاء تفریق پیش کرے کہ اس کا شوہر چار سال یا

---

[1] شرح کفایت الطالب جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۸، [2] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۰ [3] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱، [4] صعیدی جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۸، [5] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱،
[6] کتاب زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۳۴، ۱۲۶ [7] ہدایہ اولین صفحہ ۴۰۱

اس سے زاید مدت کی سزا پاکر قید ہوگیا ہے اور بوجہ تنگ دستی و افلاس شخص مقید اپنی زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ کی کفالت نہین کرسکتا تو اسکی حالت معسر کی سی سمجھی جائیگی، اور اسی کے مطابق تحت احکام شرعیہ محکمۂ قضاء سے ایسے زوجین کے مابین تفریق کردیجائیگی، اور زوجہ کو حسب احکام شرعیہ اجازت نکاح ثانی دیجائے گی،

توضیح ۔ (۱) صرف مفلسی کے عذر پر کوئی شخص اپنی زوجہ کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہین ہوسکتا، اگر وہ شخص محنت کرکے معاش حاصل کرسکتا ہے، اور ضعیف و نحیف نہین ہے تو اُس پر اپنی زوجہ کے لیے نفقہ مہیا کرنا فرض ہے بصورت دیگر عورت طلاق کی مستحق ہوگی،

(۲) حسب ذیل صورتون مین جو مانع رحمت و مودت[۱] ہین عورت طلاق مانگنے کی مستحق ہوجاتی ہے،

(الف) جبکہ شوہر کا شرائط نکاح پورا کرنے سے قولاً و عملاً انکار پایا جائے،

(ب) جب اس کو معلق کردے اور نفقہ نہ دے،

(ج) جب اس سے بھیک منگوائے،

(د) جب کسی طرح اس کے پاس نہ جائے،

(ه) جب اس سے ایسی مزدوری کرائے جو اسکی کسرِ شان یا آبروریزی کا باعث ہو،

(و) جب وہ متعدد زوجات رکھتا ہو اور سب سے برابری و انصاف نہ کرتا ہو،

(ز) جب وہ ہمیشہ زوجہ پر ظلم و جور کرتا ہو اور مار کر ضرر جسمانی پہنچاتا ہو،

توضیح نمبر۳ ۔ مذکورۂ بالا صورتون مین فیصلہ کنندہ کی رائے یا تجویز پر انحصار ہوگا، اور وہ مجاز ہوگا کہ کسی ایک وجہ کو جو حقوقِ زوجیت کی ادائی مین مانع ہو بلحاظ احکام شرعیہ سبب فسخ قرار دے،

عورت کا مرد سے طلاق لینا یا مرد کا عورت کو طلاق دینا

دفعہ۹ ۔ اگر کسی شخص کی ایسی شکایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ جس عورت سے اس کا نکاح ہوا ہے، وہ قبل نکاح مرض جنون یا مرض جذام، یا برص، یا مرض اندام نہانی مین مثل قرن،

[۱] کتاب زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۲۳۴،

یا رتق کے مبتلا تھی، اور شوہر کو ایسے کسی مرض کا علم نہ تھا، نہ وہ اس شرط پر رضامند تھا، تو بصورت طلاق شوہر پر حسب مسلک امام مالکؒ صرف ایک ربع دینار عائد ہوگا، بقیہ مہر ساقط ہوگا،

توضیح (۱) امام احمدؒ کے بعض شاگردوں نے زن و شوہر کے چند دیگر امراض کو بھی ان ہی امراض میں شامل کیا ہے، جن کے سبب سے مرد زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے، یا زوجہ مرد سے طلاق لے سکتی ہے اور وہ امراض حسب ذیل ہیں،

۱۔ نتن الفرج (اندرونی گندگی)

۲۔ نتن الفم، (گندہ دہنی)

۳۔ انخراق مجری البول،

۴۔ اندام نہانی کے بہنے والے زخم،

۵۔ بواسیر،

۶۔ ناسور،

۷۔ استحاضہ،

۸۔ استطلاق البول،

۹۔ احد الزوجین کا خنثیٰ مشکل ہونا،

توضیح، (۲) مذکورہ بالا صورتوں میں طرفین کو بہ تعجیل اختیار تنسیخ نکاح حاصل ہے یعنی جب زوجہ و شوہر کو معلوم[۱] ہو جائے کہ ان میں سے ایک اس قسم کے کسی مرض میں مبتلا ہے تو مرافعہ باستدعائے تنسیخ نکاح محکمۂ قضا میں پیش ہوگا، لیکن لازم ہے کہ ایسا مرافعہ بہت جلد عمل میں لایا جائے، اگر تاخیر بیجا[۲] ہوگی تو گمان غالب ہوگا کہ طرفین نے اس حالت کو قبول کر لیا تھا، یا حق تنسیخ سے دست بردار ہو گئے تھے،

۱؎ رسالہ ابن زید متن کفایت الطالب بر حاشیہ صعیدی جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۷، ۲؎ و ۳؎ قاضی خان جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۸۸

(۳) منجانب مرد یا زوجہ بتقاضائے حالات استدعائے تفریق پیش کئے جانے پر اگر محکمۂ قضار کی راے مین باتباع تصریحات مذکورہ تفریق ضروری مقصود ہو تو محکمۂ مذکور حسب حکم شرعی تحت ضابطۂ نافذ الوقت گورنمنٹ سے حکم حاصل کرکے تنسیخ نکاح کا حکم صادر کرنیکا مجاز ہوگا،

ضابطہ بصورت عدم حاضری

دفعہ (۱۰) اگر کوئی شخص بصورت تکمیل اغراض انصاف محکمۂ قضار کی طلبی پر حاضر نہو یا تعمیل سمن سے گریز کرے یا روپوش ہو تو ایک نوٹس اس مضمون کا رجسٹری شدہ دیا جائے گا کہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر جواب دہی کرے، بصورت دیگر یکطرفہ فیصلہ کیا جائیگا،

محکمۂ قضار کے فیصلہ کی نظر ثانی

دفعہ (۱۱) محکمۂ قضار کے فیصلہ کی نظر ثانی تاریخ فیصلہ سے ساٹھ دن کے اندر محکمۂ قضار مین بمعیت محکمۂ افتار ہو سکے گی، قاضی صاحب و مفتی صاحب کے اتفاق رائے کی صورت مین فیصلہ ناطق ہوگا، بصورت اختلاف موصوف الیہم معاملہ مجلس العلمار مین پیش ہو کر کثرت رائے سے اسکا فیصلہ کیا جائے گا،

تنازعات زوجین کیلئے حکم کے مقرر کرنیکا ضابطہ

دفعہ (۱۲) محولۂ بالا صورتون کے علاوہ زوجین کے دیگر تنازعات باہمی کے تصفیہ کے لیے ایک ایک حکم[ل] ملحوظی احکام شرعیہ اور ایک ثالث محکمۂ قضار سے مقرر کیا جائے گا، جسکا تصفیہ[س] ناطق اور واجب التعمیل ہوگا، اور ضابطہ حسب دفعہ (۱۰) یہ ہوگا کہ نوٹس رجسٹری شدہ دیا جائے گا کہ فریق ثانی تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر خود جواب دہی کرے بصورت دیگر یکطرفہ فیصلہ کیا جائے گا، اور کوئی عذر قابل سماعت نہ ہوگا،

لہ شامی جلد نمبر ۲ صفحہ ۶۷۸، سلہ بحکم قرآن فابعثوا حکما الخ سلہ بیضاوی شریف ص۱۰۳،

نصابِ زکوٰۃ

"حق گو" کی تحقیق ایک "غیر مولوی" کی نظر مین

(چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دھلی)

یادش بخیر ہمارے حق گو صاحب کے سلسلۂ "تحقیقات" کی یہ تیسری کڑی ہے، پہلے صلوٰۃ تختۂ مشق بنی اور نمازین پانچ کے بجائے تین، اور وہ بھی بلا ارکان و تعدیل مقرر کیگئین، پھر روزے، تین سے دس اور دس سے تین مین محدود کردئے گئے، اب زکوٰۃ کی باری آئی اور اسکی بجائے روزانہ خیرات کو ہی کافی قرار دیا گیا،

ممکن تھا کہ فریضۂ حج بھی اس قطع و برید کے سلسلے مین دست و پا بریدہ ہوجاتا، لیکن حقگو صاحب کو خدا نے توفیق و ہدایت دی اور وہ اس قسم کے خیالات سے تائب ہوگئے، اس لیے اس قسم کے مضامین کا سلسلہ منقطع ہوگیا اس لیے اب اس بحث کا چھیڑنا مناسب و پسندیدہ نہ تھا، لیکن بعض بزرگون کے ایما سے کہ ان مضامین کی اشاعت سے جس قدر زہر پھیل چکا ہے اس کا ازالہ نہایت ضروری ہے، مناسب خیال کیا کہ اس حصہ کے متعلق بھی ان نقوش کا اظہار کر دیا جائے جو میرے دل پر اس کے مطالعہ نے چھوڑے ہین، وما توفیقی الا باللہ،

سب سے پہلے ارشاد ہے کہ قرآن مین نصاب زکوٰۃ کی کہین صراحت نہین،

لیکن صیام والی قسط مین حقگو صاحب خود بیان کر چکے ہین کہ

"قرآنی احکام مجمل ہوا کرتے تھے اور رسول اللہ صلعم ان کی صراحت فرمادیا کرتے تھے"

بات بالکل واضح ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اجمال و تفصیل کے مسئلہ نے حق گو صاحب کو عجیب الجھن مین پھنسا رکھا ہے، وہ قرآن کی طرف جاتے ہین تو اس مین مجمل احکام پاتے ہین، اور حکم ملتا ہے کہ ان کی صراحت کے لیے رسول اکرم صلعم کی طرف رجوع کرو، ادھر حدیث کے نام سے گویا بعینہ چڑھ ہے، اسی لیے کبھی اسے "قرآن کی لغو تاویل" اور کبھی "تشبہ بالیہود" قرار دیتے ہین،

غرض "دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را"

پھر ارشاد ہوتا ہے:۔ "حالانکہ مستفسرین نے اس کو دریافت بھی کیا، جس کا قرآن شریف نے یہ جواب دیا ہے،

یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل العفو...... اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کتنی زکوٰۃ دیں کہدو جتنا تم سے ہو سکے[1]

پوچھنے والوں کی اس سے تشفی نہیں ہوتی، دوبارہ دریافت کیا، پھر جواب ملا،

یسئلونک ماذا ینفقون، قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین ...." الخ

کیا اس سے زیادہ اور وضاحت کی ضرورت تھی، کہ مسلمانوں کو بتادیا جاتا کہ خیرات کوئی سرکاری انکم ٹیکس نہیں ہو بلکہ تمھاری ہمدردی اور غمخواری کا نتیجہ ہے، تم جتنا چاہو دو، اس کا دینا البتہ تمھارے اوپر ایسا ہی فرض ہو جیسا تمھاری نماز، قرآن نے کیوں اس نصاب سے اعراض کیا جس سے فقہ اور حدیث کے اوراق بھرے پڑے ہیں، کیا قرآن کے لیے یہ بتانا ممکن نہ تھا کہ تم اڑھائی روپیہ سیکڑہ اس مال سے ادا کرو جو تمھارے پاس سال کے اخیر تک باقی رہے، اس خاموشی کی کیا مصلحت تھی، یا کم سے کم نصاب نہ بتایا تھا تو اس کہنے میں کیا حرج تھا کہ تم زکوٰۃ اتنی شرح سے ادا کرو، جو تم سے مانگی جائے"،

مختصراً اس اقتباس سے حسب ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں،

۱۔ ان آیات کی رو سے زکوٰۃ کا نصاب مقرر نہیں کیا گیا،

۲۔ لوگوں کے استفسار پر بھی صراحت نہیں کیگئی،

۳۔ زکوٰۃ کا بطور انکم ٹیکس وصول کرنا نصِ قرآنی کے رو سے منع ہے،

آئیے ذرا سلسلہ وار ان پر غور کریں،

جس زمانہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں اس کے سرسری مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ ان کا صحیح مفہوم کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ آیتیں ابتدائی مدنی آیات میں سے ہیں، اور یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے آباء و اجداد کا وطن، اپنا مولد و مسکن چھوڑنا پڑا ہے، اہل و بچے، مکان، جائدادیں چھوڑ کر جلا وطن ہو گئے ہیں، دوسروں کے ہاں آکر پناہ لی ہے، اس پر بھی دشمن پیچھا نہیں چھوڑتے

[1] معارف:۔ "عفو کا ترجمہ (جتنا تم سے ہو سکے) صحیح نہیں بلکہ عفو کے معنی ہیں ضرورت سے زاید یا بچا ہوا مال،

چارون طرف سے حملے کا خطرہ ہے، تمام عرب ان کے خلاف آمادۂ جنگ ہے، ان کی موت و زیست کا سوال ہے، اپنی مدافعت کے لیے انہیں سر توڑ کوشش کرنی ہے، ایسے وقت مین سوال کیا جاتا ہے کہ کیا خرچ کرنا چاہئے؛ جواب ظاہر ہے کہ اس حالت مین یہ پوچھنے کا وقت نہین ہے کہ کیا خرچ کرنا چاہئے، جو کچھ ضروریات سے زائد ہے خرچ کر دو، (عفو کے یہی معنی ہین)

سورۂ بقرہ کے اس حصہ کو اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ لوگون کو مدافعت کے لیے جنگ کا فلسفہ سمجھایا جا رہا ہے، کہین امم سابقہ کے واقعات یاد دلائے جاتے ہین کہ ان سے عبرت پکڑین، کہین جہد للبقا کے نفسیاتی پہلو سے بحث کی جاتی ہے، کہین لڑائی کے وقت مالی امداد کی اہمیت واضح کیجاتی ہے، چنانچہ بتایا گیا ہے کہ ایسے وقت مین جو کچھ خرچ کروگے وہ تمھاری حفاظت، تمہارے والدین، اعزہ و اقارب و یتامیٰ کی حفاظت کے لیے ہے، ظاہر ہے کہ حق کی مدافعت مین جو جنگ کی جائے اس مین کسی طرح بھی مدد دینا امن و سلامتی کی بقا کے لیے اعانت کرنا ہے، موجودہ قوم کی بقا، آیندہ نسل کی فلاح، مسافرون کے لیے امن، قیدیون کے لیے رہائی اور حق کی طرف جھکے ہوئے دلون کے لیے پیام سکون ہوتا ہے، یہی باتین قرآن حکیم نے اس جگہ واضح طور پر بیان کی ہین، کیا ایسا وقت قوانین مرتب کرنے یا قواعد وضع کرنے کا ہوتا ہے؟ یہ تو ایسا وقت ہوتا ہے کہ صدیون سے رائج قوانین بھی توڑ دیئے جاتے ہین، اور تمام قوانین پر جنگی قانون حاوی ہو جاتا ہے، ایسے وقت مین یہ اعتراض کرنا کہ نصاب کے قواعد کیون نہ مقرر کر دیئے حقائق سے چشم پوشی کرنا ہے، کیا جب گھر مین آگ لگ رہی ہو تو یہ متعین کرنا چاہئے کہ آمدنی کا کسقدر حصہ اس کام کے لیے صرف کیا جائے؟ جب امن کا زمانہ آیا، قوانین مرتب کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی، قواعد مقرر کر دیئے، یہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ فتح مکہ کے بعد فرض ہوئی (اور شکر ہے کہ مقالہ نگار کو بھی یہ تسلیم ہے) اور سورۂ بقرہ کی یہ آیات ابتدائی مدنی ہین، سو جو چیز کہین ۶ سال بعد جا کر فرض ہوئی اس کے متعلق قوانین پہلے ہی مرتب کر دیئے جاتے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لفظ زکوٰۃ کے مفہوم سے انھین ایک غلط فہمی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے ایک تو لغوی معنی ہین، جسکا استعمال قرآن کریم مین افعال کے صیغہ مین متعدد بار ہوا ہے، دوسرے اس کے عام معنی " انفاق فی سبیل اللہ " کے ہین، جو زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل خیرات کے معنون مین استعمال ہوا ہے، لیکن جب زکوٰۃ فرض ہوئی تو یہی لفظ خاص معنون مین استعمال ہو گیا، گویا اب یہ ایک قانونی اصطلاح ہو گئی،

الفاظ کے استعمال کا یہ فرق اس قدر نمایان ہے کہ جو شخص قانون کی معمولی سی بھی واقفیت رکھتا ہے وہ باسانی اُسے سمجھ سکتا ہے، ہم روز اپنی گفتگو مین کہتے ہین کہ "سخت چوٹ" آگئی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ قانون کی اصطلاح مین جسے "ضرب شدید" کہتے ہین اُس مین اور اسمین بڑا فرق ہے، سرقہ، اشعار یا مضامین مین بھی ہوتا ہے لیکن خفگو صاحب بحث حاکم تحصیل جانتے ہین کہ جس سرقہ کے جرم مین مجرم کو جیل کی کوٹھری مین بھیجدیا جاتا ہے، اسمین اور مستشرقین کے کے خیالات کے سرقہ مین بہت فرق ہے، ڈاک کے لفافہ پر ایک آنہ کا ٹکٹ لگانا ضروری ہوتا ہے، اگر ایک آنہ کے ٹکٹ کے بجائے پیسہ پیسہ والے چار ٹکٹ یا دو دو پیسے ولے دو ٹکٹ بھی لگا دیئے جائین تو کوئی حرج نہین ہوتا، لیکن اگر کسی عدالت مین ایسی رسید پیش کیجائے جس پر ایک آنہ کے ٹکٹ کی بجائے پیسہ پیسہ والے چار یا دو دو پیسے والے دو ٹکٹ لگے ہون تو وہ رسید قانونی نقطۂ نگاہ سے خفگو صاحب کی عدالت مین بھی قابلِ قبول نہ ہوگی، اس سے ظاہر ہے کہ لفظ زکوٰۃ کے عام معانی سے خیرات مراد لے کر یہی معانی وہان چسپان کئے جائین جہان یہ لفظ ایک قانونی اصطلاح مین آچکا ہو، تو یہ کس حد تک انصاف ہی، اور جس دعویٰ کی یہ دلیل ہو اس کا استحکام کس قدر رہے۔

(۳) فرماتے ہین "لوگون نے زکوٰۃ کے متعلق دریافت کیا" مین کہتا ہون کہ زکوٰۃ جب فرض ہوگئی تو دریافت کسی نے نہین کیا، اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے تو زکوٰۃ فرض ہو جانے کے بعد کی کسی آیت سے اس کا ثبوت پیش کیجئے، سورۂ بقر کے انفاق فی سبیل اللہ کی آیات سے زکوٰۃ کے نصاب کو کیا واسطہ؟ زکوٰۃ تو بھلا بعد کی چیز ہے، نماز تو شروع ہی مین فرض ہوگئی تھی، اور قرآن مین اس کا اجمال ہی اجمال ہے کہین تفصیل نہین، بھلا فرمایئے تو کسی نے اسکے متعلق بھی سوال کیا ہی؟ وہ تو زمانہ ہی اور تھا، وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح یا آج کے مسلمانون کی طرح محض باتین بنانے والے نہین تھے، وہ تو عملی انسان تھے، قرآن مین حکم آیا، رسولؐ نے اسکی صراحت فرمادی، اور مسلمانون نے کرکے دکھادیا۔

بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد اکنون کرا دماغ کہ پرسد زباغبان

زکوٰۃ فرض ہوئی، رسول اللہ صلعم نے فرمادی، لوگون نے ادا کرنا شروع کردیا، جہان کہین جزئی مسائل مین شک ہوا، دریافت کرلیا، ہر بار قرآن سے دریافت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہین ہوتا، جبکہ قرآن نے اصولی طور پر

ایک دفعہ صاف صاف کہدیا کہ ما اتٰکم الرسول فخذوہ کا فرمائیے اس سے زیادہ اور کیا کہدیا جاتا، کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ "زکوٰۃ اتنی شرح سے ادا کرو جو تم سے رسولؐ مانگے"۔

(۳) اب رہی تیسری چیز یعنی "زکوٰۃ کوئی سرکاری انکم ٹیکس نہیں" سو اس دعویٰ میں حق گو صاحب کا اصلی رنگ (یعنی وہی تضاد خیالات) زیادہ نمایاں ہے، ادھر تو یہ دعویٰ ہے لیکن چار ہی سطر آگے ارشاد ہے،

"قرآن نے زکوٰۃ کی اس صورت کو بھی تسلیم کیا ہے جو سلطنت کے انکم ٹیکس پر مبنی تھا"

ذرا اور آگے بڑھئے تو یہ عبارت نظر آتی ہے،

"قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں جنگ کے اخراجات کے لیے زکوٰۃ مثل انکم ٹیکس کے وصول کیگئی ہو"!

میں تو صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے کہ قرآن سے زکوٰۃ بطور انکم ٹیکس کے ثابت نہیں (اور اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے فاضل مقالہ نگار نے یہ قسط لکھی ہے) تو کیا آپ کا "قیاس" اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ خود رسول اللہ صلعم نے اس کی خلاف ورزی کی ہو اور زکوٰۃ بطور انکم ٹیکس (خواہ کسی مصرف کے لیے ہو) وصول کرلی ہو کم از کم میں تو اس کی جرأت نہیں کرسکتا،

اس کے بعد سورۂ توبہ کی آیت انما الصدقٰت للفقراء والمساکین . . . علیم حکیم درج ہے جسکی رو سے زکوٰۃ فرض ہوئی ہے اس میں چونکہ محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ یا معاوضہ کا ذکر صاف صاف موجود ہے اس لیے فاضل مقالہ نگار نے خود ہی اس اعتراض کا احساس کرکے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن نے زکوٰۃ کی اس صورت کو بھی تسلیم کرلیا ہے جو انکم ٹیکس پر مبنی تھا، حیرت ہے کہ جب قرآن نے اس صورت کو تسلیم کیا ہے تو حق گو صاحب کس حیثیت سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ "زکوٰۃ کا مفہوم ہی روزانہ خیرات ہے"!

پھر ارشاد ہے، "لیکن اگر زکوٰۃ سے ایک وقت میں انصرام سلطنت اور تجہیز جیوش اسلامی کا کام لیا گیا تو اس کے یہ معنی نہیں کہ زکوٰۃ کا صرف وہی مصرف رہ گیا"۔ گذارش ہے کہ اول تو آپ اپنے مبحث سے ہی دور چلے گئے امر متنازع فیہ تو یہ تھا

کہ آیا زکوٰۃ کا نصاب ضروری ہے یا نہین، آپ اسے چھوڑ کر مصارفِ زکوٰۃ پر بحث کرنے لگ گئے، یہ کون کہتا ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف صرف وہی ہے، دینیات مین جو تھوڑی سی بھی شدبد رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف بہت سے ہین، اور صرف وہی ایک مصرف نہین جو حقگو صاحب نے تحریر فرمایا ہے، سمجھ مین نہین آتا کہ آخر اعتراض اسمین کس بات پر ہے؟

پھر درج ہے :- "قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ صلعم اور خلفاے راشدین کے زمانہ مین جنگ کے اخراجات کے لیے زکوٰۃ مثل انکم ٹیکس کے وصول کیگئی ہو" اول تو اس قیاس کا مطلب سمجھ مین نہین آتا، قیاس کیا، تاریخی واقعات شاہد ہین کہ نبی اکرمؐ کے وقت مین زکوٰۃ نصاب کے قواعد کے مطابق وصول کیجاتی تھی، اور اسکی ادائگی مین اگر ذرا بھی حیل حجت کیجاتی تھی تو فوراً حضور صلعم کے دربار مین اس امر کی رپورٹ کیجاتی تھی، چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت خالدؓ کے واقعات مشہور ہین، عمال نے رپورٹ کی اور حضور صلعم نے فرمایا کہ ابن عباس دو سال کی زکوٰۃ ادا کر چکے ہین، اور حضرت خالدؓ نے اپنا مال وقف کر دیا ہے، اس لیے ان پر اب زکوٰۃ نہین، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی جسمین تمام صحابہ کبارؓ شامل تھے، گو شروع مین حضرت عمرؓ نے اسکی مخالفت کی، لیکن آخر ان کا بھی شرح صدر ہو گیا اور وہ بھی جنگ مین شامل تھے، اگر زکوٰۃ اس طریق پر فرض نہ تھی تو گروہِ صحابہ کبارؓ کو آخر کیا ہو گیا تھا، جو کسی نے بھی حضرت ابا بکر صدیقؓ کی مخالفت نہ کی بلکہ سبکے سب اس جنگ مین شریک ہوئے، اب رہا یہ کہ زکوٰۃ صرف مصارفِ جنگ کے لیے یا تجہیزِ جیوشِ اسلامی کیلیے وصول کی گئی ہو، سو اول تو قرائن اسکی مخالفت کرتے ہین، زکوٰۃ فرض ہوتی ہے فتحِ مکہ کے بعد جبکہ لڑائیون کا سلسلہ ہی قریب ختم ہو چکا تھا، جنگ مکہ کے بعد صرف دو تین اور لڑائیان ہوئی ہین، اگر زکوٰۃ کا مفہوم مصارفِ جنگ ہی ہوتا تو ضرورت کا اقتضا تھا کہ ابتدائے مدنی زندگی سے اسے فرض کر دیا جاتا، یہ کیا کہ جب لڑائیان ختم ہونے کو آئین تو زکوٰۃ فرض کی گئی،

بفرضِ محال اگر یہ مان لیا جائے کہ زکوٰۃ مصارفِ جنگ کے لیے ہی وصول کی گئی تھی، تو کیا اسلام پر کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب کہ طاغوتی طاقتین اس کے خلاف آمادۂ پیکار نہ رہی ہون کیا ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ستیزہ کار نہین ہے، کیا تمام دنیا کی یہ خواہش نہین رہی کہ (معاذ اللہ) اس قندیل کعبہ کو بجھا دیا جائے، پچھلے زمانہ کو تو جانے دیجیے کیا آج اسلام کے خلاف کم لڑائیان ہو رہی ہین، مین تو کہونگا کہ جس جبروت و سطوت سے آج شیطانی تخت دنیا پر بچھا دیا

گیا ہے، کم ہی کبھی اسطرح بچا ہوگا، یہ درست ہے کہ طرقِ جنگ مین فرق ضرور ہے، لیکن مقصدِ جنگ تو وہی ہے، کیا اس جنگ کے مصارف کے لیے مسلمانون کو کسی فنڈ کی ضرورت نہین؟ حقیقت یہ ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانون نے زکوٰۃ کی اہمیت کا احساس نہین کیا ورنہ یہ سیلابِ بلا جس کا انھین آج سامنا کرنا پڑ رہا ہے، کبھی ان کے گھر کا رخ ہی نہ کرتا، زمانۂ جنگ ہو یا امن، ہر قوم کو اپنی مدافعت اور فلاح و بہبود کے لیے روپے کی ضرورت ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ بمقابلہ جنگ کے، امن کے زمانہ مین اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، وقت اس کا شاہد ہے، آج ہی دیکھ لیجئے، گذشتہ جنگ عظیم کے دوران مین اسقدر اقتصادی مشکلات ہرگز نہین تھین جسقدر آج ہین، اور دنیا بھر کی حکومتون کو روپے کی ضرورت لاحق ہو رہی ہے،

پھر ارشاد ہے:-

"مگر تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین بیت المال وعاملین زکوٰۃ کو موقوف کر دیا تھا، اور مسلمانون کو اختیار دیدیا تھا کہ وہ بطور خود زکوٰۃ کا روپیہ جس مستحق کو چاہین دیدین، جب حضرت عثمانؓ نے پرانے طرز عمل کو ترک کرنے مین نہ سنت سے انحراف کیا اور نہ قرآن سے تو کیا تم اس سے آگے قدم نہین بڑھا سکتے، یعنی ان سارے قیود کو جو فقہا نے زکوٰۃ پر عائد کئے ہین علیحدہ کر کے اس کے اصل مفہوم یعنی صدقہ و خیرات کو اختیار نہین کر سکتے"

بیشتر اس کے کہ ہم اصل اعتراض کی طرف رجوع کرین آئیے یہ دیکھین کہ اس اعتراض سے معترض کے بنیادی اعتراض کی کیا حقیقت رہ گئی ہے، قسط زیر بحث مین سارا زور اس بات کو ثابت کرنے مین صرف کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلعم کے وقت مین زکوٰۃ کا کوئی نصاب مقرر نہین تھا، اور یہ بعد مین فقہا کی دماغی اختراع ہے، چنانچہ فرماتے ہین "نصاب زکوٰۃ کی جو صراحت فقہا نے کی ہے مجھکو کوئی حدیث اسکی تائید مین نظر نہین آئی" اقتباس متذکرہ صدر سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اتنا جناب حقگو کو بھی تسلیم ہے کہ حضرت عثمانؓ کے وقت تک زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عاملین مقرر تھے اور زکوٰۃ کا روپیہ بیت المال مین آتا تھا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز کے وصول کے لیے عاملین مقرر تھے، اس قدر اہتمام کیا جاتا تھا، ایک علیحدہ محکمہ قائم تھا، کیا وہ بغیر کسی قاعدہ یا حساب کے وصول کیجاتی تھی؟ یعنی بیسہ ٹکا جو کچھ کسی نے اللہ واسطے دیا، اُسے جمع کر لیا،

اور مرکزی حکومت کے بیت المال کی طرف منتقل کر دیا؟ اگر جھگلو صاحب کی تحقیق کے مطابق زکوٰۃ کی شکل خیرات کی سی تسلیم کر لیجائے تو ان جلیل القدر عاملین کی حیثیت کیا رہ جائیگی؟ بالکل ایسے ہی جسطرح آجکل بعض یتیم خانون نے چھوٹی چھوٹی صندوقچیان مختلف سکانداروں کے ہان لگائی ہوتی ہین، وہ اسمین آدھی پائی ڈالتے رہتے ہین، مہینہ کے بعد یتیم خانے کے لڑکے پہنچے اور محاصل کو جمع کر لیا، کیا اتنی سی بات کے لیے اس قدر نظم ونسق کی ضرورت تھی؟ کیا اسی کے لیے عاملین کو اس قدر سخت تاکیدی احکام دیئے جاتے تھے، اور اگر کوئی مسلمان اس سے انکار کرتا تھا تو اس کے خلاف صحابہؓ کی تمام جماعت تلوارلے کر کھڑی ہوجاتی تھی؟ عقلاً نقلاً، درایتاً روایتاً اسے ماننا پڑے گا کہ اسکی شکل بلاتعین خیرات کی سی نہین تھی بلکہ ایک متعین ٹیکس کی صورت تھی، اب جبکہ جھگلو صاحب کو تاریخ سے یہ ثابت ہوگیا کہ نبی اکرم صلعم (اور شیخینؓ) کے وقت مین عاملین زکوٰۃ مقرر تھے، تو مین کہتا ہون اگر ان کو بفرض محال کوئی حدیث نصاب زکوٰۃ کی تائید مین نہ بھی ملی ہو تو ایک صاحبِ بصیرت کے لیے یہ تاریخی واقعہ ہی کیا کم شہادت ہے؛ لیجئے ہمارے محقق نے اپنے ہی عائد کردہ اعتراض سے اپنے بنیادی اعتراض کی تنقیص کر دی،

خواستم پیکان برآرم درجگر نشتر شکست

اب آیئے اصل اعتراض کی طرف، فرماتے ہین، "حضرت عثمانؓ نے بیت المال کو موقوف کر دیا تھا"

دعاوی اس قدر بلند آہنگ اور معلومات کی یہ کیفیت۔ انھین یہ بھی علم نہین کہ اسلامی حکومت مین "بیت المال" کسے کہتے تھے، بیت المال وہی چیز تھی "جسے سرکاری خزانہ" کہتے ہین، اب ظاہر ہے کہ جو حکومت (اور پھر حکومت بھی مرکزی) اپنے خزانہ کو ہی وقف کردے وہ چلیگی کسطرح۔ ان سے پوچھئے کہ اگر بیت المال ہی موقوف ہوچکا تھا تو حضرت عقبہ بن عامر مہتمم کس چیز کے تھے؟

اعتراض اب یہ رہ جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عاملینِ زکوٰۃ موقوف کر دیئے تھے اور لوگون کو اختیار دیدیا تھا کہ وہ اپنے طور پر مالِ زکوٰۃ صرف کر دیا کرین۔ اور یہ پرانے طرز عمل کے خلاف تھا، اس کے لیے ہمین ذرا وضاحت سے دیکھنا ہوگا کہ زکوٰۃ کیا چیز ہے اور اس کے متعلق احکام کی کیا نوعیت ہے، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ مین (۱) وجوبِ زکوٰۃ (۲) مصارفِ زکوٰۃ

(۳) تعین مقدار اور (۴) طرقِ حصول چار چیزین ہین، زکوٰۃ کو فرض مان لینے کے بعد باقی تین امور یعنی مصارف تعین اور طرقِ حصول مین اگر ذرا فہم و فراست سے غور کیا جائے تو بالکل واضح ہو جائیگا کہ ان مین کونسی چیز اصولی ہے، اور کونسی فروعی، ظاہر ہے کہ کس مقدار مین لیجائے، اور کہان خرچ کیجائے، یہ اصولی چیزین ہین، اور کسطرح وصول کیجائے، اسکا تعلق محض نظم و نسق سے ہے اور یہ ایک بالکل انتظامی معاملہ ہے، یعنی حالات کے مطابق جو طریقِ عمل سہل اور زیادہ مفید ہو اسے اختیار کر لیا جائے، نبی اکرم صلعم اور شیخینؓ کے وقت مین یہی طریقہ انسب خیال کیا گیا، کہ تمام زکوٰۃ مرکزی خزانہ مین جمع ہو اور وہان سے قرآن کے قائم کردہ مصارف ثمانی پر خرچ ہوا کرے، حضرت عثمانؓ نے بعض مصالح کی بنا پر جو اس وقت ان کے پیش نظر تھے، یہ مناسب سمجھا کہ بجائے مرکزی بیت المال مین جمع ہونے کے لوگ اپنی اپنی جگہ دینی مصارف پر خرچ کر دیا کرین، مرکزی خزانہ مین جمع ہو تو اور لوگ انفرادی طور پر خرچ کر دین تو مصارف تو وہی تھے جو قرآن نے مقرر کئے تھے، حکومت کو بھی تو یہ آمدنی بالکل الگ رکھکر مخصوص مصارف پر خرچ کرنی پڑتی تھی، حضرت عثمانؓ نے محض تخییر کا حکم دیا تھا اور اسپر بھی مستحسن طریقہ یہی سمجھا جاتا تھا کہ بیت المال مین زکوٰۃ جمع ہو، ظاہر ہے کہ اس فرعی چیز کے ترک کر دینے سے اصل زکوٰۃ پر کیا اثر پڑا، یہ شریعت حقہ کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے، کہ ایسے فروعی مسائل مین امیرِ شریعت کو حق حاصل ہے، کہ وہ ضروریاتِ وقت کے لحاظ سے اپنے اجتہاد سے ان مین تصرف کر سکتا ہے،

پھر ارشاد ہے:- "اسمین شک نہین کہ نصاب زکوٰۃ، زکوٰۃ کو ایک مکمل انکم ٹیکس مین تبدیل کر دیتا ہے" اور اس مفہوم کے ماننے مین کوئی حرج نہین ہے بشرطیکہ اسلام اسلامی سلطنت مین محدود ہو"

شکر ہے آپ نے کہین تو اس شکل کو تسلیم کیا، پہلے تو صاف انکار تھا، اب مشروط تو ہوا، عرض یہ ہے کہ قرآن نے کہین یہ شرط عائد نہین کی، قرآن مسلمانون کے لیے ہر زمانہ اور ہر حال مین شمعِ ہدایت ہے، اس مین حکمرانی بھی شامل ہے اور محکومی بھی، قومون پر مختلف ادوار گذرتے ہین، اور مکمل تعلیم وہی کہلائی جا سکتی ہے، جو ہر حالت مین کام آسکے، باقی رہا ضرورت کا مسئلہ سو یہ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی ضرورت اس وقت اور بھی زیادہ ہے جبکہ سلطنت ہاتھ

سے نکل گئی ہو، سلطنت ہوتے ہوئے تو اور بھی مدات محاصل موجود ہوتی ہیں، جب سلطنت نہ ہو تو لے دے کے صرف یہی ایک مد باقی رہتی ہے، جو مدافعانہ کوششوں کے جملہ مصارف کی کفیل ہو سکے"

اس کے بعد سلطنت کے اندر اور باہر اسلام پر بحث فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں :- "مگر موجودہ صورت میں جب کہ اسلام اسلامی سلطنت کے حدود سے بہت دور نکل گیا ہے اسی پرانی لکیر کو پیٹتے چلے جانا جو اس زمانہ کی یادگار ہے، جبکہ ہمارے فقہاء کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ اسلامی سلطنت کے باہر بھی اسلامی سلطنت کا ہونا ممکن ہے، حماقت ہے، بجائے اس کے کہ اس کی تردید میں نظری دلائل پیش کئے جائیں اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ اسلامی دنیا کی موجودہ صورت ان تمام خرافات کے منافی ہے جنھوں نے دارالحرب کے سلسلہ مسائل میں ایک وقت اسلام کو قومی و سیاسی مذہب کی صورت میں تبدیل کر دیا تھا"

اس سے ذرا ہی آگے جاکر ارشاد ہے :- "اس لیے دارالحرب اور دارالاسلام کی تفریق اور دارالحرب میں قیام کی ممانعت اور وہاں سے ہجرت کی فرضیت وغیرہ وغیرہ کو اب نسیاً منسیا کر دینا چاہئے"

پہلی بات قابل غور ہے کہ جب ہمارے فقہاء کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اسلام کا سلطنت کے باہر ہونا بھی ممکن ہے، تو یہ دارالحرب اور دارالاسلام کی تفریق، اور اس کے متعلق جملہ جزئی مسائل کس طرح وضع کئے گئے لامحالہ یہ فقہی مسائل ہیں، اور فقہا ہی نے انھیں مرتب کیا ہے، حیرت ہے کہ جو چیز ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اس کے متعلق اسقدر طول طویل بحث کا سلسلہ انھوں نے کس طرح پیدا کر دیا، چونکہ یہ مسئلہ ہمارے نفس مضمون (یعنی نصاب زکوۃ) سے بالکل غیر متعلق ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا لاحاصل ہے،

اسمیں دو تین امور توجہ طلب ہیں، فرماتے ہیں کہ "زکوۃ کا نصاب متعین نہ ہونا چاہئے" یعنی یہ نہیں کہ قرآن یہ کہتا ہے یا رسول اللہ صلعم نے یوں فرمایا ہے، بلکہ بطور ایک ناصحانہ مشورہ کے ترمیم پیش کیگئی ہے کہ نصاب متعین نہ ہونا چاہئے، ایک وہ عمل جو نص قرآنی کی صراحت میں خود رسول اکرم صلعم نے تواتر و تاکید سے کیا، بطور فرض بفحوٰے قرآن نے اس کا حکم دیا، گروہ صحابہ نے اس پر عمل کیا، یہی نہیں بلکہ جس نے اس سے انکار کیا اس کے خلاف

جنگ کی تیرہ سو سال سے علی التواتر مسلمانون مین بلا اختلاف اسی طرح چلا آیا، اس کے متعلق کس قدر مجتہدانہ ارشاد ہے کہ ایسا نہین ہونا چاہئے، پھر ارشاد ہے کہ "اگر حدیث سے اس کا تعین ثابت ہو تو وہ موقوف ہے ایک وقت و زمانہ کیلئے" پہلے تو اس جملۂ شرطیہ کی وجہ ہی سمجھ مین نہین آتی، "اگر ثابت ہو" تو اسطرح لکھدیا کہ گویا احادیث کی کتابین بخارا مین رکھی ہین، اور یہ صاحب ہندوستان کے کسی گاؤن مین بیٹھے مضمون لکھ رہے ہین، اس لیے کہ حدیث کی کتابون مین تو اس قدر وضاحت سے نصاب کا بیان موجود ہے کہ اس کے بعد کسی ظن و قیاس یا شبہہ کی گنجایش ہی باقی نہین رہتی، اس کے متعلق آگے مذکور ہے، باقی رہا یہ کہ وہ تعین ایک وقت و زمانہ کے لیے موقوف ہے"، سو تا وقتیکہ خاص طور پر کسی حکم کے متعلق یہ صراحت نہ موجود ہو کہ وہ ایک وقت یا زمانہ کے لیے مخصوص ہے، جملہ احکام اسلام کا نفوذ عام ہوتا ہے، اگر یہی کلیہ قائم کر دیا جائے تو قرآن کے قریب قریب تمام احکام منسوخ ہو جائین گے، کیونکہ جب وہ احکام صادر ہوئے ہین تو کسی خاص واقعہ کی بنا پر صادر ہوئے تھے، احکام کا تو یہ فلسفہ ہے کہ ان کا نفوذ خصوصی ہوتا ہے لیکن اطلاق عمومی، تا آنکہ اس کے متعلق خاص طور پر صراحت نہ کر دیجائے، مثالین اسکی عام ہین اور ان کا بیان ذکر کرنا تحصیل حاصل ہے، ایک بات البتہ انھون نے اپنے مخصوص رنگ مین بیان لکھی ہے، ابھی ابھی ہم دیکھ آئے ہین کہ انھون نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ کو بطور انکم ٹیکس ماننے مین کوئی حرج نہین بشرطیکہ "اسلام اسلامی سلطنت مین محدود ہو"، لیکن یہان یہ درج ہے کہ "اب زکوٰۃ کا مفہوم، اسلامی سلطنت سے باہر اور موجودہ اسلامی سلطنت کے اندر، خیرات ہے" جو اصول پہلے قائم کیا، اسکی خود ہی یہان تردید کر دی، اس پر اب کوئی اور کیا لکھے،

فرماتے ہین کہ "خیرات مسلمانون پر جبکہ وہ مستطیع ہون ہر وقت فرض ہے"، اسمین شک نہین کہ ذی استطاعت مسلمانون کو خیرات کرنے کی ترغیب بار بار قرآن نے دی ہے، لیکن ان عام ترغیبی احکام اور "فرض" مین بڑا فرق ہے، فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ (اللہ کی طرف سے واجب) تو صرف زکوٰۃ کے لیے ہی ہے، خیرات کے مقدس فرض کا حکم کہین نہین، البتہ اپنی مرضی سے دینے والون کے لیے بڑے بڑے احکام ہین، فرض کچھ اور ہوتا ہے،

تحریر ہے۔ "یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ شریعت یہود اور قوانین نوشیروان وچین پر کہانتک فقہائے اسلام نے

عمل کیا خصوصاً یہود کا عشر جس کے متعلق قرآن نے ایک لفظ بھی نہین کہا، مگر رسول اللہ صلعم سے ایک روایت بیان کیجاتی ہے کہ جو غلہ آسمان یا چشمون کے پانی سے پیدا ہوا اسمین دسوان حصہ زکوٰۃ ہے، اور جو غلہ سینچنے سے پیدا ہوا اسمین بیسوان حصہ زکوٰۃ ہے، یہ گویا بالکل شریعت یہود کا چربہ ہے جس کو قرآن سے کوئی واسطہ نہین"، اعتراض یہ ہے کہ عشر شریعت یہود کا چربہ ہے جسے قرآن سے کوئی واسطہ نہین، قارئین کرام مین سے جنھون نے گذشتہ قسط متعلقہ صیام کا مطالعہ کیا ہی انھین یاد ہوگا کہ فاضل مقالہ نگار کا سب سے قوی اعتراض یہ تھا کہ خیط اسود اور خیط ابیض کی تفسیر حدیث نے وہ کیون نہین کی جو یہود کی شریعت مین ہے، اور دعویٰ یہ کیا تھا کہ حدیث وہی قابلِ قبول ہوسکتی ہی جو قرآن اور یہود کے نوشتون کی تصدیق کرے، چنانچہ اسمین صاف صاف لکھدیا تھا کہ

"یقیناً قرآن نے جو اسلام پیش کیا ہی، یہی اسلام یہود و نصاریٰ پر پہلے پیش کیا گیا تھا" (معارف بابتہ ماہ دسمبر ۳۱ء)

ہم خوش ہوتے تھے کہ خیر اگر روزے کے فروعی مسائل حق گو صاحب کے قائم کردہ اصول کے مخالف ثابت ہوئے ہین، تو چلو زکوٰۃ کا عشر تو اس اصول کے مطابق ہے، لیکن معلوم ہوا کہ اصول کیا اور کہان کی باتین، یہ تو وقت وقت کی راگنی ہے، جیسا وقت مناسب سمجھا اصول گھڑ لیا، روزے کی سحری و افطار کے اوقات اگر یہود کی شریعت کے مخالف نظر آئے تو اعتراض کہ ان مین تخالف و تباین کیون ہی، اور اب زکوٰۃ کا عشر اُن کے مطابق نظر آیا تو اعتراض ہے کہ ان مین مطابقت کیون ہے، ع

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا"، ایک طرف اگر تحریر ہے کہ جو اسلام قرآن نے پیش کیا ہے، یہی یہود و نصاریٰ پر پیش کیا گیا تھا تو دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "یہ شریعت یہود کا چربہ ہے، جسے قرآن سے کیا واسطہ"؟ یہ ہے "تنقید صحیح کی وہ روشنی" جس مین "حدیث کا مطالعہ" ہو رہا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے صیام والے مضمون مین عرض کیا تھا، حق گو صاحب کو "الدین" اور مذہب مین فرق معلوم نہین جس کی وجہ سے وہ بار بار ٹھوکر کھاتے ہین، جہانتک "الدین" کا تعلق ہے وہ یقیناً وہی حقیقت باہرہ ہے جو تمام انبیائے کرام پر مختلف اوقات مین نازل ہوتی رہی، لیکن مذاہب زمان و مکان کے لحاظ سے بدلتے رہے، اس لیے اگر شریعت محمدیہ صلعم کے فروعی مسائل شریعت یہود سے مخالف ہون، تو بھی کوئی حرج نہین، اور اگر کوئی جزئی مسئلہ اس کے مطابق ہو

تو بھی کوئی قباحت لازم نہین آتی، اور نہ ان کا باہمی تخالف و تطابق ان کے غلط و صحیح ہونے کا معیار رہے،

اور سنیے، فرماتے ہین "اگر ایک سلطنت غلّہ پر کوئی ٹیکس وصول کرتی ہے، تو اسلام اور مذہب کو اس سے کیا، اگر نتائد اس قسم کی احادیث سے مطلب یہ تھا کہ عوام کو مذہب کے ذریعہ سے سلطنت کا مطیع بنایا جائے، لیکن اسطرح اگر سلطنت کی طرفداری کیگئی تھی، تو کیا یہ زیبا نہ تھا کہ سلطنت کو بھی مذہب سے ڈرایا جاتا اور ان کو منع کر دیا جاتا کہ عشر وصول کرکے اس سے حرم کیلئے خوبصورت لونڈیان نہ خریدی جائین اور علما رکو رشوت نہ دیجائے، بلکہ مفلوک الحال مسلین کی پرورش پر وقف کر دیا جائے"،

اگر صبر اجازت دے تو اس اقتباس کو دو تین مرتبہ پڑھئے، پھر معلوم ہو جائیگا کہ اعتراض کیا ہے، اعتراض ہے صاحب حدیث صلعم پر کہ حضور نے سلطنت کی طرفداری کی اور عوام و سلطنت کا مطیع بنانے کے لیے یہ احکام صادر فرمائے، میرے پاس تو اس اعتراض کا کوئی جواب نہین، اس لیے کہ معترض کو خود مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے، آپ ہی فرمائیے کہ اب عیسائی مصنفین پر کیا اعتراض ہے، اس علم و دین صحیح کے مدعی نے کچھ نہین تو کم از کم تاریخ کے ہی چار ورق الٹ لیے ہوتے اور دیکھ لیا ہوتا کہ جب کسی صحابی کو کسی صوبہ کا گورنر بنا کر بھیجا جاتا تھا تو کیا کیا احکام اس کو دیے جاتے تھے، اس سے سلطنت کی طرفداری مترشح ہوتی ہے یا رعایا کا درد، جو فقر کو اپنا فخر سمجھے، غریبون مین جینے، غریبون کے ساتھ مرنے اور غربا کی مصیبت مین حشر مین اٹھنے کی دعائین مانگے، وہ سلطنت کا طرفدار ہوگا؟ دوسرا اعتراض بھی پہلے کی کڑی ہے، اگر سلطنت کو مذہب سے ڈرایا نہین گیا تھا تو خلفائے راشدین ایسے اولوالعزم "بادشاہ" اس بار امانت کے اٹھانے سے کیون خوف کھایا کرتے تھے؟ اگر یہ مال مفلوک الحال مسلین کی پرورش کے لیے وقف نہین تھا تو خلیفۃ المسلمین کے پاؤن مین ٹوٹا ہوا جوتا کیون نظر آیا کرتا تھا، اور کرتے مین سینکڑون پیوند کس عیش و عشرت کی شہادت دیا کرتے تھے، ع

ہو ذوق گر تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

ارشاد ہے: "عشر در حقیقت یہودیون کی ایجاد نہین، اہل بابل و مصر بھی اتنا ہی حصہ اپنے دیوتاؤن پر چڑھاوا چڑھانے کے لیے الگ کر دیا کرتے تھے"، چلیے "نہ باآن بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی"، شریعت محمدیہ کا عشر، شریعت یہود کا چربہ، اور شریعت یہود کا عشر اہل بابل و مصر کے مشرکین کی نقل، نہ اسے کچھ خدا سے تعلق نہ اُسے،

آگے چل کر لکھتے ہین :۔ "یہ لطیفہ بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ بعض اوقات ایسے احکام جنکا ذکر قرآن مین نہین ہے خودبخود ترک ہوجاتے ہین، ہندوستان مین کوئی مسلمان کاشتکار اپنی کھیتی کا عشر نہین دیتا، باوجودیکہ حدیث مین اسکی صراحت ہے، اسی طرح حدیث نے جس بات سے منع کیا ہے اس سے مسلمانون کو کچھ بھی اکراہ نہین، چنانچہ زمین کو کرائے پر دینا حدیث مین ممنوع ہے، جیسا کہ مسلم کی اس روایت سے ظاہر ہے"۔ ..... اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ لکھا ہے جسمین انھون نے زمین کو کرایہ پر دینا چھوڑ دیا تھا، اس کے بعد درج ہے۔ "مگر کوئی مسلمان اس پر عمل نہین کرتا حالانکہ یہ روایت سوشلزم کی جان ہے"

دعویٰ یہ ہے کہ جو احکام قرآن مین نہین ہین وہ خودبخود ترک ہوجاتے ہین، اور دلیل یہ ہے کہ دیکھو لوگ عشر نہین دیتے اور زمین کرایہ پر دیتے ہین، پہلے تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے، ترک اعمال سے یہ نتیجہ استنباط کرنا کہ ان کا حکم قرآن مین نہین واقعات کو جھٹلانا ہے، قرآن کے کتنے صاف صاف احکام ہین جنھین آج مسلمانون کی اکثریت نے چھوڑ رکھا ہے، نماز ہی لیجئے آپ کی تاویل کے مطابق تین ہی وقت کی سہی، کتنے مسلمان ہین جو اس کے پابند ہین، روزے لیجئے، تین دن یا دس دن کے ہی سہی، کتنے مسلمان روزہ دار ہوتے ہین، زنا، چوری، شراب، جوا، وغیرہ افعال خبیثہ کے متعلق صریح احکام قرآن مین موجود ہین، کتنے مسلمان ہین جو ان سے مجتنب ہین، اگر آپ کا قائم کردہ معیار ہی درست سمجھا جائے تو ان احکام کو ضرور قرآن سے خارج کردینا پڑیگا، باقی رہا یہ کہ لوگ عشر نہین دیتے، لوگ زکوٰۃ کب دیتے ہین، آپکی تاویل سے اسے خیرات ہی سمجھ لیجئے، کتنے مستطیع مسلمان ہین جو مخیر ہین، دوسری مثال جو ہمارے حق گو صاحب نے پیش کی ہے وہ ہمارے دعویٰ کی خود دلیل اور ان کے دعویٰ کی نقیض ہے، یعنی باوصفیکہ زمین کو کرائے پر نہ دینے کا حکم سوشلزم کی جان ہے، لوگ پھر بھی اس سے باز نہین رہتے، اس سے معلوم ہوا کہ لوگون کی پابندی یا ترکِ اعمال، ان احکام کے حسن و قبح کا معیار نہین ہوسکتا، اعمال کا فلسفہ کیا ہے، اس کا ذکر آگے آئیگا،

لکھتے ہین :۔ "قرآن کو چھوڑ کر دوسرون کے اقوال کی تقلید کا نتیجہ اکثر ایسا ہی ہوا ہے، کیونکہ انسانی اقوال انسانی طبیعت کے اختلاف پر نظر نہین کرتے اور وہ اپنے اوپر تمام انسان کی طبیعت کو محمول کرلیتے ہین، اور قرآن سے خلاف منشا تشدد سے کام لیتے ہین نتیجہ یہ رہتا ہے کہ مسلمانون کا بڑا حصہ سرے سے اس فرض ہی کو ادا نہین کرتا، مسلمانون مین

بالعموم جو نماز روزہ کی پابندی نہیں ہوا سکا بھی یہی سبب ہو کہ انپر قرآن سے زیادہ تشدد کیا گیا اور انھون نے اسکی وجہ سے اصل فرض کو بھی گم کر دیا"

"قرآن کو چھوڑ کر دوسرون کے اقوال" کا مطلب اگر یہی ہے کہ دوسرون کے اقوال قرآن کے مخالف ہون تو اس مین کسے کلام ہے، قرآن تو ایک طرف رہا" دوسرے اقوال پیش کرنے والون" نے تو یہانتک کہہ دیا ہے کہ ان کا کوئی مسئلہ اگر حدیث صحیح کے خلاف نظر آئے تو فوراً ٹھکرا دیا جائے، اب ان کے قول پر اعتراض خود قرآن پر اعتراض ہو، اگر "دوسرون" مین پیغمبر بھی شامل ہے، تو معاف رکھئے قولِ پیغمبر کے بغیر تو قرآن پر عمل ہونے سے رہا، نیز ہمارے نزدیک تو عام انسانون اور پیغمبرون مین فرق ہی یہی ہے کہ پیغمبر برخلاف عام انسانون کے انسانی طبیعت کو اپنے اوپر محمول کر کے نسخے نہیں تجویز فرماتے بلکہ وہ انسانی فطرت کی انتہائی گہرائیون تک پہنچکر اس کا صحیح صحیح مطالعہ کرتے ہین، ان کا علم ذاتی تجربات پر مبنی نہین ہوتا، بلکہ ان کا سرچشمۂ علم وہ مبدأ حقیقی ہوتا ہے جو بحیثیت خالق ہونے کے فطرتِ انسانی کا بہترین نبض شناس ہوتا ہے؛ "اقوال" کی بحث مین مصنف اور مفسر کا باریک فرق ضرور پیشِ نظر رہنا چاہئے،

اب رہا تشدد، سو یہ مسئلہ ذرا وضاحت طلب ہے، سوال یہ ہے کہ دنیا مین جتنے اعمال شعوری طور پر انسان سے وجود مین آتے ہین، ان کی علت کیا ہوتی ہے، یعنی فلسفۂ اعمال کیا ہے، ظاہر ہے کہ انسان کے پیشِ نظر ایک مقصد ہوتا ہے جس کے حصول کی خواہش اس کے دل مین جذبات پیدا کرتی ہے، جو محرک ہوتے ہین اعمال انسانی کے، جبتک یہ جذبات پیدا نہ ہون گے اعمال سرزد نہ ہونگے، اور جذبات ہمیشہ کسی مقصد کے حصول کے لیے ہونگے، گویا اعمال کا سرزد ہونا کسی مقصد کے حصول کے لیے ہوگا، یہی جذبات یا خواہش ہے جس کا نام حدیث مین "نیت" رکھا گیا ہو، اب یہ بھی ظاہر ہے کہ جس قدر کوئی مقصد زیادہ گرانبہا یا عزیز ہوگا اسی قدر اس کے حصول کے لیے زیادہ جدوجہد کیجائیگی، اور اس راستہ مین جس قدر مشکلات کا سامنا ہوگا، خوشی خوشی انھین برداشت کیا جائے گا، مقصد کا حصول ہی تو ہے جس کے لیے انسان جان تک کی سی عزیز چیز قربان کر دیتا ہے، میدانِ کارزار مین گولیون کی بوچھار مین سینہ سپر ہوکر کھڑا ہو جاتا ہے، یہ سب کچھ کرتا ہے لیکن کبھی اس کا نام تشدد نہین رکھتا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ جو تکالیف وہ اس وقت برداشت کر رہا ہے انکا صلہ ضرور مل کر رہیگا، مذہب کی اصطلاح مین اس "جاننے" کا نام ایمان ہے، دنیوی مقاصد عام طور پر جلب منفعت یا دفع

مضرت پر مبنی ہوتے ہین، اور اس کا نتیجہ انسان کی آنکھون کے سامنے ہوتا ہے، ایک شخص بلدیہ کی رکنیت یا اسمبلی یا کونسل کی امیدواری کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور ہزارون روپیے پانی کی طرح بہا دیتا ہے، اسی شخص سے اگر آپ پانچ روپیے کسی مسجد کی مرمت کے لیے طلب کرین تو اُس پر بجید شاق گذریگا، حکام کی خوشنودی کے لیے سمندر پھاڑ دینگے، پہاڑ کو دریا بنا دینگے، برفانی میدانون مین رات دن دشت نوردی کرینگے، لیکن اگر وضو کرنے کے لیے موزہ اتارنا پڑیگا تو اسے وبال جان سمجھینگے، وجہ اسکی بالکل کھلی ہوئی ہے، ایک طرف اس کا "ایمان" ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اس کا صلہ ضرور ملیگا، اس کا نتیجہ ضرور مرتب ہوگا۔ دوسری طرف بظاہر اس کے پیش نظر کچھ نہین ہوتا، ایک شخص کو آپ کہتے ہین کہ ایک ہزار روپیہ خدا کی راہ مین خرچ کر دے، وہ دیکھتا ہے کہ بظاہر یہ خرچ روپیہ ضائع کر دینے کے مترادف ہے، اگر یہی روپیہ وہ کسی تجارت مین لگائے گا تو اسے اس قدر منافع ہوگا تو وہ ٹھیک کہتا ہے اسلئے کہ دوسری طرف اس کے سامنے کوئی تجارت نہین، کوئی منافع نہین لیکن اگر اسے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ وہ تجارت اس دنیوی تجارت سے کہین بڑھکر سود مند اور وہ منافع چند درہم کا سود کے مقابلہ مین بیش بہا جنس ہے، تو بغیر کہے اس تجارت مین روپیہ لگا دیگا، سو واضح ہوگیا کہ ایک ہی کام ایک شخص کے لیے تشدد ہے دوسرے کے لیے عین راحت، نہین نہین بلکہ ایک جذبہ کے ماتحت تشدد ہے، اور دوسرے کے ماتحت مسرت، غنیمت سمجھیے کہ آج تو اس قدر سہولتین پیدا ہوگئی ہین کہ تشدد کا نام بھی موجود نہین، تشدد (عام ذہنیت کے مطابق) اگر تھا تو اس وقت جبکہ اسلام نے سب سے پہلے اپنی دعوت پیش کی ہے، ایک قوم صدیون سے شراب کی عادی چلی آتی ہے، اس کے متعلق شام کے وقت ممانعت کا حکم آجاتا ہے، علی الصبح گلیون مین شراب کی نالیان بہ جاتی ہین، اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی پی ہی نہین، آج اس حکم کا نام تشدد ہو جائیگا یا نہین؟ جس قوم کے افراد کا ایک ایک کام فال دیکھ کر یا پانسہ پھینک کر عمل مین آتا تھا، اُسے یکسر قماربازی سے روک دیا جاتا ہے، جو لوگ دوسرے قبیلہ کی حسین وجمیل دوشیزہ لڑکیون کے نام لےلیکر مجامع ومحافل مین اُن کی داستان حسن وعشق فخریہ بیان کیا کرتے تھے، انھین حکم دیا جاتا ہے کہ جب چلو تو آنکھین بھی نیچی کرکے چلو، ان کے آبا و اجداد کا وطن ان سے چھڑا دیا جاتا ہے، بہتون کو میدان جنگ مین دھکیل دیا جاتا ہے، مال ان کا صرف کر دیا جاتا ہے، یہی نہین غریب ونادار مسلمان کفار کے ہاتھ آجاتے ہین تو ان پر ظلم وستم

روا، رکھے جاتے ہین کہ آج ان کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین، لیکن وہ اللہ کے بندے ہین، کہ اُف تک نہین کرتے، کوڑے پر کوڑا پڑ رہا ہے اور منھ سے نام "اللہ" نکل رہا ہے، سولی پر لٹکا دیئے جاتے ہین، بھڑکتی ہوئی آگ کے نذر کر دیئے جاتے ہین، لیکن ان کی پیشانی پر بل تہین پڑتا، بالآخر کچھ تو ہے جو یہ سب کچھ اس وقت تشدد نہین تھا، اور آج پانچ وقت کی نماز بھی تشدد مین داخل ہو، یہ کیون ہو، وجہ بالکل ظاہر ہے، اس وقت پیش نظر ایک مقصد، ایک عظیم الشان مقصد کا حصول تھا، اس لیے اسکی راہ مین جسقدر مصائب کا سامنا ہوتا تھا خوشی خوشی برداشت کیجاتی تھین، آج کوئی مقصد پیش نظر نہین، اسلیے بوٹ کا تسمہ کھولنا بھی تشدد ہے، مین کہتا ہون چلیے یونہی سہی کہ نماز روزہ جو مسلمانون مین اس وقت رائج ہے، وہ قرآن سے زیادہ تشدد ہے، آپ نے جو مذہب کو اس قدر نرم کر دیا ہے کتنے مسلمان ہین جو اس پر کاربند ہین، نمازین پانچ نہ سہی تین ہی سہی، کتنے مسلمان تین وقت ہی کے پابند ہین، روزے تیس نہ سہی، دس سہی، ذرا اعداد و شمار سے معلوم کیجیے کہ کتنے مسلمان اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہین، آپ نے پانچ نمازون کو تشدد قرار دیا اور تین کو سہولت، لوگ اس تین کو بھی تشدد کہہ رہے ہین، آج روشن خیال طبقہ جو مذہب سے بیگانہ بلکہ بیزار نظر آتا ہے اسکی یہ وجہ نہین کہ مذہب مین تشدد ہے، بلکہ اسکی وجہ کچھ اور ہے، اور وہ وہ چیز ہے جس کا ذکر ذرا دبی ہوئی زبان سے آپ نے بھی اسی مضمون مین کر دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین:-

"اور اس سواد اعظم اسلام (یعنی ہندوستان) کا کام بغیر سلطان کے چل رہا ہے، نہ صرف چل رہا ہے بلکہ ان مین عمرانیت و شخصی آزادی ان ممالک سے زیادہ ہے، جہان اسلامی سلطنتین ہین"

عمرانیت کا تو سوال ہی جداگانہ ہے اسے ہماری بحث سے تعلق نہین، البتہ یہ "شخصی آزادی" قابل غور ہے، جہانتک نفس آزادی کا تعلق ہو، سبحان اللہ، اللہ کی ایک نعمت ہو اور یہ فخر صرف اسلام کو ہی حاصل ہو کہ اس نے دنیا مین آکر صحیح آزادی کا مفہوم پیدا کیا، ورنہ اس سے قبل دنیا اس نام سے بھی آشنا نہین تھی، انسانی ذہنیت اس درجہ گرانبار طوق و سلاسل کہ سر اٹھانا جانتی ہی نہ تھی، اسلام نے آکر یہ سبق دنیا کو دیا کہ وسخر لکم ما فی السموٰت والارض اور بتا دیا کہ عبودیت اور بندگی صرف ایک احکم الحاکمین کی ہے، باقی تمام موجودات انسان کی مملکت مین، لیکن ہر چیز کی ایک حد

ہوتی ہے اور جونہی وہ حدِاعتدال سے متجاوز ہوئی نافع سے مضر ہو گئی، اس آزادی کے باوجود نظامِ عالم چند قیود و پابندیوں کا رہین ہے، ان قیود و قوانین کو توڑیئے جو حکومت یا سوسائٹی نے عائد کر رکھے ہین، اور پھر آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آپ اپنے آپ کو کہان پاتے ہین، اسی حدِاعتدال سے بڑھی ہوئی شخصی آزادی کو سلب کرنے کے لیے حکومت کو اس قدر اہتمام کرنا پڑتا ہے، عدالتین قائم ہین، پولیس ہے، فوج ہے، جیلخانے ہین، دارالعدسن ہے اور پتہ نہین کیا کیا ہے، کیا ظلم ہے کہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے صبح سے شام تک اس "شخصی آزادی" کے خلاف حکم پر حکم صادر کیا جائے تو معدلت گستری اور انصاف پروری نام پائے، لیکن اگر مذہب شخصی آزادی کی حدود بندی کرے، تو تنگ نظری نام پائے، دنیا مین سب سے زیادہ اختیار انسان کو اپنی جان پر ہوتا ہے، ایک آدمی اپنی اس غیر مشترک ملکیت کو اگر تلف کرنیکا قصد بھی کرے تو قید و بند مین محبوس کر دیا جائے، کیا یہ "شخصی آزادی" کے خلاف نہین ؟ اس سے کم آدمی کو اپنے پیدا کردہ مال پر اختیار ہوتا ہے، لیکن حکومت ہر شخص سے اسکی آمدنی کا ایک حصہ ہر سال وصول کر لیتی ہے، کیا یہ اسکی شخصی آزادی کے منافی نہین ہے ؟ یہ سب کچھ تو جائز، لیکن اگر مذہب کے قوانین اسی آمدنی مین سے کچھ سالانہ مانگین تو تشدد فی عدالت مین ایک شخص ذرا گستاخی سے پیش آئے تو توہینِ عدالت کے جرم مین جیلخانہ بھجوا دیا جائے، لیکن اگر کوئی نائب رسول صلعم کو سرِ بازار ہدفِ سب و شتم بنائے تو اس کے خلاف آواز نکالنے والے کو تنگ نظر، متعصب اور دقیانوس قرار دیا جائے، اگر کوئی شخص کپڑے اتار کر برہنہ بازار مین نکل کر اپنی "شخصی آزادی کے پیدایشی حقوق" کا ثبوت پیش کرے تو سوسائٹی کے قوانین حوالات مین دیدین، لیکن اگر مذہب عورتون کو سر اور سینہ ڈھانپنے کا حکم دے تو تشدد نام پائے، وجہ اسکی ظاہر ہے، سو صاحب! یہ جو آج مذہب کے ہر حکم کا نام تشدد رکھا جا رہا ہے یہ اسی نعمتِ عظمیٰ یعنی "شخصی آزادی" کی کرم گستری ہے، لوگ مسلمانون کو گالیان دیتے ہین، ان کے واجب التعظیم بزرگون کو موردِ طعن و تشنیع ٹھہراتے ہین، خدا و رسول پر پھبتیان کستے ہین، ملائک و جنت کا تمسخر اڑاتے ہین، لیکن اُن کے خلاف اگر ذرا آواز نکالی جاتی ہے تو فوراً کہدیا جاتا ہے کہ یہ "شخصی آزادی" کے منافی ہے، سچ فرمایا تھا حضرت اکبر مرحوم نے،

مغوی کو بھی بد نہ کہو ترغیب ہے یہ
کس سے یہ کہون نفس کی تخریب ہے یہ

اک شور مچا خلافِ تہذیب ہے یہ شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن

ہان تو صاحب، یہ جو آج مسلمان احکام اسلام کے متبع نظر نہین آتے اسکی وجہ ان احکام کا تشدد نہین بلکہ ہماری "شخصی آزادی" ہے، اور اسکی علت یہ کہ آج ایمان موجود نہین جو یہ سمجھائے کہ ایک بہت بڑا مقصد تمھارے پیشِ نظر ہونا چاہئے، وَاِلیٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهیٰ،

فرماتے ہین:- "نصاب زکوٰۃ کی جو صراحت فقہانے کی ہے مجھے کوئی حدیث اسکی تائید مین نظر نہ آئی، البتہ انسؓ سے مسلم مین ایک روایت ہے جس کی تائید ابن عمر کی روایت سے ہوتی ہے، دونون مین فرق یہ ہے کہ ایک نے ابوبکر صدیق کا نام لیا ہے اور دوسرے نے آنحضرت صلعم کا، انس کی روایت یون ہے....... " اس کے بعد حضرت انسؓ کی روایت سے وہ مشہور حدیث لکھی ہے جسمین نصاب زکوٰۃ کی صراحت ہے، یعنی "وعن انس رضی اللہ عنہ ان ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ کتب لہ ھذا فریضۃ الصدقۃ التی فرضہا رسول اللہ صلعم........"

معلوم نہین یہ حقگو صاحب کن کتابون سے حدیثون کی تلاش کرتے ہین کہ انھین کبھی کوئی حدیث ملتی ہی نہین، اوقات صلوٰۃ کے متعلق انھین حدیث نہ ملی، صیام کے متعلق ان کی کوشش رائگان گئی، اب زکوٰۃ کے متعلق بھی یہی دقت پیش آئی حالانکہ یہ صحاح ستہ مین اس کے ہر مسئلہ کے متعلق علیحدہ علیحدہ ابواب قائم کرکے متعدد احادیث صحیحہ درج ہین، زکوٰۃ کو ہی لیجئے اول تو جو حدیث فاضل مقالہ نگار نے درج فرمائی ہے، اسمین بھی دیانت سے کام نہین لیا، وہ حدیث بہت طول طویل ہے اور اسمین زکوٰۃ کے جملہ نصاب بالتفصیل درج ہین، جتنا حصہ انھون نے نقل کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اونٹ بکریون کا نصاب ہی حدیث مین ہے، اس کے سوائے اور کسی چیز کا نہین، اسمین شبہہ نہین کہ عربون کی ملکیت زیادہ تر جانور ہی ہوتے تھے، لیکن اسی حدیث مین یہ الفاظ بھی تو ہین، جو حق گو صاحب نے درج نہین فرمائے،

وفی الرقۃ فی مائتی درھم ربع العشر فان لم تکن الا تسعین ومائۃ فلیس فیہا صدقۃ

اس سے نقدی کا نصاب ثابت ہے،

اسی طرح جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلعم نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انھین زکوٰۃ کے متعلق ہدایات

ارشاد فرمائیں جو حدیث کی کتابوں مین درج ہین، اسی طرح سے ان احادیث کو دیکھئے،

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلعم تؤخذ صدقات المسلمین علی میاھھم، رواہ احمد ولابی داؤد ولا تؤخذ صدقاتھم الا فی دورھم

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلعم لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ، رواہ البخاری،

وقت کے متعلق ملاحظہ فرمائیے،

وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلعم اذا کانت لک مائتا درھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسۃ دراھم ولیس علیک شئ حتی یکون لک عشرون دینارا وحال علیھا الحول ففیھا نصف دینار فما زاد فبحساب ذلک ولیس فی المال زکوٰۃ حتی یحول علیہ الحول،

اب فرمائیے اس سے زیادہ نصاب اور وقت کی تصریح اور کہاں ہوگی، اور حقگو صاحب کو کوئی حدیث نہیں ملتی، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے، من استفاد مالا فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول والراجح وقفہ، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ لیس فی البقر العوامل صدقۃ، حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر (رواہ البخاری) اسی طرح حضرت ابی موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اسمین شعیر، حنطۃ، زبیب، اور تمر کا نصاب مقرر ہے، عنب و نخل کے متعلق حضرت عتاب بن اسیدؓ سے حدیث مروی ہے، زیور، سونے، رکاز، اور کنز وغیرہ کے متعلق حضرت عمرو بن شعیبؓ اور ام سلمہؓ سے روایات ہین، یہ سب احادیث صحاح ستہ مین موجود ہین اور جسکا جی چاہے کتابین اٹھاکر دیکھ لے، اسقدر احادیث کی موجودگی مین یہ کہنا کہ فقہانے جو نصاب کی صراحت کی ہے، اسکی تائید مین کوئی حدیث نظر نہین آئی، کوتہ نظری نہین تو کیا ہے،؟

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ والی حدیث درج کرنے کے بعد فرماتے ہین "یقیناً ان احکام کا تعلق مذہب سے نہین ہوسکتا بلکہ محض سیاست وخراج ملکی سے ہے، محدثین نے اسکو ابوبکر صدیق رضؓ سے بیان کیا ہے اور مین اسکو جسٹی نین سے بیان کرسکتا ہون، پرانے ترکون مین یہی ٹیکس کواہ، کہلاتا تھا اور مین نے خود یہ ٹیکس انگریزی حکومت کی طرف سے جبکہ مین جنوبی کردستان مین ڈپٹی اسسٹنٹ پولیٹیکل افیسر تھا، قبائل بنی تمیم سے وصول کیا"۔

پہلے حصہ کا جواب تو دیا جاچکا ہے کہ مذہب کو سیاست سے تعلق ہے یا نہین، خط کشیدہ فقرے کے متعلق سوائے اس کے اور کیا جواب ہوسکتا ہے جو قرآن نے تجویز فرمایا ہے کہ لکم دینکم ولی دین، ہمارے نزدیک تو جب کوئی متنازع فیہ مسئلہ آئیگا ہم اللہ اور اللہ کے رسول یا انھین سمجھنے والون کی طرف رجوع کرین گے، آپ جسٹی نین یا نوشیروان کا دروازہ کھٹکھٹاتے پھرئے انھین کے لیے ہی شاید حضرت اکبر مرحوم نے فرمایا تھا کہ

سدھارین شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھینگے ... وہ دیکھین گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھین گے

اگر جسٹی نین سے مراد ان کی وہی (JUSTINIAN) ہے جس کے عہدِ حکومت مین مشہور رومن قانون (JUSTINIAN CODE) مرتب ہوا تھا تو ہمین تو اس کی بھی خوشی ہے کہ دنیا کی دو بڑی تہذیبون سے ہمارے نصاب زکوٰۃ کی تائید ہو رہی ہے، ایک رومن تہذیب اور ایک موجودہ تہذیب مغرب کہ ان مین انکم ٹیکس اسی شکل مین ہے جس مین ہمارا نصاب زکوٰۃ، باقی اگر یہ اعتراض ہو کہ رسول اللہ صلعم، حضرت ابابکر صدیق رضؓ نے یہ نصاب جسٹی نین کے قانون سے لیا ہے تو بدیہیات سے یہ ثابت نہین، جسٹی نین کی وفات ۵۶۵ء مین ہوئی، اور بعثت نبی کریم صلعم کا زمانہ اوائل ساتوین صدی (حضور کا وصال ۶۳۲ء مین ہوا) جسٹی نین کوڈ پچاس ضخیم ترین جلدون مین مرتب ہوا تھا، اور اس زمانہ مین طباعت ونشر واشاعت کا جو انتظام تھا وہ اس بات پر شاہد ہے کہ اتنے قلیل عرصہ مین رومن قانون کی اس قدر ضخیم کتاب عربی زبان مین کسی صورت مین بھی منتقل نہ ہوسکتی تھی نہ قرن اول کے وہ مسلمان رومن زبان سے واقف تھے، اس کے علاوہ وسائلِ نقل وحرکت اور رسل ورسائل بھی اس درجہ عام نہ تھے، اس لیے حضرت صدیق رضؓ کے ہان یہ نصاب ملتا ہے، تو اسے جسٹی نین کوڈ سے کوئی علاقہ نہین، اگر ترکون کے ہان یا انگریزی حکومت

مین ایسا ٹیکس ہی تو نصاب زکوٰۃ پر اسکا کیا اعتراض، اسلام نے شراب کی حرمت بیان کی، آج امریکہ مین شراب کے خلاف جہاد ہو رہا ہے، تو اس کے یہ معنی تو نہین کہ اسلام نے امریکن تہذیب یا قانون کی خوشہ چینی کی ہی،

ارشاد ہے: ۔" نصاب زکوٰۃ کا مدعا اگر یہ ہے کہ زکوٰۃ کی پابندی بجائے عام تاکید کے ایک فرض خاص سمجھا جائے تو اس کو عملی حیثیت سے دیکھو، اول تو انکم ٹیکس اور خیرات مین باہم اتفاق کی صورت نہین، ایک جبریہ ہے اور دوسرا اختیاری کیا مسلمان بھی قاضی ابو یوسف کی طرح اس ٹیکس کے دینے مین حیلہ حوالہ کیا کرینگے، یا حاجتمندون کی حقیقی معنون مین امداد کرینگے، فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس خیرات کرنے کو مال ہے مگر فقہ کی رو سے اس پر ابھی نصاب واجب نہین ہوتا تو تم ایسے شخص کو کیونکر خیرات کی طرف مائل کر سکتے ہو، حالانکہ ضرورت تو یہ تھی کہ اس کو زکوٰۃ کا مفہوم وہی بتایا جائے جس کے لیے نصاب و وقت کی کوئی قید نہ ہو، آخر مین گذارش ہے کہ زکوٰۃ نماز کی طرح ایک فرض روزانہ ہے، عیسائیون مین ہر اتوار کو جب نماز ختم ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ جمع ہو جاتی ہے اور وہ نیک کامون مین خرچ ہونے کیلئے گرجا مین جمع رہتی ہی، کیا اسمین سے اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ کی بو نہین آتی، کیا تم بھی اپنی جمعہ کی نماز کے ساتھ ایک آدھ روپیہ زکوٰۃ کا نہین نکال سکتے "۔

فی الواقعہ یہی صورت بہتر ہے کہ عملی حیثیت سے اسے دیکھا جائے، جہانتک روپیہ خرچ کرنے کا تعلق ہی خواہ وہ انکم ٹیکس کی شکل ہو یا روزانہ خیرات، جبری اور اختیاری کا سوال ہی پیدا نہین ہوتا، کیونکہ جب ایک چیز فرض ہو گئی تو اسمین اختیار کہان سے رہا، البتہ اگر نصاب اور وقت کے جبر و اختیار کی طرف اشارہ ہے تو یہ صورت ضرور عملی حیثیت سے جانچنے کے قابل ہی، جن لوگون نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر دیا ہے، ان کے متعلق تو کوئی وقت ہی نہین، وہ تو جبری زکوٰۃ بھی دینگے اور روزانہ خیرات بھی، یہ اعتراض کہ ایک شخص کے پاس روپیہ ہے لیکن فقہ کی رو سے اس پر ابھی نصاب واجب نہین، تو ایسے شخص کو کیونکر خیرات کی طرف مائل کیا جا سکتا ہی، بالکل بے معنی ہے، فقہ نے یہ کہان کہہ رکھا ہی کہ جس شخص پر ابھی نصاب واجب نہ ہو وہ اگر خیرات مین ایک پیسہ بھی دیگا تو پھانسی پر لٹکا دیا جائیگا، خیرات دل کی خوشی کا نام ہے، اپنے مال پر جب اختیار حاصل ہی تو جتنا چاہے دے، کون روک سکتا ہی، دینے والون

کی تو یہ کیفیت ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہونے دیتے اور خرچ کرتے رہتے ہیں، لیکن جو دینا نہیں چاہتے وہ یقیناً حیلے بہانے بنائیں گے، جب جبر میں یہ حالت ہے کہ قاضی ابو یوسف کی طرح حیلہ ساز پیدا ہوتی ہیں تو ایسے لوگوں سے اختیار میں توقع رکھنا کہ جبر سے زیادہ دینگے خود فریبی کے سوا اور کیا ہے، اسی سورۂ برأت میں معذرین کا حال پڑھئے کس قدر حیلے تراشتے تھے، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان نادار لیکن صاحبِ دل مسلمان ضعفاء کا ذکر کیا ہے جنکا دل خون ہوجاتا تھا کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کیوں نہیں ہے، اور جب وہ اس حالت میں لوٹتے تھے تو کیفیت یہ ہوتی تھی کہ

واعینھم تفیض من الدمع حزناً الا یجدوا ما ینفقون، ان کی آنکھوں میں آنسو آجایا کرتے تھے کہ وہ خرچ کرنے کو مال نہیں پاتے،

اگر آپ فطرت انسانی کا اس قدر گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جبر کے بجائے اختیار میں مال دار زیادہ دے دیا کرتے ہیں تو " وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار" دنیا آج اقتصادی مشکلات میں گرفتار ہے، حکومت بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات و معاشیات سے مشورے طلب کررہی ہے، آپ آئیے اور انھیں کہئے کہ جسقدر جبری ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں سب منسوخ کر دئیے جائیں، انکم ٹیکس اڑادیا جائے، لگان کی شرح موقوف کردیجائے، ریل کے ٹکٹ، ڈاکی نہ کے اسٹمپ فروخت کرنے بند کر دئیے جائیں، بحری محصول ہٹا دیا جائے ورلوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے کہ جو کسی کا جی چاہے دے جائے، پھر دیکھئے کہ خزانہ عامرہ کے اعداد و شمار ایک مہینے کے بعد کیا کہتے ہیں، جو سوال انھوں نے جبری زکوٰۃ کے خلاف کیا ہے، میں باد ب ان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ فرض کرو ایک شخص کے پاس دس ہزار روپے جمع تھے جسپر زکوٰۃ واجب آتی ہے، اگر نصاب کی روسے اس پر آپ زکوٰۃ فرض نہیں کرتے اور خیرات کی شکل میں یہ فرض عائد کرتے ہیں تو اگر وہ ایک روپیہ بطور خیرات دے کر اس فرض سے سبکدوش ہوجائے تو آپ کس طرح اس سے کچھ اور وصول کرسکتے ہیں، نصاب میں زیادہ نہیں تو اڑھائی روپیہ دے کر تو چھوٹے گا، تو عملی حیثیت سے یہ صورت زیادہ منفعت بخش ہے یا آپ کی مجوزہ اسکیم، لوگ کئی خیراتی فنڈز میں

حکومت کو چندے دیتے ہیں، لیکن اگر انکم ٹیکس کا ایک روپیہ بھی اُن کے ذمہ بقایا ہو تو محکمہ جب تک وصول نہ کرلے پیچھا نہیں چھوڑتا اور بصورت عدم ادائگی جیل خانہ دکھانے سے بھی نہیں چوکتا، یہ سب جائز اور درست، لیکن اگر مذہب ایسا جبری ٹیکس مانگے تو تشدد، باقی رہا گرجا کا چندہ، سو صاحب وہ تو ان کی فتوحات بالائی ہوتا ہے، ان کے جملہ مصارف کی ذمہ دار خود حکومت ہوتی ہے، جس کے "بیت المال" میں "زکوٰۃ" (انکم ٹیکس) کا روپیہ بھی موجود ہوتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ حق گو صاحب زکوٰۃ کے صحیح مفہوم یا اسکی اصل روح (SPIRIT) کو سمجھے ہی نہیں ہیں، زکوٰۃ صرف نقد آمدنی پر ٹیکس کا نام ہی نہیں بلکہ یہ تو زراعت، جانور، زیور، دفینہ، خزانہ غرضیکہ مختلف اشیائے ملکیت پر ٹیکس کا نام ہے اور ہر شخص جانتا ہو کہ (REVENUE) کی یہی بڑی مدات ہوتی ہیں، اگر انہی کو اختیاری قرار دیدیا جائے تو نظام کس طرح قائم رہے۔ آج اگر ایک امام یا مرکزی بیت المال موجود نہیں تو خیر اسکی تنظیم کے دوسرے طریقے ہو سکتے ہیں، بلکہ اسلام حکومت کی جو صحیح شکل پیدا کرنا چاہتا تھا، ایک چھوٹے سے پیمانے پر اس کا نقشہ قائم ہو سکتا ہے، اسلام کا منشا یہی تھا، کہ ہر قریہ اور ہر بستی بہ حیثیت خود ایک جمہوری حکومت ہو، آج بھی اگر کوئی ایسی تنظیم کی صورت پیدا ہو جائے کہ کم از کم ایک بستی ایک قصبہ کے زکوٰۃ کی آمدنی صحیح طور پر وصول کیجائے اور اُسے صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے تو آپ دیکھیں کہ مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی ہے، لیکن شرح ٹیکس اور اس کے متعلقہ قوانین کو سرمایہ دار کے رحم پر چھوڑ دینا یہ کہاں کا حسن تدبر ہے، اگر کسی جزئی مسئلہ میں ترمیم کی ضرورت بھی ہو تو یہ تھوڑا ہے کہ زید، بکر، عمر جسکا جی چاہے مسائل متفرع کرے، اس کے لیے کسی ایسی آواز کی ضرورت ہے جس کے سامنے سب کے سر جھک جائیں یا اجماعِ امت کی ضرورت ہے، جو سواد اعظم ہے، نہ یہ کہ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی، اسطرح سے مذہب کی حیثیت کیا رہتی ہے؛

اب جبکہ یہ سلسلہ مضامین ختم ہو رہا ہے، ضرورت ہے کہ ایک ایسی اصولی بات کا ذکر کردیا جائے جس کی بناء پر ایسے حضرات کو بہت سی دقتیں پیش آرہی ہیں جو جزو کل قرآن سے مانگتے ہیں، ان کا ہمیشہ اعتراض ہوتا ہے کہ فلاں چیز قرآن میں نہیں، یہ حکم قرآن میں نہیں، ان سے صرف ایک سوال ہے کہ جس چیز کو آپ قرآن، قرآن کہہ رہے ہیں، بالآخر وہ قرآن ہے کیا چیز، جواب ظاہر ہے کہ قریب چودہ سو سال ہوئے سرزمین عرب میں ایک شخص محمد صلعم نے

یہ دعویٰ کیا تھا کہ جو کلام وہ لوگون پر پیش کر رہا ہے، وہ خدا کا کلام ہے اور اُسے قرآن کہتے ہین، پھر وہی مجموعۂ کلام تواتر سے آج ہم تک پہنچا ہے، اسے ہم قرآن کہتے ہین، سو اس قرآن کو جو آج ہمارے پاس موجود ہے، کلام اللہ ماننے کے لیے دو باتون پر ایمان رکھنا نہایت ضروری ہوا، ایک تو مدعی رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دیانت وصداقت پر، دوسرے تواتر کے اعتبار پر، اگر ان مین سے ایک مین بھی نقص پیدا ہو گیا تو قرآن کے قرآن ہونے کی سند ہمارے پاس کوئی نہین رہیگی، اول الذکر کے لیے رسول اللہ صلعم کی باتون کو یقیناً سچا ماننا پڑے گا، (اور اسے اصطلاح مین متن حدیث کہتے ہین) اور ثانی الذکر کے لیے تواتر کو معتبر (جسے اسناد کہتے ہین) بس یہ ہے جسے حدیث کہتے ہین، اب خود ہی اندازہ فرما لیجیے کہ رسول اللہ صلعم نے بہ حیثیت منصب رسالت جو کچھ کہا یا کیا، اور وہ تواتر سے ہم تک پہنچا، اس مین اور قرآن مین علاً کیا فرق ہے، اور اسکی دینی حیثیت کیا ہے، یقیناً وہی جو رسول کی ہے، اس نکتہ کو اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو یہ بہت سی گمراہیون سے بچنے کا موجب ہو جاتا ہے، انا ھدینٰہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً،

والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

بمبئی یونیورسٹی کے کتبخانہ کے چند فارسی مخطوطات

از
جناب محمد علی صاحب اردو ٹریننگ اسکول پونہ،

جناب پروفیسر شیخ عبد القادر سرفراز صاحب، دکن کالج پونہ نے یہ مضمون انگریزی رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی ج ۴ ۱۹۲۸ء مین شایع کیا تھا، اس کا اردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین معارف کیا جاتا ہے" مترجم"

بالخصوص علوم مشرقی کے تنقیدی مطالعہ اور تحقیقات کے لئے مخطوطون کے جمع کرنے کی اہمیت پر جس قدر بھی زور دیا جائیگا وہ ہرگز مبالغہ آمیز نہین سمجھا جائیگا، یورپ کے کتبخانون مین عمدہ عمدہ مخطوطات کے جو بڑے بڑے ذخیرے ہین، ان کے جمع کرنے پر جو روپیہ صرف کیا گیا، اور جو محنت اٹھائی گئی وہ بالکل حق بجانب ثابت ہوئی، ہر مستشرق اس بات سے واقف ہے کہ یورپ مین مشرقی علوم کے پھیلانے مین ان مخطوطات سے کس قدر بے انتہا مدد ملی ہے، فی الحقیقت ہندوستان کی سرزمین ہی ہمیشہ ہندو مسلمانون کے مشرقی علوم کے پودون کی پرورش اور حفاظت کرتی رہی ہے، وہ بڑے بڑے اور عظیم الشان کتبخانے جنکو شاہانِ دہلی و گجرات اور بادشاہانِ بیجاپور و میسور، اور نوابانِ اودھ اور بے شمار امرا و فضلا نے ہندوستان کے طول و عرض مین قائم کیا تھا، اس بات کی شہادت دیتے ہین کہ ہندوستان قدیم عربی اور فارسی کے مخطوطات سے بھرا پڑا تھا،

ملکی انتظام سلطنت کے ساتھ ساتھ یہ مخطوطات بھی دست بدست منتقل ہوتے گئے، کیونکہ ایک بہت بڑی تعداد یورپ مین جو فاتحون کا وطن ہے ہمیشہ کے لئے چلی گئی جہان ان کی وجہ سے اہل مغرب کو مشرقی علوم مین اپنی استعداد علمی کے بڑھانے مین تحریص و ترغیب ہوئی، طبری کی یادگار زمانہ تاریخ (جو ایک زمانے مین مفقود مانی گئی تھی، مگر ہندوستان سے دستیاب ہوکر ہالینڈ مین ۲۳ جلدون مین چھاپی گئی ہے) دلچسپ چہار مقالہ (جس کے چند سال بیشتر صرف تین ناقص نسخے دو انگلستان مین جہان وہ ہندوستان سے گئے ہین، اور ایک قسطنطنیہ مین موجود تھے، مگر چوتھا نسخہ جو کامل ہے اور جسے چند سال ہوئے مین نے ڈھونڈ نکالا ہے) لباب جو موجودہ تذکرون مین سب سے پرانا تذکرہ شعرا ہے، بابرنامہ وغیرہ کتابین کبھی بھی منظر عام پر جلوہ گر نہ ہوتین اگر ان کے مخطوطات ہندوستان مین محفوظ اور دستیاب نہ ہوتے، اگرچہ یہ ایک واقعہ ہے کہ ہندوستان سے بکثرت مخطوطات باہر چلے گئے، مگر اس مین بھی کچھ شک نہین کہ بہت سے مخطوطات اب بھی ہندوستان مین موجود ہین، ان موجودہ مخطوطات مین خوش قسمت مخطوطات وہ ہین جو حیدرآباد، رام پور، ٹونک، پٹنہ، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتبخانون مین محفوظ ہین، مگر بدقسمت مخطوطات وہ ہین اور جن کی تعداد کثیر ہے جو اب تک گمنامی کے تہ خانون مین خاموش پڑے ہین اور منتظر ہین کہ کسی کا دست رس ان تک پہنچ جائے اور ان کو وہان سے چھڑا لائے، وہ مخطوطات جن کو مغربی سیاح باوجود ترغیب و تحریص کے لیجا نہ سکے، اور جو ہندوستانی قدردانون کے ہاتھون مین پھنسے ہوئے ہین، انھین آہستہ آہستہ چھڑایا جارہا ہے اور نئے نئے مقامون مین بہ آرام و آسایش رکھا جارہا ہے، مگر یہ مقامات عموماً صوبہ بمبئی کے باہر واقع ہین، عربی اور فارسی کے مخطوطات کی تلاش و جستجو کرکے ان کو ایک جگہ جمع کرنے مین یہ صوبہ اور صوبون کی نسبت بہت ہی پیچھے رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم کی ترویج اور ترقی مین جو عموماً مخطوطات کے جمع کرنے پر منحصر ہے بہت ہی پیچھے ہے، ۱۹۱۷ء مین سرکار کی توجہ اس حقیقت کی طرف اس وقت مبذول ہوئی جب مین نے ایک تجویز تیار کرکے سرکار کی منظوری کے لئے پیش کی، مسٹر جے، جی کاورنٹن صاحب

سابق ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم اور مسٹر سی این سیڈن صاحب سابق کمشنر حلقۂ وسطی و صدر کمیٹی امتحانِ فوجی و ملکی کی خاص ہمدردانہ و فیاضانہ حمایت کی وجہ سے یہ تجویز گورنمنٹ مین منظور ہوئی اور مین نے ایک مختصر دورہ کرکے ۱۴۴ مخطوطات جمع کئے، ان مین چند مخطوطات عربی اور قدیم اردو (دکھنی) زبانون مین ہین اور باقی سب فارسی ہین، اقسامِ مضامین کے لحاظ سے وہ اچھی خاصی وسعت رکھتے ہین، نثر و نظم عروض و تصوف تذکرہ و تاریخ، ریاضیات و فلکیات منطق و الٰہیات، شکار بازی و تیراندازی، تراجم کتب سنسکرت وغیرہ وغیرہ، ان مین اکثر مخطوطات غیر مطبوعہ نظر آتے ہین، اور بعض مخطوطات تو ایسے ہین کہ جو بوڈلے، برٹش میوزیم، انڈیا آفس کیمبرج یونیورسٹی اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتبخانون مین بھی پائے نہین جاتے، انکی مفصل کیفیت اس فہرست مین بیان کیجائے گی، جو بعد مین تیار ہوگی، سردست مین صرف ان چند مخطوطات کے مختصر بیان پر اکتفا کرتا ہون جو مجھے فی الحقیقت نہایت مفید اور نایاب نظر آتے ہین،

نمبر ۱، نو مختلف مخطوطات کا مجموعہ ہے، جو فارسی عروض، ردیف اور صنائع و بدائع پر مشتمل ہے، ان مین سے چار اب تک غیر شایع شدہ ہین، دو برٹش میوزیم کے نسخون سے زیادہ قدیم ہین، ایک نہ تو برٹش میوزیم مین ہے، اور نہ بوڈلین کتبخانے مین، دوسرا انڈیا آفس، کیمبرج یونیورسٹی اور بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتبخانون مین بھی نہین ہے، ساتوان بہت دلچسپ اور مفید ہے، یہ نظامی گنجوی کے بھائی قوامی مطرزی کا مرصع قصیدہ ہے، اس قصیدے مین تقریباً وہ تمام صنائع و بدائع استعمال کئے گئے ہین جو عموماً فارسی نظم مین مستعمل ہین، اس قصیدے کو کیمبرج کے پروفیسر ای جی براؤن صاحب آنجہانی نے شرح اور ترجمہ کے ساتھ شایع کیا ہے، ۵۲-۶۲ تک شعرون مین ایک لغز ہے جس کے متعلق صاحب مذکور الصدر کہتے ہین کہ پہیلیان عموماً مغلق ہوتی ہین، اور مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہان جو پہیلی درج ہے، اس کا جواب مجھے معلوم نہین" اس مخطوطے مین اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ وہ چیستان عشق کے متعلق ہے (دیکھو مخطوطے کا صفحہ ۳ آخری سطر) اس قصیدے کی مفصل کیفیت رائل ایشیاٹک سوسائٹی شعبۂ بمبئی کے مجلہ

نومبر ۱۹۲۵ء مین میرے قلم سے شایع ہوئی ہے،

نمبر ۲ (جلد سترہوین) علی شاہ بن محمد بن قاسم الخوارزمی المعروف علاء المنجم البخاری کی تصنیف موسوم بہ اشجار و اثمار ہے، یہ ہیئت اور نجوم کی نہایت نایاب اور غیر مطبوعہ کتاب ہے، نہ صرف بوڈلین کتبخانہ بلکہ برٹش میوزیم انڈیا آفس، کیمبرج یونیورسٹی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتبخانے بھی اس نسخے سے خالی ہین، کشف الظنون مین اس کا مندرجہ ذیل بیان ہے،

"اشجار و الاثمار فی الاحکام فارسی لعلی شاہ محمد بن قاسم الخوارزمی المعروف بالعلائی البخاری المنجم

الفہ شمس الدین خواجہ محمد اولہ حمد و ثنا آفریدگاری را الخ

دیباچہ مین مصنف کا بیان ہے کہ وزیر شمس الدین والدنیا محمد بن صدر السعید سیف الدین احمد شاہ بن صدر السعید بدر الدین مبارک شاہ میرے حال پر بہت مہربانی فرمایا کرتے تھے، اور ان کے دو وزیرزادے سیف الدین احمد شاہ اور بدر الدین مبارک شاہ علم نجوم حاصل کرنے کے بہت آرزومند تھے، اس لئے انھون نے مجھے ایک ایسی کتاب کے لکھنے کی فرمایش کی کہ جسمین اس علم کی تمام بکارآمد باتین جمع کیجائین، اور اگرچہ مین بوڑھا اور ضعیف ہوگیا تھا تاہم مین نے ان کی فرمایش کی تعمیل کی، اگرچہ تصنیف کی تاریخ نہ تو دیباچے مین درج ہے اور نہ خاتمہ مین، تاہم متن مین چند ایسی عبارتین ہین جن سے مصنف کے دلچسپ واقعات زندگی کا حال معلوم ہوتا ہے، ان عبارتون سے نہ صرف مصنف کے خاندان، طفولیت، تحصیل علم، کمالات علمی، اور انقلابات زمانہ وغیرہ کے متعلق خاص خاص معلومات حاصل ہو سکتی ہین، بلکہ اس کی پیدایش اور کتاب کے تصنیف کی تاریخین بھی معلوم کر سکتے ہین، ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وہ صاحب دیوان تھا، اور اس نے ایک کتاب موسوم بہ زیج عمدہ ہیئت پر تصنیف کی تھی، ~~۶۶۲ھ~~ ۱۲۶۴ھ کی، ۱۲ رمضان کی صبح ایک دنبالہ دار ستارہ طلوع ہوا تھا، جسے دیکھکر اس نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ تبت، ترکستان، ختن، کاشغر، فرغانہ، ماوراء النہر اور خراسان مین کہ ان ملکون پر سے یہ ستارہ گذریگا، بلا نازل ہوگی، اور یہ کہ اس ستارہ کا دور

پچاسی روز تک رہے گا، اور اس کا یہ اثر ہوگا کہ وبا اور طاعون پھیلے گی، قتل و غارت کا بازار گرم ہوگا، یہاں تک کہ بڑی بڑی لڑائیاں ہوں گی اور بادشاہ اور شہزادے مارے جائیں گے اور یہ کہ ۶۶۶ھ ۱۲۶۷-۶۸ء میں دو منحوس ستاروں کا قران برج سرطان میں ہوا جس کے اثر سے لوگ اور بھی زیادہ مبتلائے آلام ہوئے، اور یہ کہ براق نے خراسان پر چڑھائی کی اور اسے لوٹا مگر آخر کار ابا قا سے شکست کھا کر ماوراء النہر میں مرگیا، اور یہ کہ نیشاپور زلزلے کے صدموں سے جو خراسان میں سات سال تک آتے رہے، اس قدر تباہ و برباد ہوا کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ ہل گئی، اور جدا ہوکر گر پڑی، اور زمین سے سیاہ پانی پھوٹ پڑا اور یہ کہ موجودہ شہر پرانے شہر سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر آباد کیا گیا، اور یہ کہ ۶۷۱ھ ۱۲۷۳ء میں آباقا کا لشکر بخارا میں گھسا، اور بڈھے جوان سب کا قتل عام کیا، اور بقیۃ السیف باشندے خراسان کو جلاوطن کئے گئے، اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ "چون خلائق بسیار بود و ضبط ایشان نتوانستند آورد بیشترے از مردم بگریخت و بازگشت و دیگر بار بخارا خوش شد و انبوہ اما آنچہ از جیحون بگذرانیدہ بودند بچگان و جوانان را بفروختند و باقی را گرسنہ و برہنہ سرزمین ایران دادند و از نیست کہ از در خطا تا بخارا اخلاق را در ولایتہای ایران ہمہ بخاری می خوانند، اما بعد از ان غارت بزرگ چون مردم جمع شدند در بخارا سیزدہ کرت دیگر غارت کردند تا چنان شد کہ در وے خیر و خوش نمی باشد و قصیدہ گفتہ ام این ہمہ حالات را و ذکر غارت و اسیر شدن فرزند خود کردہ چون او را بعد از دو سال در سیاہ کوہ خریدم کہ اسیر شدہ بود بسر روضہ مقدسہ امیر المومنین و امام المتقین علی ابن ابی طالبؓ بردم و قصیدہ دیگر در مدح ایشان گفتم و بر سر تربت خواندم شب آدینہ کہ اصحاب بغداد حاضر بودند و ہر دو قصیدہ در دیوان اشعار بندہ ثبت است و ذکر اسیر و غارت شدن این پسر در دیباچہ زیج عمدہ کہ ساختہ ام رفتہ است و ماکہ در این اقلیم افتادہ ایم، و سرگردان ماندہ سبب این است و پانزدہ سال از واقعہ غارت بخارا گذشتہ است ہنوز جمع نمی آئیم و آرام نمی گیریم بگوشہ و ہر روزی و ہر لحظہ چیزے بہ تن و دل میرسد کہ سبب ہزار غم و اندیشہ می شود و تمنائے مرگ میبریم و در تدبیر کار خود عاجز ماندہ۔

نظم

چیست تدبیر کہ تدبیر بدست کس نیست

اللھم احفظنا من ھذہ الشدائد والبلایا

آمین رب العلمین

قرانات کے فصل مین ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء اور ۶۸۴ھ ۱۲۸۵ء سالون کے قرانات کا ذکر کرنے کے بعد انوری کے زمانے مین جو برج میزان مین سیارون کا یادگار زمانہ قران ہوا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حادثات مابعد خصوصاً مغلون کے خروج اور ان کی خون ریزی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انوری کی پیشینگوئی طوفان باد کی بہ نسبت طوفان خون سے متعلق تھی اور یہ کہ چنگیز خان اس تاریخی قران کے وقت پیدا ہوا نظر آتا ہے،

کتاب کے آخر مین اپنے زائچے کی تعبیر کرتے ہوئے اپنی زندگی کے چند اور واقعات بیان کرتا ہے ان مین ایک یہ کہ اس نے بخارا سے ترکستان کا سفر کیا تھا تاکہ اپنے باپ سے جو ترکستان کو تاجرانہ حیثیت سے گیا تھا، ملاقات کرے، اور جب وہ سمرقند مین وارد ہوا تھا تو اس کی ملاقات ایک شخص شیخ حسام الدین نامی سے ہوئی تھی، اور اس نے ان سے پہلوانی، تیراندازی، شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی تعلیم حاصل کی تھی، اور جب سرحد ترکستان کے شہر شاش مین پہنچا تو وہ شیخ بابا محیین کی خدمت مین حاضر ہوا تھا، اس وقت شیخ کی عمر ۳۲۰ سال کی تھی، اور عبداللہ نامی ان کا ایک لڑکا تھا جو چھ مہینے کا تھا اور ہندی کنیزک کے بطن سے تھا، اور دوسرا احمد نامی انیس۱۹ سال کا لڑکا تھا، پھر وہ اپنی کمال شاعری و موسیقی کا ذکر کرتا ہے، جس کی بدولت وہ جہان جاتا تھا عزت و احترام سے اس کا استقبال کیا جاتا تھا، اور اسے امیرون اور بادشاہون کی صحبت میسر رہتی تھی، اس نے مشہور حکیم بدیع الیمن کی ملاقات کا ذکر کیا ہے، اس حکیم کی ترغیب سے وہ ریاضیات کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا، اور آخرکار ہیئت و نجوم مین کمال حاصل کیا، اور یہ کہ اس نے ۶۵۹ھ ۱۲۶۱ء مین

بخارا کو مراجعت کی،

وہ کہتا ہے کہ اسی سال شیخ نے انتقال کیا، جبکہ خود اس کی عمر ۳۶ سال کی تھی، اس بیان سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء میں پیدا ہوا تھا، چند سطروں کے بعد وہ کہتا ہے کہ "چون بعراق رسید بندہ و زحل لطالع درآمد آن فرزند در سیاہ کوہ حاصل گشت بسعی اکابر روزگار و از آن تاریخ چندانکہ جہد میکند بندہ تا بہ سفر حجاز رود یا در گوشہ نشیند کہ استغفار کردہ و گفتہ خود کند دور زمان بدست نمی دہد و درین وقت سال عمر بشصت چہار رسیدہ است"، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب کے تصنیف کی تاریخ ۶۸۶ – ۶۸۷ھ (۱۲۸۷ – ۸۸ء) ہے یعنی اباقا کے حملۂ بخارا کے پندرہ سال بعد جو اس نے ۶۷۱ھ ۱۲۷۲-۷۳ء میں کیا تھا اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے،

کتاب پانچ حصوں میں موسوم بہ شجرات منقسم ہے:-

"شجرۂ اول در صفات و منسوبات بروج و کواکب (۷ شعبات) شجرۂ دوم در احکام قرانات و اتصالات (۲۱ شعبات) شجرۂ ثالث در احکام طالع تحویل سال و فصول و احوال نیکی و بدی سال عالم (۶ شعبات) شجرۂ رابع در احکام طالع مولود (۱۷ شعبات) شجرۂ پنجم در احکام اعمال تسیرات (۵ شعبات)

نمبر ۳ (جلد ۳۲) ابو جعفر طحاوی ۳۲۱ھ ۹۳۳ء کی مشہور فقہ حنفی کی تصنیف موسوم بہ مختصر کی شرح ہے، یہ نسخہ بالخصوص قابلِ قدر ہے، کیونکہ ایک زمانے میں شاہانِ بیجاپور کے کتبخانے سے متعلق تھا، کتاب کے کورے کاغذ پر سلطان محمد غازی متوفی ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۶ء کی جس کا اعجوبۂ روزگار مقبرہ گول یا بول گنبد ہے مدور مہر ثبت ہے، مہر کا سجع یہ ہے:-

وارد از لطف حق سرافرازی شاہ سلطان محمد غازی

مہر کے نیچے یہ عبارت ہے شرح مذکور بتاریخ شہر رمضان المبارک داخل کتابخانہ عامرہ شدہ بابت قاضی خوشحال فی سنہ اربع و خمسین بعد الالف،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۵۶ھ ۱۶۴۶ء مین شاہی کتبخانے مین داخل کی گئی تھی،

نمبر۴ (جلد ۱۴) یہ مخطوطہ بھی بالخصوص مفید ہے، کیونکہ یہ محمد داؤد ایلچی کی فارسی کی تمثیلی نظم موسوم بہ حسن و دل کا غیر مطبوعہ اور اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے، مصنف عنوانِ در سبب نظم کتاب کی فصل مین کہتا ہے :۔

بسے ہست منظوم افسانہا، بلطف عبارت چو دردانہا،
زہر نکتہ سنجے در اطوار عشق بطرزے کہ پیدا بود آثارِ عشق
دلی ایلچی باپریشان دلی سری پرز سودای بے حاصلی
بری از تکلف بطرزِ غریب ادای کند قصہ بس عجیب

آخر مین وہ کہتا ہے :۔

بگو حمد بعد کہ این گفت وگو بسر حد اتمام آورد رو
دل و حسن گشتند از عشق شاد گرفتند از ہم کمال مراد
نتائج از ایشان بسے حاصل است شناسد کسے کو بحق واصل ست
یکے زان نتائج بود این کتاب کہ حسن و دلش نام شد از صواب
زہجر نبی ز کے در شمار گذشتہ ہزار ست و پنجاہ و چار
کہ ترکیب این نظم ترتیب دید نکو داستانے بآخر رسید

نظم کا خاتمہ ان ابیات پر کیا ہے :۔

قلم رفتہ رفتہ باینجا رسید زسرگشتگیہاے خود آرمید،
درود نبی گشت آخر کلام علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

کتاب کے آخر مین یہ عبارت درج ہے :۔

بتاریخ ۲۶ شعبان المعظم ۱۲۵۴ھ از قلم شکستہ رقم ناظم این کتاب کہ عروسی ست در مشکین نقاب یوم الاحد زیور تحریر یافت، العبد محمد داؤد الہجی غفر اللہ ذنبہ تم بالخیر والسعادۃ،

تصنیف اور نقل کی تاریخ ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء ہے،

نمبر ۵ (جلد ۳۴) یہ بہت ہی مفید مخطوطہ ہے، اس مین گجرات کے ریختہ گویون کا تذکرہ ہے جسے فارسی مین قاضی نورالدین بن قاضی سید احمد حسین رضوی فائق نے لکھا ہے، جہان تک مجھے معلوم ہے، یہ اب تک شائع نہین ہوا ہے اور اسپرنگر صاحب کے ریختہ گویون کے تذکرون مین اس کا نام نظر نہین آتا، ماسوا اس کے یہ مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے، جسے مولف نے حسب عبارت خاتمۂ کتاب ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء مین بھروچ مین لکھا تھا، وہ عبارت یہ ہے:۔ "تمت ہذا تذکرہ تاریخ شانزدہم شوال المکرم روز جمعہ سنہ ہزار دوصد و ہفتاد من ہجرۃ المبارک در بندر بروچ باتمام رسید کاتب و مؤلف و مالک ہذا یکی است"،

ان تاریخی مادون سے جو خاتمۂ کتاب مین درج ہین ثابت ہوتا ہے کہ تذکرہ کی تالیف کا کام ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء مین ختم ہوگیا تھا، یہ تالیف تصحیح کی غرض سے دہلی کے شاعر معروف غالب مرحوم کی خدمت مین پیش کی گئی تھی، ان کی رائے تذکرہ کے صفحۂ آخر کے حاشیہ پر نقل کی گئی ہے، و ہو ہذا،

"عبارتی کہ جناب مرزا اسد اللہ خانصاحب بعد مطالعہ این اوراق و اصلاحِ آن تحریر فرمود برائے یادگار تحریر نمود"

مخدوم مکرم حضرت قاضی محمد نورالدین حسین خان بہادر کی خدمت مین عرض ہے کہ برخوردار مرزا شہاب الدین خان بہادر نے یہ اجزا مجھکو دیئے، نظم سے مین نے بالکل قطع نظر کی، کاتل صاحب کی نثر جو آغاز مین ہے اس کو بھی نہین دیکھا، صرف آپ کی نثر کو دیکھا، اور اس کو موافق حکم آپ کے بعض جا درست کر دیا، بعض موقع پر منشار اصلاح بھی لکھ دیا ہے، مجھ کو یہ پایہ نہین کہ آپ کی نثر مین دخل کرون بمضمون الامر فوق الادب حکم بجالایا ہون، مرحبا آفرین بجدا خوب نثر لکھی ہے، اللہ سبحانہ آپ کو

مدارج اعلیٰ کو پہنچاوے، اور سلامت رکھے، مرقومہ دوشنبہ جولائی ۱۸۶۲ء،

خوشنودی احباب کا طالب،

غالب

تذکرہ کے شروع مین کامل کا فارسی نثر مین مقدمہ ہے، جس مین تذکرہ کی بڑی تعریف کی گئی ہے اس کے بعد مصنف کا دیباچہ ہے، جسمین وہ کہتا ہے، کہ مین نے میر عباس علی شوق اور میر حیدر صاحب مائل، دوستون کی گذارش پر گجرات کے شاعرون کا تذکرہ تالیف کیا، اور اسے مخزن الشعرا کے نام سے موسوم کیا، فارسی زبان مین حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ۱۰۰ شاعرون کے مختصر حالات اور ان کے منتخب اشعار درج ہین، ان شاعرون مین ایک عورت ہے جس کا تخلص حجاب ہے، مولف نے فائق کے تحت مین اپنا حال لکھا ہے، تذکرہ کے آخر مین مرأت الحسن ایک فارسی مثنوی ہے، جسمین نظام الدین خان فائق نے سراپا بیان کیا ہے، اس کے بعد اسی مضمون پر ایک اور مثنوی مہری شاعرہ کی ہے، جس کی نورجہان بیگم ملکہ جہانگیر نے پرورش اور تربیت کی تھی، اور بعد حکیم خواجہ محرم علی سے شادی کر دی تھی،

نمبر۶ (جلد ۵۰) جناب شیخ باقر علی صاحب سابق سکریٹری اردو ٹکسٹ اینڈ ٹرانسلیشن بورڈ دنی الحال ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر اردو مدارس حلقہ وسطی پونہ کا عطا کردہ دیوان ظہوری کا لاثانی نسخہ ہے، یہ مخطوطہ اس لئے قابل قدر ہے کہ اس مین ظہوری جو شاہ بیجاپور سلطان ابراہیم عادل شاہ کے دربار کا نامور شاعر تھا، اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کئی اشعار ہین اور سارا دیوان اسی کے ہاتھ کا تصحیح کردہ ہے، کتاب کے سادہ ورق پر حسب ذیل عبارت ہے:-

"دیوان افضل الشعرا حضرت مولانا ظہوری علیہ الرحمۃ والمغفرہ وجابجا خط شریف ایشان ہست واز اول تا آخر بنظر مبارک فیض اثر ایشان گذشتہ"

اس پر مالک بیشیر ورستم خانہ زاد بادشاہ محمد عالمگیر کی مہر ثبت ہے، اور سنہ ۱۱۰۸ھ (۱۶۹۶-۹۷)

تاریخ ہے، یہ نسخہ برٹش میوزیم کے ہر ایک نسخے سے پرانا ہو، اور دیوان مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۵ء کی بہ نسبت نہایت صحیح اور کامل ہے، مطبوعہ دیوان میں رباعیات نہیں ہیں، مگر اس نسخے میں بہ کثرت ہیں، علاوہ ازین مطبوعہ دیوان میں غزلین حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق چھپی ہین، مگر اس نسخے مین یہ ترتیب قائم نہین ہو،

نمبر ۷ (جلد ۵۳) محمود عارفی کی غیر مطبوعہ نظم گوئے و چوگان کا عمدہ نسخہ ہو، یہ ایک تمثیلی نظم ہے، جسمین چوگان بازی کے چوگان اور گیند کی مثالون کے ذریعے سے باطنی محبت کا اظہار کیا گیا ہے، مصنف اپنے زمانے کا مشہور شاعر اور سلمان ثانی کے لقب سے ملقب تھا، اور ہرات کا باشندہ تھا جہان اس نے ۸۵۳ھ مین وفات پائی جبکہ اس کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ ہو گئی تھی، اس نے یہ نظم صرف دو ہفتے کی قلیل عرصے مین منظوم کی تھی اور صلہ مین ایک گھوڑا اور ایک ہزار درم انعام ملا تھا،

یہ مخطوطہ ایرانی خطاطی کا عمدہ نمونہ پیش کرتا ہے، عمدہ موٹے کاغذ پر خوبصورت نستعلیق خط مین سنہری جدولون کے بیچ مین لکھا ہوا ہو، ہر صفحہ مختلف ہلکے رنگ سے رنگین اور زرافشان ہے، چار خوبصورت رنگین تصویرین بھی ہین، ۴۳۶ اشعار ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالبًا پانچ یا چھ صفحے کم ہین، کیونکہ بانکی پور کے مخطوطے مین ۴۹۵ اشعار ہین اور فہرست مین یہ بیان ہے کہ بقول بعض نظم مین ۵۱۰ اور بقول دیگرے ۵۰۰ اشعار ہین،

اس نسخے کے پہلے صفحے کی پشت پر ایک انگریزی دستخط بغیر تاریخ کے درج ہے، جو اس طرح پڑھا جاتا ہے "SIDNEY. J. CHURCHILL TEHRAN" غالبًا یہ کسی مشیر و مالک کا نام ہوگا، عرض داخل کی دو تاریخین ہین یعنی ۱۱۰۵ھ اور ۱۱۲۷ھ، مزید بران یہ کہ فارسی مین کتاب کا نام، جلد کی قطع، مستعمل شدہ کاغذ کی قسم، صفحون کے حواشی اور جدولین اور جلد سازی کی قسم وغیرہ درج ہے و ہو ہذا، گوی و چوگان قطع وسط کاغذ می افشان حاشیہ دولت آبادی چسپانیدہ الوان افشان مجدول مذہب، مصور، جلد ساغری مشکی کنج و ترنج دار طلاپوش از باب پیشکش محمد سلیمان حاکم بعدم مجلد بتاریخ ۱۰ ر شہر ربیع الثانی ۱۱۰۵ھ داخل

عرض شد،

نمبر۸ (جلد ۱۴۸) یہ مخطوطہ تین رسالون کا مجموعہ ہے یعنی (۱) رسالہ در ہیئت از علی قوشجی، (۲) تشریح الافلاک از بہاء الدین آملی اور (۳) تحفۃ الاستاد از ابوالقاسم سمرقندی،

پہلا ہیئت کا رسالہ ہے، شروع مین مبادیاتِ ہندسہ و طبعیات کا بیان ہے، اور بعد اجرام فلکی، کرۂ زمین کی شکل و صورت، آب و ہوا، تناسب فاصلہ اور سیارون کی جسامت وغیرہ کی بحث ہو، شکلون اور خاکون سے معرا ہے، البتہ ان کے لئے خالی جگہ چھوڑی ہے، دوسرا رسالہ بہاء الدین آملی کا عربی زبان مین ہے، یہ بھی ہیئت کا رسالہ ہے، اس کے آخر مین تیسرا فارسی کا مختصر رسالہ ہے اسمین سمت قبلہ کی تعیین کے مسائل مندرج ہین،

مصنف کا بیان ہے کہ "این بندۂ کمترین ابوالقاسم المشہور بہ بقراط السمرقندی از برائے بیان سمت قبلہ خاص کہ رسالہ ترتیب دہد و این لایق فہم ہر مبدئی نبود، بہ این سبب این را بنام نامی مخدومی استادی حضرت مولانا یوسف قراباغی مدظلہ العالی رقم زدہ کلک تحریر گردانیدہ تحفۃ الاستاد لقب دادمش تحفہ باستاد فرستادمش؛

خاتمہ مین وہ کہتا ہے "محرر این کتاب ابوالقاسم مشتہر بہ بقراط سمرقندی در سال ہزار و نہ (۱۰۰۹) در بلدۂ کابل کہ عمرش بہ ہفتاد رسیدہ بود نوشت؛"

عبارتِ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رسالہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

آلِ سلجوق

مقدمۂ تاریخِ اسلامیہ

از

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مصنف "الجہاد فی الاسلام"

(۲)

خلفائے عباسیہ سے تعلقات، اسلامی سیاست مین سلجوقیون کی آمد سے ایک خاص تغیر یہ ہوا کہ عباسی خلافت کی بگڑی ہوئی ساکھ ایک حد تک سنبھل گئی، اگرچہ انھون نے عباسیون کو سیاسی اقتدار تو واپس نہین کیا، مگر چونکہ وہ مذہبی حیثیت سے ان کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے، اس لئے مقامِ خلافت کے احترام، صاحبِ خلافت کی اطاعت و حلقہ بگوشی اور خاندانِ خلافت کی برتری و بزرگی ملحوظ رکھنے مین انھون نے دوسرے حکمران خاندانون سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کیا، ترکی امرار اور آل بویہ کے زمانہ مین جس طرح خلفا کو ذلت کے ساتھ معزول کیا جاتا تھا، اور انھین قتل کرنے، اندھا کرنے اور قید کر دینے کے واقعات جس کثرت کے ساتھ پیش آتے تھے اس کا سلجوقیون کے زمانہ مین نام و نشان تک نہین ملتا، اس مین شک نہین کہ بعض مواقع پر جب خلفا ان کی سیاست مین مخالفانہ مداخلت کرتے تھے تو ان کی جانب سے بھی سختی برتی جاتی تھی، ملک شاہ اور مقتدی کے اختلافات، مسترشد اور راشد سے مسعود کی لڑائیان، محمد اور مقتفی کے مقابلے، اسی قبیل سے ہین، لیکن اس کے باوجود مجموعی طور پر سلاطین سلجوقیہ عباسی خلفا کے ساتھ ایسے ادب و احترام کا برتاؤ کرتے تھے جس کی مثال دوسری جگہ کم ملتی ہے، طغرل جب پہلی مرتبہ خلیفہ قائم بامر اللہ سے ملتا ہی تو قصرِ خلافت کی دہلیز سے پاپیادہ ایوانِ خلافت تک جاتا ہے، اور خلیفہ کے سامنے

زمین بوس ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے، ملک شاہ جیسا باجبروت فرمان روا خلیفہ مقتدی سے سخت ناراض ہونے کے باوجود اس کے دربار میں اس طرح حاضر ہوتا ہے کہ سدۂ شریفہ کے سامنے کئی مرتبہ زمین کو بوسہ دیتا ہے، اس کے بیٹھنے کے لئے کرسی لائی جاتی ہے، تو بپاس ادب بیٹھنے سے انکار کر دیتا ہے، خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی درخواست کرتا ہے، اور جب یہ درخواست قبول نہیں ہوتی تو صرف خاتمِ خلافت کو آنکھوں سے لگانے پر قناعت کرتا ہے، یہ ان خلفا کے ساتھ سلجوقی سلاطین کا برتاؤ تھا جو اخلاقی قوت کے سوا کسی قسم کی مادی قوت نہ رکھتے تھے، ممکن ہے کہ اس میں کچھ خلوص کا شائبہ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کے اس اظہارِ عقیدت سے جمہور اہلِ سنت کے قلوب پر خاص اثر ہوتا تھا، اور یہ عام ہر دلعزیزی ان کی سیاسی بنیادوں کیلئے مزید استحکام کا باعث ہوتی تھی،

سلجوقیوں نے اس اثر کو بڑھانے کے لئے خاندانِ خلافت سے رشتہ داری کے تعلقات بھی قائم کئے تھے[۵]، چنانچہ طغرل نے ارسلان خاتون (الپ ارسلان کی بہن) کو خلیفہ قائم کے نکاح میں دیا اور خود قائم کی بیٹی سے بڑے اصرار کے ساتھ اپنا نکاح کیا، پھر الپ ارسلان نے اپنی بیٹی خلیفہ مقتدی کو دی، اور بعد میں ملک شاہ نے بھی اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیا، ملک شاہ کی ایک دوسری بیٹی سلطان محمد کے زمانہ میں مستظہر باللہ سے بیاہی گئی، یہ رشتہ داریاں سلطنت اور خلافت کے درمیان ایک مفید رابطہ ثابت ہوئیں، اور معاشرت کے ان معاملات نے سیاست میں ایک مناسب عنصر کا اضافہ کیا،

سلاجقہ کا زوال اگر قدرت اتنی فیاضی سے کام لیتی کہ ملک شاہ کے بعد کم از کم دو تین فرمان روا اور اسی دل و دماغ کے پیدا ہو جاتے تو یہ ممکن تھا کہ اسلامی دنیا کا زوال اتنا سریع السیر نہ ہوتا، جتنا کچھ بھی اور

---

۵ خلفا سے رشتہ داری کے تعلقات قایم کرنے کی سیاسی اہمیت سے آل بویہ بھی غافل نہ تھے، چنانچہ عضد الدولہ نے الطائع للہ پر بہت زور دیا تھا کہ وہ اس کی بیٹی سے شادی کرے، مگر نہ الطائع نے اسے پسند کیا، اور نہ اس کے بعد کے خلفا نے کبھی بویہی خاندان کی بیٹی لینے پر رضامندی ظاہر کی،

ساتوین صدی مین ہوا، پانچوین صدی کے نصف آخر مین نظام الملک کے انتظام نے جو حالات پیدا کردئے تھے، ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے دو ہی تین نظام الملک اور ملک شاہ درکار تھے، مگر بڑے آدمی اس حیثیت سے اکثر بدقسمت ہوتے ہین، کہ ان کی جانشینی کے لئے کوئی بڑا آدمی میسر نہین آیا، ۴۸۵ھ مین ملک شاہ کے مرتے ہی فساد کے مادے، کوہ آتش فشان کے لاوے کی طرح پھوٹ نکلے، ملک شاہ کے چارون بیٹے محمود، برکیارق، محمود اور سنجر باہم جنگ وجدل مین مشغول ہین ترکان خاتون اور تاج الملک کی سازشون نے ابتداءً اس آگ کو سلگایا، اور جب وہ ایک دفعہ سلگ گئی تو پھر ایسی بھڑکی کہ پورے ۱۳ برس تک بھڑکتی رہی، اور اس وقت تک ٹھنڈی نہ ہوئی جب تک اس نے دولت سلجوقیہ کے جوہر حیات کو پھونک نہ دیا، اس طویل خانہ جنگی کے بیشمار نقصانات مین سب سے بڑے نقصان تین تھے جنھون نے سلجوقی سلطنت کی بنیادون کو ہلا دیا اور مسلمانون کی قومی طاقت کو ایسا صدمہ پہنچایا جس کی تلافی پھر نہ ہوسکی،

باطنی تحریک پہلا نقصان یہ تھا کہ باطنیون کی خفیہ تحریک کو دنیاے اسلام مین پھیلنے کا اچھا موقع مل گیا، اور اس نے اسلام کے جسم مین پھیل کر وہی اثر دکھایا جو انسان کے جسم مین طاعون کے جراثیم پھیلنے سے ظاہر ہوتا ہے، ملک شاہ کا بالکل آخری زمانہ تھا کہ اس تحریک نے سیاست کے میدان مین قدم رکھا، نظام الملک کا قتل اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اگر اسی وقت اس کی طرف توجہ کیجاتی تو اسے بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینکا جاسکتا تھا، مگر ملک شاہ کے جانشین اس کی طرف سے آنکھین بند کرکے آپس کی لڑائی مین مشغول ہوگئے، اور اس نے چند سال مین اپنا فوجی اور خفیہ نظام اتنا مضبوط کرلیا کہ سلطان محمد اور سنجر اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود اسے توڑ نہ سکے، الموت، طبس، زوزن، قاین، تون، ستکوہ، خالنجان، گردکوہ، خور، خوسف، استاوند، شاہ وتز، اردہن، قلعۃ الطنبور، اور ایسے ہی دوسرے قلعون مین زبردست فوجی قوت جمع کی، خفیہ طریقے سے مسلمانون کے بڑے بڑے جنرلون اور دینی پیشواؤن کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا، عبدالرحمٰن سمیرمی، انزو بلقا، جناح الدولہ، قاضی ابوالعلا، صاعد نیشاپوری، فخر الملک، قاضی عبدالواحد، امیر مودود، احمدیل بن وہسوذان

قاضی ابوسعد الہروی، عبداللطیف خجندی، خلیفہ مسترشد، اتابک آق سنقر برسقی، معین الملک ابونصر، اور ایسے ہی دوسرے اکابر اسلام باطنی فدائیون کے ہاتھون مارے گئے، ان کے علاوہ عام مسلمانون کو بھی دھوکے سے قتل کیا گیا، صرف اصفہان مین جو سازش سلطان محمد کے زمانہ مین پکڑی گئی تھی، اس مین پانچسو کے قریب مسلمانون کی لاشین ایک مکان سے نکلی تھین[۵]، ان واقعات نے دنیاے اسلام مین ایک عالمگیر برہمی پیدا کردی، اور ان کی بدولت سیاست، معاشرت، معیشت و تمدن کا سارا نظام مختل ہو گیا،

حروب صلیبیہ کا آغاز دوسرا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانون کو باہم دست و گریبان دیکھکر یورپ کی فرنگی اقوام کی جراتین تازہ ہو گئین، اور چار سو برس کی قائم کی ہوئی ہیبت ان کی آن مین ان کے دلون سے نکل گئی، اس سے پہلے کی خانہ جنگیون مین صرف سرحدون پر حملے ہوتے تھے اور سواحل و ثغور کے بعض مقامات پر اہل روم قبضہ کر لیتے تھے، مگر اس خانہ جنگی کا اثر روم سے گزر کر یورپ کے بعید ممالک تک پہنچا اور وہان سے صلیبی مجاہدین کا ایک سیلاب امنڈ آیا کہ ان مقدس مقامات کو مسلمانون سے واپس لے جو خلفاے راشدین کے زمانہ مین عیسائیون کے ہاتھ سے نکل گئے تھے، یہ سیلاب ملک شاہ کی وفات کے پانچ برس بعد ۴۹۰ھ/۱۰۹۶ء مین سرزمین اسلام کی طرف بڑھا، اور قونیہ کی سلجوقی ریاست کو پامال کرتا ہوا انطاکیہ پر رکا، ۴۹۱ھ/۱۰۹۸ء مین وہ انطاکیہ کو بھی توڑ کر نکل گیا اور بلاد شام مین پھیلنے لگا، ایک سال کے اندر اس نے مسلمانون پر اتنی تباہیان نازل کین کہ ساری دنیاے اسلام کانپ اٹھی اور خلیفہ نے سلطان برکیارق اور محمد سے التجا کی کہ آپس کی جنگ کو چھوڑ کر پہلے باہر کے دشمن کا مقابلہ کرین، لیکن جنگجو بھائیون کی اس پر بھی آنکھین نہ کھلین، آخر ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء مین بیت المقدس بھی مسلمانون کے ہاتھ سے نکل گیا، اور اسلام نے مسیحیت کے ہاتھ سے پہلی مرتبہ ایسی فاش شکست کھائی کہ خالد بن ولید سے لیکر الپ ارسلان تک تمام غازیان اسلام کی سرفروشیون پر پانی پھر گیا، یہ خانہ جنگی کا سب سے زیادہ ہولناک نتیجہ تھا، ملک شاہ کی زندگی مین جس عظیم الشان سلطنت کی طرف کسی غیر ملکی

---

[۵] راحة الصدور (طبع لندن) ص ۱۵۰،

طاقت کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہ ہوسکتی تھی، سات ہی برس کے اندر اس کی ایسی ہوا بگڑی کہ اس کے ایک بڑے اور نہایت اہم حصہ پر فرنگستان کے بعید المقام قسمت آزما اتنی آسانی سے قابض ہو گئے اور کوئی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا،

سلاجقہ کا انقراض

تیسرا نقصان یہ ہوا کہ مرکزی قوت کے کمزور ہوتے ہی سلطنت کی قطع و برید شروع ہوگئی، بعض حصون مین خود مختار سلجوقی ریاستین قائم ہوگئین، اور بعض حصون کو دوسرے امراد بابیٹھے، روم کو قتلمش بن ارسلان کے خاندان نے سنبھال لیا، شام مین تتش بن الپ ارسلان کے خاندان نے اپنی حکومت قائم کی، عراق مین محمد بن ملک شاہ کا خاندان تخت حکومت کا مالک ہوا، اور کرمان مین قادرت بن داؤد کا خاندان خود مختار ہوگیا، ان سلجوقی خاندانون کے علاوہ سلاجقہ کے ترکی غلامون نے بھی اس ترکہ مین سے کافی حصہ لیا، موصل مین اتابک آق سنقر برسقی کے خاندان نے اپنی مستقل ریاست قائم کی، جو بعد مین تمام شام اور الجزیرہ پر چھاگئی، خوارزم پر انوشتگین کا خاندان مسلط ہوگیا، جس نے آخر مین سلجوقیون کا خاتمہ ہی کر دیا، آذربیجان مین اتابک ایلدگز کے خاندان نے اپنی محفل جمائی، دیار بکر اور فارس مین ارتق اور سلغر کے خاندان فرمان روا ہوگئے اور دمشق، اربل، آرمینیہ، لورستان اور کرمان مین بھی دوسرے ملوکون اور اتابکون نے سلجوقیون کی جگہ لے لی، اس طرح وہ عظیم الشان سلطنت جو ایشیا کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیلی ہوئی تھی، بیسیون چھوٹے اور بڑے ٹکڑون مین منقسم ہوگئی،

اس انتشار کی حالت مین سلطان سنجر کے دم سے ایک حد تک شیرازہ بندھا ہوا تھا، خانہ جنگی کے زمانہ مین خراسان اور ماوراء النہر اسی کی بدولت تباہی سے محفوظ رہے، سلطان محمد کے انتقال (۵۱۱ھ، ۱۱۱۷ء) کے بعد اس نے کرمان، عراق، اور کردستان کی سلجوقی ریاستون پر اپنا اثر قائم کیا، غزنین اور غور کی طاقتون کو جو ملک شاہ کے زمانہ مین بھی سلجوقی اثر سے آزاد رہی تھین، اپنا تابع فرمان بنایا، خوارزمشاہیون کو ان کی پیہم سرکشی کے باوجود اطاعت پر مجبور رکھا، اور دنیائے اسلام مین اتنا اثر قائم کر لیا کہ ایک زمانہ مین ماوراء النہر

سے شام تک اس کا خطبہ جاری تھا، مگر آخری زمانہ مین ترکان خطا، اور ترکمان غزنے اس کی طاقت کو فنا کردیا اور ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء مین جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے ساتھ ہی سلجوقی عظمت و شوکت کا بھی جنازہ نکل گیا، ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء سے ۵۹۰ھ ۱۱۹۴ء تک کا زمانہ اس طرح گذرا کہ سلجوقیون کے ترکہ کو خوارزمشاہی[۱] سلاطین آہستہ آہستہ وصول کرتے رہے، ماوراء النہر، خراسان، رے، اصفہان، کرمان، اور عراق ایک ایک کرکے ان کے قبضہ مین چلے گئے، اور جب چھٹی صدی ختم ہوئی، تو سوائے روم کے تمام مشرق اوسط اور مشرق ادنیٰ سے سلجوقیون کا نام ونشان مٹ چکا تھا،

سلاجقہ کے چھ دور | یہ اس خاندان کی تاریخ کا ایک مجمل خاکہ ہے اس خاکہ پر ایک نظر ڈالئے تو آپ کو مختلف تاریخی دور نمایان خطوط سے منقسم نظر آئین گے،

پہلا دور پانچوین صدی کی ابتدا سے شروع ہو کر ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء پر ختم ہوتا ہے، جبکہ طغرل نے نیشاپور کے تخت پر قدم رکھا، یہ سلاجقہ کا "دورِ ظہور" ہے،

دوسرا دور ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء سے ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء تک جس مین طغرل نے ۲۶ سال کی مسلسل شمشیر زنی سے ایک بڑی سلطنت قائم کی، اس کو ہم "دورِ تاسیس" کہہ سکتے ہین،

تیسرا دور ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء سے ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء تک جسمین الپ ارسلان اور ملک شاہ کی بادشاہی اور نظام الملک کی وزارت نے سلجوقی سلطنت کے آفتاب کو نصف النہار پر پہنچادیا، یہ صحیح معنون مین سلاجقہ کا "دورِ عروج" ہے،

چوتھا دور ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء سے ۴۹۸ھ ۱۱۰۴ء تک جس مین ملک شاہ کے بیٹے باہم مصروف پیکار رہے، یہ "یہ دور خانہ جنگی" ہے،

---

[۱] خوارزمشاہ کا لقب دراصل خوارزم کے گورنرون کے لئے مستعمل ہوتا تھا، مگر یہان خوارزمشاہیون کا وہ خاندان مراد ہے جو ابتداءً سلجوقیون کا تابع فرمان تھا، اور بعد مین خود مختار ہو کر ان کا وارث ہوا،

پانچواں دور ۴۹۸ھ ۱۱۰۴ء سے ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء تک، جسمین محمد اور سنجر اپنے خاندان کی روبہ زوال قوت کو سنبھالتے نظر آتے ہین، یہ سلجوقی سلطنت کا " دورِ زوال" ہے،

چھٹا دور ۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء سے ۷۰۰ھ ۱۳۰۰ء تک جس مین مختلف سلجوقی خاندان اپنے اجداد کی عظیم الشان سلطنت کے منتشر اجزا کو سنبھال کر بیٹھتے ہین اور ایک ایک کر کے مختلف زمانون مین ان کو کھو دیتے ہین، اس کو ہم "دورِ انتشار" سے موسوم کر سکتے ہین،

اس کتاب کے ابواب کی تقسیم انھین ادوار کے مطابق ہوگی، لیکن ہمارا مقصد صرف سیاسی تغیرات ہی کی تاریخ بیان کرنا نہین ہے، بلکہ اس کے ساتھ تہذیب و تمدن کی تاریخ بھی مطلوب ہے، اس لئے آخر مین عہدِ سلاجقہ کی تہذیب کے متعلق ایک مفصل باب لکھا جائیگا، جو حتی الامکان اس عہد کی تہذیب کے تمام پہلوؤن پر حاوی ہوگا،

تلخیص و تبصرہ

اٹھارہویں مُوتمر مستشرقین لائڈن

از جناب محمد حمید اللہ صاحب گلمنڈی، حیدر آباد دکن،

"چند ماہ گذرے لیڈن (ہالینڈ) مین مستشرقین کی اٹھارہوین کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اُس کے کچھ حالات مشہور شامی اہل قلم امیر شکیب ارسلان نے اپنے فرانسیسی ماہنامے مین رجولاما سیون عرب کے نام سے جنیوا سے شائع ہوتا ہی، ستمبر و اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ کی اشاعت مین لکھے ہین، اس کی تلخیص ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے ذیل مین درج کیجاتی ہی، وہ لکھتے ہین:-

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آجکل لائڈن شرقیاتی[1] علوم کا مرکز ہے، شاید یہی وہ یوروپی شہر ہے جہان اسلامی معاملات اور خاصکر عربی تمدن سے بہت دلچسپی لیجاتی ہے، وہان سے نہایت نادر عربی مخطوطے چھپ کر شائع ہوتے رہے ہین، اور عربی علوم کا سنجیدہ مطالعہ وہان بہت طویل عرصہ سے جاری ہے، ہالینڈ عام طور پر اور لائڈن خاص طور پر ہمارے تمدن سے جو دلچسپی لے رہا ہے، وہ ہم سے خراجِ تحسین وصول کئے بغیر نہین رہتا،

ہالینڈ نے مشرقی امور سے اپنی متوارث دلچسپی کا تازہ مظاہرہ اس طرح کیا ہے کہ لائڈن مین مستشرقین کی اٹھارہوین موتمر کا انتظام کیا گیا، یہ موتمر مختصر سادہ الفاظ مین، کامیاب رہی، اور جس عظیم و عتیق تمدن کے نام سے وہ منسوب ہے اس کے شایانِ شان ثابت ہوئی، اگرچہ یورپی صحافت آجکل موجودہ تباہ کن اقتصادی سوالات اور تخفیفِ اسلحہ کے مسائل مین

---

[1] اورینٹلسٹ کے لئے جامعۂ عثمانیہ کے اصول پر شرقیاتی مرادف ہو سکتا ہی جو مستشرق کی بہ نسبت زیادہ قابلِ اشتقاق بھی ہی،

مصروف ہی، اس لیے موتمر لائڈن کے حالات کی اتنی اشاعت نہین ہوسکی جس کی وہ مستحق تھی، معززین کی ایک اعزازی کمیٹی بھی اس کے لیے منتخب ہوئی تھی مجلس انتظامی کے لیے بیس نہایت مشہور اساتذہ چنے گئے تھے، اور ایک شعبۂ اطلاعات قائم کیا گیا تھا،

موتمر کو نو شعبون مین تقسیم کیا گیا تھا۔

۱۔ اسلام

۲۔ سامی اقوام والسنہ،

۳۔ اشوریات،

۴ مصریات،

۵ داخلی و وسطی ایشیا،

۶۔ مشرق اقصیٰ اور جزائر شرق الہند،

۷۔ ہندیات،

۸۔ عہد نامۂ قدیم (تورات) اور یہودیت،

۹۔ پاپیریات (یعنی قدیم مصری کاغذ پاپیروس کے تحریرات سے متعلقہ امور)

موتمر کا افتتاح یکشنبہ ۷ ستمبر کو ہوا، آٹھ سو نمایندے دنیا کے مختلف ممالک سے آئے تھے جنمین ہر دو صنف کے افراد شامل تھے، پروفیسر اسنوک ہرگرونیے نے موتمر کا افتتاح کیا، اس نے شرقیاتی علوم سے دلچسپی کی عظیم الشان ترقی کا ذکر کیا اور کہا ۱۸۸۳ء مین لائڈن مین چھٹی موتمر منعقد ہوئی تھی، اس مین (۲۱۸) سے زیادہ نمایندے نہ تھے مگر اب اس اجلاس مین آٹھ سو سے زائد نمایندے شامل ہوئے ہین جنمین زنانہ نمایندگی بھی بہت اچھی ہوئی ہے،

موسیو تر پاسترا، ہالینڈ کے وزیر تعلیم نے ایک مقالہ سنایا، اس مین ولندیزی شرقیات کی تاریخ بتائی، اس نے کہا،

"یہ ملک ہمیشہ سے مشرقی امور مین دلچسپی لیتا رہا ہے، اور اس اہمیت کو خوب سمجھتا ہے، جو ایشیا اور یورپ

کے باہمی تفاہم کو حاصل ہو، اس نے آخر جب جزائر الکاہل کے بڑے حصے پر تسلط حاصل کیا تو اسی بنا پر اس کے

سیاسی اور معاشی مفاد سے اس ملک مین ہماری سرگرمیون کو بے انتہا بڑھانا اور ترقی دینا پڑا، یہ صحیح نہین،

جیسا بعض لوگ خیال کرتے ہین، کہ ایشیائی مقبوضات سے ہالینڈ کا اصلی مقصد سوائے تجارتی نفع کے او

کچھ نہین، اس کے برخلاف، ہالینڈ کی اولین کوشش رہی ہے کہ ان دور دراز ممالک مین عیسائیت کی خوبیون

اور فائدون کی تبلیغ کرے"

وزیر تعلیم ہالینڈ کا یہ اعلان اپنے ملک کی حکومت کے نمایندے کی حیثیت سے شرقیاتی موتمر مین انتہائی صداقت

اور پوری صفائی و وضاحت سے تھا جسمین یہ کوشش نہ تھی کہ غیر مسلمون کو مذہبی معاملات مین ہالینڈ کی انتہائی بے پروائی

دکھائی جائے، جس طرح بعض دیگر استعماری سلطنتین کرتی ہین کہ محض نمایش کے لیے مذہبی معاملات مین انتہائی آزادی اور

مکمل بے اعتنائی ظاہر کرتی ہین مگر چند خاص و مسلسل ذرائع سے اس بات کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کرتین، کہ اپنی

نوآبادیون کے مسلمان اور دیگر اقوام کو عیسائی بنالین، برخلاف اس کے ہالینڈ کو اقرار ہے اور وہ اس خواہش پر فخر بھی

کرتا ہے کہ جہان تک ممکن ہو وہ اپنی نوآبادیون مین عیسائیت کے پھیلانے کی کوشش کریگا، ولندیزی وزیر کا یہ اعلان

ہم پوری طمانیت کے ساتھ، بہ طور ثبوت، ان مشرقی لوگون کے لیے درج کرتے ہین، جو یہ حسن ظن رکھتے ہین کہ بڑی یوروپی

سلطنتون کی پالیسی مین مذہبی رجحانات کو دخل نہین ہوتا، خاص کر ترقی یافتہ سلطنتون مین ...... اور آج اسی بنا پر

مشرقی قومین مذہب و سیاست اور مذہب و حکومت کی آمیزش کو اپنی روشن خیالی سے قومی و وطنی خدمت کے لیے ایک بدنما

داغ سمجھ رہی ہین!!

لیکن کسلینسی وزیر تعلیم ہالینڈ، ہالینڈ کے ان تبلیغی مشنون کی کوششون کے نتائج کو مستشرقین کی کانفرنس مین فخر سے

پیش کرتے ہین، جس کے ذریعہ بحر الکاہل کی ولندیزی نوآبادیون مین ایک ناقابل یقین سرگرمی اور جوش عمل سے (جنکی

پشت پناہی کے لیے ہر قسم کے ذرائع لاکھون آدمی اور کروڑون فلورین (سکّے) ہین) ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانون کو،

جن کا بڑا حصہ یتیمون اور مفلسون پر مشتمل تھا عیسائی بنانے مین کامیابی حاصل ہوئی ہے، گویہ تعداد ایک صفر ہے، اور ملکۂ ہالینڈ

کی ساڑھے چھ کروڑ (شرق الہندی) مسلم رعایا کے مقابلے مین کچھ حیثیت نہین رکھتی لیکن ساتھ ہی یہ کامیابی ناقابل تردید اہمیت رکھتی ہے، مگر کیا اسکی بنا پر ہالینڈ کو تاریک خیال قدامت پرست اور مذہبی دیوانے کا خطاب دیا جاسکتا ہے؟ لائڈن کی شرقیاتی موتمر مین علاوہ افتتاحی استقبال کے دیگر ضیافتین بھی ہوئین، حکومت ہالینڈ نے اس کے اعزاز مین شہر لاہائی (ہیگ) کے ریدرتسال مین ایک شاندار و پرشوکت استقبال کیا، وہان وزیر مستعمرات نے تقریر کی اور نمایندگان موتمر کو خوش آمدید کہا، نوردویک مین ہوئس تروین ہوٹل مین جملہ نمایندون کو شب کے کھانے (ڈینر) پر مدعو کیا گیا، انسٹاٹ گیبوورت سال مین ۱۲ ستمبر کو اختتامی جلسہ ہوا اور یہ اعلان کیا گیا کہ اس شرقیاتی موتمر کا انیسوان اجلاس روما (اٹلی) مین تین یا چار سال بعد ہوگا،

موتمر کے شعبۂ اسلام مین غالباً سب سے زیادہ ارکان تھے، جو (۸۰) اور (۱۰۰) کے مابین تھے، اس مین پڑھے ہوئے مقالے بھی نہایت محنت اور قابلیت سے لکھے گئے تھے،

اس شعبے مین جن عربون نے مقالے سنائے، وہ یہ ہین:-

۱- شیخ مصطفےٰ عبد الرزاق، (مصر) انھون نے لفظ "اسلام" اس کے ابتدائی مفہوم اور اس (مفہوم) کی ترقی و وسعت پر بحث کی، اس مقالے نے بڑی دلچسپی پیدا کی، اس مین اس بات کی کوئی کمی نہ تھی کہ دندان شکن دلائل سے چند شرقیاتیون کے اس خیال کی تردید کیجائے کہ "اسلام قلب کو مس نہین کرتا، اور وہ سوائے اس کے کچھ نہین کہ چند رسمی قوانین کو محفوظ اور زیر عمل رکھا جائے"،

آپ نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو شہادت مین پیش کرتے ہوئے بتایا کہ قوانین کی صرف سختی کے ساتھ پابندی سے کسی کو اسلام مین نجات نہین ملتی جب تک کہ اس کے ساتھ نیت نہ ہو اور خدمت خلق اور خیرات و مبرات کے بغیر محض رسوم بیکار ہین، مشہور شرقیاتی گولٹ سی ہرنے اپنی نہایت قابل دید تصنیف مین جو "عقائد و قوانین اسلام" پر ہے، اپنی پوری قوت بیانیہ اور طاقت منطقیہ سے اسی (غلط) خیال کو پیش کیا اور ابھارا تھا.......

۲- یمن کے علامۂ ہمدانی نے آخری خلفائے فاطمیہ کے عہد کے عربی ادبیات پر مقالہ پڑھا،

۳- مشہور مصری عالم احمد پاشا تیمور مرحوم کے فرزند تیمور بک نے ادبیات جدیدہ پر مضمون سنایا،

۴- ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے عربی بلاغت اور اُس کے یونان سے تعلق پر تقریر کی، باوجود آپ کی فصاحت و بلاغت کے یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یونانی کتابون کے تراجم سے پہلے بھی عربون مین بلاغت کا وجود تھا،

۵- علامہ محمد ترکی (تونس کے نمایندے) نے اپنی نوعیت کا نہایت اہم مضمون "عربی خطاطی اور ابن مقلہ" پر پڑھا،

۶- اور خود امیر شکیب ارسلان نے "تاریخ اور مختلف عربی بولیون کا تعلق" پر مضمون پڑھا، یہ مضمون اسی زیر نظر پرچے مین شائع ہو گیا ہے،

۷- حافظ عفیفی پاشا مصری سفیر لندن نے جدید عربی حروف کبیرہ پر مقالہ پڑھا جو اس کے مجوز شاہ فواد کی نسبت سے حروف تاج کہلاتے ہین،

شاہ فواد نے عربی مین ان حروف تاج سے "کیپیٹل لیٹر" کو رواج دینا چاہا ہے، کہ جسطرح انگریزی و دیگر لاطینی خطون مین اسما و اعلام اور ہر جملے کے پہلے لفظ کا پہلا حرف امتیاز کی خاطر بڑا لکھا جاتا ہے، وہی طریقہ عربی مین بھی رائج ہو جائے، چنانچہ ایک انعامی مقابلے کے نتائج کو مصری وزارتِ تعلیم نے بعد ترمیم مناسب نہ صرف شائع کیا ہے، بلکہ جدید اطلاعات کے بموجب مدارس کی درسی کتابین اسی خط مین چھپ رہی ہین، اور جملہ دفاتر و محکمہ جات سرکاری مین اسکا جبری نفاذ عمل مین آچکا ہے، اس کے متعلق سرکاری رسالے سے جس کا نام "حروف التاج وعلامات الترقیم ومواضع استعمالہا" ہے، جدید حروف کی ماہیت پیش کیجاتی ہے،

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض

ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ه ی

نمونہ عبارت ملاحظہ ہو:-

"رسالہ معارف کے اڈیٹر ہندوستان کے مشہور عالم مولانا سید سلیمان ندوی ہین"، یہ تو ہوا خط طباعت، خط کتابت مین بجائے تاج کے آٹھ کا ہندسہ لکھا جاتا ہے:-

"رسالہ معارف کے اڈیٹر ہندوستان کے مشہور عالم مولانا سید سلیمان ندوی ہین"

خدا کا اعتراف سائنس کی زبان سے،

زمانہ کا یہ انقلاب بھی کس درجہ حیرت انگیز ہے، کہ سائنس جس پر دور حاضر کے الحاد و دہریت کی بنیاد تھی، خود اُس کی زبان سے وجود باری تعالیٰ کا اقرار مثال اور واضح الفاظ مین شروع ہوگیا ہے، اور جو چیز اب تک مذہب کی مخالف سمجھی جاتی تھی وہی اب اس کی مدافعت کے لئے آگے بڑھ رہی ہے، اور یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ دور حاضر کا الحاد اپنے کمال تک پہنچ کر اب مائل بہ انحطاط ہے،

چنانچہ مسٹر اڈورڈ کاٹن (EDWORD COTTON) نے موجودہ ماہرین سائنس کی رائین ایک کتاب کی شکل مین یکجا کی ہین، جو "کیا سائنس نے خدا کو دریافت کرلیا ہے" ("HAS SCIENCE DISCOVERED GOD") کے نام سے موسوم ہے، اس کتاب پر ایک مقالہ لٹریری ڈائجسٹ مین شایع ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس مین یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سائنس ایک ایسے خدا کو دریافت کر رہی ہے جو ان تمام خداؤن سے جو اس وقت تک معلوم کئے گئے ہین کہین زیادہ صاحب عظمت اور اپنے وجود کے نسبت لوگون کو یقین دلانے والا ہے، اس کتاب مین سولہ مشہور ماہرین سائنس کے مقالات ہین، جو نہایت سہل اور آسان زبان مین لکھے گئے ہین،

مسٹر کاٹن ہستی باری تعالیٰ کے متعلق لکھتے ہین کہ:-

سائنس کی تمامتر تحقیقات کا مقصد ہی یہ تھا کہ خدا کو معلوم کیا جائے، جس خدا کا تصور ان سائنس دانون کی نظر مین ہے، وہ ایسا نہین ہے کہ کسی مذہب کی حدود مین مقید ہوسکے، لیکن باوجود اس کے عقائد کی قوت واہمیت سے انکار بھی نہین ہے، اخلاقی ترقی کے لئے مذہب کی ضرورت باقی

رہتی ہے اور تحقیقاتِ علمی کا کام یہ ہے کہ اسرارِ کائنات کو بے نقاب کرین یعنی جوہر (ATOM) مین خدا کو معلوم کرین، مذہب و سائنس دونون ایک ساتھ نوعِ انسانی کی خدمت اور خدائے تعالیٰ کی حمد سرائی مین مصروف ہین"

مسٹر کرٹلے میتھر (KIRTLEY.F. MATHER) جو ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) مین ارضیات اور جغرافیہ کے صدر ہین، اپنے مقالہ مین یون اظہارِ خیال کرتے ہین "جتنا ہی زیادہ ہم اس دنیا سے واقف ہوتے جاتے ہین، اسی قدر وہ زیادہ پراسرار اور حیرت انگیز بنتی جاتی ہے، جو انانیت پہلے کثرت سے سائنس دانون مین پائی جاتی تھی، اب مفقود ہو چکی ہے اور اس کی جگہ موجودہ دور کے علمائے سائنس حقیقی انکسار کا اظہار قابلِ تعریف طریقہ سے کر رہے ہین.........

میرے نزدیک خدا وہ طاقت متحرک (MOTIVE POWER) ہے، جو انسان مین ایک لطیف شخصیت کو پیدا کرتا ہے" مسٹر رابرٹ ملیکن (ROBERT A.MILLIKAM) کا جو طبعیات مین نوبل پرائز حاصل کر چکے ہین بیان ہے، "یہ خیال اب تقریباً عام ہو چکا ہے کہ فطرت حقیقۃً لطف و کرم کرتی ہے، اسکا علم مذہب کو سائنس سے ہوا ہے یہی خیال تھا جسکو حضرت عیسیٰؑ نے اتنے صاف طور پر دیکھا، اور پھر اس شدت کیساتھ اسکی تبلیغ کی، انھون نے اس لطف و کرم کو محسوس کیا، اور اس کے بعد لوگون مین اسکی تبلیغ کی، موجودہ سائنس اس خیال کے ثبوت مین شہادت پیش کرتی ہے" مسٹر اڈون کانکلن (EDWIN G.CONKLIN) لکھتے ہین، "میری سمجھ مین نہین آتا کہ کیونکر ایک شخص فطرت کو سائنس کی آنکھون سے دیکھتا ہے، ارتقا کے تمام مراتب کو جوہرون کی تشکیل سے لیکر انسان اور شعور کی تکوین تک پیشِ نظر رکھتا ہے اور پھر بھی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سارا نظام بغیر کسی ترتیب یا مقصد کے ہے"

"ع ز"

علمی تحقیقات اور تخفیف کمیٹی کی کاٹ چھانٹ

مالیاتِ ہند کی موجودہ حالت نے برطانیہ کی طرح وہان بھی اس بات کی ضرورت پیدا کر دی ہے کہ مالی سال کے

درمیان ہی مین بڑے بڑے جدید ٹیکس عاید کر دیئے جائین، اور ہر ممکن شعبہ مین سختی کے ساتھ تخفیف کر دیجائے، بجٹ سے متعلق حکومت ہند کی مشکلات کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی شبہ رہجاتا ہے کہ اُس نے علمی شعبوں کو تخفیف کمیٹی کے سپرد کر دینے مین کہانتک دانائی سے کام لیا، ہندوستان مین حکومت کے فرائض دوسرے زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کی نسبت وسیع تر ہین، جیسا کہ مسٹر ولیم میرس "ہند جدید" کے ایک باب مین لکھتے ہین، حکومت ہند نے اہل ملک کی طبعی اور آئینی بہبودی کی جو عام ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہو اُسے دوسری حکومتین ممکن صورتون مین غیر سرکاری اداروں کے سپرد کر دینے پر قناعت کرتی ہین"

جو ذمہ داریان حکومت نے اپنے اوپر عاید کر لی ہین اُن سے عہدہ برآ ہونے کیلئے تخصیص یافتہ علمی اداروں کی ضرورت ہی، ایک بڑی تجارتی کمپنی جو تخفیف کی شدید ضرورت سے دوچار ہو اپنے مختلف شعبوں کے ذمہ دار اشخاص کو بلاکر اس مسئلہ کی بابت مشورہ کریگی، صورتِ حال کو بیان کریگی، اور ایک ایسی تجویز کو مرتب کرنے کی ہدایت کریگی جو موجودہ مشکل کو بھی حل کر دے، اور جس سے کمپنی کو بھی کم سے کم نقصان پہنچے،

حکومت ہند نے اس قسم کی کوئی تدبیر اختیار کرنے کی جگہ یہ کیا کہ مجلس قانون ساز کی ایک سب کمیٹی مقرر کرکے پیمائش اراضیات، علم ارضیات، نباتات، حیوانیات، آثار قدیمہ، طب، صحت عامہ، اور زراعت کے صیغون کو تخفیف کی غرض سے اس کے سپرد کر دیا، اس کمیٹی کے کسی رکن کو بھی ان شعبون سے متعلق کوئی سائنٹفک واقفیت نہ تھی، تاہم کمیٹی نے ان مین سے اکثر شعبون کی نسبت بے تکلف نہایت متعین اور واضح تجویزین پیش کین، ان تجویزون سے اکثر صورتون مین علمی شعبون پر نہایت مضر اثرات پڑے، اگرچہ کمیٹی نے یہ بیان کیا کہ وہ علمی ادارون کی کاٹ چھانٹ سے پرہیز کرنا چاہتی ہی، مڈکل اور پبلک ہلتھ ڈپارٹمنٹ کی بابت کمیٹی کی یہ تجویز تھی کہ ان دونون کو مرکزی حکومت سے خارج کر دینا چاہئے اور بجائے ان کے دو ڈپٹی سکریٹری مقرر کر دینے چاہئین جو طبی تحقیقات اور امور صحت عامہ پر حکومت کو مشورہ دیتے رہین، یہ تجویز کمیٹی کی اس عام رائے کے مطابق تھی کہ تخفیف کے لیے ضروری ہو کہ بڑے بڑے ماہرین فن علیحدہ کر دیئے جائین اور ان کی جگہ نسبتۃً کم درجہ والون سے کام لیا جائے، چند سال ہوئے محکمۂ زراعت کی تحقیقات کے

لیے ایک روائل کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس نے زراعت کی علمی تحقیقات کو وسعت دینے کے لیے چند تجویزین پیش کی تھین، ان مین سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ زراعت کی علمی تحقیقات کے لیے ایک امپیریل کاؤنسل مقرر کردی جاے، تخفیف کمیٹی کی تجویز یہ ہے کہ اس کونسل کے مصارف کے لیے منظور شدہ رقم پانچ لاکھ روپیہ سے ڈھائی لاکھ کردی جائے اور زراعت کے دونون اعلیٰ ماہرین برطرف کردیئے جائین، لیکن وائس چیرمین اور سکریٹری جنکو اس فن مین کوئی دستگاہ نہین حاصل ہے اپنی جگہ پر رہنے دیئے جائین، اس کے علاوہ پوسا کے زراعتی ادارہ کی پانچ شاخون مین سے چار توڑدی جائین، انڈین ریسرچ فنڈ ایسوسئیشن (INDIAN RESEARCH FUND ASSOCIA-TION) نے حکومت کی سالانہ مالی امداد سے طبی شعبہ مین بہت قیمتی تحقیقاتین کی ہین، اسوقت تک اس انجمن کو ساڑھے سات لاکھ روپئے سالانہ ملتے تھے تخفیف کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی ہو کہ ان مین سے پانچ لاکھ کم کردیئے جائین، خوش قسمتی سے انجمن کے پاس ۱/۲ ۸ تین لاکھ کا سرمایہ محفوظ ہے جس سے مدد لیجاسکتی ہو، یہ انجمن اپنے مقاصد مین نمایان طور پر کامیاب رہی ہے، لیکن اگر کمیٹی کی تجویزین منظور کرلی گئین تو اس کو سخت نقصان پہنچیگا، یہ امر کسی قدر باعثِ تسکین ہے کہ کمیٹی کی بعض ناقص تجویزین حکومت ہند نے مسترد کردی ہین، امید ہے کہ ایسی ہی دوسری تجویزین بھی نامنظور کردیجائین گی، اور عارضی مالی دقتین ہندوستان کو طبی اور سائنٹفک تحقیقات مین نصف صدی پیچھے نہ کردینگی،

(ٹائمس تعلیمی ضمیمہ) "ع ز"

سفر حجاز

اس سفر مین مولنا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ چشم دید حالات جمع کئے ہین اور حج وزیارت کے متعلق تمام فقہی معلومات وہدایات کو جمع کردیا ہے، ضخامت ۴۱۹ صفحے، مطبوعۂ معارف پریس اعظم گڈھ،

قیمت :- عہ (دو روپیہ) "منیجر"

اخبارِ علمیہ

عراق کے آثارِ قدیمہ

فیلڈ میوزیم اور اکسفرڈ یونیورسٹی کی متحدہ مہم نے جو عراق کے آثارِ قدیمہ کی دریافت و تحقیق میں مصروف تھی، حال میں اپنی رپورٹ شائع کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چھ ہزار سال قبل اس ملک کے تمدن کی کیا حالت تھی، جمدت نصر (JAMDET NASY) جہان یہ آثارِ قدیمہ برآمد کئے گئے ہین ۳۵۰۰ قبل مسیح مین آتش زدگی سے برباد ہوگیا تھا، لیکن اس بربادی سے پہلے بھی اس کا تمدن ایک بہت قدیم تمدن خیال کیا جاتا تھا، مسٹر میکے (MACKAY) مرتب روداد کا بیان ہے کہ وہان کے لوگ فنِ تحریر سے واقف تھے اور مٹی کی تختیون پر اسکی مشق کیا کرتے تھے، وہ کپڑا بُننا بھی جانتے تھے اور اس کے جو آلات دستیاب ہوئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ باریک سوت تیار کرتے تھے، ماہی گیری بھی ان لوگون کا ایک پیشہ تھا، اس کا ثبوت شست اور کانٹون کی موجودگی سے ملتا ہے، وہ لوگ تانبے کے کارآمد اور خوبصورت آلات اور برتن بھی بناتے تھے، اینٹ بنانے کا فن بہت کچھ ترقی کرچکا تھا، لیکن جمدت نصر سنگ تراشی مین استنے ماہر نہ تھے، زراعت کے ثبوت مین گیہون کا ایک انبار برآمد ہوا ہے جو اگرچہ بہت خراب حالت مین ہے تاہم آسانی سے شناخت کیا جاسکتا ہے، لیکن جس فن مین وہ لوگ خصوصیت کیساتھ مہارت رکھتے تھے وہ کوزہ گری ہے، ان کے بنائے ہوئے برتن بعد کے برتنون سے زیادہ خوبصورت اور خوشرنگ ہین، بحیثیت مجموعی ان لوگون کا تمدن عراق کے موجودہ باشندون کے تمدن کے برابر تھا،

ہندوستان میں حیرت انگیز اثری اکتشاف

اب تک تاریخ اثریات میں پومپیائی (اٹلی) کا نام خاص شہرت رکھتا تھا، ایک ہزار نو سو برس سے اس کے کھنڈر کوہ آتش فشان کی خاک کے نیچے دبے ہوئے ہیں، لیکن اس کے آثار قدیمہ کی دریافت و تلاش ہنوز جاری ہے کسے خیال ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کی سرزمین میں ایک قدیم تر پومپیائی کی لاش مدفون ہے جس کی تباہی و بربادی پر پانچہزار برس گذر چکے ہیں، یہ شہر شمالی ہند میں دریائے سندھ کی مغربی وادی میں آباد تھا اور اپنی تعمیر تہذیب میں تمام علامتیں ایک متمدن شہر کی رکھتا تھا، اس کے مکانات پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے تھے اور نہایت ترتیب کے ساتھ سیدھی اور باقاعدہ سڑکوں کے کنارے واقع تھے اس کے ظروف، آلاتِ حرب، جواہرات، نیز دیگر اشیاء سے جو برآمد ہوئی ہیں، پتہ چلتا ہے کہ وہاں کے باشندے تہذیب و تمدن میں بہت بڑھے ہوئے تھے، مسٹر آرتھر کیتھ برطانیہ کے ممتاز ماہر انسانیات کا بیان ہے کہ جب تک اس شہر کے حالات معلوم نہ ہوئے تھے خیال بھی نہیں ہوا کہ اس قسم کے شہر دنیا کے کسی حصہ میں اب سے پانچہزار سال قبل آباد تھے، وہ لکھتے ہیں کہ ان جدید معلومات نے ہندوستان کی تاریخ قدیم سے متعلق ہمارے خیالات میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ آج شہر کے رہنے والوں کا جو طرز معاشرت ہے، تقریباً ویسا ہی اس شہر کے باشندوں کا اب سے پچاس صدی قبل تھا، ان معلومات نے تاریخ ہند میں دو ہزار برس کا اضافہ کر دیا ہے، یہی نہیں بلکہ سر جان مارشل نے جن کی سرگردگی میں یہ تحقیقات ہوئی ہیں مسوپوٹامیا اور ہندوستان کے درمیانی حصہ میں بعض ایسی چیزیں دریافت کی ہیں جن سے بابل اور وادی سندھ کی تہذیبوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

درختوں سے چٹان کا شق ہونا

لٹریری ڈائجسٹ (امریکہ) کی اطلاع ہے کہ بعض درختوں میں بھی بڑے آدمیوں کی طرح ایسی باتیں کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے، جو عموماً ناممکن خیال کیجاتی ہیں، مثلاً کسی درخت کا پتھر کو توڑ دینا لیکن اس کے لیے ضروری ہے

کہ درخت اپنا کام بچپن ہی مین شروع کر دے اور ابتدا ہی سے اس مقصد کو پیش نظر رکھے، یہ غیر معمولی کارنامۂ فطرت نہایت خاموشی سے انجام دیتی ہے اور اس کی تکمیل مین انتہائی صبر سے کام لیتی ہے، پہلے بلوط یا کسی اور درخت کا ایک حقیر سا بیج کسی چڑیے کی چونچ سے گرکر چٹان کے شگاف مین پہنچ جاتا ہے، پھر مرجھائی ہوئی پتیان اور ننھی ننھی شاخین ہوا سے اڑکر اس شگاف مین گرتی ہین، اور اس پودے کے لیے جس نے چٹان کے قلب مین اپنی نشو و نما شروع کی ہو غذا کا کام دیتی ہین، اس طرح یہ پودا رفتہ رفتہ قوت پکڑتا جاتا ہے اور بالآخر ایک تناور اور طاقتور درخت ہو کر اسی پتھر کو توڑ ڈالتا ہے جس کے اندر کبھی یہ ایک بے حقیقت بیج کی شکل مین پڑا ہوا تھا،

خود بخود کھل جانے والے دروازے

امریکہ کے ایک ہوٹل مین ایسے دروازے لگائے گئے ہین جو کسی کے قریب جانے سے خود بخود کھل جاتے ہین ان کا اس طرح کھلنا روشنی کی ایک ہلکی سی کرن کے زیر اثر ہوتا ہے جو نظر نہین آتی جب کمرہ مین داخل ہونے والا دروازہ سے چند فٹ کے فاصلہ پر پہنچتا ہے، تو وہ دروازہ اور اس کرن کے درمیان آجاتا ہے، اور اس کے یون حائل ہو جانے ہی سے ایک کمانی کو حرکت ہوتی ہے جس سے دروازہ فوراً کھل جاتا ہے، جس وقت وہ کمرہ مین پہنچگیا دروازہ خود ہی بند بھی ہو جاتا ہے،

بالشوک روس مین بچون کی تعلیم

رسالہ KOELNISCHE ZEITUNG کی ایک نامہ نگار خاتون اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر بیان کرتی ہے کہ بالشوک روس مین سب سے پہلا سبق جو بچون کو پڑھایا جاتا ہے یہ ہے کہ "خدا کا وجود نہین" (نعوذ باللہ من ذالک) ابتدائی تعلیم کی بنیاد اسی عقیدہ پر قائم کیجاتی ہے، چونکہ بچے اسکول مین داخل ہونے کے وقت مذہبی خیالات سے اپنے گھرون مین کسی قدر آشنا ہو چکتے ہین اس لیے ابتدائی مدارس کا مقدم کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان خیالات کو دور کرکے

ان کی جگہ مذہب اور اہل مذہب کی برائیاں بچون کے ذہن مین راسخ کردین، چنانچہ درسی کتابون مین یہ اصول پوری طرح کارفرما ہے، بچون کو یہ خاص طور پر سمجھایا جاتا ہے کہ مذہب کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہین ہے کہ وہ لوگون کو نیند جہالت مین رکھنا چاہتا ہے اور کلیسا وہ ادارہ ہے جس نے غریبون کی جیب سے آخری پیسہ بھی نکال لیا، معلوم نہین اس الزام کی کیا حقیقت ہے؟

نابینا اشخاص کیلئے انجیل کا عربی ترجمہ

بائبل سوسائٹی کے حسب ہدایت پانچ سال کی سعی و محنت کے بعد انجیل کا عربی ترجمہ نابینا اشخاص کے لیے تیار کر لیا گیا ہے، اس کتاب کے حروف ابھرے ہوئے ہین جو صرف انگلی کی مدد سے مناسب مشق کے بعد بآسانی سمجھ مین آجاتے ہین، فی الحال تیئیس جلدین تیار ہوگئی ہین، کیا پرستاران مسیح کے نمونۂ عمل مین عباد اللہ کے لیے کوئی درس عبرت نہین ہے؟

انڈین سائنس کانگریس

انڈین سائنس کانگریس کا اجلاس امسال جنوری کی ابتدائی تاریخون مین بنگلور مین ریاست میسور کی سرپرستی مین منعقد ہوا، سائنس کے مختلف شعبون کے اہل علم نے محققانہ خطبے پڑھے، حیدرآباد دکن کے قرب سے کانگریس کا یہ اجلاس میسور اور حیدرآباد دکن کی متفقہ علمی کوششون کا نظارہ گاہ تھا، اور جامعہ عثمانیہ کے بعض پروفیسرون کے مضامین دلچسپ تھے، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی پروفیسر ریاضی کا مقالہ اہم تھا،

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے مشرقی کتب خانہ مین دو نئے اضافے ہوئے ہین، نواب عبد السلام خان مرحوم رامپور اور نواب اسمٰعیل خان میرٹھ کے کتبخانے یہان منتقل ہو کر آگئے ہین، نواب عبد السلام خان کا کتب خانہ انکی تمام عمر کی کمائی تھی، اور نواب اسمٰعیل خان کا کتب خانہ ایک قدیم خاندان کی یادگار ہے،

"ع ز"

ادبیات

فطرت اور انسان

از جناب اسد خان صاحب اسد ملتانی بی اے، دھلی

چل اے ہوائے زمستان! چل اور زور سے چل
تو سرد مہری احباب سے زیادہ نہیں

جلا خوشی سے جلا، آفتابِ تابستان!
کہ تجھ مین شائبۂ آتشِ عناد نہیں

بتر ہین، بارشِ بے اعتبار! تجھ سے بتر
وہ دوست جن کی وفا پر کچھ اعتماد نہیں

نثار۔ بادِ خزان! تیری بے ریائی پر
وہ جن کے ظاہر و باطن مین اتحاد نہیں

مین تیرا بندۂ احسان ہون اے نسیم بہار!
کہ تو نے جو کئے احسان وہ تجھ کو یاد نہیں

اسد مظاہرِ فطرت کی سادگی کی قسم
فریب خوردۂ اہلِ زمانہ شاد نہیں

(استفادہ از شکسپیر)

"حسنِ ذاتی"

از مولوی سید ابراہیم صاحب نجم ندوی، بی اے

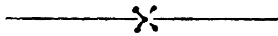
اک حسین، زہرہ جبین، خورشید طلعت، ماہرو
نیک محضر، نیک سیرت، نیک طینت، نیک خو

صیدِ آلام و مصائب، مظہرِ شانِ خدا
جسمِ نورانی پہ ڈالے ایک بوسیدہ ردا

اک سراپا بیکسی، اک سربسر تصویرِ یاس
اک دن آئی پا برہنہ مسندِ شاہی کے پاس
پاسِ ناموس و حیا قفلِ زبانِ بیقرار
ہاتھ مین جامِ گدائی جس سے حاجت آشکار



بول اٹھے حکامِ شاہی روئے تابان دیکھ کر
"یہ جہانِ حسن مین ہے غیرتِ شمس و قمر
یون ہے روشن جامۂ کہنہ مین حسنِ لاجواب
جسطرح ہو بدلیون مین جلوہ گسترِ ماہتاب"
ہوگیا کوئی تو صیدِ یک نگاہِ سحرکار
اور دامِ گیسوئے شبفام کا کوئی شکار
چشمِ میگون دیکھ کر کوئی تو دیوانہ ہوا
اور کوئی عارضِ روشن کا پروانہ ہوا
(ایک تو خود چاند تھا اس حسن سے اے نجم ماند
سادگی نے اور بھی اس مین لگائے چار چاند)



موجزن دل مین ہوا جو خیر مقدم کا خیال
تخت سے نیچے اتر آیا وہ شاہِ پرجلال
پھر بفورِ شوق مین بڑھکر لیے اُسکے قدم
اور فرمایا کہ "ہو تو زینت افروزِ حرم"



"یہ وہی ہے جس کو کل تھا صنفِ نازک سے گریز
آج ہے پہلو مین اسکے اک پری رو عطر بیز"
"حسنِ ذاتی کو غرض زیور کی کچھ حاجت نہین
چرخ پر محتاجِ آرایش نہین مہرِ مبین"

(ترجمۂ "دی بیگر میڈ" از ٹینیسن)

اقبال اور ٹیگور

از جناب سید مقبول حسین صاحب احمد پوری، بی اے، لکھنؤ

ٹیگور

مانا کہ نورِ مشعلِ ایمان نہین ہے تو
مانا کہ بحرِ معنئ عرفان نہین ہے تو
مانا کہ تیرا حسن فسونِ مجاز ہے
اور یہ کہ تیرا سوز بھی مضرابِ ساز ہے

پھر بھی تری رگون مین محبت کا خون ہو — تیرا پیام ایک پیامِ سکون ہے

فرحت ہے روح کو ترے سچے پیام سے — اور دل مین لطف ہے ترے پیارے کلام سے

حق نے ترے کلام مین ایسا اثر دیا،

مغرب کے دل کو جذبۂ مشرق سے بھر دیا

اقبال

تیرا پیام حسنِ عمل، راستیِ خیال — ماضی جو تیرا خواب، تو تعبیر، عہدِ حال

دنیا سرابِ وہم دکھاتی نہین تجھے — بیکار کوئی شے نظر آتی نہین تجھے

پیغام جستجو ہین تری نغمہ ریزیان — ہین نکہتِ حیات تری عطر بیزیان

ہے تیرا عشق محرمِ تاثیرِ آرزو — اور تیرا حسن مظہرِ تغییرِ رنگ و بو

تو بھی ہے مشرقی، ترے جوہر بھی مشرقی

ساقی بھی، خم بھی، بادۂ و ساغر بھی مشرقی

نورِ شمس

از نوابزادہ سید شمس الحسن بی اے ال ال بی بھوپال ہوس، لکھنؤ،

حسن کو بے نقاب ہونا تھا — عشق کو باریاب ہونا تھا

حسن مین اضطراب ہونا تھا — عشق کا کچھ جواب ہونا تھا

رات بھی ان کو خواب مین دیکھا — عمر بھر محوِ خواب ہونا تھا

زندگی وجہِ نامرادی ہے — اک نیا انقلاب ہونا تھا

بے نیازی کی شان ہی یہ تھی — آپ اپنا جواب ہونا تھا

تم سے شکوا نہین محبت مین — مجھ کو خانہ خراب ہونا تھا

مطبوعات جدیدہ

ولی اللہ:۔ مؤلفہ مولوی ابوالعلا محمد اسمٰعیل صاحب گودہروی، حجم ۷۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۱۰؍، پتہ:۔ مولانا محمد سورتی صاحب، قرول باغ، دہلی،

یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے مختصر سوانح حیات ہیں جو "ولی اللہ" کے نام سے لکھے ہیں، اگرچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حالات زندگی میں، اردو میں بعض اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں، لیکن اس رسالہ میں شاہ صاحبؒ کے حالات کو جدید طریقۂ تالیف میں مرتب کیا گیا ہے، اور اگرچہ رسالہ مختصر اور مباحث تشنہ ہیں، تاہم شاہ صاحب کے احوال میں اس وقت سب سے بہتر کتاب ہے، مصنف کا مقصد ہے کہ وہ آیندہ اس کو زیادہ تفصیل سے لکھیں گے، رسالہ کی ابتدا میں مولانا محمد سورتی صاحب کا ایک مقدمہ ہے جس میں ہندوستان میں شاہ صاحبؒ کی خدمت حدیث پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسی ذیل میں ہندوستان کی جماعت اہلحدیث پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں بعض غیر متعلق باتیں درج رسالہ ہیں جنکی ضرورت نہ تھی،

امام محمدی:۔ مترجمہ مولوی محمد صاحب مدرس مدرسہ محمدیہ، دہلی، حجم ۱۵۲ صفحے، کاغذ معمولی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۸؍، پتہ:۔ دفتر اخبار محمدی اجمیری دروازہ دہلی،

مولوی محمد صاحب اڈیٹر اخبار محمدی دہلی نے تاریخ خطیب بغدادی میں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے سوانح حیات کا اردو ترجمہ مع عربی متن، رسالہ کی شکل میں "امام محمدی" کے نام سے شائع کیا ہے، شیخ ابوبکر خطیب بغدادی کو امام صاحب کے مسلک اور اصول سے سخت اختلاف تھا، اس لیے امام صاحبؒ کے ترجمہ میں زیادہ تر ان کے مخالف پہلوؤں کو اور ایسی کمزور روایتوں کو جو مخالفوں کی جانب سے امام صاحبؒ کی طرف منسوب ہیں درج کیا ہے، لیکن فن رجال کا مشہور قول ہے کہ مخالف مذہب کی جرح مقبول اور معتبر نہیں ہوتی، اس لیے علامہ خطیب بغدادی کے تمام علم و فضل کے باوجود

امام صاحبؒ کے ترجمہ مین ان کی تحریر مستند نہین، اس لیے مولوی محمد صاحب کا عمداً ایسی تحریر کو استناد کے ساتھ اردو مین منتقل کرنا نہ تو علم کی کوئی خدمت ہے اور نہ دین کی، امام صاحبؒ کے متعلق ان تمام اعتراضات کے مدلل جوابات بارہا دیئے جاچکے اور اب اسی سوال وجواب مین عمر ضائع کرنا بیکار ہی، آج حنفیت اور شافعیت اور اہلحدیثیت کی معرکہ آرائیون کا وقت نہین، نفس اسلام کی خدمت کی ضرورت ہی، ہمارے بعض دوستون کے لیے یہ سطرین تلخ ہونگی، مگر حق ہین،

جمال امجد | **حج امجد** — از مولوی سید احمد حسین صاحب امجد، حجم بہ ترتیب ۲۲۴ و ۱۸۷ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت بہ ترتیب ۳ روپیہ، پتہ:- سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چار مینار حیدرآباد دکن وعماد پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن،

حضرت امجد حیدرآبادی، اپنی رباعیات سے اردو علم ادب مین شہرت رکھتے ہین، جمالِ امجد موصوف کی خود نوشت سرگذشت کا ایک دلآویز مرقع ہے، حضرت امجد کے کلام مین فلسفہ وتصوف کی لطیف آمیزش کے ساتھ مسرت وانبساط اور حسرت وغم دونون تاثرات کی ایسی جھلک ہوتی ہے کہ پڑھنے مین دونون اثرات پیدا ہوتے ہین، کلامِ امجد کی اس خصوصیت کا راز ابھی تک سمجھ مین آتا نہ تھا کہ جمالِ امجد نے یہ پردہ چاک کیا، امجد ایک برباد گھرانے کا جو دریائے موسیٰ کی طغیانی کے نذر ہوا، خانمان برباد یادگار تھا، جو اپنی ماں، بیوی، اور اکیلی بچی کو سیلاب کے منجدھار مین ڈوبتے دیکھتا رہا، اور خود حسرت نصیب ایک درخت سے سہارا لیے کھڑا رہا، اور پھر اسی خانہ ویرانی کی یاد مین دن کاٹ رہا تھا کہ سلمیٰ کا جمال نظر آیا، اور غم والم سے بیٹھے ہوئے دل پر حسن وعشق کی ایک نئی عمارت کھڑی ہوگئی، سلمیٰ نے امجد کی زندگی مین ایک نیا انقلاب پیدا کیا کہ سلمیٰ صرف سلمیٰ نہ تھی بلکہ اُسے تصوف کا اعلیٰ مذاق تھا، ادب کا بہترین ذوق تھا، اور فہم وادراک، غور وفکر اور دقیقہ رسی ودور بینی کا ایسا ملکہ عطا ہوا تھا کہ بقول امجد "اکثر ایسا ہوتا کہ انھون نے کوئی بات کہی، اور ہم نے حیرت سے منھ کھول دیا، وہ تقریر کرنے لگین، ہم مبہوت سنتے رہے، کبھی کبھی انھی بحثون مین آدھی آدھی رات گذر جاتی" امجد وسلمیٰ کے مکالمے "ساتوان نوشتہ" کے تحت مین ہین، دریائے موسیٰ کی طغیانی کے حالات کتاب کے چھٹے باب مین ہین، یہ دونون کتاب کے اہم حصے ہین، ورنہ یون پوری کتاب امجد کے دلچسپ طرزِ بیان سے مطالعہ کے لائق ہے، کہ جس سے ذوقِ ادب کی تشفی ہوتی ہے، اور کاہشِ دل کی تسکین،

حج امجد میں حضرت امجد کے سفرِ حجاز کی روداد ہے، جو تصوّف کے رنگ میں اپنے اسی طرز بیان میں قلمبند ہوئی ہے، جو امجد کا مخصوص رنگ ہے، یہ کتاب حج و زیارت اور حجازی تاثرات کا دلپسند مرقع ہے،

مرقع اکبرآباد، مؤلفہ جناب مولوی سعید احمد صاحب مارہروی، حجم ۲۲۲ صفحے، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ :۔ جناب سعید احمد صاحب مارہروی منیجر شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ،

آگرہ کو ہندوستان کے عہدِ اسلامی میں اس کے دار السلطنت ہونے کے باعث جو نمایاں امتیاز رہا ہے، اس کا اقتضا تھا کہ اس شہر کی جداگانہ مکمل تاریخ اردو میں مرتب کیجاتی، مسرت ہے کہ اردو کے پرانے اہلِ قلم مولوی سعید احمد صاحب مارہروی نے یہ مفید خدمت انجام دی ہے، اور اس کو مرقع اکبرآباد (یعنی تاریخِ آگرہ) کے نام سے موسوم کیا ہے، جو آگرہ کے عہد قدیم سے دورِ حاضر تک کی تاریخ، اور یہاں کی تمام شاہی عمارات و دیگر آثارِ قدیمہ کے حالات پر مشتمل ہے، کتاب ایک مقدمہ اور سات ابواب میں تقسیم ہے، مقدمہ میں عمارات اکبرآباد کی مناسبت سے اسلامی طرزِ تعمیر کے فن پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر پہلے باب میں آگرہ کی تاریخی سرگذشت بیان کیگئی ہے، یوں تو آگرہ کی تاریخ، اسلامی ہند کے تاریخی دور میں سے سکندر لودھی سے شاہجہان تک کے زمانہ کی گویا ہندوستان کی تاریخ ہے، لیکن مصنف اس حسنِ انتخاب پر مستحق مبارکباد ہیں، کہ اس دور کے کثیر تاریخی ذخائر میں سے ایسے واقعات چن لیے ہیں، جو تاریخِ آگرہ کے مناسبِ حال ہو سکتے ہیں، دوسرے باب سے آگرہ کی عمارتوں کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور مختلف سمتوں کے لحاظ سے عمارات و آثارِ قدیمہ کے تذکرہ کو چھ بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اور اس طرح آگرہ کی مشہور عمارتوں تاج محل، موتی مسجد، قلعہ اکبرآباد، دیوان عام، اور مقبرۂ اکبر اعظم وغیرہ کے تفصیلی مرقع کے علاوہ تقریباً پانچ چھ سو مختلف عمارات مقابر، مساجد اور باغات وغیرہ کا نہایت مفصل تذکرہ کیا گیا ہے، جسمیں ہر عمارت کی خصوصیات، بانی کے تاریخی حالات اصحابِ مقابر کے تاریخی حالات اور ہر عمارت کی جزوی پیمایش، عہد اسلامی میں ان کی جائے وقوع، اس عہد کی تاریخی کتابوں میں اس کے تذکرے، عہد حاضر میں اس کے آثار، اور اگر آثار بھی مٹ چکے ہیں، تو ان کی جائے وقوع کی تحقیق موجودہ جغرافیا نوالوں سے، ہر ہر چیز کو تفصیل سے بتایا گیا ہے، اسی کے ساتھ برطانوی عہد کی قابلِ ذکر عمارتوں، اور نیز عہد اسلامی میں آگرہ کے محلوں کے نقشے اور ان کا تطابق عہد حاضر کے جغرافی حالات سے دکھایا گیا ہے، اور نیز

مصنف نے آگرہ سے مراد عہد اسلامی کے ضلع آگرہ کے حدود لیے ہین، اس لیے موجودہ ضلع آگرہ کے علاوہ اوسکے قرب و جوار کی عمارتون اور اہم مقامات کا ذکر بھی تفصیل سے آیا ہے، کتاب مین مختلف عمارتون کے تقریباً بیس پچیس فوٹو بھی منسلک کئے گئے ہین، جنسے کتاب کی دلچسپی مین مزید اضافہ ہوگیا ہے، "مرقع اکبرآباد" صحیح معنون مین تاریخ آگرہ کا ایک نہایت دلآویز محققانہ تاریخی مرقع ہے، جس کی قدر اس وقت اور زیادہ ہوجائے گی، جب ان مختلف عمارتون کے یہ آثار باقیہ بھی فنا ہوجائنگے، ہم مصنف کو ایکمرتبہ پھر اس مفید علمی خدمت پر مبارکباد دیتے ہین،

مجالسِ رنگین، مرتبہ پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم اے حجم ۶۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ قیمت مجلد شاید عہ ریا عہ ہو، پتہ :- انجمن اردو لکھنؤ،

مجالس رنگین، سعادت یار خان رنگین کا ایک مختصر رسالہ ہے، جس کو پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ایم اے نے مرتب کرکے شائع کیا ہے، مجالس رنگین مین سعادت یار خان نے اپنے مختلف مقامات شاہجہان آباد، عظیم آباد، بنارس اور فرخ آباد وغیرہ کی مختلف ادبی صحبتون اور رنگین مجلسون کے حالات الگ الگ چند چند سطرون مین لکھے ہین، رسالہ سے اس عہد کی ادبی دلچسپیون پر روشنی پڑتی ہے، مرتب نے اپنے مقدمہ مین رسالہ سے سعادت یار خان رنگین کے حالات اخذ کرکے جداگانہ طور پر مرتب کئے ہین، اگر فیض میر کی طرح مجالس رنگین کا ترجمہ بھی مقدمہ مین کردیا جاتا تو بہتر تھا، آخر مین فہرست اشخاص و اماکن منسلک کیگئی ہے،

کلامِ جوہر، یعنی مولانا محمد علی مرحوم جوہر کے کلام کا مجموعہ، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی، حجم ۱۵۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت :- عمر

مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے مجموعۂ کلام کا یہ تازہ اڈیشن ہے، جسمین پرانی اور نئی تمام نظمین اور غزلین شامل ہین، ابتدا مین مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا مقدمہ ثبت ہے،

سہ نظم ہاشمی، از جناب سید ہاشمی فریدآبادی، حجم ۱۳ صفحے، تقطیع چھوٹی، چھپائی خوبصورت ٹائپ کی، کاغذ نہایت عمدہ، قیمت ۳ر، پتہ :- انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی کی ان تین نظمون کا یہ مجموعہ ہے، جو انھون نے اورنگ آباد کے مختلف جلسون میں پڑھی تھین، اگرچہ یہ نظمین تین مختلف عنوانون "نظر قاصد" "سراغ ہم" اور "عہد تسخیر" پر ہین لیکن اشاعت کے وقت تینون میں ربط و تسلسل پیدا کرنے کی کوشش کیگئی ہے،

تجلیاتِ فرخ، از جناب سید واجد علی صاحب، فرخ بنارسی، حجم ۱۰۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عمر، پتہ:- جناب علی ہادی صاحب محلہ انصار ناؤ،

تجلیاتِ فرخ، جناب سید واجد علی صاحب فرخ بنارسی کے کلام کا مجموعہ ہے، جو مختلف اصناف شاعری نظم، غزل، قصیدہ، اور رباعیات پر مشتمل ہے، مجموعہ کا آغاز مولوی رضی احمد صاحب رضی بدایونی کے تبصرہ اور مولوی ضیار احمد صاحب ایم اے پروفیسر علیگڈہ یونیورسٹی کے مقدمہ سے ہوتا ہے، مقدمہ اور تبصرہ مین جناب فرخ کی شاعری پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے،

فرہنگ الانوار المنتجبہ من ریاض القیروان والقرطبہ، از مولوی سید اشرف صاحب ندوی کچھوچھوی، حجم ۹۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی نہایت ناقص، کاغذ اوسط درجہ، قیمت درج نہین، پتہ:- منیجر انوار المطابع لکھنؤ،

الانوار المنتجبہ من ریاض القیروان والقرطبہ کے نام سے مولوی ضیار الحسن صاحب ندوی ایم اے انسپکٹر امتحانات مشرقی الہ آباد یونیورسٹی نے عربی علم ادب کا انتخاب شائع کیا تھا، مولوی سید اشرف صاحب ندوی نے اسی کا فرہنگ تیار کرکے شائع کیا ہے، جو رسالہ کی کلید کے طور پر ہے، فرہنگ کتاب کے صفحون کی ترتیب پر ہے،

اردو کی تیسری کتاب، (زنانہ مدرسون کیلئے) مرتبہ جناب محمد نصیر ہمایون بی اے حجم ۲۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت درج نہین، پتہ:- پنجاب پرنٹنگ ورکس بک ڈپو انارکلی لاہور،

یہ رسالہ زنانہ مدارس کی چھوٹی لڑکیوں کیلئے مرتب کیا گیا ہے، مضامین کا انتخاب لڑکیون کے مناسب اور بہتر ہے زبان بھی اچھی ہے، رسالہ لڑکیون کے پڑھانے کے لائق اور مدرسون میں رواج دینے کے قابل ہے،

"س"

جلد بست و نہم ۲۹ | ماہ ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۲ء | عدد ۴

مضامین

شذرات

لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جو آج ممکن ہی، وہ ہمیشہ ممکن تھا، اور جو آج محال ہی، وہ ہمیشہ محال تھا، اور رہیگا، حالانکہ یہ تمامتر غلط ہی، کل یہ محال سمجھا جاتا تھا کہ سینکڑون میل کی دُوری سے کسی کی آواز سُن لیجائے، یا اُس کی صورت دیکھ لیجائے، مگر یہ محال آج نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہے، پھر ہم آج جس کو محال کہہ رہے ہین، کیا اعتبار کہ وہ کل بھی محال باقی رہیگا، پھر اپنے کسی دعویٰ کی صداقت اور کسی دوسرے کے قول کے بطلان پر ممکن و محال کہکر استدلال کرنا، اور اس امکان و استحالہ پر اس وثوق سے گفتگو کرنا آیا ہمارے علم کا ثبوت ہی، یا جہالت کا؟



ہم ہر دعویٰ کے انکار و تردید مین نہایت آسانی، مگر پورے یقین کیساتھ یہ کہہ گذرتے ہین، کہ "یہ خلافِ عقل" ہے، لیکن یہ کہتے وقت ذہن مین خلافِ عقل سے مقصود اپنی عقل کے خلاف ہوتا ہے، اور دعوے کا ابطال اس پر موقوف ہی کہ وہ ہر فردِ انسان کی عقل کے خلاف ہو، اور ایسا ثابت کرنا آسان نہین ہی، پھر کیا یہ انسان کی حماقت نہین ہی، کہ جو بات اُس کے پیمانۂ عقل مین نہ سما سکے، اسکی نسبت یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ تمام دنیا کے معیارِ عقل سے باہر ہے،



جب تمھارا مخاطب یہ کہتا ہے کہ فلان بات خلافِ عقل ہی، تو تم نہایت آسانی سے یہ اُس سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ کسکی عقل کے خلاف ہے، اگر کسی ایک فردِ انسان یا ایک محدود جماعتِ انسان کی عقل کے خلاف ہو تو ہو، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ وہ حقیقت مین خلافِ عقل ہے، یا کل افرادِ انسان کی عقلون کے خلاف ہی، اور جب تک یہ ثابت نہ ہو، دعویٰ کا انکار و ابطال محال ہے،

شاید کہ ایسے بر خود غلط "عقلاے زمانہ" یہ سمجھتے ہون کہ جو بات ایک کی عقل مین نہ سما سکے، وہ کسی کی عقل مین بھی نہین سما سکتی، گویا کہ اُن کے نزدیک عقل ایک ایسا معیار ہے، جو ہر انسان کے قبضہ مین برابر ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر انسان یکسان ارسطو، بو علی سینا اور اڈیسن ہوتا مگر ایسا کہان ہی، ایک احمق انسان جسکو محال جانتا ہے، عاقل انسان اس کو ممکن سمجھتا ہے، اور اُس سے عاقل تر انسان اس ممکن کو واقعہ بنا دینے پر قدرت رکھتا ہی، غرض عقل انسانی کا کوئی ایک معیار نہین، بلکہ اس کے سیکڑون ہزارون، بلکہ لاکھون مراتب اور مدارج ہین، اور ایک دوسرے سے عاقل اور اس سے بھی عاقل تر لوگ موجود ہین، اسی نکتہ کو قرآن پاک نے ان مختصر لفظون مین ادا کیا ہے، کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ، (ہر جاننے والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے) یعنی ہر عالم کے اوپر ایک عالم، اور ایک عاقل کے اوپر دوسرا عاقل ہی، اس لیے کوئی ایسی چیز جو متفقاً تمام عقول انسانی کے نزدیک قطعاً محال ہو، چند منطقی باتون سے زیادہ نہین، باقی آپ جن جن کو جلدی سے محال عقلی کہہ بیٹھتے ہین، یا تو وہ سرے سے محال ہی نہین، یا زیادہ سے زیادہ یہ وہ محال ہین جنکو اصطلاح مین محالِ عادی (عادۃً محال) کہتے ہین،

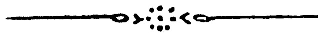
یہ بات کہ ہر انسان مین عقل کا معیار و مرتبہ متفاوت اور دوسرے سے مختلف اور کم و بیش ہی، بدیہی ہے، اور ہر شخص اسکو جانتا اور مانتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، اور دوسرا سمجھانے سے بھی نہین سمجھتا، ایک وہ ہین جو عجیب سے عجیب آلات ایجاد و اختراع کرتے ہین، دوسرے وہ ہین جو اُن آلات کو دیکھکر بھی اُن کو کام مین نہین لا سکتے، پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ جو بات ایک کی عقل مین نہ سما سکتی ہو وہ اسکو ایسا محال تصوّر کرے، کہ اس کی بنا پر بڑے سے بڑا اور دانا سے دانا انسان کی تکذیب کی جاہلانہ جرأت کرتا ہے، اور اس کا نام علم رکھتا ہی،

اس سے بھی آگے بڑھیے، نہ یہ کہ عقول انسانی، تمام افراد انسانی مین متفاوت ہین، بلکہ ہر شخص کی عقل، اسکی

مختلف عمرون مین بھی یکسان نہین رہتی، اور اسکی ہر عمر مین ممکن و محال، اور مخالف عقل و موافق عقل کا معیار بدلتا رہتا ہے، ایک کمسن بچہ کتنے واقعی ممکنات کو محالات، اور کتنے واقعی محالات کو ممکنات مین سے جانتا ہے، اور ان کے لیے روتا ہے اور ضد کرتا ہے، مگر جیسے جیسے اسکی عمر آگے بڑھتی ہی، تجربے بدلتے ہین، اور معلومات بڑھتے ہین، اس کے ممکن و محال اور عقل کے مخالف و موافق ہونے کے معیار بھی بدلتے رہتے ہین، پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی انسان کی کس عمر کے معیارِ عقل کا فیصلہ قطعی طور سے حق سمجھا جائے،



اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ ہر انسان کی ذہنی کیفیت ہمیشہ یکسان نہین رہتی، ایک وقت جو ملحد ہے وہ دوسرے وقت دیندار خدا پرست ہو سکتا ہے، ایک شخص جو آج صرف فطرت اور نیچر کو کارفرما سمجھتا ہے، کل وہ وہم پرست بنکر ہر چیز کو فاعل و مؤثر یقین کرنے لگتا ہے، کتنے ملحد ہین جو کل ہر چیز کا انکار کرتے تھے، اور آج وہ کسی وجہ سے ایسے بدلے کہ قبرون کو جھک جھک کر سجدے کرتے ہین، اور انسانون کو خدا کا مرتبہ دینے لگتے ہین، کل دولتمندی کے غرور مین جو کچھ نظر آتا تھا آج فقر و افلاس کے آئینہ مین اُن کو پہلے کے بالکل برخلاف نظر آیا، ایک سیاسی جو کنسرؔوٹو بنکر کل تک جو کچھ سمجھتا تھا آج لبرل بنکر وہ اس کے تمامتر خلاف سمجھتا ہے، اور کل ممکن ہو کہ وہ لیبر بنکر کچھ اور سمجھنے لگے غرض ہر انسان کے انکار و تیقن کا معیار، ہر ماحول مین، ہر ذہنی کیفیت مین، ہر اختلاف عمر مین ہمیشہ بدلتا، اور متغیر ہوتا رہتا ہے، ایک شخص کو کل جو بات محال معلوم ہوتی تھی، وہ آج ممکن معلوم ہوتی ہے، کل جو قبیح نظر آتی تھی وہ آج اسکی نگاہ مین سراسر مستحسن ہی؟ پھر کیا یہ ایسا متغیر اور دم بدم بدلنے والا معیار، ناقابلِ زوال وثوق و یقین کی بنیاد بن سکتا ہی، فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ،



مقالات

رُباعی

"حسب ذیل مضمون رُباعی کی تاریخ و آغاز پر رُباعیات خیام کے تعلق سے سپرد قلم کیا گیا تھا اور جسکو گذشتہ شعبان ۱۳۵۵ھ کی مسلم اکاڈیمی منعقدہ فرنگی محل لکھنؤ مین پڑھکر سنایا گیا تھا"

"سلیمان"

فارسی کے اصنافِ سخن مین رباعی گو چار مصرعون کی مختصر نظم ہوتی ہے، مگر اس کوزہ مین سمندر بند ہوتا ہے، بڑا سے بڑا فلسفیانہ خیال، دقیق سے دقیق اخلاقی نکتہ، اور پیچیدہ سے پیچیدہ صوفیانہ مسئلہ جو صفحون اور دفترون مین نہین سماتا ان دو سطرون مین پورا کا پورا ادا ہو جاتا ہے،

وجہ تسمیہ | رُباعی عربی زبان کا لفظ ہے، جسکے معنی "چار والے" کے ہین، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چونکہ یہ چار مصرعون سے مرکب ہوتا ہے اسلئے اسکو رباعی کہتے ہین، لیکن محمد بن قیس رازی نے جو سعدی کے معاصر ہین، معجم فی معایر اشعار العجم (صفحہ ۹) مین یہ لکھا ہے کہ اہلِ عرب اسکو رباعی اسلئے کہتے ہین کہ بحر ہزج جس مین رباعی کہی جاتی ہے، چار اجزاء سے مرکب ہوتا ہے، اور اسلئے اسکا ایک مصرعہ عربی مین دو دو جزء کا ایک شعر ہو جاتا ہے، اور اس طرح چار مصرعون مین چار شعر ہو جاتے ہین لیکن دولت شاہ کا بیان اس وجہِ تسمیہ کی نسبت وہی ہے جو عام خیال ہے یعنی یہ کہ "تا فضلا لفظ دو بیتی رانکو ندیدند، گفتند کہ این چہار مصراعے است رباعی می شاید گفتن"

رباعی کے دوسرے نام رباعی کا ابتدائی نام دوبیتی ہی، کہ یہ دوہم قافیہ بیتون سے مرکب ہوتی ہے، اور عجیب بات ہے کہ عربی مین اسکو دوبیتی ہی آجتک کہتے ہین، اور رباعی جو عربی نام تھا، اوس نے زبان عجم مین فروغ پایا، صاحب معجم نے ذرا ذرا سے فرق سے اسکے حسب ذیل نام بتائے ہین،

قول:۔ "ہرچہ ازان جنس برابیات تازی (عربی) سازند، آنرا قول خوانند"

غزل:۔ "وہرچہ برمقطعات پارسی باشد آن را غزل خوانند"

ترانہ:۔ "اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند"

دوبیتی:۔ "شعر مجرد آنرا دوبیتی خوانند، از برائے آنکہ بنا آن بر دو بیت بیش نیست"

رباعی:۔ "مستعربہ آنرا رباعی خوانند، از بہر آنکہ بحر ہزج در اشعار عرب مربع الاجزاء آمدہ است پس ہر بیت ازین وزن دو بیت عربی باشد"[1]

محمد بن قیس رازی کی تصریح کے مطابق اس کا پہلا نام ترانہ[2] رکھا گیا، اور دوسرے نام بعد کو رکھے گئے ہین، لیکن دولت شاہ کا بیان ہے کہ پہلے اوس کا نام دوبیتی رکھا گیا، پھر رُباعی[3]، دوبیت یا دوبیتی کا لفظ تو عربی مین ہمیشہ کے لئے رہ گیا[4] مگر فارسی مین چھٹی صدی تک اس لفظ کا استعمال رباعی کی جگہ نمایان نظر آتا ہے، محمد بن علی راوندی نے راحۃ الصدور (۵۹۹ھ) مین ہر جگہ دوبیتی لکھا ہے، انوری نے سلطان سنجر کی مدح مین جو رباعیان لکھی ہین، اون کو بھی دوبیتی[5] کہا ہے، لیکن یہ صحیح نہین ہے کہ قدماء عربی مین رُباعی کو صرف دوبیتی کہتے تھے، رباعی نہین کہتے تھے، بلکہ رباعی بھی کہتے تھے، چنانچہ نشوار المحاضرہ مین جو چوتھی صدی کے وسط کی مستند عربی تصنیف ہے، "رُباعیات" کا لفظ موجود ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، باخرزی المتوفی ۴۶۷ھ نے بھی خریدۃ القصر مین رباعیات کا لفظ استعمال کیا ہے[6]

---

[1] معجم فی معاییر اشعار العجم ص ۹۸ گب [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۔ ۳ دگب [4] ابن خلکان [5] راحۃ الصدور راوندی ص ۴۰۲ (گب) [6] ص ۱۰۴ ،

رباعی کی ایجاد رباعی کی ایجاد کی تاریخ نہایت مبہم ہے، گریہ مسلّم ہے کہ بحر ہزج کا یہ وزن پہلے مستعمل نہ تھا، اور بعد کو رواج پایا ہی، اسکی ایجاد کی صورت اہل ادب یہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ چند لڑکے گولی کھیل رہے تھے، ایک گولی لڑھکتی ہوئی سوراخ کے پاس آئی، اس پر خوشی کے عالم مین ایک لڑکے کے منہ سے بیساختہ یہ نکلا کہ:-

غلتان غلتان ہمی رَوَد تا بُن کو[۱]،

شعرا نے اس وزن کو بحر ہزج کی ایک قسم پا کر اس کو قبول کیا، اور تین مصرع اور لگا کر اسکو چومصرع کر دیا، یہ تو رباعی کی ایجاد کے متعلق قدر مشترک تھا، مگر ایجاد رباعی کے متعلق ہمارے سامنے دو مختلف روایتین ہین، ایک تو دولت شاہ سمرقندی (تالیف ۸۹۲ھ) کی جس کا بیان ہے کہ یہ بچہ صفاریہ خاندان کے بانی یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ھ کا لڑکا تھا، اور خود یعقوب صفار کھڑا اپنے بچے کے کھیل کا تماشا دیکھ رہا تھا، کہ دفعۃً بچہ کی زبان سے یہ برجستہ مصرع نکلا یعقوب کو یہ وزن پسند آیا، لیکن چونکہ اوس وقت تک یہ وزن مستعمل نہ تھا، اسلئے ابودلف عجلی اور ابن الکعب جو دربار کے شعرا تھے اون کو بلوا کر پوچھا کہ یہ کون بحر ہے؟ انھون نے تحقیق کرکے بتایا کہ یہ بحر ہزج کی ایک قسم ہے، اور اس پر اسی وزن کے تین اور مصرع لگا کر دو شعر پورے کر دئے، اور دوبیتی اوس کا نام رکھا[۲]،

لیکن اس سے متقدم تصنیف معجم فی معاییر اشعار العجم کے مصنف نے بڑی عبارت آرائی کے ساتھ اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ چند حسین و خوشرو بچے سڑک پر گولی کھیل رہے تھے، تماشائیون کا ہجوم تھا، انھین مین ایک طرف ایک شاعر بھی کھڑا تھا، جو غالباً رودکی تھا، کہ دفعۃً ایک بچہ کی زبان سے یہ موزون مصرع نکلا، شاعر کو یہ وزن بہت پسند آیا اور اُس نے تین مصرع اور لگا کر دوبیتی کر دیا،

رباعی کی تاریخ صورت واقعہ کچھ بھی ہو، اور وہ شاعر کوئی بھی ہو، مگر دونون روایتون کا تاریخی نتیجہ یکسان ہے یعنی یہ کہ یہ تیسری صدی ہجری کے آخر کا واقعہ ہی، کیونکہ یعقوب نے ۲۶۵ھ مین اور رودکی نے بروایت عام ۳۰۴ھ مین وفات

---

[۱] یہ متن معجم کی روایت کے مطابق ہے، دولت شاہ مین "لب گو" ہے، متاخرین نے اس کو "سر کو" کر دیا ہے[۲] تذکرۃ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۰، گب

پائی ہی، اس بنا پر تیسری صدی ہجری کے اواخر مین رباعی کی صنف پیدا ہوئی،

رباعی گو صوفیہ بلکہ شعرا کے ضمن مین تذکرون مین سبسے پہلا نام حضرت بایزید بسطامی المتوفی ۲۳۴ھ کا ملتا ہے، چنانچہ مجمع الفصحا مین یہ تین رُباعیان اون کے نام سے ہین، (جلد اول ص ۶۵ ایران)

اے عشق توکشتہ عارف وعامی را سودا ے تو گم کردہ نکو نامی را
ذوق لب میگون توآورد برون از صومعہ بایزید بسطامی را،

ما راہمہ رہ بکوئی بدنامی باد وز سوختگان نصیب ما خامی باد
ناکامی ما چو ہست کام دل دوست کام دل ما ہمیشہ ناکامی باد

گر قرب خدا می طلبی دلجو باش واندر پس وپیش خلق نیکو گو باش
خواہی کہ چو صبح صادق الوعد شوی خورشید صفت با ہمہ کس یکرو باش

لیکن زبان کی صفائی، اور رباعی کا وزن جو تیسری صدی کے خاتمہ تک غیر معروف تھا، اس نسبت کی صحت مین شک پیدا کرتا ہے، اور اس شک کی تائید والہ داغستانی[2] کے بیان سے ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہی کہ صاحب مجمع الفصحا، نے یہ رباعیات تقی اوحدی سے نقل کی ہین، اوراسکی نسبت والہ داغستانی نے ریاض الشعرا مین حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہین،

"راقم حروف را اعتماد بقول وضبط تقی اوحدی نیست چہ میر مذکور بسیار کم مایہ و کم تتبع بودہ چنانچہ بعض رباعیات شیخ ابوسعید وبابا افضل کاشی ابنام شیخ بایزید قدس سرہ نقل کردہ، وحال آنکہ ہیچ کس از متقدمین و مورخین وارباب خبرت و اہل تحقیق ذکر نہ کردہ اند کہ شیخ بایزید شعر می فرمود. تقی اوحدی رانسیان بسیاری نیز بودہ، چنانچہ گاہست کہ یک شعر را بنام سہ کس

---

[1] سمعانی نے کتاب الانساب مین رودکی کا ذکر کیا ہی، اور اسکی تاریخ وفات ۳۲۹ھ بتائی ہی، [2] والہ داغستانی گو متاخر ہی، محمد شاہ کا معاصر تھا، مگر کاوش وتحقیق مین اوس کا پایہ بلند ہے، جیسا کہ اوسکے تذکرہ سے ظاہر ہی،

چہار کس نقل کردہ است ،، (نسخہ قلمی کتبخانہ ندوۃ العلما ، در ترجمۂ حکیم سنائی)

رُباعی گو شعرا مین اگر دولت شاہ کا اعتبار کیا جائے تو ابو دلف عجلی ، اور ابن الکعب نے جو یعقوب صفار المتوفی سنہ ۲۹۰ کے درباری شعرا تھے ، سب سے پہلے رباعی موزون کی ، اور اگر قیس رازی کی معجم فی معاییر اشعار العجم کی روایت کا لحاظ کیا جائے ، تو اوسکے گمان مین سب سے پہلے جس نے رُباعی کہی وہ رودکی المتوفی سنہ ۳۰۴ھ ہے (سمعانی[1] نے اس کی تاریخ وفات سنہ ۳۲۹ھ ثبت کی ہے)

دیوانِ رودکی کے نام سے جو مجموعۂ کلام ایران مین سنہ ۱۳۱۵ھ مین چھپا ہے ، اور جسکے قلمی نسخہ کی طرف اشارہ صاحب مجمع الفصحا نے کیا ہے ، اُس کے آخر مین ص ۱۰۸ سے ص ۱۱۳ تک رباعیات کا عنوان ہے اُسکے تحت مین دو دو شعر کے بیس منظومات ہین ، جن مین عشقیہ ، حکیمانہ ، اخلاقی ، اور خمریہ مضامین ہین ، مگر وزن و قافیہ کا اعتبار کر کے ان مین صرف چھ منظومات ایسے ہین ، جو رباعی ہین ، اور بقیہ قطعے ہین ، وہ چھ رباعیان یہ ہین ،

با آن کہ دلم از غم ہجرت خون ست ——— شادی بغم تو ام زغم افزون ست
۱ اندیشہ کنم ہر شب و گویم یا رب ——— ہجرانش چنین است وصالش چون ست

چشمم زغمت بہر عقیقے کہ بسفت ——— بر چہرہ ہزار گل زیرا زم بشگفت
۲ رازیکہ دلم زجان ہمی داشت نہفت ——— اشکم بزبان حال با خلق بگفت

ہان تشنہ جگر مجوی زین باغ ثمر ——— بیدستانیست این ریاض بد و در
۳ بیہودہ مجان کہ باغبانت بقفا ست ——— چون خاک نشستہ گیر و چون باد گذر

چون کشتہ بہ بینیت دو لب کردہ فراز ——— وز جان تہی قالب فرسودہ باز
۴ بر بالینم نشستہ می گوئی بناز ——— کی کشتہ ترا من و پشیمان شدہ باز

---

[1] کتاب الانساب ص ۲۶۲ (ب)

اے از گل سرخ، رنگ بربودہ وبو رنگ از پے رخ ربودہ، بوازپی مو

گلرنگ شود چو روی شوی ہمہ جوی ۵ مشکین گردد چو موفشانی ہمہ کو

چون کار دلم ززلف او ماندہ گرہ بر ہر رگ جان صد آرزو ماندگرہ

امید زگریہ بود، افسوس افسوس ۶ کانہم شب وصل درگلو ماندہ گرہ

ایک اور رباعی مجمع الفصحار کے نسخہ مین ہی،

در منزل غم فگندہ مفرش مائیم وز آب دو چشم، دل برآتش مائیم

عالم چو ستم کند ستمکش مائیم ۷ دست خوش روزگار ناخوش مائیم

حضرۃ الاستاذ نے مجمع الفصحار کے حوالہ سے چھٹی رباعی شعر العجم مین نقل کی ہے، اور ذوق شعری کی بناپر فیصلہ فرمایاہے کہ یہ صناعانہ کلام رودکی کا نہین ہوسکتا، (شعر العجم جلد اول، احوال رودکی)

اگر یہ سات رباعیان رودکی کی ہون بھی تو تعجب معلوم ہوتا ہوکہ بانی فن کے ہان اسقدر کم اسکی مثالین ہون،

اصل یہ ہوکہ رودکی کا کلام جو متقدمین کی تصریح کے مطابق ہزارہا شعرون پرمشتمل تھا ضائع گیا، اور جو دیوان قلمی یا مطبوعہ ملتاہے، رضاقلی خان ہدایت صاحب مجمع الفصحار کی تحقیق کی بناپر وہ حکیم قطران کے کلام سے مخلوط ہے، جس کا زمانہ رودکی کے سو برس بعد ہے، مصنف موصوف دیباچہ کے تیسرے صفحہ مین کہتا ہی:-

"گویند حکیم رودکی چندین ہزار بیت شعر فارسی مدون کردہ بود کہ اکنون ہزار یک آن نماندہ چنانکہ رشیدی گفتہ:

شعر او را برشمردم سیزدہ رہ صد ہزار ہم فزون تر آید ار چونانکہ باید بشمری

وطرفہ تر این کہ در زمان ما اشعاری کہ بنام ابوعبداللہ جعفر بن محمد الرودکی معروف و مشہور است

در دیوان ابومنصور قطران مسطور است واز وست"

پھر رودکی کے احوال میں لکھا ہے،

"رودکی اشعار بسیار داشتہ، اما اشعار وی چیزی در میان نماندہ و ہمہ بتحلیل رفتہ، طرفہ تر آنکہ رشیدی سمرقندی در باب نظم او گوید (شعر او برگذرا)، واکنون قلیلے اشعار بنام وی مذکور است و در بعضی تواریخ وکتب تذکرہ مسطور است، چون دیوان حکیم قطران پدید آمد، بیشتر آنہا نیز دران دیوان دریافتہ شد و دیوانش معروف نبودہ، و در مدائح وی ابو نصر اندرست گمان کردہ اند کہ نصر بن احمد است و شاعر رودکی است پس ازانکہ در تواریخ و آثار دقتی رفت پیدا آمد کہ حکیم رودکی صد و اند سال قبل از قطران بودہ و این اشعار معروف بنام وے از قطران است الا قلیلے کہ دران نیز شبہہ است۔" (ص ۲۳۷)

اصل یہ ہے کہ نصر سامانی ممدوح رودکی، اور ابو نصر مملان ممدوح قطران کے درمیان اختلاط ہوگیا، بہرحال اس بیان سے ہویدا ہے کہ اگر رودکی رباعی کا موجد ہے، تو اس کے موجودہ دیوان میں رباعیاں اتنی کم کیوں ہیں؟ اور بعض میں زبان کی صناعی کی جو بعد کی چیز ہے، وجہ کیا ہے، اور نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اوسکے کلام کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اس لئے اس کی رباعیوں کا نشان لگانا اب محال ہے، ورنہ سمعانی کے زمانہ میں (۵۰۶ھ ۔ ۵۶۲ھ) اوس کا دیوان بلادِ عجم میں بکثرت ملتا تھا، انساب سمعانی میں ہے،۔

السائر دیوانہ فی بلاد العجم جسکا دیوان عجم کے شہروں میں دائر و سائر ہے،

رباعی گو حکیموں میں پہلا نام اور مطلق رباعی گویوں میں دوسرا نام معلّم ثانی ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ کا ملتا ہے، ابن خلکان نے ایک عربی قطعہ مشتبہ طور سے اوسکی طرف منسوب کیا ہے، فارابی گو نسلاً ترک تھا مگر اس زمانہ میں عجم و ترکستان کی عام زبان فارسی ہی تھی، اور اس کے علاوہ وہ متعدد زبانوں سے واقف تھا، اس لئے اسکی طرف فارسی رباعیات کا انتساب غیر متوقع نہیں ہے، شہرزوری کی تاریخ الحکما میں ہے، اصلہ فارسی بہرحال تذکروں اور بیاضوں میں اسکی طرف چند رباعیات منسوب ملتی ہیں، مجموعۂ منتخبات دار المصنفین میں حسب ذیل رباعیان اوس کے نام سے درج ہیں،

اے آن کہ شما پیر و جوان دیدارید | از رق پوشان گنبد دوّارید
طفلے ز شما در بر ما محبوس است | او را بہ خلاص ہستی (؟) بگمارید

اسرار وجود خام و ناپختہ[1] بماند | وآن گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس ز سر قیاس حرفے گفتند | وآن نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

یہی دونون رباعیان مجمع الفصحأ مین حکیم مذکور کے حال مین (جلد اول ص ۸۲) مندرج ہین، صرف اس قدر تغیر ہے کہ پہلی رباعی کے دوسرے مصرع مین گنبد دوّارید کے بجائے این کہن دیوارید ہے، اور چوتھے مصرع مین ہستی کے بجائے ہمتی ہے، اور دوسری رباعی کے تیسرے مصرع مین ہے، ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند،

ایک اور مجموعہ مین (خیابان عرفان مرتبہ محمد حسن بلگرامی) ایک اور رباعی فارابی کے نام سے لکھی ہے،

زان بیش کہ از جہان فرومانی فرد | آن کن کہ نباید ت پشیمانی خورد
امروز بکن چون می توانی کارے | فردا چہ کنی چو ہیچ نتوانی کرد

فارابی صوفی حکیم تھا، اور صوفیون کے لباس مین رہتا تھا،[2] مگر ان قرائن کے باوجود کوئی صحیح اور غیر مشکوک دلیل اوس کے رباعی گو شاعر ہونے پر ہمارے ہاتھ مین نہین ہے، بجز اسکے کہ شہرزوری نے تاریخ الحکما مین اوس کے حال مین لکھا ہے ولہ اشعار حسنۃ حکمیۃ "اور اسکے اچھے حکیمانہ اشعار ہین" اور اُس کے عربی حکیمانہ اشعار دو صفحون مین نقل کئے ہین،

اس کے بعد شاعرانہ رنگ مین ابوشکور بلخی کا نام ملتا ہے، جس کا شمار سامانی عہد کے شاعرون مین ہے،

---

[1] گذر چکا ہے کہ یہ رباعی کسی قدر لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ خیام کے رباعیات مین بھی شامل ہے، لفظ "ناپختہ" قافیہ کے لحاظ سے غلط ہے، [2] قفطی اور ابوالفرج ملطی مین ہے، واقام فی کنفہ مدۃ بزی اہل التصوف یعنی وہ ایک زمانہ تک سیف الدولہ کے سایۂ دولت مین اہل تصوف کے لباس مین رہا، درۃ الاخبار مین فارابی کے صوفیانہ کلمات بھی مذکور ہین،

سنہ ۳۳۶ھ مین اُس نے ایک کتاب لکھی تھی، عوفی نے لب الالباب (جلد دوم صفحہ ۲۱ گب) مین اوس کا ذکر کیا ہی اور شراب کے متعلق اوس کے متعدد قطعے نقل کئے ہین، اور ایک یہ رباعی لکھی ہی،

اے گشتہ من از غم فراوان تو پست ۔۔۔ شد قامت من ز درد ہجران تو پست[1]
اے شستہ من از فریب دستان تو دست ۔۔۔ خود ہیچ کسی بسیرت و شان تو ہست

اسی عہد کا ایک اور حکیم شاعر عمارہ مروزی ہے جس نے سامانیہ کا آخری اور غزنویہ کا ابتدائی زمانہ پایا ہی، صاحب مجمع الفصحا، نے اوس کا سالِ وفات سنہ ۳۶۰ھ لکھا ہی، وصفِ شراب اوس کا خاص موضوع ہی، عوفی نے اوسکی یہ رباعی نقل کی ہی،

آن می بدست آن بت سیمین من نگر[2] ۔۔۔ گوئی کہ آفتاب بہ پیوست با قمر
وآن ساغری کہ سایہ بیفگند می برد[3] ۔۔۔ برگ گل سپید است بگوی بلالہ بر

رباعی کی بحر کے بعض قطعات بھی ہین جن سے معلوم ہوتا ہی کہ ہنوز رباعی فن کی زنجیرون مین کسی نہین گئی تھی، جامی نے نفحات مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان سعید ابو الخیر کو عمارہ کا کوئی شعر سنایا گیا تو وجد کا عالم طاری ہوگیا، اور اپنے مریدون کے ساتھ وہ اسکی قبر پر گئے،[4]

اس زمانہ مین دیالمہ کی ایک شاخ آل زیار کا بادشاہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر دیلمی تھا جو سنہ ۳۶۶ھ مین تخت نشین ہوا، کمال البلاغۃ اور سیر الملوک اوسکی تصنیف ہے، کمال البلاغہ، مصر مین چھپ گئی ہے، شمس المعالی نے بعض رباعیان بھی کہی ہین، مجمع الفصحا، سے یہ رباعیان نقل ہین، (جلد اول ص ۵۳)

گل شاہ نشاط آمد و مے میر طرب ۔۔۔ زان روی بدین دو میکنم عیش طلب
خواہی کہ بدین بدانی ای ماہ سبب ۔۔۔ گل رنگ رخت دارد و می رنگ دو لب

---

[1] مجمع الفصحا، مین یہ مصرع اس طرح ہی، شد قامت من ز بار ہجران تو شست [2] مجمع الفصحا، مین یہ لفظ "سیمینہ تن" ہے،
[3] مجمع الفصحا، مین یون ہی جو صحیح ہی، وآن ساغر کہ سایہ فگند است می زرد [4] مجمع الفصحا، جلد اول ص ۵۰ ۴ ایران

شش چیز در ان زلف تو دارد مسکن — پیچ و گره و بند و خم و تاب و شکن

شش چیز دگر از ان نصیب دل من — عشق و غم و درد و رنج و تیمار و حزن

حکیمانہ تصوف کا آغاز دیلمیون کے زیر سایہ ہوا، جو چوتھی پانچوین صدی مین ۳۲۰ھ سے لیکر ۴۴۷ھ یعنی سلجوقیون کی پیدائش تک برسرِ عروج رہے، اس بنا پر تصوف کی حکیمانہ رباعی چوتھی صدی کے وسط مین پیدا ہو چکی تھی، نشوار المحاضرہ جو چوتھی صدی کے اواخر کی تصنیف ہے، اس کی شہادت سے ثابت ہے کہ اس عہد یعنی دیالمہ کے عہد مین صوفیانہ رباعیان مجلس سماع کو گرم کرتی تھین، اب غزنوی دور آیا، اس دور کے سلاطین اور شعرا مین مختصر ہنگامی واقعات مثلاً شکریہ، معذرت، شکایت، تہنیت عید، اور دوسرے ہنگامی واقعات کی فی البدیہہ نظم مین یہ صنف سخن ترقی کرتی نظر آتی ہے، غزنویہ کا آغاز ۳۶۵ھ مین ہوا، اور اس کے عروج کا ستارہ سلجوقیہ کے آفتاب اقبال کی روشنی مین ۴۲۹ھ مین چھپکر رہ گیا، غزنوی دور کے شعرا مین سے عنصری المتوفی ۴۳۱ھ کے ہان رباعیان کثرت سے ہین، مجمع الفصحا مین اسکی تیئیس رباعیان درج ہین[1]، مشہور کہانی کی بنا پر ایاز کی زلف کٹنے کے حسن تعلیل مین اوسکی رباعی ہے،

کے عیب سر زلف بت از کاستن است — چہ جای بغم نشستن و خاستن است

روز طرب و نشاط و می خواستن است — کاراستن سرو بہ پیراستن است

ایک دفعہ سلطان محمود چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر گیا، اس پر عنصری نے برجستہ یہ رباعی کہی،

شاہا ادبے کن فلک بدخو را — کاسیب رسانید رخ نیکو را

گر گوی خطا رفت بچوگانش زن — ور اسپ خطا کرد بمن بخش اورا

سلطان نے وہ گھوڑا اوس کو بخش دیا، اس پر شاعر نے شکریہ کی دوسری رباعی برجستہ عرض کی[1]،

عنصری کی رباعیات زیادہ تر انھین ہنگامی واقعات اور حسن و عشق کے مضامین کی ہین،

[1] مجمع الفصحا، جلد اول ص ۳۶۷ ایران

اس عہد کے مشہور ترین شاعر فردوسی کے کلام مین بھی رباعی کی صنف پائی جاتی ہے، مشہور روایت کے مطابق عنصری، فرخی اور عسجدی کی بزم انس مین فردوسی نے جب پہلے پہل قدم رکھا تھا تو ان تینون نے رباعی ہی کا ایک ایک مصرع کہکر فردوسی کے زور سخن کی آزمائش کی تھی[1]، یہ بھی کہتے ہین کہ فردوسی نے سلطان کے حکم سے کسی خوش رو غلام کے آغاز خط کی تعریف مین یہ رباعی کہی تھی،

مست است بتا چشم تو و تیر بدست — بس کس کہ ز تیر چشم مست تو بخست
گر پوشید عارضت زرہ عذرش ہست — کز تیر بتر سد ہمہ کس خاصہ بہ مست

غزنوی شعراء مین عسجدی المتوفی ۴۳۲ھ کی رباعیات خاص نوعیت رکھتی ہین، ان مین عشق حقیقی و مجازی کی معتدل ترکیب پائی جاتی ہے، مجمع الفصحا مین اس کی دس رباعیان ہین، جنمین سے پہلی حسب دستور زمانہ آغاز خط کے وصف مین ہے،

برگل رقمی ز مشک ناگاہ زدند — بر شکّ شکر مورچگان راہ زدند
آئینۂ روی دوست زنگار گرفت — از بسکہ براو سوختگان آہ زدند

در دور تو عقل کل کنشتی گردد — حسن ابدی شہرہ بزشتی گردد
خاکستر کشتگانت در دوزخ عشق — پیرایۂ حوران بہشتی گردد

دل دوش ہزار چارہ سازی میکرد — با وعدۂ دوست عشق بازی می کرد
تا بر کف پائے تو تواند مالید — دل را ہمہ شب دیدہ نمازی می کرد

صبح است و صبا مشک فشان میگذرد — دریاب کہ از کوے فلان می گذرد
برخیز چہ خسپی کہ جہان می گذرد — بوی بستان کہ کاروان می گذرد

در جسم پیالہ جان روانست روان — در روح مجسّم آن روانست روان

[1] تاریخ گزیدہ مستوفی ص ۸۲۲، (گبب)

در آب فسردہ آتشِ سیال است　　در درج بلور لعل کانست روان

ان جسم پیالہ مین بجان آبستن　　ہمچون سمنی بارغوان آبستن

نی نی غلطم پیالہ از غایت لطف　　آبیست باتشِ روان آبستن

گر زان کہ مرا فلک دہد مال فرہ　　بکشایم ازین کار فروبستہ گرہ

ترکی بجزم کہ ہر کہ بیند گوید　　ای خاک تو از خون خریدار تو بہ

از شرب مدام ولافِ مشرب توبہ　　وز عشق بتان سیم غبغب توبہ

در دل ہوس شراب و بر لب توبہ　　زین توبہ نادرست یارب توبہ

عوفی نے لب الالباب کی پہلی جلد مین سلاطین غزنویہ اور امرائے چغانیہ (جو غزنویہ کے زیر اثر تھے،) اور امرائے جرجان کی بہت سی رباعیان (باب اول در لطائف اشعار ملوک کبار) نقل کی ہین، مگر یہ زیادہ تر ہنگامی واقعات کے ذکر و بیان مین تفریحی حیثیت رکھتی ہین، البتہ ان مین سے ایک شخص خاص ذکر کے قابل ہے، اور وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کا پوتا عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن شمس المعالی قابوس امیر جرجان ہے جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کا معاصر تھا، یہ ایک سخن سنج و سخن فہم امیر تھا، اوسکے اشعار تذکرون مین مذکور ہین، مجمع الفصحا مین اوس کی دس اخلاقی اور عشقیہ رباعیان لکھی ہین پہلی رباعی یہ ہے:-

گر شیر شود عدو چو پیدا چہ نہفت　　با شیر بہ شمشیر سخن باید گفت

کان را کہ بگو نہفت باید بی جفت　　یا جفت بجان خویش نتواند خفت

اس عہد کا رباعی گو حکیم ابو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ ہی، اس نے متعدد حکیمانہ رباعیان کہین، جو تذکرون اور سفینون مین مذکور ہین، ان مین سے بعض خیام کے نام سے بھی ملتی ہین، ڈاکٹر ایتھے ETHE نے ۱۸۷۵ء مین ابن سینا کی بارہ رباعیون کو جمع کر کے چھپوایا ہے، مجمع الفصحا مین اوس کی یہ

پانچ رباعیان ہین،

دل گرچہ درین بادیہ بسیار شتافت | یکموی ندانست ولی موی شگافت
اندر دل من ہزار خورشید بتافت | آخر بکمال ذرۂ راہ نیافت ۱

با این دو سہ نادان کہ چنین میدانند | از حمق کہ دانای جہان آنانند
خرباش کہ این جماعت از فرط خری | ہر کو نہ خراست کافرش می خوانند ۲

کفر چو منی گزاف و آسان نہ بود | محکم تر از ایمان من ایمان نبود
در دہر چو من یکے و آن ہم کافر | پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود ۳

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل | کردم ہمہ مشکلات گیتی را حل
بیرون جستم ز قید ہر مکر و حیل | ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل ۴

ای کاش بدانمی کہ من کیستمی | سرگشتہ بعالم از پے چیستمی
گر مقبلیم آسودہ و خوش زیستمی | ورنہ بہزار دیدہ بگریستمی، ۵

مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین ایک دو رباعیان اور بھی ہین، مگر وہ بھی خیام اور محقق طوسی کے منسوبات مین ہین، اوپر کی پانچ رباعیون مین دوسری، تیسری اور چوتھی، خیام کے مجموعہ مین بھی ملتی ہین،

غزنوی دور مین سلطان محمود کے زمانہ مین مشہور صوفی شاعر شیخ ابو الحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ کا ظہور ہوا، یہ پہلی مقدس ہستی ہے جس نے رباعیات کے پردہ مین عشق حقیقی کے مضامین ظاہر کئے، ہمارے مجموعۂ منتخبات، مجمع الفصحاء اور آتشکدہ مین اون کی متعدد رباعیان ہین، ہمارے مجموعہ مین یہ رباعیان شیخ کے نام سے ہین،

تا گبر نشی، با تو بتے یار نبو، | در گبر شی از بہر تے عار نبو
آنرا کہ میان بستہ بزنار نبو | آنرا بمیان عاشقان کار نبو ۱

روزم بملال بے تو بگذشت وگذشت شب ہم بخیال بے تو بگذشت وگذشت
یک چشم زدن، بے تو نہ بودم ہرگز ۲ اکنون مہ و سال بے تو بگذشت وگذشت

سودائے سر بے سروساما ن یک سو اندیشۂ خاطرِ پریشان یک سو
بے مہری چرخ و جور زادان یک سو ۳ اینہا ہمہ یک سو، غم جانان یک سو

ای سینہ بیا طرحِ فغان اندازیم افسانۂ عشق درمیان اندازیم
تا از دلِ ما خبر رسانند بیار، ۴ دل بر سرِ راہِ کاروان اندازیم

مجمع الفصحا مین دو رُباعیان اور ہین:۔

آن دوست کہ دیدنش بیارآید چشم بے دیدنش از گریہ نیاساید چشم
مارا ز برائے دیدنش باید چشم ۵ گر دوست نہ بینید بچہ کار آید چشم

والہ داغستانی نے صرف پہلی رباعی نقل کی ہے، اوراوس کی زبان کی بنا پر یہ لکھا ہے:۔

"و رباعیات دیگر ایشان نیز بہمین سیاقت آمیختہ بزبان پہلوی است"

(در ترجمۂ ابوالحسن خرقانی)

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پسِ پردہ گفتگوی من و تو ۶ گر پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

ایک اور رباعی اون کی طرف منسوب ملتی ہے،

گویند مرا کہ می پرستم، ہستم گویند مرا فاسق و مستم ہستم
در ظاہرِ من نگاہ بسیار مکن، ۷ کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

چھٹی رباعی خیام کے اکثر نسخون مین موجود ہی، اور ساتوین بھی ویسنا اور کادویانی کے نسخون کے روی خیام کی ملکیت مین داخل ہے، اور پہلی رُباعی کی زبان بقیہ رباعیون سے الگ ہی، جو قابلِ لحاظ ہی،

نفحات الانس جامی کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی سے پہلے شعر پسند صوفیہ اس ساز کو عربی لے مین چھیڑتے تھے، کہ ان سے پہلے فارسی کا کوئی ترانہ خوان صوفی نظر نہین آتا، الّا یہ کہ بایزید بسطامی کی طرف چند مشکوک رباعیان منسوب ہین،

اسی زمانہ مین شیخ کا معاصر باباطاہر ہمدانی المتوفی ۴۱۰ھ (یا بقول براؤن بقیاس روایت راحۃ الصدور قریب ۴۵۰ھ) ہے، یہ نصیری فرقہ کا درویش تھا، رے کی دہقانی بولی مین یہ رباعیان کہا کرتا تھا، اسکی رباعیون کا مجموعہ موجود ہے، اور چھپ بھی گیا ہی، یہ پہلا مستقل مجموعۂ رباعیات کا ہی، جو اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے اسکی دو رباعیان یہ ہین

دلے دارم کہ بہبودش نمی بو نصیحت می کرم سودش نمی بو
بباد ش می دہم نش بپیرہ باد برآذر می نہم دودش نمی بو

نسیمے کز بن آن کاکل آید مرا خوشتر ز بوی سنبل آید
چو شو گیرم خیالت را در آغوش سحرا ز بسترم بوئے گل آید

اس کے بعد سلطان ابوسعید ابوالخیر صوفی المتوفی ۴۴۰ھ آتے ہین، جن کی رباعیان عشق حقیقی کی تیز و تند شراب سے لبریز ہین، ان کی رباعیون کے بھی کئی اڈیشن مشرق و مغرب مین شائع ہو چکے ہین

اس سلسلہ مین ایک اور قابلِ ذکر ہستی بابا افضل الدین افضل کاشانی (یا کاشی) کی ہے، یہ ایک فاضل و حکیم صوفی تھے، آذر، آزاد بلگرامی اور ہدایت طہرانی کی تصریح کے مطابق اون کی متعدد تالیفات یادگار ہین، کہتے ہین کہ خواجہ نصیر الدین نے ان کی مدح مین وہ شعر کہا ہی جسکی بنا "افضل افضل" کی تلمیح پر ہی، بابا کی اس شہرت کے باوجود کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کا زمانہ صحیح طور سے متعین نہین، آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین لکھا ہی کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے معاصر تھے، اور سلطان ان کو ایران سے اپنے ساتھ لایا تھا، اور وہ مدت تک غزنین مین مقیم رہ کر پھر اپنے وطن مالوف کو واپس گئے، آذر نے آتشکدہ مین لکھا ہی، کہ یہ خواجہ

چند رباعیان نقل کی ہین، جو طربنامہ کے مطالعہ کے بعد اوسکو زبانی یاد رہ گئی تھین،[1]

پیرامنِ رو زقیر گون شب دارد زیرد وشکر سی و دو کوکب دارد
بر سرخ گل از غالیہ عقرب دارد واز نوش دو تریاک مجرب دارد

بر گردن خویش بستہ عقدِ گہر واز گوش بیاویختہ حلقۂ زر
گوئی غم عشق جلوہ کرد ای دلبر ۲ ز اشک و رخ من بگردن وگوش تو

زان می خواہم کہ خرمی را سبب است نامش می وکیمیای شادی لقب است
سرخ است چو عنابِ وزآب عنب است ۳ آبی کہ برخ بر آتش آرد عجب است

خصم تو اگر باز ندارد ز تو جنگ صد گونہ برائے تو برآمیزم رنگ
بنشینم اگر کار بناست و بہ ننگ ۴ بر آتش چو کباب و بر تیغ چو زنگ

ای غالیہ شوریدہ بما شورۂ[2] سیم وز غالیۂ تو سیم را رنگ وسیم
بر زغم مرا نہادی اے در تیسیم ۵ دہ تاج سیہ بر سر دہ ماہی شیم

تیسری رباعی خیام کے بعض مجموعون مین بھی داخل ہے، باخرزی کا ایک دوست اور عزیز ہمدم و ہم پیالہ محمد بن ابی نصر ہے، باخرزی نے اسکی نسبت اپنے تذکرہ مین لکھا، ہ "ولہ رباعیات بالفارسیۃ واختراعات فیہا دقیقۃ" فارسی کی رباعیان نقل نہین کی ہین، مگر عربی اشعار نقل کئے ہین، جو تمامتر سوز و ساز اور رنگ و مستی ہین[3]،

عہد سلجوقی کے حکما، اور صوفیہ مین دو نام خاص قابلِ ذکر ہین، ایک امام محمد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ اور دوسرے اون کے بھائی امام احمد غزالی المتوفی ۵۱۷ھ امام محمد غزالی کا ایک قطعہ اور تین رباعیان

---

[1] لب الالباب عوفی جلد ۱ ص ۷۰ [2] مجمع الفصحا مین شوریدہ کی جگہ سائیدہ اور شورہ کی جگہ سورہ ہے ص ۲۴۴،
[3] دمیۃ القصر ص ۲۶۵ حلب

مجمع الفصحا مین ہین، رباعیان حسب ذیل ہین،

کس را پس پردہ قضا راہ نشد | وز سرّ قدر ہیچ کس آگاہ نشد
ہر کس ز سر قیاس چیزے گفتند | معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد[1]

ما جامۂ نمازی بسر خم کردیم | وز آب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ درین میکدہا دریابیم | آن یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم[2]

خاک در کس مشو کہ گردت خوانم | گر خود ہمہ آتشی کہ سردت خوانم
تا تشنہ تری بخلق محتاج تری | سیراز ہمہ شو تا سرہ مردت خوانم[3]

پہلی اور دوسری رباعیان خیام کے بعض نسخون مین بھی ہین (دیکھو مطبوعات بمبئی)

امام احمد غزالی صوفی صافی تھے، مجمع الفصحا مین ان کی تین صوفیانہ رباعیان ہین،

یہ تمام اشخاص خیام کے معاصرین تھے، اس قرن کے دوسرے رباعی گو صوفیون مین سب سے مشہور و معروف ہستی شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری ہروی المتوفی ۴۸۱ھ[1] کی ہے، یہ مذہبًا حنبلی اور مشربًا صوفی تھے، عربی اور فارسی دونون زبانون مین شعر کہتے تھے، جو زیادہ تر عجز و تقصیر، طلب مغفرت، نصیحت و موعظت اور مناجاتون پر مشتمل ہین، ابن رجب حنبلی نے طبقات الحنابلہ مین ان کا مفصل ذکر کیا ہی، اور ان کے بعض عربی اشعار بھی نقل کئے ہین، منازل السائرین تصوف مین انکی مشہور کتاب ہی، فارسی مین ان کی مناجاتین بہت دلکش ہین، اسی سلسلہ مین اون کی رباعیان بھی ہین جن کا نمونہ یہ ہے، دوسری رباعی مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین اور بقیہ تین مجمع الفصحا مین ہین،

عیب است بزرگ برکشیدن خود را | (۱) وز جملۂ خلق برگزیدن خود را

[1] ریاض الشعرا اور مجمع الفصحا وغیرہ تذکرون مین ۳۹۶ھ کی ولادت اور ۴۸۱ھ کی وفات غلط لکھی ہی، ایک صدی کی کمی ہی، مین نے یہ تاریخ ابن رجب حنبلی کے طبقات الحنابلہ سے نقل کی ہی، جس نے اون کے معاصرین اور تلامذہ کے انکے احوال نقل کئے ہین،

از مردمک دیدہ بباید آموخت دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را

عودم چو نبود چوب بید آوردم روی سیہ و موی سپید آوردم
تو خود گفتی کہ نا امیدی کفر است فرمان تو بردم و امید آوردم [2]

شرط است کہ چون مرد رہ درد شوی خاکی تر و نا چیز تر از گرد شوی
ہر کو ز مراد گم شود مرد شود بفگن الف مراد تا مرد شوی [3]

دی آمدم و نیامد از من کارے و امروز ز من گرم نشد بازاری
فردا بردم بے خبر از اسرارے نا آمدہ بہ بود ازین بسیاری [4]

خیام اور عبد اللہ انصاری کی بعض رباعیاں بھی باہم مختلط ہیں،

اسی عہد کے ایک اور صوفی شاعر ہیں جن کا نام اس سلسلہ میں اب تک نہیں لیا گیا ہے، اور وہ شیخ احمد بدیلی[1] سبزواری ہیں، جو ۵۸۳ھ میں سلطان تکش خوارزم شاہ کے عہد میں موجود تھے، مصنف جہان کشا نے ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:-

"چون کار اہل سبزوار باضطرار رسید ملجا و مہربے نہ بود شیخ احمد بدیلی کہ از ابدال زمانہ بود و در علوم دینی و حقیقی یگانہ .... و او را در حقائق اشعار است از غزل و رباعیات و رسائل"

آخری فقرہ جہان کشا کے دوسرے نسخہ میں جو مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر ہے، حسب ذیل ہے:-

"و او را در حقائق اشعار و رباعیات و رسائل بسیار است"

اس کے بعد یہ ہے:-

"و این رباعی او راست"

[1] مستوفی نے تاریخ گزیدہ میں مشائخ کے سلسلہ میں ان کا ذکر کیا ہے، (ص ۷۸۰ گب) اور اون کا نام احمد بن بدیل سبزواری لکھا ہے، اور کوئی نئی بات نہیں لکھی ہے،

ای جان اگر از غبار تن پاک شوی تو روحِ مقدسی بر افلاک شوی

عرش است نشیمن تو، شرمت بادا کآئی و مقیم خطۂ خاک شوی

مگر یہ رباعی بتغیر خیام کے نسخون مین بھی موجود ہے،

حکما اور صوفیہ نے رباعی کو کیون اختیار کیا،

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہو کہ حکما اور صوفیہ نے تمام اصناف سخن مین رباعی کو کیون اپنے لئے مخصوص کیا؟ اس کا جواب جہان تک مجھے معلوم ہو، اب تک نہین دیا گیا ہے مین نے جہان تک چھان بین کی حسب ذیل نتائج سامنے آئے،

۱ - اس وقت تک شاعری کے جو اصناف رواج پذیر تھے، وہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ تھے، قصیدہ مین تیس چالیس بلکہ ان سے بھی زیادہ شعر ہوتے تھے، اور وہ عموماً مدح و ہجو مین کام آتا تھا، شروع مین تشبیب ہوتی تھی، جسمین حسن و عشق کی روداد، یا مناظر قدرت بیان کئے جاتے تھے، مثنوی رزم و بزم کے مسلسل واقعات و حکایات کے لئے مخصوص تھی، قطعہ مین مختصر واقعات نظم ہوتے تھے، چنانچہ ابتدا فلسفہ کے خیالات قصیدون قطعون اور مثنویون مین بھی ادا کئے گئے، سب سے پہلے فلسفی شاعر حکیم ناصر خسرو (المتوفی ۴۳۱ھ) نے ہر قسم کے فلسفیانہ خیالات قصیدون ہی مین ادا کئے ہین، تاہم حکمت و تصوف کے اچھوتے خیالات ایک نئی صنفِ سخن کے طالب تھے، تاکہ حسن و عشق کی روداد اور مدح و ذم کی حکایات سے تصوف و حکمت کے حقائق ظاہری و باطنی ہر طرز سے علحدہ ہو جائین،

۲ - حکما اور صوفیہ پیشہ ور شاعر نہ تھے، اون کے شب و روز کے مشاغل کچھ اور تھے، شاعری اون کا پیشہ نہ تھا، اس لئے انکے ذہنی خیالات کی تحریر و ترتیب کے لئے قصائد و مثنوی کے طویل الاشعار اصناف سخن کارآمد نہین ہو سکتے تھے، نہ اون کے پاس تعلیم و تصنیف و مطالعہ، یا ذکر و فکر عبادت سے اتنا وقت نکل سکتا تھا کہ وہ قصیدہ یا مثنوی تصنیف کرنے بیٹھتے، کبھی سانس لینے کے لئے وہ کچھ کہہ لیتے تھے، اور اتنی تھوڑی دیر مین چار مصرعے لکھکر الگ ہو جاتے تھے، اور پھر اپنے مشاغل مین لگ جاتے تھے،

۳- قصیدہ اور مثنوی میں مسلسل واقعات نظم ہوتے ہیں، اور غزل بحیثیت ایک مستقل صنف سخن کے اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی جسمیں معنی کے لحاظ سے ہر شعر بجائے خود مستقل ہوتا ہے، کمال اسمٰعیل المتوفی ۶۳۶ھ نے اس طرز کا آغاز کیا، اور شیخ سعدی المتوفی ۶۹۱ھ نے اس کو کمال کو پہنچایا، اس لئے فلسفہ و حکمت کے مختصر متفرق خیالات کے لئے رباعی کے سوا کوئی چیز اس وقت موجود نہ تھی،

۴- فارسی میں اسلام کے بعد موسیقی کا رواج سامانی درباروں میں شروع ہو چکا تھا، مگر یہ معلوم نہیں کہ فارسی میں گایا کیا جاتا تھا، قصیدہ اور مثنوی گانے کی چیز نہ تھی، غزل پیدا نہیں ہوئی تھی، البتہ چھوٹی بحروں کے مختصر قصیدے جن کو متاخرین کی اصطلاح میں غزل کہدیجئے، گائے جا سکتے تھے جس طرح کہ رودکی نے اپنی یہ نظم "بوی موی جولیان آید ہمی"، جن میں سات شعر ہیں، امیر نصر سامانی کے سامنے گائی تھی، مگر ایسی نظمیں کم ہوتی تھیں، میرا خیال ہے کہ غنا و موسیقی کے کام میں اس وقت اکثر یہی رباعی آتی تھی، صوفیہ جو سماع کے شائق تھے، ان کے لئے اسی سبب سے رباعی موزوں تھی، غالباً یہی وجہ ہے کہ شروع شروع میں رباعی کو ترانہ (راگ) کہتے تھے، محمد بن قیس رازی (موجود ۶۲۳ھ) المعجم فی معاییر اشعار العجم کی حسب ذیل عبارت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے،

وبحکم آنکہ منشد و منشی دیادی و بانی آن وزن کودکے بود نیک موزون و دلبر و جوانی سخت تازہ و تر آنرا ترانہ نام نہاد، و مایۂ فتنۂ بزرگ را سر بجہان در داد، و ہمانا طالع ابداع این وزن، برج میزان بودہ است، .... کہ خاص و عام مفتون این نوع شدہ اند و عالم و عامی مشغوف این شعر گشتہ، زاہد و فاسق را در آن نصیب، و صالح و طالح را بدان رغبت، کژ طبعانے کہ نظم از نثر نشناسند، و از وزن و ضرب خبر ندارند بہانۂ ترانہ در رقص آیند، مردہ دلانے کہ میان لحن موسیقار و نہیق حمار فرق نکنند، و از لذت بانگ چنگ بہزار فرسنگ دور باشند، بر دو بیتی جان بر نہند، بسا دختر خانہ کہ برہوس ترانہ در و دیوار خانۂ عصمت خود در ہم شکست، بسا ستی (خاتون)

کہ بر عشق دوبیتی تا ردپود پیراہن عفت خویش برہم گسست، وبحقیقت ہیچ وزن از اوزان مبتدع واشعار مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر، ودر طبع آویزندہ تر ازین نیست وبحکم آن کہ ارباب صناعت موسیقی برین وزن الحان شریف ساختہ اند وطرق لطیف تالیف کردہ وعادت چنان رفتہ است کہ ہرچہ برازان جنس برابیات تازی باشد آنرا قول خوانند وہرچہ برمقطعات پارسی باشد آنرا غزل خوانند، اہل دانش لحونات این وزن را ترانہ نام کردند (ص ۸۹ و ۹۰)

۵۸۶ھ میں سلطان تکش خوارزم شاہ کے دربار میں مصنف جہان کشا کے پردادا نے سلطان کی مدح میں ایک رباعی پڑھی، کہتا ہے، "جد پدرم این رباعی بداہتہً بگفت"

لطفت شرف گوہر مکنون ببرد — جود کف تو رونق جیحون ببرد

حکم تو بیک لحظہ اگر رائے کنی — سودائے محال از سر گردون ببرد

سلطان برین ترانہ تا شبانہ شراب نوشید[1]

یہ دربار سلطانی کی مثالیں ہیں، صوفیوں کی خانقاہوں میں رباعی کا نغمہ اس سے بھی زیادہ پہلے سنائی دیتا ہے، نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ جو قاضی ابو علی محسن تنوخی المتوفی ۳۸۴ھ کی تصنیف ہے، اسمین ایک واقعہ کے ضمن میں ہے،

حضرنی ابو احمد عبد اللہ بن عمر — ابو احمد عبد اللہ بن عمر حارثی میرے پاس آئے،

الحارثی وعندی صوفی تیرنم بشیٔ — اور اوس وقت ایک صوفی میرے پاس بیٹھا تھا

من الرباعیات[2] — جو کچھ رباعیاں گا رہا تھا،

یہ واقعہ ظاہر ہے، کہ مصنف کے سال وفات ۳۸۴ھ سے پہلے ہوگا، اس سے اندازہ ہوگا، کہ

---

[1] تاریخ جہانکشا علاء الدین عطا ملک جوینی ص ۲۴ گب [2] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی جلد اول ص ۴۸ مطبوعہ مطبع امین ہندیہ مصر ہرگولیتھ

کہ خیام بلکہ سلطان ابوسعید ابوالخیر سے بھی پہلے صوفی اور رباعی مین مناسبت پیدا ہوگئی تھی، اور صوفیون کی مجلس مین یہ سماع و ترنم کے کام مین آتی تھی، محمد بن علی راوندی جس نے اپنی تاریخ سلجوقیہ راحۃ الصدور سنہ ۵۹۹ھ مین لکھی ہی، امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مجلسِ سماع کا ایک واقعہ ان لفظون مین لکھا ہے:-

وقتے در سماع کہ فتوح روح و آسایش عاشقان مجروح بود صوفیان را صفائی درون ظاہر شدہ و عارفان را حالت آمدہ مطرب بلحنے خوش و آوازے دلکش بر نوائے نے، نہ بر آوائے نای این ترانہ بساختہ بود و این بیت در انداختہ

دارم سخنان تازہ و زرِّ کہن ، آخر بکف آرمت بزر یا بسخن ،

امام غزالیؒ حاضر بود از سر وجدے گفت، زر را چہ محل، سخن، سخن، سخن، کتاب مذکور مین رباعی کا دوسرا شعر مذکور نہین

خود خیام کی رباعیات خیام کے بعد ہی چھٹی صدی مین صوفیون کے حال و قال کی مجلسون مین پڑھی جاتی تھین، اخبار الحکماء قفطی مین ہے:-

وقد وقف متأخروا الصوفیۃ علی شیٔ من ظواہر شعرہ، فنقلوہا الی طریقتہم وتحاضروا بہا فی مجالساتہم وخلواتہم،

اور پچھلے صوفیون نے اوسکے اشعار کے کسی قدر ظاہری مطالب پر اطلاع پائی تو اونکو اپنے مشرب مین ڈھال لیا، اور اپنی مجلسون اور خلوتون مین اونکو پڑھکر ایک دوسرے کو سنایا،

۵- رباعی کے وزن کو موسیقی کی لے سے کوئی خاص مناسبت تھی، اوسکا ایک اور ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے، کہ رباعی کا پہلا موجد شاعر، رودکی، اور پہلا رباعی گو حکیم ابونصر فارابی دونون موسیقی کے مشہور استاد تھے، رودکی وہی ہی جس نے بوی جوی مولیان آید ہمی گا کر امیر سامانی کو بے اختیار بخارا کے سفر پر آمادہ کر دیا تھا[۳] اور فارابی وہی، جو ایک دفعہ اپنے نغمہ و ساز سے مشہور دیلمی وزیر صاحب ابن عباد کی محفل کو مست خواب بنا کر چلا گیا تھا[۴] اور جس نے ایک موقع پر سیف الدولہ حمدانی کے دربار کو محوِ حیرت بنا دیا تھا[۵] ابھی حال مین پیرس سے فارابی کی موسیقی کبیر چھپکر شائع ہوئی ہے،

[۱] راحۃ الصدور، راوندی، ص ۲۴۵ گب [۲] اخبار العلما، با اخبار الحکما، جمال الدین قفطی تذکرۂ خیام [۳] تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی، احوالِ رودکی [۴] درۃ الاخبار ذکر ابونصر فارابی [۵] ابن خلکان تذکرہ ابونصر فارابی،

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

از جناب محمد یعقوب صاحب بی اے لکھنؤ،

۱۔ ذیل کا مضمون غالباً مسلم ورلڈ امریکہ کے کسی مضمون کا ترجمہ ہے، یہ عیسائیون کا تبلیغی رسالہ ہے، جو اپنے ہم مذہبون کو اسلام کے معائب سے باخبر، اور مسلمان نوجوانون کو اسکی طرف سے متنفر کرنے کے لیے انگریزی مین شائع ہوتا ہے،

۲۔ اخبارات و رسائل کے نامون کے لکھنے اور پھر اردو مین ترجمہ کرنے مین غلطیان ہوئی ہین، اکثر نامون کی تصیح تو کر دیگئی ہے، مگر پھر بھی بعض نام مشتبہ ہین،

۳۔ اخبارات و رسائل کے نامون پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس فہرست مین مردہ زندہ سب ہی صحیفون کے نام ہین، اور بعض تازہ ترین کے نام نہین بھی شامل ہین، چند نام ہم نے اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہین، تاکہ اسکی کمنگی دور ہوجائے،

"معارف"

مسلمانون کی آبادی کرۂ ارض پر ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے رو سے تیئیس کرور ہے، اس مین سے تقریباً ۱/۳ آبادی ہندوستان کے مسلمانون کی ہے، اور باقی ۲/۳ افریقہ، یورپ، امریکہ، اسٹریلیا، اسینیا اور تمام ایشیا کی ہے، مسلمانون کی تعلیمی حالت بہت خراب ہے، اور اس طرف سے مسلمانون نے اپنے کان بالکل بند کرلیے ہین، ناخواندہ مسلمان بیشتر افریقہ کے براعظم مین رہتے ہین، جس کی خاص زبان عربی ہے، خواندہ مسلمانون کی تعداد مشکل سے ایک فیصدی بھی نہین، اس پر بھی ہم اپنے آپ کو خواندہ کہنے کے لیے ہر جگہ تیار ہین، ہماری ناخواندگی سے عیسائی مشن جو ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ اظہر من الشمس ہے،

اور ہر سال ہزارون کی تعداد مین مسلمان صلیبی مذہب کے زیر سایہ ہوتے جاتے ہین، مسلمانون مین کسی مشن کا سوا احمدیہ جماعت کے وجود نہین، جب ہماری یہ حالت ہے تو ہمارے اخبارون کی بھی ویسی ہی اشاعت ہوگی،

تمام اسلامی دنیا سے مشکل سے ایکہزار روزانہ اخبار اور دو ہزار میگزینون کی اشاعت ہوتی ہے، ہمارے اخبارون کی تاریخ بہت پرانی نہین ہے، اور مشکل سے (۲۰۰) برس اسکی عمر ہے، لیکن جس تیزی کیساتھ انھون نے گذشتہ دس سال مین ترقی کری ہے وہ ذیل کے مضمون سے ظاہر ہوگی،

۱- جمہوریہ ترکیہ اور شام،

ترکی مین مطبع ۱۷۲۵ء مین پہلی مرتبہ جاری ہوئے، خلافت کے دور مین ۱۸۳۲ء تک کوئی کوشش اخبار کے نکلنے کے متعلق نہین ہوئی، ۱۸۴۳ء مین ایک فرنگی مسٹر چرچل نے بذات خود ایک ہفتہ وار اخبار پہلی مرتبہ نکالا، اور ۱۸۶۰ء مین ترکون نے بسم اللہ کی جسکا نام ترجمان احوال تھا، اس پرچہ کے اجرا نے ایک برقی لہر ترکون مین دوڑادی، اور اس تاریخ سے اشاعت نے زور پکڑا، ترکی کی حالت ۱۸۷۶ء تک بیحد خراب تھی کیونکہ قابل اشخاص صف اول مین نہین آئے تھے، اور کسی ملک کی ترقی ان کمزورون کے ہاتھ سے نہین ہوسکتی، ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۸ء تک خلافت کے دور مین اخبارون کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی، ترکی نوجوانون نے ۱۸۹۷ء مین اشاعت اپنے ہاتھون مین لی اور پروپگنڈا کرنا شروع کردیا، مصر، بلقان، فرانس، اور سوئٹزرلینڈ مین اخبارون کی اشاعت شروع ہوگئی گو اس زمانہ مین یہ بہت تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے جاری رہے، لیکن اخباری آزادی بہت جلد ملگئی سلطان کے خلاف ۱۹۰۸ء مین اخبارون کے ذریعہ سے بہت زہر اگلاگیا، یہانتک کہ چھ روزنامہ اخبار، اور دو ہفتہ وار سیاسی اخبار اس کام مین لگ گئے، سلطان عبدالحمید نے ان تھک کوشش ان اخبارون کے بند کرنے کی کی، لیکن بےسود ثابت ہوئی اور ۱۹۱۰ء مین تعداد ۱۸۶۳ء سے بہت بڑھ گئی،

۲۵، جولائی ۱۹۰۸ء کا دن اخباری دنیا مین ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اخباری آزادی مل گئی" اقدام" کی کاپیان جس کی اشاعت (۶۰۰۰۰) ہوتی تھی، اور ایک اخبار ایک سنٹ کو بکتا تھا، شام کو ایک ایک کاپی (۴۰) (۵۰)

سنٹ کو بکی بھی ہمعولی اخباروں کی تعداد اس وقت سے بہت بڑھ گئی، صرف خبروں کی لحاظ ہی سے نہین بلکہ اخبارون مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے شائع ہونے لگے، جنمین ایک خاص تعداد ان اخبارون کی تھی جو نسائیت کے حامی تھے، لیکن کلی آزادی ابھی دو برس کو نہین ملی تھی، گورنمنٹ نے ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کے انقلاب کے الزامات اخبارون پر تھوپے اور اسی سلسلے مین بہت زیادہ اشاعت مین کمی ہوگئی، مدیرون کو سزائین ملین اور شہر بدر کئے گئے، پرانے اور نئے خیال کے لوگون مین جھگڑے ہوئے لیکن پرانے مغلوب ہوئے، ترکی کی شکست جنگ بلقان مین ہونے کے بعد اخبارون کو اور زیادہ آزادی ملی کیونکہ نوجوانون مین ترکی کی ترقی کی لہر دوڑ گئی اور اس دن سے ان تھک کوششون مین مشغول ہوگئے،

نسوانی ترقی اخباری دنیا مین حد سے زیادہ ہوئی، اور مذہبی قید سے بھی چھٹکارا ملا، ۱۹۱۴ء مین قسطنطنیہ مین ذیل کے اخبار نکلتے تھے:-

قسم	تعداد	قسم	تعداد
ظریفانہ	۳	مذہبی	۶
باتصویر	۵	کاروباری	۹
بچون کیلئے	۱۱	جنگی	۵
نسوانی	۲	علمی	۸
سیاسی روزنامہ	۶		

انمین ان اخبارون کی تعداد شامل نہین ہے، جو غیر ترکی زبانون مین نکلتے ہین، روزنامہ اخبار، سمرنا، بروسا، قونیہ، اور طربزند سے نکلتے ہین،

دوسرے صوبون کے لاطینی اور عربی اخبارون کی تعداد،

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
عدانیہ	۴	×

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین	نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
ادریانوپل	۵	×	کستانی	۳	×
حلب	۷	۵	خرپت	۳	۱
انگورا	۴	×	موصل	۳	۲
بیروت	۱	(۴ سنہ ۲۸ء سے یہ بھی لاطینی مین نکلتے ہین)	سیواس	۳	×
دردانیال	۲	×	وان	۱	×
دیاربکر	۵	×	قسطنطنیہ	۴۳	۴
ارض روم	۳	×			

ترکی مین سنہ ۱۹۱۳ء مین اخبارون کی اشاعت ۳۸۹ تھی،

ترکی کی موجودہ دور ترقی مین اخبارون کا بھی حصہ ہے چنانچہ انکی اشاعت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے، ترکی کے اخبار صرف خبرون ہی سے پُر نہین ہوتے بلکہ ان مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے اور تنقیدین بھی ہوتی ہین، سنہ ۱۸۶۰ء مین ترکی مین ایک پرچہ بھی نہین نکلتا تھا اور باوجودیکہ سنہ ۱۸۷۶ء سے سنہ ۱۹۰۸ء تک اخبارون کی اشاعت بہت کچھ رک گئی، لیکن انقلاب کے بعد ترکی کے اخبارون کی تعداد ۸۰۰ تھی جو ترکی، فرانسیسی، عربی، اور لاطینی زبانون مین نکلتے تھے، اس مین بہت کم تعداد غیر مسلم کی تھی، جمہوریہ ترکیہ کی اشاعت چار شعبون مین ہوتی ہے،

سبیل الرشاد، (مذہبی میگزین)

محفل (صوفیانہ اخبار)

اجتہاد (سیاسی)

علمی مجموعہ (ادبی)

روزنامون کی تعداد برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے، جنمین حسب ذیل بہت مشہور ہین،

اقدام طنین، توحید افکار، الیرا، و افقیت، پیام صبح (۱۹۲۲ء) مین بند ہوگیا)، وطن اور اقشام۔

۱۹۲۴ء مین ایک ماہوار رسالہ المحراب قسطنطنیہ سے نکلا، اس کی اشاعت لاطینی رسم خط مین ہوتی ہے، اور مذہبی، فلسفیانہ اور تاریخی نقطۂ نظر سے موجودہ اسلام پر روشنی ڈالتا ہے، اس کے مدیر ایک نہایت قابل شخص ہین،

انگورہ کے اخبار بجد ترقی کر رہے ہین، اور ذیل کے پرچے نکلتے ہین،

کلیم ملیہ، عین کن، عین ترکیہ، اور شہیر،

شام مین ایک ترکی اور چھبیس ۲۶ عربی اخبار نکلتے ہین، خاص بیت المقدس سے علاوہ ان اخبارون کے ایک ترکی اور پندرہ ۱۵ عربی پرچون کی اشاعت ہوتی ہے،

۲۔ مصر، عرب اور عراق

مصر مین اخبارون کی اشاعت کا بیڑا اوّل اوّل گورنمنٹ نے اٹھایا، عربی کا پہلا اخبار ۲۰ نومبر ۱۸۲۸ء کو قاہرہ سے نکلا، اس کا نام الوقائع المصریہ تھا جو ترکی اور عربی مین نکلتا تھا، دوسرا اخبار یکم جنوری ۱۸۵۸ء کو بیروت ملک شام سے نکلا، اس کا نام حدیقۃ الاخبار تھا اور یہ عربی اور فرانسیسی زبانون مین نکلتا تھا، بیروت سے دوسرا عربی اخبار البشیر ۱۸۶۹ء مین نکلا، اخباری ترقی مصر مین بہت اچھی ہوئی اور ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کس قدر ترقی ہوئی،

سال	اخبارون کی تعداد	سال	اخبارون کی تعداد
۱۸۹۲ء	۴۰	۱۹۰۹ء	۱۴۴
۱۸۹۹ء	۱۶۷		

اخباری آزادی مصر مین بہت جلد مل گئی،

مسلمانون کی تعداد جو عربی بولتی ہے ۰۰۰،۰۰۰،۴۵ ہے، عربی اخبارون کا مرکز صرف قاہرہ، بیروت،

دمشق، بغداد، مکہ اور مدینہ ہی جیسے شہر نہین ہین، بلکہ اسلامی دنیا کے ہر مرکز سے عربی اخبارون کی اشاعت ہوتی ہے آجکل مالٹا مین دو عربی اخبار نکلتے ہین جسمین سے پہلا اخبار ۱۸۷۹ء مین جاری ہوا، کلکتہ مین ایک عربی اخبار سنہ ۱۹۲۴ء سے نکلنا شروع ہوا، ترکی اور مصر کے انقلابی اشخاص نے جو دنیا کے دوسرے ممالک مین شہر بدر کر دیئے گئے تھے ایک ہیجان برپا کر دیا، اور ان مقامون سے اخباری دنیا مین چیخ پکار کرنے لگے، ان اخبارون کی اشاعت پیرس، قسطنطنیہ، سوئٹزرلینڈ، اور جنوبی امریکہ جیسے ملکون سے ہوئی،

عربی اخبار اکثر اوقات اٹلی، فرانس، لندن، تفلس، نیویارک اور فلیڈلفیا سے جاری ہوئے ہین، اگرچہ ۹۰ فیصدی عربی بولنے والی آبادی ناخواندہ ہے، لیکن اسپر بھی اخبارون کا کافی اثر لوگون پر ہے، مصر اور شام صف اول مین ہین، عربی اخبارون کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ہر گوشے مین پھیلے ہوئے ہین جیسا کہ ذیل کا نقشہ ظاہر کرتا ہے،

دنیا مین عربی روزنامہ اخبارون کی اشاعت ۴۷۴ ہے جو حسب ذیل مختلف مقامون سے نکلتے ہین،

قاہرہ (۹۶) اسکندریہ (۲۸) باقی مصر اور سوڈان (۶) بیروت (۳۰) بیت المقدس (۵) قسطنطنیہ (۱۶) جافہ (۳) بغداد (۳۲) بصرہ (۹) طرابلس شام (۹) دمشق (۲۲) ہاما اور ہومز (۱۱) لبنان (۲۴) حلب (۱۵) لاتیکیہ (۳) باقی ترکی (۱۳) پیرس (۱۲) مارسیلی (۱) لندن (۴) سارڈنیہ (۱) مالٹا (۱) لینن گراڈ (۲۱) الجزائر (۶) مراکش (۳) ٹیونس (۲۶) طرابلس غرب (۳) نیویارک (۱۲) بیونس آئرس (۵) ساؤپالو (۸) راڈیجنبرد (۳) مانیٹرل (۳) باقی امریکہ (۸) زنجبار (۲) سنگاپور (۲)،

عربی میگزینون کی اشاعت ۲۳۹ ہے جو ذیل کے مقامون سے نکلتے ہین،

قاہرہ (۱۲۱) اسکندریہ (۲۴) باقی مصر (۷) بیروت (۳۴) قسطنطنیہ (۱) جافہ (۱) بغداد (۴) طرابلس شام (۳) دمشق (۵) ہاما اور ہومز (۴) لبنان (۸) حلب (۲) باقی ترکی (۶) مارسیلی (۱) الجزائر (۱) مراکش (۱) ٹیونس (۴) لکھنؤ (۱) نیویارک (۵) بیونس آئرس (۳) ساؤپالو (۲) مانیٹرل (۱)

عربی اخبارون کی مصر مین نمایان ترقی ہوئی، سنہ ۱۸۹۹ء مین اخبارون کی تعداد ۱۶۹ تھی اور سنہ ۱۹۱۳ء مین

۲۸۲ ہوگئی۔ مصر میں صرف میگزینوں کی اشاعت نوّے سے اوپر ہے اور ذیل کی زبانوں میں نکلتے ہیں، صرف مسلمان اخباروں کی تعداد دیجاری ہے۔							
زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد
عربی	۵۷	انگریزی	۴	یونانی	۸	مالیٹیز	۱
فرانسیسی	۱۲	لاطینی	۴	آرمینا	۳	ہبرو	۱

موجودہ زمانہ کے لحاظ سے روزانہ اخباروں کی تعداد برابر بڑھتی چلی جاتی ہے جنگ عظیم سے قبل ایک روزنامہ عربی کی اشاعت صرف ۔۔۔۔ تھی لیکن اب ہر ایک روزنامہ کی اشاعت ۔۔۔۔۔۴ سے کم نہیں ہوتی آجکل کے مشہور اخبار ذیل کے ہیں جو سب کے سب سیاسی ہیں۔

الاہرام، الخاتم، البلاغ، رو دنیل، المحروسہ، الاخبار، اور السیاسۃ،

المنار ہو ا رسالوں میں صف اول میں ہے جسکی بنیاد شیخ محمد عبدہٗ نے ڈالی تھی اور ان کے مرنے کے بعد انکے شاگرد رشید سید رضا نے اسکو ترقی دی، یہ رسالہ مذہبی ہے اور اسکے ہر نمبر میں کلام پاک کی تفسیر اور کتب کے تبصرے و تنقیدیں نکلتی ہیں لیکن اشاعت بہت کم ہوتی ہے،

جنگ عظیم کے زمانہ میں اخباری دنیا کے متعدد و شدید نقصانات اٹھائے ہیں، مصر کے اخبار ہندوستان سے محبت، اور ترکی سے برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں، جس سے سیاسی نقصانات اکثر اخبارات نے اٹھائے اور گورنمنٹ نے اکثر مطبع ضبط کر لیے، الہلال ایک ہونہار اخباروں میں سے ہے،

عرب زیادہ تر اپنی خبریں قاہرہ سے لیتا ہے، خلافت کے زمانہ تک کوئی عمدہ اخبار نہ نکلتا تھا سوائے گورنمنٹ گزٹ کے جو اکثر بصرہ اور بغداد میں آتے تھے، ۱۹۱۶ء میں القبلہ مکہ سے نکلا لیکن طباعت اسکی قاہرہ سے ہوئی، یہ ایک سیاسی پرچہ تھا اور کچھ دنوں تک اسکا بہت دور دورہ رہا جس کے پیچھے امرائے مکہ کام کرتے تھے، سلطان ابن سعود کے زمانہ سے جب وہابیوں نے زور پکڑا یہ اخبار قریب قریب بالکل بند ہوگیا ہے، اور ایک نیا اخبار ام القریٰ جاری ہوا ہے

مسوپٹامیہ میں حالت بہت ناگفتہ بہ ہے، بغداد جیسے مشہور شہر سے صرف پانچ اخبار نکلتے ہیں اور بصرہ سے دو، لیکن اب اخباروں میں ترقی کی لہر دوڑنے لگی ہے، المفید اور الاستقلال سیاسی اخبار ہیں جو گورنمنٹ اور دوسری سیاسی جماعتوں پر تنقیدیں لکھتے ہیں،

(باقی)

"آئینۂ بخت"

از

جناب حافظ احمد علی خان صاحب شوق، سابق ناظم کتبخانہ رامپور

رامپور کے مشہور سرکاری کتبخانہ مین فارسی کتب تاریخ کے سلسلہ مین ایک قلمی تاریخ "آئینۂ بخت" نام موجود ہے جو اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی ایک تصنیف ہے، اس کے مولف کا نام بختاور خان ہے، تقطیع کتابت ۷×۴ اینچ ۱۱ سطر، خط نستعلیق معمولی، نہایت پیوند کار، آب رسیدہ، اکثر جگہ سے حرف اڑ گئے ہین، کہین کہین صفحے بھی کم ہین، کتابت بھی بہت غلط ہے،

آغازِ کتاب "الحمد للہ ذی الجود بافضل انواع النعماء"

آغاز صفحہ ۲ "محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی" اول صفحہ کسی اور کتاب کا ہے، اور اصل تاریخ دوسرے صفحہ سے شروع ہوئی ہے، مگر دیباچہ کے چند ورق نہین ہین، صفحہ ۳ مین مولف کہتا ہے، "در سجنجل ضمیر مؤلف این مجموعہ جامعہ تسمیہ آن آئینۂ بخت کہ ہم نام است وہم تاریخ" آئینۂ بخت کے عدد ایک ہزار اٹھتر (۱۰۷۸ھ) ہین، یہ تاریخ کتاب کے شروع کرنے کی ہے، پھر لکھتا ہے:- کہ مین نے اس تاریخ کو جدید طرز پر ایک مقدمہ سات آرایش اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے، اور ہر آرایش مین چند نمایش ہین اور ہر نمایش مین چند نمود، لیکن آرایش ہفتم جس مین اورنگزیب کا ذکر ہے، اس کا نام بجائے آرایش کے پیرایش رکھا ہے، بہرحال اس کتاب مین بابر کے وقت سے شاہجہان کے عہد تک مختصر حالات ہین، اور عالمگیر کی دہ سالہ حکومت کے واقعات بالتفصیل ہین، آرایش اول مشتمل بر پنج نمایش، نمایش اول مین بابر بادشاہ کے مختصر واقعات ہین، واقعات کے علاوہ بابر کی تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے، رانا سانگا کی لڑائی مین شیخ زین خوانی مولفِ تاریخ بابری کی موجودگی بھی بیان کی ہے، نمایش دوم

مین ہمایون کے حالات ہین، نمایش سوم مین اکبر کے حالات اور ہر سال کے مجمل واقعات کا بیان ہے، نمایش چہارم مین جہانگیر کے حالات ہین، نمایش پنجم مین شاہجہان کا مختصر ذکر ہے، آرایش (بغیر نمبر) امین عالمگیر کے حالات ہین، اور مولف کہتا ہے "علت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہین" اور اس آرایش کو تین پیرایش پر تقسیم کیا ہے،

نمایش اول (غالبًا کتاب کی غلطی ہے، پیرایش ہونا چاہئے) اس مین عالمگیر کے بادشاہ ہونے کے قبل کے واقعات اور دہ سالہ حکومت کے واقعات ہین، ۱۰۶۷ھ مین شاہجہان کی علالت کے وقت سے واقعات دہ سالہ شروع کئے ہین، ۱۰۶۸ھ مین عالمگیر تخت نشین ہوا، ہر سال کے واقعات بالتفصیل ۱۰۷۸ھ تک لکھے ہین، صفحہ ۳۴۴ کے بعد چند ورق کم ہین،

پیرایش دوم مین عالمگیر کے عادات وخصائل، اولاد کے نام، ممالکِ محروسہ کی کیفیت، سلاطین معاصر کے نام، اس پیرایش کو چار نمایشون پر تقسیم کیا ہے،

نمایش اول، اس مین عالمگیر کے شمائل کا بیان ہے، مورخ کہتا ہے کہ مین ہر وقت حاضر خدمت سلطانی رہتا ہون، اس لئے مجھے مفصل عادات پر اطلاع ہے، نمایش دوم مین اولاد کا ذکر ہے، اور نمایش سوم مین ممالک محروسہ کی مساحت کا بیان ہے، نمایش چہارم مین عالمگیر کے معاصر بادشاہون کا ذکر ہے،

نمایش ۳ کوئی ہندسہ نہین ہے، مشتمل بر دو نمود، نمود اول در ذکر مشائخ کرام صفحہ ۴۰، در ذکر علمائے این عصر

نمایش سوم (غالبًا نمود کی جگہ غلطی سے نمایش لکھدیا ہے) خوشنویسون کے حالات،

نمود اول صفحہ ۸۰، بیان بعضے عجائب وغرائب ربع سکون،

نمود دوم، ذکر برخے از آثار بیقدار این امیدوار کرم پروردگار،

بفضل الرحمان بختاور خان، اس مین اپنی تالیفات اور تصنیفات کو بیان کیا ہے،

نمود سوم مین اپنی تعمیرات کی تفصیل بیان کی ہے،

صفحہ ۱۴۸ سے بہ ترتیب حروف تہجی شعرا کے مختصر حالات اور ان کے اشعار کا انتخاب ہے،

صفحہ ۲۲۳ پر مرزا غازی ترخان کا حال ہے، جو جہانگیر کے عہد مین قندہار کا حاکم تھا، اسکی کتاب ساقی نامہ سے یہ تین شعر نقل کئے ہین،

بہ باغ ار فتد عکس از روے یار　　　　بود نوک ہر خار رشک بہار

بہ آب ار بشوید دو زلف سیاہ　　　　بتاثیر سنبل شود ہر گیاہ،

غرض کہ آغاز اور اختتام اور درمیان سے کتاب ناقص ہے،

راجہ جسونت سنگھ سے جب عالمگیر کا مقابلہ ہوا اس موقع پر لکھتا ہے:-

"وجامع این شگرف نامہ اضعف الانسان نجابت خان کہ ہمہ اوقات باحراز سعادت خدمت حضور پرنور مستعد است دران وقت در رکاب بودہ شرف اندوز دولت مشاہدہ طلعت نورانی حضرت خلیفۃ الرحمانی بود"

شجاع کی جنگ مین عالمگیر کے ہمرکاب تھا، اجمیر مین دارا شکوہ کی مہم مین شریک تھا، ۳ ذیقعدہ سنہ ۱۰۶۹ھ مین بیالیس سالہ جشن وزن قمری عالمگیری مین اسکو خانی کا خطاب ملا، سال ہفتم جلوس عالمگیری مین مطابق سنہ ۱۰۷۴ھ ایک خاصہ کا گھوڑا مع ساز عطا ہوا، ملا عبد اللہ پسر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی سے بہت دوستی تھی،

مؤلف اپنی تالیفات کے متعلق لکھتا ہے، کہ ایک تو یہی تاریخ آئینہ بخت ہے، اس کے علاوہ منطق الطیر عطار اور مثنوی مولانا روم کا انتخاب کیا، حکیم سنائی، عطار اور مولانا روم کے کلام کا انتخاب کیا اور اس کی خود تاریخ کہی :- سہ

این نادرہ مجموعہ معنی کہ بصورت　　　　سرخوش قدحے پر زمئے دلکش وناب است

چون گشت تمام از مدد طبع سخن یاب　　　　تاریخ شد .... لب سرکتاب است

اخیر مصرعہ مین کتابت سے کوئی لفظ رہگیا ہے،

تاریخ روضۃ الاحباب کا انتخاب کرکے اس کا تاریخی نام احباب نبی (۱۰۰۷ھ) رکھا، تاریخ الفی کا انتخاب کیا اس کی یہ تاریخ کہی،

چون انتخاب کہ است ز تاریخ احمدی، تاریخ جمع آن شدہ زان انتخاب کہ

صائب کے دیوان کا انتخاب کیا اور اس کے ساتھ مجموعہ نظم و نثر لگا دیا، اس کا تاریخی نام ترتیب رسالہ...

.....(کاغذ یہاں کرم خوردہ ہے) ایک بیاض کلام نظم و نثر اساتذہ سے ترتیب دی جس کا نام دلکشا رکھا اور تاریخی نام "مجموعہ شعر ہائے رنگین" رکھا، جس کے عدد ۱۰۰۸ ہیں،

مولف اپنی عمارتوں کے بیان میں لکھتا ہے کہ میں نے نواح شاہجہان آباد میں ایک سرائے بنائی اور اس کا نام بختاور نگر رکھا، سرخوش شاعر نے ذیل کی تاریخ کہی،

در ہمایون عہد عالمگیر شاہ ،	زیب تخت و تاج و فخر دین و داد
بہر تعمیر سرائے دلکشا ،	خان بختاور کف ہمت کشاد
چون شد این معمورۂ دلکش بنا	دہر بختاور نگر نامش نہاد
خواست طبع سرخوش جام سخن	سال اتمامش ز فیض بامداد
شاد و خوم زو بر آمد راہ رو ،	گفت بختاور نگر آباد باد

بختاور نگر آباد باد کے اعداد ۱۰۹۵ ہیں، راہ رو کے عدد ۴۱۲ ہیں، ۴۱۲ عدد کے تخرجہ کے بعد ۱۰۸۱ عدد رہتے ہیں، اس کے سوا اور بھی تاریخین اور عمارتوں کی پوری تفصیل لکھی ہے، جسمین مسجد، حمام وغیرہ بھی ہے،

ایک باغ لگایا جس کی یہ تاریخ ہے،

در زمان شہ دین عالمگیر،	کہ از و کفر شدہ مستاصل
خانہ جم مرتبہ بختاور خان	منزلے ساخت منزّہ ز خلل

عقل میگشت پے تاریخش ، آمد از غیب بنا باغ محل ،
(۱۰۸۱ھ)

باغ کے متصل ایک پختہ تالاب بنایا، اس کی تاریخ ہے،

منبع فیض آمد آن سرچشمۂ آب بقا منبع الفیض ارشود تاریخ آن باشد روا
(۱۰۸۳ھ)

سرائے سے آدھے کوس پر ایک پہاڑی مین بند باندھکر پانی کو تالاب مین جمع کیا، بختاور نگر اور فرید آباد کے درمیان ندی تھی، اس کا پل بنایا، اسکی تاریخ ہے، "گذرگاہ عالم" ۱۰۸۰ھ قدم رسول کے متصل بختاور پورہ نامی ایک عمارت بنائی، اس مین مسجد مع حوض تیار کرائی، مسجد کی یہ تاریخ ہے:۔

بختاور خان بعون فضل معبود مسجد بقدم رسول برپا فرمود
تاریخ بنائے آن خرد ثبت نمود اندر قدم رسول شد جائے سجود
(۱۰۸۶ھ)

اس مسجد کے شمال مین اپنے لئے قبر بنوائی، اور قبر کے جنوب مین جماعت خانہ، عرس کی مجالس کے واسطے اور مہمانون کے قیام کے لئے عمارت بنائی، ایک کٹرا بھی وہان تعمیر کیا، اعز آباد مین ایک باغ تیار کیا جس کی تاریخ ہے، "بروے زمین بہشت" (۱۰۹۰ھ) لاہور مین باغ فیض بخش کے متصل ایک باغ لگایا، اس کی تاریخ ہے، "باغ عجب" ۱۰۷۵ھ، شیخ نصیر الدینؒ چراغ دہلوی کے مزار کے پاس مسجد تعمیر کی، عالمگیر نے بھی اس مین نماز پڑھی، اس مسجد کی تاریخ ہے، "فول وجھک شطر المسجد الحرام" ۱۰۸۰ھ اس کے علاوہ آگرہ، لاہور اور برہان پور مین بھی عمارتین بنائین، انکا ذکر مولف نے نہین کیا ہی،

عبد الرسول تخلص استغنا، شیخ کمال تخلص آفری (جس نے فتوحات بدائع واقعات عالمگیری کو بارہ ہزار بیت مین نظم کیا) اور تحسین شاعر ازاد لاد کمال خجندی وغیرہ شعرا نے بختاور خان کی مدح مین قصائد لکھے ہین:۔

فہرست کتب فارسی قلمی برٹش میوزیم سے معلوم ہوا کہ بختاور خان نے مرأت عالم نام تاریخ لکھی ہے اس کی تصنیف کی تاریخ بھی آئینۂ بخت ہے، اور آرایش کے نام سے سات حصے ہین، ساتوین آرایش

کے حالات اور اس آئینۂ بخت موجودہ رام پور کے حالات یکسان ہین، اور فصلون کی تقسیم بھی وہی ہے، غالبًا ابتدا مین مؤلف نے صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے اور اس کا نام آئینۂ بخت رکھا، جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہے، پھر اسکو وسعت دی اور مرأت عالم نام رکھا، اور سنہ تالیف آئینۂ بخت قائم رکھا،

برٹش میوزیم مین جو نسخہ مرأت عالم کا موجود ہے، اس کے خاتمہ پر اس کے متبنی فرزند (غالبًا ساقی مستعد خان) نے لکھا ہے کہ بختاور خان نے مختصر علالت کے بعد پندرہ ربیع الاولی سنہ ایکہزار چھیانوے ہجری مین، احمد نگر مین انتقال کیا، اورنگزیب اس کے لئے بہت رویا، اور خود نماز جنازہ پڑھائی، اور بختاور پورہ مین اپنے تعمیر کردہ مقبرہ مین دفن ہوا، یہ ایک خواجہ سرا تھا،

سہارن پور کے کوئی بزرگ مرأت عالم کی تالیف کے مدعی تبائے گئے ہین، واللہ عالم بالصواب،

معارف:- صمصام الدولہ شاہنواز خان نے اپنی کتاب مآثر الامرا مین بختاور خان خواجہ سرا کا ایک جگہ ذکر کیا ہے، (مآثر الامراء جلد ۳ ص ۹ کلکتہ) اور اس کی کتاب مرآۃ عالم کا حوالہ اپنی کتاب کے مقدمہ (ص ۵ کلکتہ) بسلسلۂ مآخذ کتاب دیا ہے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا قدیم تمدن

پنجاب اور سندھ کے آثار قدیمہ

عام خیال تھا کہ ہندوستان کے قدیم باشندے سنہ ۱۲۰۰ قبل میلاد مسیح تک بالکل وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اسکے بعد ایک نو وارد قوم افغانستان وغیرہ سے آئی، اور اس نے ہندوستان مین تمدنی بیداری پیدا کی، لیکن مغربی ہندوستان کے شمالی حصے بالخصوص وادی سندھ مین جو آثار قدیمہ دریافت کئے گیے ہین، انھون نے ہمارے اس خیال کو بالکل بدل دیا ہے، اور نہر سندھ کے مغربی کنارے پر سر جان مارشل نے آثار قدیمہ کے جو چھپے ہوئے خزانے زمین کے اندر سے نکالے ہین، اون سے ایسے شہرون کا پتہ چلتا ہے جنمین سب سے قدیم شہر کی تاریخ چار ہزار سال قبل مسیح ہے، اور اسکی تاریخ کا سرکاری تخمینہ ۳۲۰۰ قبل مسیح کیا گیا ہے،

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ہم کو ہندوستان مین ایسے شہرون کے آثار ملتے ہین جنکی تاریخی قدامت پانچ ہزار سال کی ہے، اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ ان شہرون کا طرز زندگی بالکل موجودہ زمانے کے طرز زندگی سے ملتا جلتا ہوا ہے، موہنجو دارو کے آثار دریافت ہونے سے پہلے یہ کسکو خیال تھا کہ پتھر کے مکانات مین جن کا سلسلہ تنگ اور کشادہ سڑکون کے دونون کنارون پر چلا گیا ہے، اس دور افتادہ زمانے مین اسقدر نزاکت، اسقدر پائداری اور اسقدر شان پائی جا سکتی ہے کہ مصر و عراق مین بھی ان کی نظیر نہین ملتی،

زمین کے نیچے جو تمدن دفن ہے، اسکی تحقیقات مین بعض یورپین لوگون نے بڑی ناموری حاصل کی ہے،

لیکن اس سلسلہ مین ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ایک متوسل کو جس کا نام بنرجی تھا، ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء کے موسم سرما مین ایک مندر کی تاریخی تحقیقات مین اسی قسم کی ایک نمایان کامیابی حاصل ہوئی، چنانچہ اثناے تحقیقات مین اس کو چند سکے ملے، جن سے اوس کو معلوم ہوا کہ دوسری صدی عیسوی مین یہان بعض بدھ سنیاسی رہتے تھے، اوس نے مندر کی بنیادون کی تحقیقات کی تو اور بھی حیرت زدہ ہوا، کیونکہ اوس کو پختہ اینٹون سے بنی ہوئی ایک ایسی مضبوط عمارت کا پتہ چلا، جو مندر کی دیوارون کی اینٹون سے مشابہ تھی، پھر اوسکو چند مہرین ملین، جو اس سے پہلے صرف عراق کے شہرون مین مل چکی تھین، جن سے اوس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ زیر خاک عمارتین نہایت قدیم زمانے کی ہین، سرجان مارشل نے بھی گذشتہ سال اسی قسم کی مہرین ہارپا مین پائی تھین، جو موہنجو دارو سے ۴۰۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے، ان تمام باتون سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے قدیم تمدن کی بہت سی یادگارین ہندوستان کے مغربی شمالی حصے مین زمین کے اندر چھپی ہوئی ہین، اور اس طرح ان دونون مقامات (موہنجو دارو اور ہارپا) مین مسلسل تحقیقات کی گئی، تو ہندوستان کے قدیم تمدن کے متعلق بہت سی اصولی باتین معلوم ہوئین،

ایک قدیم حمام

موہنجو دارو سندھ مین اور ہارپا پنجاب مین واقع ہے اور دونون چار سو میل کے فاصلے پر واقع ہین، ان دونون مقامات مین تحقیقات کیگئی، تو ایسے آثار کا پتہ چلا، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر ۴۷۰۰ سال سے زیادہ زمانہ سے آباد تھے، ان تمام آثار مین سب سے زیادہ عجیب ایک شاندار عمارت کا سراغ ملا، جسکے اندر ایک بڑا حوض تھا، جس سے یا تو حمام کا کام لیا جاتا تھا، اور بعض مذہبی تہوارون کے موقع پر اوس مین نہان ہوتا، یا گھڑیال یا بعض مقدس مچھلیان پائی جاتی تھین، اس حوض کا طول ۳۹ انچ، عرض ۲۳ انچ اور عمق آٹھ انچ تھا، پانی مین اوترنے کے لئے اوس کے دونون جانب سیڑھیان لگی ہوئی تھین، حوض کی زمین اور دیوار پر پتھر جڑے ہوئے تھے، جن پر نہایت نازک اور پایدار کام بنا ہوا تھا، دیوارین پختہ اینٹ کی بنی ہوئی تھین اور گارے سے جڑی ہوئی تھین، اور اندرونی دیوار کے اوپر تارکول لگا ہوا تھا تاکہ پانی نہ اثر کر سکے، حوض کے متصل ایک نالہ بنا ہوا تھا جس پر چھ انچ اونچا پل بندھا ہوا تھا، اور اس نالے کے ذریعہ سے حوض کا پانی شہر کے باہر بہایا جاتا تھا، اسی

حمام کے قریب اُسی کے مشابہ ایک اور حمام بھی تھا لیکن وہ شکستہ ہو چکا تھا،

اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے مکانات اور دوکانین دریافت ہوئین، کلدانیون کے شہر اُر مین بھی اسی قسم کی عمارتین نکلی ہین، لیکن یہ موہنجو دارو کی عمارتون کا مقابلہ نہین کرسکتین، بالخصوص وہان ایسے نالے نہین پائے جاتے جو مختلف حمامون سے گندے پانی کو ایک حوض مین جمع کرکے شہر کے باہر بہادین،

وضع لباس | پالی زبان مین روئی کو "سدھو" اور یونانی زبان مین "سندن" کہتے ہین، اور ان دونون الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وادی نہر سندھ روئی کی کاشت کا اصلی مرکز تھا، اور اس لحاظ سے یہان صنعت پارچہ بافی کو خاص طور پر فروغ حاصل تھا، اور ان نو دریافت شہرون کے کھنڈرون مین کپڑون کے جو بعض ٹکڑے ملے ہین، اون سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ مرد کمر مین دھوتی باندھتے تھے، اور سادہ یا زربفت کے کام کی چادر شانے پر ڈالتے تھے، اور داڑھی اور مونچھ کبھی کبھی مونڈ ڈالتے تھے، اور کبھی کبھی رکھ لیتے تھے، سر کے بال کو اکھٹا کرکے جوڑا باندھتے تھے۔ لیکن ایک عورت کا ایک ایسا مجسمہ ملا ہے جسکے بال دونون شانون پر بکھرے ہوئے ہین، تاہم یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہ اس وقت کی عام وضع تھی، لیکن ادنیٰ طبقے کے لوگ بالکل برہنہ رہتے تھے، اور عورتین صرف اس قدر کپڑا استعمال کرتی تھین، جس سے اون کی ستر پوشی ہو سکے، بلکہ ایک رقاصہ کا مجسمہ بالکل برہنہ حالت مین پایا گیا، لیکن ہر طبقہ کے مرد اور عورت مختلف قسم کے زیور مثلاً ہار، انگوٹھی اور جنیو استعمال کرتے تھے، البتہ پازیب عورتون کا مخصوص زیور تھا،

مویشی | بیل بھینس، بکری، سور، کتا، گھوڑا، اور ہاتھی، ہندوستانیون کے پالو جانور تھے، اونٹ اور بلی کا پتہ نہین چلتا، جنگلی جانورون مین چیتے اور ہاتھی کا پتہ چلتا ہے، شیر کا نہین چلتا،

زراعت | زراعت اور آبپاشی کے طریقون کا جو پتہ چلا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہے، البتہ موہنجو دارو مین گیہون کے جو اقسام دریافت ہوئے ہین، وہ وہی ہین جو اب تک پنجاب مین پائے جاتے ہین لیکن سالانہ بارش اوس سے زیادہ ہوتی تھی، جسقدر سندھ اور پنجاب مین اب ہوتی ہے،

غذا ان دونون شہرون کے باشندون کی غذا یہ تھی، دودھ، روٹی، گائے، بکری اور سور کا گوشت مچھوا نہر سندھ کی تازی مچھلی، اور خشک مچھلی جو سمندر سے آتی تھی، اور اس کا ثبوت اون مختلف قسم کی ہڈیون سے ملتا ہی جو مختلف گھرون مین پائی جاتی ہین،

زیورات امرار سونے، چاندی، ہاتھی دانت، عقیق، یشب اور مختلف رنگین پتھرون کا زیور پہنتے تھے لیکن غریب لوگ سیپ وغیرہ کے زیورات استعمال کرتے تھے، چنانچہ اس قسم کے ہار، بالیان اور خالص سونے کی سوئیان بکثرت دستیاب ہوئی ہین، اور اس قدر صاف وشفاف ہین، کہ اس زمانے کے بڑے بڑے سونار اون پر فخر کرسکتے ہین،

اوزار اور ہتھیار سونے چاندی کے علاوہ اور بھی بہت سی دھاتین مختلف کامون مین استعمال کی جاتی تھین، مثلاً ہتھیار اور خانگی استعمال کے برتن اور آرایش کے سامان پتیل سے بنائے جاتے تھے اور اوس کو مغرب مین بلوچستان، مشرق مین راجپوتانہ اور شمال مین افغانستان سے لاتے تھے، البتہ قلعی ہندوستان مین کمیاب تھی، اسلئے غالبًا وہ خراسان وغیرہ سے لائی جاتی تھی، لیکن خالص قلعی کا استعمال نہین کرتے تھے، بلکہ اوسمین پتیل ملاکر کانس بناتے تھے، اور اوس سے تیز ہتھیار مثلاً آرہ، چھوٹے چھوٹے مجسمے اور معمولی زیور بناتے تھے، اگرچہ کانس کو خالص پتیل پر تفوق حاصل ہے، تاہم چونکہ وہ ایک کمیاب دھات تھی، اسلئے اوس کا استعمال بہت کم ہوتا تھا،

لیکن جو اوزار اور ہتھیار دستیاب ہوئے ہین، اون کی نوعیت صرف چند پھاوڑون، تبرون، تیرون، اور نیزون سے متجاوز تھین، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان شہرون کے باشندے جنگجو اور مرد میدان نہ تھے، اس کے ساتھ بہت سے پتھر کے اوزار بھی دستیاب ہوئے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر حجری کی یادگارین بھی اون مین موجود تھین یہ لوگ سمندر کے کنارے سے سیپ بھی لاتے تھے، اور اسکو مختلف زیورات مین استعمال کرتے تھے،

برتن لیکن گھر کے معمولی برتن زیادہ تر مٹی کے ہوتے تھے جنکی شکلین مختلف ہوتی تھین، اور ادن مین صنعتی نفاست پائی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صنعت اون مین نہایت قدیم زمانے سے پائی جاتی تھی، اور اس

اوس پر اسقدر زمانہ گذر چکا تھا کہ اوسمین نفاست اور پختگی آگئی تھی، لیکن اون مین اگرچہ چند برتن منقش اور رنگین ہوتے تھے، لیکن زیادہ تر تعداد سرخ اور غیر منقش برتنون کی تھی، اوران پر جو نقش ونگار بنائے جاتے تھے، وہ زیادہ تر ہندسون کے اعداد اور بعض جانورون کی تصویرون سے تعلق رکھتے تھے، موہنجو دارو مین ایک برتن ایسا بھی ملا ہی جس پر سرخ سیاہ اور سفید نقش بنا ہوا تھا،

تحریر و کتابت ہر عمارت مین کچھ مہرین بھی ضرور ملتی ہین اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہان کے باشندے فن تحریر سے واقف تھے، اور غالباً اوس سے تجارتی کاروبار مین کام لیتے تھے، لیکن یہ مہرین صرف پختہ مٹی پر ملی ہین، اس لئے ہم یہ نہین بتا سکتے کہ اوس کے علاوہ وہ اور کن کن چیزون پر لکھتے تھے، لکڑی اور بعض درختون کی چھال سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا، (مقتطف بابت فروری ۱۹۳۲ء) "ع"

محقق طوسی

بعض مذہبی خیالات اور بعض سیاسی واقعات نے اگرچہ محقق طوسی کو عام اسلامی جماعت مین سخت بدنام کردیا ہے، تاہم اون کی علمی خدمات سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، بالخصوص ہلاکو خان کے دربار مین ایک رکن سلطنت کی حیثیت سے اونھون نے جو اہم علمی خدمتین کی ہین، اون کا احسان مسلمانون کے سر پر ہمیشہ رہے گا،

محقق موصوف ۵۹۷ھ مین بمقام طوس پیدا ہوئے، اور کمال الدین بن یونس موصلی، اور معین المعین سالم بن بدران المعتزلی سے جو امامیہ مذہب رکھتے تھے، تعلیم حاصل کی، تعلیم حاصل کرنے کے بعد غالباً معاش کی ضرورت یا سیاسی اغراض سے وہ اکثر قہستان اور بغداد کا دورہ کیا کرتے تھے، اور اس سلسلے مین انھون نے معتصم کی مدح مین ایک قصیدہ بھی لکھا تھا، لیکن معتصم کے ایک وزیر نے اوسکو اپنی ذاتی مصلحت کے خلاف سمجھا، اور حاکم قہستان کے پاس کہلا بھیجا کہ محقق موصوف کی نگرانی کرنی چاہئے، بہرحال اس حالت مین ایک مدت تک اونھون نے قلعہ موتی مین زندگی بسر کی، اور اسی قلعہ مین انھون نے ریاضی کی اکثر کتابین لکھین، غالباً یہ محقق موصوف کی

نظر بندی کا زمانہ تھا، جو ساتوین صدی کے نصف حصّے تک قائم رہا، لیکن اوسکے بعد ہلاکو خان نے محقق موصوف کی نہایت قدر و منزلت کی، اور انکو اپنے ممالک مقبوضہ کے تمام اوقاف کا متولی بنادیا، اور محقق موصوف نے اوقاف کی آمدنی سے ایک نہایت عمدہ کتبخانہ قائم کیا، جسمین تخمیناً چار لاکھ کتابین جمع کین مشہور ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد وغیرہ پر حملہ کیا تو اس حملے مین بغداد و شام کا تمام علمی سرمایہ ضایع ہوگیا اور اسقدر کتابین دریا برد کیگئیں کہ مورخین کا بیان اگر مبالغہ آمیز نہ سمجھا جائے تو دجلہ کا تمام پانی سیاہ ہوگیا، لیکن محقق موصوف کا سب سے بڑا علمی احسان یہ ہے کہ اس غارتگری مین جو کتابین برباد ہوئی تھین، اونکا بچا کھچا حصہ انھون نے اس کتبخانہ کے ذریعہ سے محفوظ کرلیا، اور اسمین زیادہ تر وہی کتابین جمع کین، جو اس لوٹ مار مین ہاتھ آئی تھین،

ان اوقاف کی آمدنی سے اونھون نے دوسرا علمی کام یہ کیا کہ مراغہ مین ایک رصدگاہ قائم کی جس مین علم ہیئت کے متعلق نہایت عمدہ آلات جمع کئے اور بڑے بڑے ریاضی دانون کو اس علمی کام کے لئے مامور کیا، چنانچہ خود محقق موصوف نے زیچ الایلخانی مین لکھا ہے کہ مین نے رصدگاہ کے قائم کرنے کے لئے حکما کی ایک جماعت کو جمع کیا، مثلاً دمشق سے موید عرضی کو، موصل سے فخر مراغی کو تفلیس سے فخر خلاطی کو اور نجم دبیران قزوینی کو، اور ہم سب نے ۶۵۷ھ مین اس رصدگاہ کی بنیاد ڈالی، آثار باقیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محی الدین مغربی بھی اس علمی جماعت مین شامل تھے، اور اون کے شامل ہونے کی تقریب یہ ہوئی کہ جب ہلاکو خان نے حلب پر قبضہ کیا، تو اوس نے ایک شخص کی آواز سُنی، جو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ مین نجم ہون۔ ہلاکو خان کو محقق موصوف کے علمی ذوق اور اس رصدگاہ کے قیام کا حال معلوم تھا اسلئے اوس نے اون کو فوراً مراغہ مین محقق موصوف کی خدمت مین بھیج دیا، اور وہ اس علمی جماعت مین شامل ہوگئے،

ان خدمات کے ساتھ محقق موصوف ذاتی طور پر ایک خاص علمی آدمی تھے، اور ہمیشہ تحقیق و مطالعہ مین مصروف رہتے تھے، اونھون نے عربی اور فارسی مین نہایت کثرت سے کتابین لکھی ہین، اور عقلی علوم مین سے تقریباً ہر فن مین لکھی ہین، لیکن اون کی شہرت زیادہ تر علوم ریاضیہ مین ہے، اور انھون نے اس علم کی ہر شاخ پر اس کثرت سے کتابین لکھی ہین، جنکے نامون کی تفصیل کے لئے کئی صفحے درکار ہین، لیکن محض نامون سے ناظرین معارف کی

دلچسپی مین کوئی اضافہ نہین ہوسکتا، اسلئے ہم اُن کی خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہین،

(۱) ان تصنیفات کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اوّل اوّل علم مثلثات مین اُنھون نے ایک مستقل علم کی حیثیت سے کتاب لکھی،

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہو کہ اُنھون نے اس علم کے متعلق چند واضح اور آسان نظریے قائم کئے،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اُنھون نے بعض مشہور ریاضی دانون مثلاً ثابت اور ابوالوفا کے نظریات کا اقتباس ان کتابون مین شامل کیا،

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہو کہ یورپ نے بھی ان تصنیفات کی قدر کی اور ان مین بعض کتابون کے ترجمے فرنچ اور اٹالین زبانون مین ہوئے،

محقق موصوف نے ۶۷۲ھ مین بمقام بغداد وفات پائی اور مشہد کاظم مین دفن ہوئے (مقتطف بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء)

"ہماری بغاوت کے اسباب"

"ع"

عنوان بالا کے ماتحت حال مین "نیولیڈر" نے ایک انعامی مقالہ شایع کیا ہے، نوجوانون کے ایک بڑے گروہ مین موجودہ نظام سرمایہ داری کے خلاف جو شورش برپا ہے، یہ مضمون اسی کی ترجمانی کرتا ہے "نیولیڈر" انگلستان کی مزدور جماعت کا ایک اخبار ہے لیکن سرمایہ داری سے بیزاری کے جو اسباب مقالہ نگار نے پیش کئے ہین، وہ ضرور قابل لحاظ ہین، امید ہو کہ اس مضمون کا ترجمہ ناظرین کے لئے دلچسپ ہوگا :-

"ہم غیر مطمئن ہین، محض اس بنا پر کہ بعض چیزین وجود رکھتی ہین، ہم خواہ مخواہ انھین قبول نہین کرسکتے، شاید ہم نوجوان لوگ سادہ دل ہوتے ہین، تاہم کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ہم نظام سرمایہ داری کے اصول کو یہ سمجھ کر قبول کرلین، کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام ہو ہی نہین سکتا، اسی طرح ایک ایسے نظام کے امکان سے انکار کرنے کی بھی کوئی علّت نظر نہین آتی، جو نسبتۃً اصول عدل سے قریب تر ہو، چونکہ ہم یقین کرتے ہین کہ ایک بہتر نظام ممکن ہے، اس لئے ہمین اُس انقلاب کا خوف نہین ہے، جس کا ہر اس موجودہ دور مین لوگون

کے دل و دماغ پر مستولی ہے"

ہم نظام سرمایہ داری سے برگشتہ ہین، کیونکہ یہ ایک متمدن قوم کے نظام معیشت مین ناکام ثابت ہوئے اسکی ناکامی اخلاقی بنیاد پر مبنی ہے، لاکھون اشخاص ایسے ہین جو کام کی تلاش مین ہین لیکن انھین کوئی کام نہین ملتا، ایسے لوگ بھی ہین جنھین کام تو ملتا ہے مگران کی محنت کا پورا معاوضہ نہین ملتا، برخلاف اس کے بہتیرے وہ لوگ ہین، جو کچھ کام نہین کرتے، لیکن عیش و عشرت مین زندگی بسر کر رہے ہین، بنیادی ناانصافی یہ ہے کہ کام کرنے کیلئے آمادہ ہونے ہی سے کوئی شخص کام پانے اور وسائل معیشت کو حاصل کرنے کا مستحق نہین ہوجاتا، ان وسائل پر تصرف انھی چند افراد کو حاصل ہے، جو اس حق معیشت کو سب سے زیادہ قیمت ادا کرنے والون کے ہاتھ فروخت کرتے رہتے ہین،

لیکن سرمایہ داری کی اخلاقی کمزوریان اس کی اقتصادی کمزوریون سے علٰحدہ نہین کیجا سکتین، ایک بے روزگار نان بائی دیکھتا ہے کہ اُس کی بے روزگاری کا سبب کچھ تو یہ ہے کہ اُس کے ہم پیشہ دوسرے نان بائی زیادہ سامان تیار کرنے لگے ہین، اور کچھ یہ کہ اُس جیسے بے روزگار لوگون مین خریداری کی استطاعت کم ہوگئی ہے، چنانچہ وہ مشینری اور بے روزگاری کو دنیا کے لئے عذاب الٰہی تصور کرنے لگتا ہے،

بے روزگاری کا سبب یہ ہے کہ لوگون مین سامان معیشت پیدا کرنیکی قوت بمقابلہ پہلے کے اب زیادہ ہوگئی ہے، لیکن اس کے استعمال کی استعداد (یعنی آمدنی) مین اُسی مناسبت سے ترقی نہین ہوئی ہے، جیسا کہ بارہا کہا جاچکا ہے، "نظام سرمایہ داری نے پیداوار کا مسئلہ تو حل کر دیا ہے، لیکن تقسیم کے مسئلہ مین یہ ناکامیاب ثابت ہوا، مزدور سب کی ضروریات کے لئے کافی سامان پیدا کر دیتے ہین، لیکن خود اپنی ضروریات پوری نہین کرسکتے، کیونکہ جو معاوضہ اُنھین ملتا ہے، وہ اس بات کے لئے کافی نہین ہوتا کہ خود اپنی پیدا کی ہوئی چیزین خرید سکین،

ضرورت سے زیادہ جو سامان ہوتا ہے، وہ ان ملکون مین بھیج دیا جاتا ہے، جہان صنعت و حرفت پر زور نہین دیا جاتا، مختلف ممالک اپنے اپنے فاضل مال کو ان غیر صنعتی ملکون کے بازارون مین نکالنے کی کوشش کرتے ہین، اسمین جھگڑے پیدا ہوتے ہین، توسیع سلطنت کا خیال ظہور پذیر ہوتا ہے اور بالآخر نوبت جنگ کی آتی ہے،

غیر صنعتی ممالک اس فاضل مال کے عوض خود کوئی مال نہیں دیتے، یہ ضرور ہے، کہ وہ بھی اپنا مال صنعتی ملکون کے مال کے عوض باہر بھیجتے ہین، لیکن یہ مال اُن کے لئے فاضل نہیں ہوتا، اور نہ اُس فاضل مال کا بدلہ ہوتا ہے، جو صنعتی ملکون سے اون کے بازارون مین آتا ہے،

جب تک دنیا کا بازار پھیلتا رہے گا، یہ نظام بھی نسبتہً کامیابی کے ساتھ جاری رہے گا، لیکن دنیا کا بازار غیر محدود حد تک پھیلتا نہ جائے گا، وقت آرہا ہے جب اس کی وسعت اپنی انتہائی حد تک پہنچ چکے گی، اس وقت تمام تجارتی ملکون کو معلوم ہوجائے گا، کہ اُن کی منڈیان ختم ہوچکین، فاضل مال گوداموں مین پڑا ہوا ہے قیمتین کم ہوگئین، پیداوار گھٹ گئی، بے روزگاری بڑھتی جارہی ہے، خود اپنا ملکی بازار بھی سرد پڑ رہا ہے، اور پہلے سے زیادہ فاضل مال کا ڈھیر لگ گیا ہے، یہ وقت ہوگا جب منافع کم ہوجائیگا ٹیکس کی آمدنی گھٹ جائے گی، بے روزگاری کو دور کرنے کے مصارف بڑھ جائین گے، بجٹ کا توازن قائم نہ رہے گا، دنیاے مالیات کا اعتبار جاتا رہے گا، اور اس اعتبار کے ساتھ پورا نظام درہم دبرہم ہوجائے گا،

مزدورون کو جو اجرت ملتی ہے، وہ اس قدر ناکافی ہوتی ہے، کہ اوس سے وہ خود اپنی پیدا کی ہوئی چیزین بھی خرید نہین سکتے، سرمایہ داری کے اس نظام اجرت کو توڑنا ضروری ہے، ہمین مال اس لئے نہ پیدا کرنا چاہئے کہ اُسے فروخت کرکے اوس کی آمدنی سرمایہ دار اور مزدور مین تقسیم کردی جائے، بلکہ پیداوار کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اوس کے ذریعہ سے تمام افرادِ قوم کی ضرورتین پوری ہوتی رہین، سرمایہ داری کے خلاف ہماری بغاوت کے اسباب یہ ہین کہ اوس کے نتائج نے ہمین بیزار کرکے نہ صرف ایک تخریبی تنقید پر مجبور کیا ہے، بلکہ ہم مین تعمیری کام کی بھی خواہش پیدا کردی ہے، اور ہم امید کرتے ہین، کہ ایک بین الاقوامی اشتراکیت قائم کرلین گے،

"ع ز"

اخبار علمیہ

میسور میں چھ ہزار سال کے آثارِ قدیمہ

اسٹیٹسمین کی اطلاع ہے کہ ریاست میسور میں چتالدرگ کے قریب جو وادی چندراولی میں واقع ہے نہایت اہم آثار قدیمہ دستیاب ہوئے ہیں، وہاں کی زمین کھودنے سے متعدد طبقاتِ ارض کا پتہ چلا ہے جو کسی زمانہ میں آباد تھے، ان میں سے بعض آٹھ سو اور بعض چھ ہزار سال قدیم ہیں، ان آثار کی اہم ترین چیزوں میں راجہ میورا سرمن (MAYURASARMAN) کا ایک کتبہ ہے جو ایک چٹان پر لکھا ہوا ہے، یہ پراکرت زبان میں ہے اور اسکا سنہ کتابت ۲۵۰ء خیال کیا جاتا ہے، اسمیں راجہ نے متعدد سربرآوردہ فرمانرواؤں پر جنمیں سے بعض اُس وقت شمالی ہند میں شہرت رکھتے تھے، اپنی فتحیابی کا ذکر کیا ہے، اکتشافات کو دیکھنے سے چھ مختلف طبقوں کے آثار معلوم ہوتے ہیں، پست ترین طبقہ میں عہد حجری اور عہد آہنی کے لوگوں کے آثار ملے ہیں، اس زمانہ کے مٹی کے برتنوں سے جو برآمد ہوئے ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ فن کوزہ گری میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے، یہ چیزیں زیادہ تر قبرستان کے قریب پائی گئی ہیں جہاں کثرت سے سنگی تابوت بھی دستیاب ہوئے ہیں، اُن کے علاوہ چقماق اور دوسرے اقسام کے پتھروں کے بنے ہوئے مختلف آلات اور اوزار بھی ملے ہیں جو اپنی صنعت کے لحاظ سے بہت خوب ہیں، ان میں سے چاقو کے پھل اور کھرپے زیادہ صفائی سے بنے ہیں، بعض حصوں میں پتھر اور دھات دونوں طرح کے آلات برآمد ہوئے ہیں، ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ اب سے چھ ہزار سال قبل کے ہیں، اس طبقہ سے اوپر جو طبقہ ہے اس کی قدامت کا اندازہ دو ہزار سال سے تین ہزار سال تک کیا جاتا ہے، اس میں علاوہ مٹی کے برتنوں کے ایک سنگی نہر پائی گئی ہے جس کی چھت محرابی ہے، اس میں اینٹ کا بنا ہوا ایک نل لگا ہے جس کا قطر پانچ

رنج ہے، پانی اس نل سے ہو کر ایک خوبصورت سنگی حوض مین گرتا تھا، اس طبقہ کے آثار سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تقریبًا ڈھائی ہزار سال قبل وہان خاندان ستاواہن (SATAVA HANS) حکمران تھا، اس مین شبہہ نہین کہ اس مقام پر ان لوگون کا ایک شہر آباد تھا، کیونکہ وہان ایسے متعدد سکے اور مہرین ملی ہین جنپر ان راجاؤن کے نشانات ہین، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے خوبصورت مجسمے اور دوسری چیزین سونے اور ہاتھی دانت کی بنی ہوئی اُن جگہون مین پائی گئی ہین جنکی ظاہری شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہان کسی ستاواہن راجا کا محل رہا ہوگا، لیکن ان سب سے بالاتر وہ طبقہ ہے جو خاندان ہوئسلا (HOYSALA) کے نام سے موسوم ہے، یہ مشہور خاندان گیارہوین اور تیرہوین صدی عیسوی کے درمیان میسور مین حکومت کرتا تھا، وہان بھی بہت سے سکے، مجسمے اور دوسرے آثارِ قدیمہ دستیاب ہوئے ہین،

ترکی صحافت کی تاریخ

اب سے چند ماہ قبل قسطنطنیہ مین صحافت کی صد سالہ یادگار کے سلسلہ مین ایک نمایش منعقد کیگئی تھی مینچسٹر گارجین کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ترکی مین صحافت کی بنیاد اول اول دو غیر ملکی اشخاص نے رکھی جنمین سے ایک فرانسیسی اور دوسرا انگریز تھا، لیکن اس تحریک کا اصل محرک اور سرپرست سلطان محمود ثانی تھا جس نے اپنی فہرستِ اصلاحات مین صحافت کو شامل کرکے ایک فتوی اس مضمون کا شائع کرایا کہ اخبارات شرعًا ناجائز نہین اور ان سے ملک کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے، سب سے پہلے جس کو اخبار نکالنے کی اجازت ملی وہ بلیک بے (BLACQUEBEY) نامی سمرنا کا ایک فرانسیسی تھا اور پہلا ترکی اخبار "تقویم وقائع" اسی کے اخبار "مونیٹر اوٹومن" (MONITEUR OTTOMAN) کا ترکی اڈیشن تھا، یہ استنبول سے شائع ہوتا تھا اور اس کا پہلا نمبر ۱۳ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو نکلا تھا، اس کے بعد ہی چرچل (CHURCHILL) نے جو انگلستان کے اخبار مورننگ ہرلڈ کا نامہ نگار تھا، اجازت حاصل کی، یہ اجازت جس طریقہ سے حاصل کی گئی وہ بھی تاریخِ صحافت مین ایک نہایت عجیب واقعہ ہے، ایک روز شکار مین اتفاقًا چرچل کے ہاتھ سے ایک ترکی بچہ

زخمی ہوگیا، اس جرم مین وہ قید کردیا گیا، اس وقت سلطنت ترکی مین غیر ملکی باشندون کو بعض مخصوص حقوق حاصل تھے، چنانچہ اُن کے لیے علحدہ عدالتین بھی قائم تھین جنمین اُنھی کے ہم قوم جج اور مجسٹریٹ ہوا کرتے تھے، چونکہ چرچل کی گرفتاری اور قید بغیران عدالتون کے وسیلہ کے عمل مین آئی تھی اس لیے اُن تمام حکومتون نے جنکو یہ حقوق حاصل تھے نہایت زور کیساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور بالآخر سلطان نے چرچل کو رہا کرکے یہ فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھ تلافی مافات کردینی چاہئے، چرچل نے ایک اخبار نکالنے کی اجازت چاہی، اور اوسکو یہ اجازت عطا کی گئی، چنانچہ اس اجازت کی بناپر دوسرا ترکی اخبار "جریدہ حوادث" ۱۸۴۵ء مین جاری ہوا، یہی زمانہ جنگ کریمیا کا تھا، "جریدہ حوادث" مین سرکاری اطلاعات و بیانات شائع ہوتے تھے اور یہ پہلا اخبار تھا جس نے ترکون مین اخباربینی کا ذوق پیدا کیا، لیکن ترکی صحافت ہنوز تمامتر حکومت ہی کے زیر اثر تھی، اعیاپے جو پہلے ایک صوبہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا، پہلا ترک تھا جس نے صحیح معنون مین ایک ترکی اخبار جاری کیا، یہ اخبار جسکا نام "ترجمان" تھا اور جو ۱۸۵۸ء مین جاری ہوا پہلا ترکی اخبار تھا جو حکومت یا غیر ملکی اشخاص کی مدد کے بغیر صرف ترکون کے روپیہ سے نکلا اور جس نے ترکی قوم کے خیالات کی ترجمانی کو اپنا نصب العین قرار دیا، "ترجمان" کے اجرا سے ترکی صحافت کا دور جدید شروع ہوتا ہے کیونکہ اُس کے بعد ہی سیاسی خیالات کی وہ رو جو یورپ مین تیزی کیساتھ پھیل رہی تھی ترکی مین بھی پہنچی اور وہان کے اخبارات مین روز بروز سیاسی آزادی کا رنگ غالب نظر آنے لگا،

برٹش میوزیم مین چند جدید فارسی و عربی مخطوطات،

حال مین برٹش میوزیم نے عربی اور فارسی کے دس نادر قلمی نسخے حاصل کئے ہین جنمین سے ایک عربی اور نو فارسی ہین، فارسی مخطوطات مین بہترین حضرت فریدالدین عطارؒ کے کلیات ہین جنکے صفحات زرین نقش و نگار سے آراستہ ہین، دوسرے نسخے حسب ذیل ہین :-

(۱) غزلیات امیر خسرو، مکتوبہ سلطان علی مشہدی، مشہور خوشنویس ۸۶۰ھ (۱۴۶۰ء)

(۲) منظومات امیر خسرو، منقولہ ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء)

(۳) امیر خسرو کی دو نظمیں "ہشت بہشت" و "آئینۂ اسکندری" انیس رنگین تصویرون کے ساتھ، سترہوین صدی مین نقل کیگئین،

(۴) "ہفت اورنگ" جامی، مع رنگین تصاویر، منقولہ ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء)

(۵) مثنوی "گل و نوروز" از جلال طبیب، ابتدائی سولھوین صدی مین لکھی گئی،

(۶) غزالی مشہدی کی ایک عارفانہ فارسی نظم جو ۱۶۰۱ء مین نقل کیگئی،

(۷) دیوان غنی، اٹھارہوین صدی،

(۸) اٹھارہوین صدی کا ایک نسخہ جسمین علم ہیئت پر دو فارسی رسالے ہین،

(۹) کتاب زبور عربی زبان مین، اٹھارہوین یا ابتدائی انیسوین صدی کی لکھی ہوئی،

ان کے علاوہ ابوعبداللہ المصعب ابن عبداللہ ابن المصعب کی تالیف "انساب القریش" کا ایک نفیس نسخہ بھی میوزیم کو دستیاب ہوا ہے، اس مین قریش کے نسب اور اسلام سے قبل عربون کی تاریخ سے متعلق بہت مفید معلومات ہین، جہانتک معلوم ہے اس کتاب کا صرف ایک اور قلمی نسخہ موجود ہے، اور وہ بوڈلین لائبریری مین ہے، لیکن یہ نسخہ بوڈلین کے نسخہ سے کسی قدر مختلف اور غالباً قدیم تر بھی ہے، یہ ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) مین نقل کیا گیا ہے،

"ع ز"



ادبیات

جنونِ بہار

ازجناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان طاہر،

گہ مست فتد برگل و گہ بر سرِ خارے دیوانہ شد از جلوۂ حُسنِ تو بہارے

در یادِ کسے مشغلہ ام جامہ دریدن دست است بہ کارے و دلم در کفِ یارے

ہر شام چو مشاطہ بہ آرایشِ زُلفت ہر صبح بود حسنِ ترا آئینہ دارے

او مضطرب از شوخی و من از تپشِ دل آنسوے نہ تاب است و نہ این سوے قرارے

خواہی کہ بہ عرفان برسی ترکِ خودی کن این نکتہ خوشش آمد زلبِ بادہ گسارے

کیفے عجب از نرگسِ مخمورِ تو دارم صد میکدہ قربان اگر این ست خمارے

در پیشِ جمالِ تو زنم نالہ و رقصم از نغمۂ خود مست چو بُلبُل بہ بہارے

طاہر دلِ روشن طلب از جلوۂ ایمان

کے روشنیِ شمع رسد زیرِ مزارے

نوائے شعلہ ریز

ازمرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی علیگ، اعظم گڈھ

لئے ہوئے تجلیاں نظر ہو حسنِ یار کی نہ کچھ خزاں کا خوف اب نہ فکر کچھ بہار کی

ترے نشاطِ دردنے مجھے وہ دی ہین نعمتین
نثار جس پہ راحتین حریمِ شہریار کی

بلند کر ذرا ابھی اکچھ اور ذوقِ عاشقی
فضاے غم مین دیکھ پھر تجلیان بہار کی

ہر ایک ذرہ رو کشِ جمالِ برقِ طور ہو
اڑا کے دیکھ اے صبا چمک مرے غبار کی

درِ حرم پہ بیٹھکر، نصیب اہلِ ہوش کو
کہان وہ سجدہ ریزیان، جبینِ بادہ خوار کی

اٹھالے ایک جامِ مے جو دیکھنا ہے رازِ دہر
کہ جستجو ہے سب عبث نگاہِ ہوشیار کی

دماغ و دل مین بھر دیے شرارہ ہاے برق پاش
نواے شعلہ ریز نے، اک عندلیبِ زار کی

دُنیاے آرزو،

از جناب دردؔ شاہجہان پوری،

چشمِ کرم ہے سلسلہ جنبانِ آرزو
اب دیکھنا ہے وسعتِ دامانِ آرزو

ناکامیٔ نگاہ بھی ہمت شکن نہین
کیا دلفریب ہے چمنستانِ آرزو

اے دل ہر اک نفس نفسِ جانگداز ہو
دیکھ مآلِ کاوشِ پیکانِ آرزو

بزمِ نیاز و ناز ہے پیشِ نگاہِ شوق
کتنا نظر فریب تھا عنوانِ آرزو

اللہ ری دلفریبیٔ رعنائیٔ خیال
ہر ذرہ کوے عشق کا ہے جانِ آرزو

اب جوشِ اضطراب ہی وجہِ سکونِ دل
سرمایۂ قرار ہے پیکانِ آرزو

پنہان ہے ذرہ ذرہ مین دنیاے اضطراب
دیکھے تو کوئی خاکِ شہیدانِ آرزو

تڑپا رہا ہے اور یہ اندازِ بے رُخی
دل تو یون ہی تھا شعلہ بدامانِ آرزو

لے جائے گی کہان مجھے وارفتگیٔ شوق
ہر ہر نفس ہے سلسلہ جنبانِ آرزو

دیکھا تو اک طلسمِ فریبِ خیال ہے
اب تک سمجھ رہے تھے جسے جانِ آرزو

ناکامیٔ نصیب کا اے دردؔ کیا گلہ
مین ہون ازل سے شعلہ بدامانِ آرزو

باب التقریظ والانتقاد

کلیات عزیز

یعنی

مجموعۂ کلام جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز مرحوم، ضخامت ۵۰۰ صفحے

قیمت مجلد ؎، غیر مجلد ؏، پتہ: خواجہ وصی الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر، عزیز منزل، لکھنؤ،

جناب خواجہ عزیز الدین صاحب مرحوم ہندوستان کے اس آخری دور مین جبکہ فارسی شاعری کا چراغ بالکل گل ہو چکا تھا، فارسی زبان کے باکمال شاعر تھے، اور اس خصوصیت کی وجہ سے، بقول مولنٰنا حبیب الرحمان خان شروانی "لکھنؤ کی سبزی منڈی مین خواجہ صاحب کی بارہ دری گویا خیابانِ شیراز تھی انسان وہان پہنچتا تو حافظ و سعدی کے کمال کی مہک پاتا"، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی تک اس خیابانِ شیراز کی مہک صرف اسی بارہ دری یا زیادہ سے زیادہ لکھنؤ کے قیصر باغ اور وکٹوریہ پارک تک محدود رہی ہندوستان کے اور حصے اس نسیمِ عطر بیز کے جھونکون سے محروم رہے اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم کے تلامذہ نے اس طبلۂ عطار کو کھولنا چاہا، اور ان کے سوانح و اشعار شائع کرنے چاہے، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی کسر نفسی سے یہ غنچۂ ناشگفتہ ناشگفتہ ہی رہا، چند پنکھڑیون نے بے شبہہ پر و بال نکالے یعنی اُن کے تلامذہ و معتقدین نے ان کے چند قصیدے اور چند مثنویان زبردستی طبع کرا دین، تاہم خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی مین اُن کے تمام کلام کا مکمل گلدستہ رونق بزمِ کمال نہ ہو سکا، اور قدر دانون کی نگاہین بہارستانِ فارس کا یہ دلکش منظر نہ دیکھ سکین، لیکن اب خواجہ صاحب

مرحوم کے خلف الرشید جناب خواجہ وصی الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر نے ان کے تمام کلام کا مکمل مجموعہ نہایت کد و کاوش کیساتھ چھپوا کر شائع کیا ہے، اور اس کاوش و جستجو سے غالباً خواجہ صاحب مرحوم کا اکثر کلام دست برد زمانہ سے محفوظ ہو کر، ایک کتاب کی صورت مین ہمارے سامنے آگیا ہے جس کی ضخامت پانچسو صفحات سے زائد ہے، اسی کے ساتھ موجودہ دور کے بعض ذوق شناسان شعر فارسی یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک گرامی نامہ بھی ابتدا مین درج کیا گیا ہے، جس مین اختصار کیساتھ خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر معنی خیز تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی کا مقدمہ ہے، جسمین خواجہ صاحب مرحوم کے سوانح و حالات نہایت دلچسپ ذاتی مشاہدات کے حوالے سے لکھے گئے ہین، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلام سے مختلف اصناف سخن کے انتخابات درج کئے گئے ہین، ان معنوی دلفریبیون کے ساتھ کتاب ظاہری حیثیت سے بھی نظر فریب ہے، چنانچہ شروع مین خواجہ صاحب مرحوم اور ان کی مسکونہ بارہ دری وغیرہ کے چند فوٹو شامل ہین اور اخیر مین خود خواجہ وصی الدین صاحب کا فوٹو اس مقولہ کی یاد دلاتا ہے کہ "اول بآخر نسبتے دارد"

ان مراتب سے گذرنے کے بعد اصل کلیات کی ترتیب شروع ہوتی ہے، جس کی ابتدا غزلون سے کیگئی ہے اس کے بعد قصائد، قطعات، مخمس اور ہفت بند سب ایک سلسلے مین درج کئے گئے ہین، پھر مثنویان شروع ہوتی ہین، اور انھی کے سلسلے مین ان کی تشریحات بھی درج ہین جنکے صفحے الگ دیئے گئے ہین، پھر تاریخی قطعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس کے بعد رباعیون کی باری آتی ہے، پھر تقریبات وغیرہ کے مختلف رقعات درج کئے گئے ہین، اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائے مشق کی غزلین سامنے آتی ہین، پھر متفرق نظمون کی باری آتی ہے، جسمین مخمس، نعتیہ غزلین، قطعات تاریخ، نعتیہ قصیدے، مسدس، مرثیے، رقعے سب کچھ شامل ہین، پھر ابتدائی کلام کا بقیہ حصہ شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد مثنوی گلگشت کشمیر یا منزل نامہ ہے اور اسی سلسلے مین اسکی تشریحات بھی داخل ہین، ان سب کے بعد نثر کا حصہ ہے، جو زیادہ تر مکتوبات پر مشتمل ہے، اخیر مین وہ تاریخی قطعات درج ہین جو خواجہ صاحب مرحوم کی وفات پر مختلف شعرا نے لکھے ہین

لیکن افسوس ہے کہ یہ ترتیب قابل اطمینان نہین ہے، چنانچہ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی اپنے مقدمہ مین تحریر فرماتے ہین،

"اہل نظر ترتیب کلیات دیکھ کر مسرور نہ ہونگے مگر یہ ثبوت ہے خواجہ وصی الدین کی مشکلات کا اور اُس دشواری کا جو حصولِ کلام و ترتیب مین پیش آئی":

معنوی حیثیت سے اس مجموعہ کی ترتیب پر ایک اہم اعتراض جو کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے ترتیبِ کلیات کا عام اور متداول طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قصائد درج کئے جاتے تھے، اس کے بعد مثنویون کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، پھر غزلون کا نمبر آتا تھا، اور آخر مین قطعات، رباعیات، مسدس، مخمس، اور مراثی وغیرہ شامل کر دیئے جاتے تھے، لیکن اس مجموعہ مین قصائد سے پہلے غزلین درج ہین، اور قصیدون کے بعد مثنویون کا سلسلہ بھی قائم نہین رکھا گیا، بلکہ مثنوی ید بیضا اور قیصر نامہ کے بعد تاریخی قطعات، رباعیات اور رقعات درج کئے گئے اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائی کلام کو جو تقریباً کل کا کل غزلون پر مشتمل تھا، بلا وجہ غزلیات کے سلسلے سے الگ کرکے درج کیا گیا، اگر سب سے پہلے ابتدائی دور کی غزلین درج کیجاتین اس کے بعد کہنہ مشقی کے زمانہ کی غزلون کا سلسلہ شروع ہوتا تو نظم و ترتیب کے ساتھ ساتھ دونون زمانون کی غزلون کا موازنہ بھی آسانی سے کیا جا سکتا،

بہرحال یہ نقش اول ہے اس لیے یقین ہے کہ طبع ثانی مین ان بے ترتیبیون کے دور کرنے کی کوشش کیجائے گی اور نقش ثانی نقش اوّل سے بہتر ہوگا، کہ

نقاش نقش ثانی بہتر کشد زاول

لیکن موتی بہرحال موتی ہے، نظم و ترتیب سے اگرچہ اسکی خوشنمائی و دلربائی مین اضافہ ہوجاتا ہے، لیکن اس کی قدر و قیمت قعر سمندر مین بھی کم نہین ہوتی، پھول ہارون مین گندھ کر اگرچہ بہت زیادہ نظر فریب ہوجاتے ہین، لیکن اُن کی خوشبو صحنِ چمن مین بھی علیٰ حالہ قائم رہتی ہے، اس بنا پر گو خواجہ صاحب

کے کلام کی ترتیب مین وہ خوشنمائی اور رعنائی نہین پائی جاتی، جو اس پیکر حسن و جمال کے شایانِ شان ہوئی، تاہم اسکا حسن و جمال اپنی اصلی حالت مین قائم ہے، اور ایک دیدہ ور کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ذوق صحیح کی عینک لگائے اور اپنی آنکھون کو اس جلوہ گاہِ حسن کے نظارے سے روشن کرے، مختلف دیدہ ورون نے خواجہ صاحب مرحوم کے کلام کو اسی عینک سے دیکھا ہے، اور اب ہم بھی اس کو اسی ذریعہ سے دیکھنا چاہتے ہین،

غزل خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر ایک اجمالی تبصرہ خود کلیات کے شروع مین شامل ہے، یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال کا جو گرامی نامہ عرض حال کے بعد درج کیا گیا ہے وہ درحقیقت خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر ایک پرمغز تنقید ہے، جو ان مختصر الفاظ مین کیگئی ہے۔

"خواجہ صاحب ادبیات فارسی کے اُس دور سے تعلق رکھتے ہین جس کی ابتدا شہنشاہ اکبر سے ہوئی۔ لیکن اس دور کے شعرا مثلاً عرفی وغیرہ کے کلام مین جو پیچیدگی اور اشکال پسندی پائی جاتی ہے اور جس کا خاتمہ شاعری کے بجائے معما و چیستان کی صورت مین بیدل وغیرہ پر ہوا، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین اس کا مطلق وجود نہین پایا جاتا، بلکہ وہ نہایت صاف، روان اور شستہ و سادہ کہتے ہین، جا بجا صائب کا تمثیلی رنگ بھی موجود ہے، مثلاً،

چاک کن جامۂ ہستی کہ شود او پیدا ۔۔۔ تا گریبان ندرد گل نکند بو پیدا

دہد حق عشق احمد بندگانِ چیدۂ خود را ۔۔۔ بخاصان شاہ مے بخشد ئے نوشیدۂ خود را

تشبیہات کی لطافت جو اس دور کی امتیازی خصوصیت ہے، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین بھی نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے مثلاً

غمزہ را چشم تو بر خونم اشارت فرمود ۔۔۔ کہ ز ابرو بمیان بر زدہ دامان برخاست

ستمگری بگذار و بدلبری بگذر ۔۔۔ دل است مالِ غنیمت نہ مالِ اوقاف است

خیالِ او کہ ز چشم نمے رود گاہے ۔۔۔ چو لیلی بسیہ خیمۂ نظر بند است

نہ ہمین مرغِ چمن صید جگر خستۂ اوست | بوئے گل نیز شکارے زقفس رستۂ اوست
نقشِ تمثال دلست اینہمہ پیدا و نہان | دو جہان در نظرم ابروپیوستۂ اوست

نماز شام برآید اگر ببام آن ماہ | زمین کوے او از سجدہ پرستارہ کنم

فلسفہ و تصوف کی چاشنی بھی جیسا کہ اس دور کے شعراء کا انداز ہے، جا بجا نہایت لطیف شاعرانہ پیرائے مین پائی جاتی ہے، ڈاکٹر اقبال لکھتے ہین کہ "غزل مین ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کیساتھ ادا کر جاتے ہین، مثلاً

دو غنچہ ہست دو عالم زگلشن صنعش | یکے شگفتہ یکے ناشگفتہ است ہنوز

دل پر معرفت افسردہ دیر مردہ مباد | کاین گل سر سبد آرایش گلدستۂ اوست
خضر و این قید حیات ابدی پاداش است | بندۂ بے ادب از بندِ اجل جستۂ اوست
ے وسنے ہر دو بمقصود رساند کہ نیست | رہبرے بہتر ازین رہگذرے بہتر ازین
لن ترانی کہ جواب ارنی یافت کلیم | خواست نظارۂ او دیدہ ورے بہتر ازین
بے خودی راہبرِ راہِ خداہست عزیز | بروا از خود کہ نباشد سفرے بہتر ازین

خود خواجہ صاحب مرحوم کی غزلون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اس دور کے مشاہیر شعراء کے کلام کو سامنے رکھ کر غزل گوئی شروع کی ہے، اور اکثر اُن زمینون مین غزلین لکھی ہین، جنین اس دور کے مشہور شعراء نے طبع آزمائیان کی ہین، مثلاً یہ غزلین

مرا خود کشتہ و افگندہ در حیرت جہانے را | بہ تیغ از ہر کسے پرسد کہ کشت این خستہ جانے را

عمر من در یاس و حرمان از غم دنیا گذشت | وائے بر جانم چو امروزم اگر فردا گذشت

وے کہ رستہ ز قید خرد خردمند است | اسیر اوست کہ بے قید و بند در بند است

باریکہ بر نداشت فلک آدم آن گرفت | کاہے سبک ببین کہ چہ کوہ گران گرفت

آنانکہ سعی در طلبش چار سو کنند اے کاش در حریم دلش جستجو کنند

بیگانہ ہم بہ پرسشِ احوالِ ما رسید دردا کہ کار ما بہ محبت کجا رسید

نظیری، کلیم اور ظہوری وغیرہ کی زمینوں مین لکھی گئی ہین، خود خواجہ صاحب فرماتے ہین،

کلے از ظہوری و ز نظیری رسد عزیز فیضے کہ از کلام الٰہی بما رسید

لیکن ان صیادانِ معانی کے علاوہ ایک مرغ بلند آشیان اور بھی ہے، جس کی ہمصفیری خواجہ صاحب مرحوم نے کی ہے، گو عجز و انکسار سے ان کو خود اعتراف ہے،

حدیث حافظ شیراز و گفتہ ہائے عزیز ہمان حکایت زر دوز و بوریا باف است

یہ غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی گئی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلیات مین اور بھی متعدد غزلین خواجہ حافظ کی زمینون مین ملتی ہین، مثلاً

درغم و غصہ بہ تیغِ تو براتم دادند زہری خواستم و آب حیاتم دادند

غمین مباش کہ اندوہ و غم نخواہد ماند جہان ہرچہ جز او ہیچ ہم نخواہد ماند

چو دلبران ہمہ خواہند دل چہ چارہ کنم بغیر ازین کہ دلِ خویش پارہ پارہ کنم

چشم بد دور بسویم گذرے بہتر ازین گذرے بہتر ازین و نظرے بہتر ازین

شعرائے ایران کے علاوہ میرے خیال مین خواجہ صاحب مرحوم کی شاعری پر لکھنو کی اردو شاعری کا بھی کسی قدر اثر پڑا ہے، آتش و ناسخ کے زمانے سے لکھنؤ مین شاعری کے دو مختلف اسکول قائم ہوگئے تھے ناسخ اور ناسخ کے تلامذہ مضمون آفرینی پر جان دیتے تھے، اور آتش اور آتش کے تلامذہ لطفِ زبان کے دلدادہ تھے، اور یہ رنگ ناسخ کی طرز سے زیادہ مقبول تھا، رعایت لفظی اگرچہ دونون اسکولون مین مشترک تھی، لیکن آتش اور آتش کے تلامذہ نے اس مین بہت زیادہ لطافت پیدا کی تھی، اور ناسخ کی لفظی مناسبتون مین جو بھدا پن پایا جاتا ہے اسکو بہت کچھ دور کر دیا تھا، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین جو سلاست و

رندانی پائی جاتی ہے، اور جابجا "کالملح فی الطعام" انھون نے نہایت لطیف انداز مین جن لفظی مناسبتون سے کام لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھون نے لکھنؤ کی اس مئے آتشین کے چند پیالے بھی نوش کئے ہین، مثلاً ان اشعار مین دیکھو کہ رعایت لفظی کس قدر لطف دے رہی ہے،

بقدِ یار چہ نسبت درختِ طوبیٰ را — مخور فریب دروغ کہ راست مانند است

گوبکن فکرِ سلاسل ہم پئے دیوانگان — آنکہ بہرِ ساعدِ سیمین یارم یارہ کرد

نیست خالی از خیالِ زلف رعنایان سرے — این بلا از عالمِ بالا کجا نازل نشد

ہر سحر بوئے خوشش پیکِ صبا می آرد — لو کہ می آید ازین بہ خبرے بہتر ازین

از قضا گر نظرِ لطف تو افتد بہما — چشم داریم کہ افتد قدرے بہتر ازین

نمی شود دہن آن ماہِ مہربان ہر چند — بچرخ عربدہ پرخاش با ستارہ کنم

بہرحال شستگی زبان اور جوش بیان (جو خواجہ حافظ کا امتیازی وصف ہے) کے لیے کسی انتخاب کی ضرورت نہین، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، بالخصوص جہان وہ خواجہ حافظ کے مخصوص رنگ مین غزل کہتے ہین وہان یہ خصوصیت اور بھی نمایان ہو جاتی ہے، مثلاً

زقولِ واعظِ شہر اجتناب باید کرد — عمل بگفتہ چنگ و رباب باید کرد

پئے صبوحی محشر پس از قضا با من — نہان بخاک خمے از شراب باید کرد

ز خرقہ ہائے مرقع کہ درخورِ خرق است — چہ تر چہ خشک ہمہ را غرقِ آب باید کرد

بیا کہ ما و تو ساغر زنیم بر لبِ آب — جہان و ہرچہ درو غرقِ آب باید کرد

حسابِ معصیت بیشمار خویش عزیز — حوالہ بر کرم بے حساب باید کرد

چند دل تنگ بہ غمخانۂ ہستی باشی — خیز و زین خانہ برون آی کہ صحرا ہست

شورِ حسن است کہ شد غلغلہ افگن در نجد — ورنہ مجنون چہ خبر داشت کہ لیلا ہست

آب حیوان بخضر جام بہ جمشید گذار پیش من آر اگر جرعۂ صہبائے ہست

بطرب کوش یک امروز بعشرت مے نوش ہم بفردا بگذار از غم فردائے ہست

لیکن خواجہ صاحب مرحوم صرف غزل ہی نہین کہتے، بلکہ اور اصناف سخن مین بھی استادی کا درجہ رکھتے ہین، انھون نے غزل کے علاوہ مثنوی اور قصائد بھی لکھے ہین، اور ان کی شاعری کی شہرت زیادہ تر انھی مثنویون اور قصیدون سے ہوئی ہے، چنانچہ ہمارے مخدوم مولنا حبیب الرحمان خان شروانی اپنے مقدمہ مین لکھتے ہین:

"لکھنؤ کے دور آخر کو جن اہل کمال پر ناز تھا اور بجا ناز تھا اس مین خواجہ عزیز الدین مرحوم ممتاز ہین، امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ ادب فارسی مین کمال حاصل کیا اور ان میدانون مین علم استادی بلند کیا، جو متاخرین کی دسترس سے باہر تھے یعنی مثنوی و قصیدہ، اصناف سخن مین سب سے زیادہ مختصر رباعی ہے جو سب سے مشکل ہے، دیکھو صدیون کے دوران مین صرف چار پانچ ہی استاد رباعی گذرے ہین، حضرت ابو الخیر ابو سعید شیخ الاسلام انصاری، عمر خیام، سحابی نجفی، دل چاہے تو سرمد کو بھی یاد کر لو، اس نے بھی ایک لطف پیدا کیا ہے،

رباعی کے بعد مثنوی ہے اسمین اساتذہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہوگی، مثنوی کے بعد قصیدہ ہے، اس کے استاد سو کے اندر اندر رہین گے، سب سے زیادہ آسان غزل ہے، استاد غزل بیسون، مشاہیر غزل سیکڑون ہین، کہنا یہ تھا کہ خواجہ عزیز صاحب امتیازیون ہین کہ انھون نے مثنوی اور قصیدہ مین جوہر کمال دکھائے، مذاق شعر کا پایہ بلند کیا"

اس عبارت سے جو ایک مسلم ناقد فن شعر کی تراوش قلم ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مرحوم کی طبع بلند نے غزل جیسی آسان چیز کو درخور ہمت نہین سمجھا، اس لیے اس مین بہت زیادہ نہین پھیلے، البتہ مثنوی و قصیدہ پہلے ہی سے مشکل تھے اور اب متاخرین کے دور مین پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہوگئے تھے، اس لیے خواجہ صاحب مرحوم نے ان دونون کی تجدید کی، اور اسی تجدید فن نے انکو فارسی شاعری کا مسلم استاد بنا دیا، اس لیے

ان دونون اصنافِ شاعری پر تبصرہ کرنا غزل سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے،

قصیدہ ابتدائے لیکر انتہا تک قصیدہ شعرا کے اظہارِ کمال کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا، اس بنا پر صنائع و بدائع تشبیہ و استعارہ، تلمیح و اشارہ، اصطلاحات علمیہ، اور رموز حکمیہ زبردستی قصائد مین ٹھوسے جاتے تھے، اور اُن سے قدرتِ کلام کا اظہار کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ فارسی شاعری مین غزل جس قدر آسان چیز تھی قصیدہ اسیقدر مشکل تھا، صرف قصیدہ کہنا ہی مشکل نہ تھا بلکہ قصیدہ کا سمجھنا اُس سے بھی زیادہ مشکل تھا کیونکہ ان پابندیون کیوجہ سے لازمی طور پر اشکال پیدا ہوجاتا تھا، اس کیساتھ چونکہ اہل ادب نے تصریح کر دی تھی کہ قصیدہ مین شاندار اور متین و جزیل الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے، اس لیے شعرا نے غلطی سے متین و جزیل الفاظ کے بجاے مغلق الفاظ استعمال کرنے شروع کئے، اور قصائد کو لغات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ بنا دیا، مضمون آفرینی اور جدت طرازی بھی قصیدہ کے لیے ضروری چیز قرار پائی اوران خصوصیات نے قصیدہ کو اور بھی مشکل بنا دیا، قدما و متوسطین کے دور تک قصیدہ گوئی کی یہ تمام خصوصیات قائم رہین، گو متوسطین نے صنائع و بدائع کا زور کم کر دیا تاہم اور خصوصیات بعینہٖ قائم رہین، متاخرین نے قصائد مین غزل کی رنگینی پیدا کی، اس لیے قصیدون کی متانت مین بہت کچھ فرق آگیا، اس کے بعد چند مجددینِ فن نے جنمین قاآنی سب سے زیادہ نامور ہے، قصیدہ گوئی مین قدما کے دور کو دوبارہ زندہ کیا، اور اس دور سے قصیدہ گوئی کا ایک خاص انداز قائم ہوگیا جسمین الفاظ کی متانت و جزالت، لطیف و نادر تشبیہات و استعارات اور مقفی و مسجع الفاظ کا ایک ترنم ریز اور ولولہ خیز ذخیرہ نظر آتا ہے،

خواجہ صاحب مرحوم نے متعدد قصائد مین یہی مجددانہ روش اختیار کی ہے، اوران خصوصیات مین وہ کسی طرح قاآنی سے کم نظر نہین آتے، بلکہ ایک حریف کی حیثیت سے اسکا مقابلہ کرتے ہین اور فرماتے ہین:۔

مقابلِ حبیب شد، رقیبِ عندلیب شد ۔۔۔ بہر کجا خطیب شد زسامعان شکیب شد

حبیب اللہ قاآنی

حریف دلفریب شد ۔۔۔ بنغمہ از ہزارہا،

لیکن باوجود سجع کی پابندی کے سلاست وروانی مین کوئی فرق نہین آنے دیتے بلکہ موسیقیت کے پیدا ہونے سے اشعار کی روانی اور خوشنوائی مین اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً

سر وشِ دوش، باصد جوش آمد ناگہم از در سراپا نوش، صاحب ہوش و دانش کوش و دانشور
چسان آمد، چہ وقت آمد، چرا آمد، کجا آمد نسیم آسا، سحرگہ بہرِ تسکین پیشِ این احقر
چہ احقر، احقرِ مضطر، چہ مضطر، مضطرِ بیدل چہ بیدل، بیدلِ جانان، چہ جانان جانِ جانِ ور
چو موسیٰ با قبس یا خود قبس آمد بر موسیٰ چو عیسیٰ از فلک یا خود ملک آمد بہ پیغمبر
چو بادِ عاجل از مرتع، چو آبِ سائل از منبع چو ماہِ کامل از مطلع چو مہرِ انور از خاور
نہ باد این ہرزہ پو ہر سو مر آنرا پویہ در مینو نہ آب این مایہ ور از جو مر آنرا بہرہ از کوثر
نہ مہ کش تیرہ از غم رو، مر آنرا چہرہ در گیسو نہ خورکش زہرہ در پہلو مر آنرا زہرہ زہرا تر
نزولش نزل را منزل وصولش وصل را موصل وجودش جود را موجد صدورش صدر را مصدر

لمبا قصیدہ ہے، اور اول سے آخر تک مسجع ہونے کے ساتھ روان و برجستہ ہے، الفاظ مین متانت وجزالت ہے، اغلاق وغرابت نہین، اس لیے ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، حالانکہ خاقانی و بدر چاچ بلکہ عرفی کے قصائد بھی عوام کی سمجھ سے بالاتر ہین،

خواجہ صاحب مرحوم نے ایک مخمس خصوصیت کیساتھ قاآنی کی زمین مین لکھا ہے، اور اول سے آخر تک اسی کے انداز مین لکھا ہے، مسجع کی پابندی کے ساتھ، قاآنی کا سب سے بڑا امتیازی وصف تشبیہات واستعارات کی لطافت وجدت ہے، لیکن وہ متاخرین کی طرح خیالی تشبیہین نہین پیدا کرتا بلکہ قدماء کے طریقہ پر محسوس ومادی تشبیہین پیدا کرتا ہے، لیکن باوجود محسوس ہونے کے ان مین جدت ولطافت پائی جاتی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کی تشبیہات کا بھی یہی انداز ہے، مثلاً،

بہار گشتہ گل فشان، جہانِ کہنہ شد جوان درختہا یگان یگان، رَدہ رَدہ زمان زمان

بجنبش آمدہ چنان کہ مہد خواب کودکان چہ فرودین چہ مہرگان، ہوا چو دایہ مہربان
کشاد غنچہا دہان برنگ شیر خوارہا

کشادہ گل رسالہا، کند بلبل حوالہا کشیدہ مرغ نالہا، بدرس آن مقالہا
ہوا دہد امالہا، بشاخ شاخ لالہا چکد ز لالہ ژالہا بخاک چون غسالہا
نہ لالہا پیالہا بدست رعشہ دارہا

سحرگہان بیاد حق، ز طائران فرق فرق غزل سرا بدان نسق کہ کودکان ہم سبق
شقیق لعلگون ورق، چنانکہ در افق شفق شگفتہ گل ورق ورق سبی ابر در عرق
بہر ورق طبق طبق گہر کند نثارہا

صرف اسی قصیدہ کی خصوصیت نہین بلکہ خواجہ صاحب کی تشبیہات کا عام انداز یہی ہے جو تمام قصائد مین قائم رہتا ہے، مثلاً

نہ آن گوہر کہ در گوشِ بتان از گیسوان بینی کہ گوئی بیضۂ کنجشک دارد زاغ زیر پر
فلک پیش از ظہور راد سمندے بود بے راکب جہان پیش از ورود او عروسے بود بے شوہر

آسودہ ہست در کنف را فتش جہان مانند کودکے کہ در آغوشِ مادر است
نازم بشہر و شہر پناہش کہ در نظر ماند بنو عروس کہ گوئی بمعجر است

آن چون پشّے کہ بہ بیند رخ شیر آزدر دآن چون شیرے کہ خورد خون بزے را بمثل
خونِ شب بسکہ شود ناقص و فاسد بینی صورتِ زنگی مبروص ز نقصان و خلل
برف را پنجۂ خورشید فشردہ است گلو خاک را نشترِ ایام کشادہ است اکحل
بیضہ از ہم بشگافد کہ رسد تیغ بگداز طوطی از بیضہ برآید کہ دمد سبزہ ز تل
چون گل امروز نگنجد بلباس از فرحت تو بتو خرقہ بہ برداشتہ ہر کس چو بصل

گل زخلوتگہِ ہر شاخ کشید است سرے
بنمائے کہ برآمد کفِ موسیٰ زبغل

ازحدی خوانیٔ مرغانِ سرِ کوہ مدام
آسمان در رہِ کشمیر کند رقصِ جمل

صنائع وبدائع کا خواجہ صاحب مرحوم کو خاص ذوق ہے، اگرچہ کسی قصیدے مین سجع کے علاوہ اور کسی صنعت کا التزام نہین کیا ہے، تاہم کوئی قصیدہ صنائع وبدائع سے خالی نہین، جابجا ان کا استعمال کیا ہے، اور نہایت لطافت کے ساتھ کیا ہے، مثلاً،

چو بر فروخت چہرہ گل، چراغِ زہد گشتہ گل
ز قیدِ رنگ رستہ گل گستہ جملہ بند وغُل

بگوش ہادی سبل، دو قلقل است چار قل
زنند بلبلان دُہل، کہ کرد نوبہار گل

بنوش چشمہ چشمہ مل
کنارِ چشمہ سارہا

بیا گل از چمن ببر، چو من چمن چمن ببر
بنفشہ یاسمن ببر، سمن دو من سہ من ببر

شقیق از دمن ببر، عقیق از یمن ببر
رحیق از انجمن ببر، رفیقِ موتمن ببر

صدیق ہمچو من ببر
حریف بادہ خوارہا

درین چمن قدم قدم، کشیدہ سرو بُن علم
سپرغم و بنفشہ ہم کشادہ زلف خم بہ خم

چہ شامگہ چہ صبحدم، ہمی چکد ز ابر نم
مکن خیالِ کیف وکم، بنوش مے فزون کم

نہ گہ بگاہ دم بہ دم
نہ یک دو بار بارہا

ریشِ قاضی زکفِ بادہ پرستان ریش است
فرقِ صوفی ہمہ از دست حریفان شدہ کل

بود یادش، شود ذکرش، رود حکمش، رسد فیضش
بہر محفل، بہر منزل، بہر کشور، بہ ہر بندر

محضرِ حسن ترا مُہر بعنوان شدہ است
ختمِ خوبی بتو اے خاتمِ خوبان شدہ است

یمن از یمنِ لبت کانِ عقیق است ہنوز
طائف از مقدمِ تو رشکِ گلستان شدہ است

بوم گوئی کہ ہمہ بوم و برِ روم گرفت
بامِ شام از اثرِ شومیٔ ترکان شدہ است

سر در سرو یہ ہم بر سر کین است بہ بین　　شاہ بلغاریہ غارت گر ایمان شدہ است

مضمون آفرینی قصیدے کا اصلی عنصر خیال کیجاتی ہے، یہانتک کہ بعض شعراء مثلاً خاقانی اور بدر چاچ نے اسمین اسقدر غلو کیا ہے کہ قصیدے کو معما اور چیستان بنا دیا ہے، لیکن اہل ادب نے قصائد کے حسن کا جو معیار قائم کیا ہے، اُسمین مضمون آفرینی داخل نہین ہے، بلکہ قصیدے کا اصلی زیور، محاکات ہے، تخئیل نہین خواجہ صاحب نے اہل ادب کا بتایا ہوا بھی راستہ اختیار کیا ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ اُن کے قصائد نہایت صاف شستہ اور روان ہین، اور ان مین کہین اغلاق و ابہام نہین پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اس کلیات مین مثنویون کی طرح قصائد کی تشریح کے لیے کوئی فرہنگ نہین لگائی گئی ہے،

مبالغہ بھی قصائد کا ایک خاص جزو خیال کیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی درحقیقت قصیدہ کا کوئی رکن نہین ہے، البتہ شعراء نے قصائد مین زورِ طبع دکھلانے کے لئے اکثر مبالغے کئے ہین، اس لیے قصائد مین مبالغہ سے کام لینا ایک رسم مین داخل ہوگیا ہے، لیکن خواجہ صاحب اس رسم کے پابند نہین، البتہ بعض اشعار مین کسی قدر مبالغہ پیدا ہوگیا ہے، مثلاً

پنجہ ہا گشتہ حنائی دمِ دو شیدنِ شیر　　لالہ و گل بود از بس خورشِ جدی وحمل

آنکہ در کاخ جلالش بفلک مہر منیر　　عنکبوتیست کہ مسکن بودش در عنطل

مثنوی خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کا ایک بڑا منصۂ ظہور مثنوی ہے، اور درحقیقت متاخرین کے دور مین جو چیزین شاعرانہ کمال کے اظہار کا ذریعہ خیال کیجاتی تھین یعنی صنائع و بدائع، ترصیع و تجنیس، تلمیح و استارہ اور تشبیہ و استعارہ یہ تمام چیزین ان مثنویون مین موجود ہین، بالخصوص مثنوی ید بیضا تو ہر قسم کے صنائع و بدائع کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شرح و فرہنگ کے بغیر یہ مثنوی آسانی کے ساتھ سمجھ مین نہین آسکتی اور اسی ضرورت سے اس کے ساتھ ایک فرہنگ بھی لگا دیگئی ہے، قیصر نامہ مین چونکہ اس قسم کا التزام مالایلزم نہین کیا گیا ہے، اس لیے وہ اس سے زیادہ صاف و روان ہے، مثنوی ہدیۃ الثقلین

اس سے بھی زیادہ سادہ، صاف اور روان ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے خاص غیر مصنوعی انداز کو اس مین خصوصیت کیساتھ قائم رکھا ہے، حمد باری تعالی کے چند اشعار ملاحظہ ہون،

در جام تو آفتاب از وے　　در کام تو شہد ناب از وے
کور و بینا و ماہ و خورشید　　زو داشتہ جملہ چشم امید
چشم است و چراغ ہر کسے را　　باغ است و بہار ہر خسے را
ہر ذرہ ازو بہار سحر خیز　　ہر صعوہ بیاد او شب آویز
عالم کہ پر از بدائع اوست　　پیکر کدۂ صنائع اوست
فرہاد تراش تیشۂ او　　مجنون، آہوئے بیشۂ او
شکرش، شکر فرشتگان است　　زخمش، نمک برشتگان ست
وصفش نہ مجال گفتگو ہست　　او ہست بدان صفت کہ او ہست
اندر قدمش قدم بلد نیست　　ملکیست وسیع و ہیچ حد نیست
دارد حرمش بلند اساسے　　کانجا نرسد رصد شناسے

اول سے آخر تک یہ مثنوی اسی دلآویز انداز مین لکھی گئی ہے، اور نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ مین آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی فرہنگ نہین لگائی گئی ہے، تاہم چونکہ وہ متاخرین کے ذوق کے مخالف تھی، اس لیے ید بیضا اور قیصر نامہ کی طرح اس نے کوئی خاص شہرت حاصل نہین کی، حالانکہ وہ اپنے طرز بیان کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہے،

مثنوی گلگشت کشمیر مسمی بہ ارمغان بھی اسی سادہ طرز بیان مین لکھی گئی ہے، اور باوجودیکہ خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے لکھنوی ذوق یعنی لفظی صناعیون کو جابجا قائم رکھا ہے، تاہم اس مین کہین آورد و تکلف نہین پیدا ہونے پایا ہے، مثالین ملاحظہ ہون،

درختون اور پھلون کی طراوت وحلاوت کا بیان کسقدر لطیف انداز مین کرتے ہین،

زنار و نارون تا سرو و شمشاد
نوآئین، نوجوان، نوخیز، نوزاد

جنان شان مادر است و دایہ کوثر
ارم شان عمہ و طوبی برادر

تکلم شان بہ تحریک اشارہ
خود ایشان کودک و خود گاہوارہ

بطفلی خوردہ از جوے عسل شیر
شکر بار آورد ہر کو شود پیر

خوشا بادام کز وے چشم بد دور
سیہ کردہ بروے چشم طمع حور

بصید دل بود بادام، بادام
کہ چیند در رہ ما دام ما دام

بیا را وصاف سیبش اے سخنگو
ہمین میدان ہمین چوگان ہمین گو

رسد از سدرہ اش ہر دم درودے
مثل باشد کہ سیبے و سجودے

بانگشت اشارہ جانب سیب
نمایان میشود آثار آسیب

برونش زر، درونش سیم خام است
تونگر آن کش این دولت بکام است الخ

مناظر کے وصف مین اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے محاکات زیادہ موزون ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم اس موقع پر اکثر تخئیل سے کام لیتے ہین، تاہم ان کی تخئیل مین غیر معمولی لطافت وجدت پائی جاتی ہے، اس لیے وہ بھی لطف سے خالی نہین ہوتی، مثلاً،

خوشا آبے کہ مشہور آن بذل ہست
ز ذل تسنیم را نعم البدل ہست

بود زنجیر پا موجش صبا را
حبابش در گرہ بستہ ہوا را

فلک در جنب او برج حبابی
ملائک اندر و مرغان آبی

جنون خیز است چون آب و ہوایش
ومند از ہم چو ماہی موجہایش

زبس گردیدہ محو جلوہ خویش
ز ذل دارد بہار آئینہ درپیش

تموج بسکہ گیرائے نظرہا است | تماشا کن کہ خوش دام تماشاست
گریبان چاکیٔ موج از ہوائش | کتانِ ماہتاب جلوہ مالیش
بدریا ماہ اندر نقرہ کاری | بگلشن زرفشان بادِ بہاری
کول از فیضِ ڈل کرداست روشن | چراغے را کہ آبش ہست روغن

خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کے یہی تین میدان ہین، بقیہ مراثی اور قطعات وغیرہ وہ اولاً تو بہت کم ہین، اور جو کچھ ہین وہ کوئی خاص اہمیت نہین رکھتے،

اغلاط خواجہ صاحب مرحوم صرف فارسی زبان کے بہت بڑے شاعر ہی نہین تھے، بلکہ وہ فارسی لغت، فارسی مصطلحات و محاورات پر بھی نہایت وسیع نظر رکھتے تھے، اس لیے ان کے کلام پر اس حیثیت سے نکتہ چینی کرنا سخت مشکل ہے، تاہم جو باتین سرسری طور پر تنقیدی نگاہ مین کھٹکتی ہین، اُن کا اظہار بھی ضروری ہے، گو یہ یقینی نہین ہے کہ ایسا وسیع النظر شخص زبان و محاورہ کی کوئی غلطی کریگا، بلکہ اس کے خزانۂ معلومات مین سندون کا کافی ذخیرہ ضرور موجود ہوگا،

(۱) لطف در جلوۂ لیلی منشان نیست کنون | یادر ذوقے کہ شد از دیدنِ آہو پیدا

اس شعر مین لطف اُسی معنی مین مستعمل ہے جسمین وہ اردو زبان مین استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ سند طلب ہے

(۲) غمزہ را چشم تو برخونم اشارت فرمود | کہ زابرو میان برزدہ دامان برخاست

"برخونم" کی ترکیب بالکل اردو زبان کی ترکیب ہے، ایرانی شاعر اس ترکیب کو شاید پسند نکریگا،

(۳) زبس چو آئینہ اش سینہ صاف و شفاف است | شد آشکار کہ با من درونِ او صاف است

"درونِ او صاف است" کے معنی یہ ہین کہ اُس کا دل مجھ سے صاف ہے لیکن کیا یہ فارسی کا بھی محاورہ ہے؟

(۴) من از جمالِ تو محروم و عالمے پر نور | چو پائے شمع کہ تاریک و روشن اطراف است

دوسرا مصرع اردو کے اس محاورہ کا ترجمہ ہے کہ "چراغ تلے اندھیرا"، لیکن اوّلاً تو محاورات مین تبدیلی جائز نہ

نہین حالانکہ ترجمہ مین کسی قدر تبدیلی کیگئی ہے، دوسرے یہ کہ یہ فارسی زبان کا محاورہ نہین،

نثر خواجہ صاحب مرحوم فارسی زبان کی نظم و نثر دونون پر قدرت رکھتے تھے، اور دونون مین ان کی رنگینیان، اور صنعت طرازیان یکسان طور پر قائم رہتی تھین، افسوس ہے کہ انھون نے فارسی زبان مین نثر کی کوئی مستقل کتاب نہین لکھی، جو موجودہ دور کے فارسی نثارون کے لیے دلیل راہ کا کام دیتی، البتہ چند ورق مین کشمیر کی ایک مختصر سی تاریخ لکھی ہے، اسکے علاوہ اُنکی نثر زیادہ تر تقریظات و مکتوبات پر مشتمل ہے، اور تمام چیزین اس مجموعے کے آخر مین شامل کردیگئی ہین، تاریخ کشمیر مین انکا طرز بیان بالکل سادہ وصاف ہے، مثلاً

"مورخان ہنود و نگارندگان کارخانۂ ہست و بود مینویسند کہ کشمیر موسوم بہ ستی سر بود ستی نام زنے بود و سر حرف کلان رامی گویند گویا تمام عالم آب بود و دران دیوے آدم خور جلن دیو نامی سکونت پذیر بود اطراف وجوانبش تباہ و ویران کرد، قضا را عابدے کشف نامی کہ در اعتقاد اہل ہنود نبیرہ برہما بود برکوہ سیمبر گذر کرد این ولایت را برباد و خراب یافت، عابد را بعد تفحص دریافت شد کہ دیوندکور موجب این تباہی است"

یہ واقعات کا عالم تھا جنکی واقعیت رنگینی کے پردے مین چھپ جاتی ہے، اس لیے انھون نے سادہ طرز بیان سے کام لیا، لیکن جب وہ خیالی دنیا مین آتے ہین، تو ان کا سحر کار قلم شاخ گل بنجاتا ہے، جس سے صفحات کاغذ رنگین ہوکر تختہائے چمن بنجاتے ہین، چنانچہ کلیات صہبائی پر تقریظ لکھتے ہین، تو ہر لفظ اور ہر فقرہ استعارہ و کنایہ بنکر قلم سے نکلتا ہے، مثلاً

"شور شکر خندہائے گل نمک ریزاست بلبل دل خستہ را چہ گناہ کہ نالد، وجوش ترنمہائے بلبل طرب انگیز است گل نورستہ را چہ قصور کہ نبالد، آنچہ موسیٰ را بطور سینا تافتہ صوفی بسینہ و ساقی بہ مینا، یافتہ، ہر ذرہ آفتاب نوش است و ہنوز تشنہ کام، زہے وسعت مشرب، و ہر قطرہ دریا خروش است و ہنوز ناتمام سخے ذوق طلب، خانہ خدایان خانہ از خار و خس پرداختہ اند، و ما ہنوز دل از ہوا و

وہوس پرداختہ ایم، از خود رفتگان خدا را شناختہ اند و ما ہنوز خود را نشناختہ ایم،

اُن کی نثر کے زیادہ تر نمونے خطوط کی شکل میں ہیں، اور گو خطوط بھی واقعات و حالات پر مشتمل ہوتے ہیں، تاہم انھوں نے ان میں بھی زیادہ تر رنگین بیانی سے کام لیا ہے، بالخصوص لفظی صنعتوں سے تو اکثر کام لیتے ہیں، مثلاً مولوی ریاض حسن خان کو لیچی کی رسید اس انداز میں لکھتے ہیں :-

"سہ ہزار دانہ لیچو از استا پسون آوردہ شد، پختہ کاری کار پرداز والا را نازم کہ با این ہمہ گرما یک دانہ ہم رائگان نگردید، و تا اینجا رسیدہ، ہمہ رسیدہ خامہ خام کار در سپاس نگاری باین دو شعر اکتفا کرد"

ایک دوسرے صاحب کو آم کی رسید ان الفاظ میں دیتے ہیں :-

"انبہ ہاے نورس، از بنارس، باین ناکس، از مہربان بمن رسیدن حلوا، واز آسمان فرود آمدن من وسلوی است، ناکامے را شیرین کام، و مخمور مہجور را مست مدام کرد، ہر چند از اعداد آن سبحہ ساختہ بسپاس گذاری پرداختہ آمد لیکن آن سلسلہ را استواری و آن رشتہ را تاب این گوہر شماری ندیدہ"

بہر حال فارسی زبان کی نثر و نظم دونوں میں خواجہ صاحب مرحوم کو کمال حاصل تھا، اور اس دور آخر میں اُن کی نظم و نثر دونوں ہمارے لیے فارسی زبان کی انشا پردازی کا بہترین نمونہ بن سکتی ہیں، اسلئے خواجہ وصی الدین صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان نمونوں کو ہمارے پیش نظر کر دیا اور اب ہمارا فرض ہے، کہ اس مجموعہ کی قدر کریں، اور اس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں، "ع"

مطبوعات جدیدہ

پیغمبر اعظم (دی گریٹ پرافٹ) بہ زبان انگریزی، از جناب ایف، کے، خان درانی، حجم ۱۶۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی، بچون کے مناسب جلی ٹائپ مین، قیمت درج نہین، پتہ:- قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور،

اس رسالے مین جناب درانی نے آنحضرت صلعم کے مختصر سوانح حیات اسکول کے طلبہ کے لیے سلیس انگریزی زبان مین لکھے ہین، رسالہ چند ابواب مین منقسم ہے، پہلے باب مین جغرافیۂ عرب کا بیان ہے، دوسرے باب مین باشندگانِ عرب، اور قدیم عربی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا گیا ہے، تیسرے باب مین مذاہب عرب کا حال ہے، اور پھر مختلف ابواب مین آنحضرت صلعم کی ولادت سے وفات تک کے حالات بیان کئے گئے ہین، رسالہ مین اگرچہ بعض معمولی تاریخی مسامحات موجود ہین لیکن اسکی اہم خصوصیت اسکی جامعیت و ترتیب اور پھر زبان کی سلاست و روانی قابلِ تعریف ہے، جس کو چھٹی ساتوین جماعت کے طلبہ بآسانی پڑھ سکتے ہین، اسلامی مدارس کے طلبہ مین اس کو رائج کرنا چاہئے،

پیغمبر اسلام۔ از جناب قاضی عبد المجید صاحب قرشی، حجم ۲۹ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، پتہ:- دفتر ایمان پٹی لاہور،

قاضی عبد المجید صاحب قرشی، آنحضرت صلعم کے یوم ولادت کو "تقریب یوم النبی" کی حیثیت سے بطور یادگار سارے ہندوستان مین منانا چاہتے ہین، اس سلسلہ مین انھون نے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ پر تقریرون کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، اور ہر سال مختلف اہل قلم سے سیرت پر تقریر لکھاتے ہین، اور اس کو

ہندوستان کی آٹھ نو زبانوں مین شائع کرنا چاہتے ہین، اسی سلسلہ مین ۱۹۲۹ء کی تقریر خود موصوف کے قلم سے لکھی گئی ہے، جس کے چند سالے اردو، ملیالم، تامل اور گجراتی وغیرہ مختلف زبانون مین اسوقت ہمارے سامنے ہین، رسالہ سیرت کی مستند کتابون سے مرتب کیا گیا ہے، موصوف اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد مین شائع کرنا چاہتے ہین، اسلئے کچھ ٹکٹ بھیجکر مذکورۂ بالا پتہ سے یہ تقریرین حاصل کیجا سکتی ہین،

مشکوٰۃ الصلوٰت مؤلفہ مولوی محمد الیاس صاحب برنی، پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، ضخامت ۲۷۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، کاغذ اوسط درجہ کا سبز رنگ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ، مؤلف سے بیت الاسلام حیدر آباد دکن کے پتہ سے ملسکتی ہے،

مولوی محمد الیاس صاحب برنی اپنی مشہور کتاب علم المعیشت اور سلسلۂ منتخبات نظم اردو سے فلسفہ و ادب کے حلقون مین روشناس ہین، لیکن ادھر چند سال سے موصوف کے قلم سے مذہب و تصوف کے مذاق کی کتابین شائع ہو رہی ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین یہ جدید رسالہ مشکوٰۃ الصلوٰت ہے، اس رسالہ مین آنحضرت صلعم پر درود و سلام کے ورد کے لیے حزب مرتب کئے گئے ہین، رسالہ سات حزبون مین منقسم ہے، پہلے تین حزبون مین قرآن مجید سے صلوٰت اخذ کئے گئے ہین، جو اپنے رنگ مین ایک جدید ترتیب کہی جا سکتی ہے، پھر احادیث سے درود اخذ کئے گئے ہین، اور اس کے بعد اوراد و وظائف کے ممتاز رسالون حزب البحر، اور دلائل الخیرات وغیرہ سے انتخاب کیا گیا ہے، امید ہے کہ اربابِ ذوق مین یہ رسالہ مقبول ہوگا، رسالہ کا دیباچہ اردو اور عربی دونون زبانون مین ہے،

نبیون کے قصے، از جناب خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی، ۸۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۶ر پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

جناب خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی نے انبیاے کرام علیہم السّلام کے مختصر حالات صرف قرآن مجید سے اخذ کر کے چند صفحون مین چھوٹے بچون کے لیے لکھے ہین، کل ۱۶، ۱۷ انبیاے کرامؑ کے حالات ہین جنکے

مطالعہ سے بچون کو مختلف اخلاق حسنہ کی تلقین ہوگی، زبان بھی صاف سلیس، اور بچون کے لائق ہی،

تاریخ ظفرہ مصنفہ گردھاری لعل احقر (۱۲۸۵ھ) مرتبہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے، رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ ناشر اڈیٹر صاحب مشرق گورکھپور حجم ۲۰۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین،

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ انگریز مورخین کی بدولت جس مسخ شدہ شکل مین مدون ہوئی ہے اور ان کی تقلید مین ہمارے دور حاضر کے ہندو مصنفین نے بھی جو رنگ آمیزیان کی ہین، ان کی تردید مین وہ تاریخی بیانات نہایت مستند ہو سکتے ہین، جو ہندو مصنفین کے قلم سے عہد اسلامی مین نکلے ہین، چنانچہ اس نوع کی کتابین اب روز بروز شائع ہوتی جاتی ہین، اور اسی قسم کی ایک تالیف "تاریخ ظفرہ" اس وقت ہمارے سامنے ہے، جس کو قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے، نے اپنے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے، اس تاریخ کا "ظفرہ" تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۸۵ھ نکلتا ہے، اس کے مصنف منشی گردھاری لعل صاحب احقر ہین جو حیدرآباد کے باشندہ تھے، اور اسی مناسبت سے انھون نے حیدرآباد کی تاریخ اپنے عہد یعنی ۱۲۸۵ھ تک کی مرتب کی ہے، کتاب دو ابواب مین منقسم ہے، پہلے باب مین سلاطین قطب شاہیہ۔ بنائے گلکنڈہ اور شہر حیدرآباد کا تذکرہ ہے، اور دوسرے باب مین شاہان چغتائیہ اور فرمانروایان آصفیہ کے حالات ہین، اور یہی باب نسبتہً وسیع ہے، کتاب مین فرمانروایان کے تذکرہ کے علاوہ عمارات و امکنہ کا خصوصیت سے تفصیلی تذکرہ ہے، اور نیز فرمانروایان ملک کے ضمن مین معاہدات و فرامین و دستاویزات کا متن نقل کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی ہے، منشی گردھاری لعل ایک ایسے دور کے مصنف ہین جب کہ ہندوستان مین ہندو مسلم قومیت کے منافرت کی تخم ریزی نہین ہوئی تھی، اس لیے دور حاضر کے ہندوستان کے تاریخی مباحث مین سے بعض امور خصوصیت سے روشنی مین آتے ہین، اور اس لیے کتاب ایک تفصیلی تبصرہ کی محتاج ہے، مرتب نے ابتدا مین ایک دیباچہ لگایا ہے، جسمین کتاب کی خصوصیات کا سرسری تذکرہ کرکے حیدرآباد کی تاریخ مابعد ۱۲۸۵ تا عہد حاضر کا اجمالی ذکر کیا ہے، خصوصًا

موجودہ فرمانروائے حیدرآباد کے عہد پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، ضرورت تھی کہ آخر مین اشخاص و اماکن کی فہرست بھی مرتب کرکے منسلک کردیجاتی، کہ فائدہ اٹھانے مین سہولت ہوتی، ہم مرتب کو اس مفید تالیف کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہین،

حالاتِ حزین مع انتخاب کلام، از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ:۔ دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ،

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بنارس مین حزین کی آخری خوابگاہ بنارس کی مناسبت سے حزین کے حالات پر ایک پر مغز مقالہ پڑھا تھا، اور نیز حزین کے کلام کا انتخاب بھی پیش فرمایا تھا، اب وہی مقالہ رسالہ کی شکل مین شائع کیا گیا ہے،

حقیقت کی سیر یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر از مولوی مقصود احمد صاحب مجددی رامپوری ناشر منشی سید قربان علیصاحب بسمل دفتر اردوے معلی شاہجہانی پریس دہلی، حجم ۱۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۸/

حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا اردو ترجمہ اگرچہ چند سال گذرے لاہور سے شائع ہوچکا ہے، لیکن منشی سید قربان علی صاحب بسمل نے فارسی شعراء کی رباعیات کے منظوم ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، سرمد و عمر خیام کی رباعیات وہ پہلے شائع کرچکے تھے، اب اسی سلسلہ مین انھون نے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا منظوم ترجمہ "حقیقت کی سیر" کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ترجمہ مولوی مقصود احمد صاحب مجددی نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور روان ہے، اور ۱۴۵ رباعیات پر مشتمل ہے،

دیوان یقین، مرتبہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے اسسٹنٹ ہوم سکرٹری حیدرآباد دکن، حجم مع مقدمہ ۱۶۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت:۔ مجلد عمر و غیر مجلد ۱۲/، پتہ:۔ جناب محمد صدیق حسن صاحب منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے جو ابتک اردو ادب مین محض مزاحیہ مضامین لکھ کر دلچسپی کا سامان بہم پہنچاتے تھے، اب یقین کا دیوان مرتب کرکے اردو علم ادب کی ایک پائدار خدمت انجام دی ہے، دیوان یقین میں اوّلاً ۹۰ صفحون کا ایک بسیط مقدمہ ہے، اور پھر ۶۲ صفحون مین دیوان کی غزلین ہین، مقدمہ کی طوالت کا خاص سبب یقین کے وہ حالات زندگی ہین، جو اردو تذکرون مین خاص دلچسپی اور اسی کے ساتھ حسرت انگیز تاسف کے ساتھ پڑھے جاتے ہین، مختلف تذکرہ نگارون نے یقین کے ان حالات پر روشنی ڈالی ہے، جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے مقدمہ مین تمام تذکرہ نگارون کے بیانات کا جائزہ لیا ہے، اور سب پر تنقید کی ہے، اور اس سلسلہ مین مختلف تذکرہ نگارون مین میر تقی میر اور گاسان دی تاسی وغیرہ کے قائم کردہ الزامات اور جانب دارانہ رایون کی تردید کی ہے، علاوہ ازین یقین کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے دیوان یقین پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین ردیف و قوافی کی تعداد تک مہیا کرنے کی کوشش کیگئی ہے، اگرچہ اس موقع پر ہمین مرتب کے اس خیال سے اتفاق نہین ہے کہ محض یقین کے اس قول سے کہ "تم نے سخن کی طرزین اس سے اڑائیان ہین" ہم بھی یقین کرلین کہ حاتم، میر، سودا اور تابان وغیرہ نے واقعی یقین کے طرز پر غزلین لکھی ہین، ہر دور مین خاص طرز رائج ہوتے ہین، اگر ایک ہی طرز مین مختلف شعرا کی غزلین ہین، تو کیا ضرور ہے کہ کسی ایک ہی شاعر کا تمام شعرا نے تتبع کیا ہے، مقدمہ کے بعد دیوان کی غزلین ہین، غزلون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام غزلین پانچ پانچ شعر کی ہین، اور پھر کل غزلون کی تعداد ۷۰ ہے، جو یقین کے تخلص کے حروف کے مساوی الاعداد ہین، امید ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی یہ سعی اردو علم ادب کے قدردانون کے حلقہ مین قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی،

دیوان جانصاحب مرتبہ جناب نظامی بدایونی، حجم مجموعی ۳۱۰ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت مجلد عہ پتہ :- نظامی پریس بدایون،

اردو کے ریختی گو شعرا مین یار علی "جان صاحب" دور متاخرین کے باکمال شاعر تھے، ان کا

دیوان نظامی پریس بدایون نے اولاً ۱۹۲۲ء مین شائع کیا تھا، جو اپنے نوع کی مقبولیت کے لحاظ سے ہاتھون ہاتھ بکا، اب اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا گیا ہے، نظامی پریس کی اس ادبی خدمت سے اردو زبان کی ایک خاص صنف کے بہت سے الفاظ و محاورات محفوظ ہوگئے ہین، نیز اسی کیساتھ واجد علیشاہ کے عہد کے لکھنؤ کی زنانی تہذیب و معاشرت کا مرقع تیار ہوگیا ہے، جناب نظامی بدایونی نے ریختی کے دیوان کی مناسبت سے اس عہد کے شرکے "ریختی نویس" جناب آغا حیدر حسن صاحب دہلوی سے اس پر مقدمہ لکھوایا ہے، مقدمہ اپنے طرز مین دلچسپ ہے، لیکن مقدمہ کے مضامین و مباحث مین از سر نو ترتیب و تدوین کی ضرورت تھی، کہ مقدمہ کے تمام مباحث مربوط و مسلسل ہو جاتے، افسوس ہے کہ طبع ثانی مین اس کی طرف توجہ نہین کیگئی، اس جدید اڈیشن مین جان صاحب کے جدید دستیاب شدہ کلام کا وافر حصہ بھی شامل کیا گیا ہے، دیوان کی ابتدا مین اولاً مرتب کی طرف سے چند صفحون کا تعارف ہے، پھر ۸۲ صفحون مین آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کا مقدمہ ہے، اس کے بعد ۲۰۰ صفحے دیوان کے ہین، اور آخر مین ۲۶ صفحون مین دیوان کا فرہنگ منسلک ہے،

ماہ دخت، از جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب حجم ۱۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، قیمت عہ، پتہ منیجر صاحب رسالہ دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب، مولنا عبد الحلیم صاحب شرر کی وفات کے بعد ان کی لائق ستایش جانشینی کر رہے ہین، چنانچہ ایک طرف ان کے رسالہ دلگداز کی عنان ادارت ہاتھ مین لیے ہوئے ہین، اور پھر کوشش کرتے ہین کہ ان کے خدمات کی یاد تازہ رکھین، اور جسطرح شرر مرحوم ہر سال دلگداز مین ایک ناول پیش کرتے تھے حکیم صاحب نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے، اور یہ ناول "ماہ دخت" جو اسوقت پیش نظر ہے ۱۹۳۱ء کے دلگداز مین پیش کیا گیا تھا اور اب کتابی شکل مین شائع ہوا ہے، اس مین حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے عرب و ایران کی لڑائیون کو ناول کے طرز مین بیان کیا گیا ہے، اور اسی مین ایک عرب قائد عاصم بن عمرو تمیمی اور یزدگرد کی بہن ماہ دخت کے تعشق کی داستان شامل کیگئی ہے

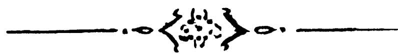
"ر"

جلد بست و نہم (۲۹) | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۲ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

کسی قوم کی بربادی کا اصلی وقت وہ ہوتا ہے، جب خود اس کے یقینیات یعنی ایمانیات تو اُس کے نزدیک مشکوک ہو جاتے ہیں، یا مٹ جاتے ہیں، اور اُنکی جگہ دوسری قوم کے یقینیات اس کے دل میں راہ پاتے، اور پختگی اور استحکام حاصل کرتے جاتے ہیں، اسوقت وہ قوم تسخر انگیز تناسخ کی صورت میں ہوتی ہے، اوپر سے تو وہ وہی قوم معلوم ہوتی ہے، مگر اندر سے وہ کچھ اور ہو جاتی ہے، بظاہر وہ اب بھی اپنے کو وہی کہنے اور کہلانے پر مُصر ہوتی ہے، مگر اس کا باطنی ہیولیٰ کسی اور روح میت میں تبدیل ہو چکا ہوتا ہے، گویا وہ اندر سے تو کوئی اور حیوانی صنف میں بدلی ہوتی ہے، مگر اوپر سے اس پر چہرہ انسان کا لگا ہوا ہوتا ہے، پھر یہ انسان نما حیوان تعجب کرتا ہے کہ ہم پر انسانی برکات کے اُس پہلے خزانہ کا منھ کیوں نہیں کھلجاتا جب ہم صرف اوپر سے انسان نہیں، بلکہ اندر سے بھی انسان تھے،



ہم بظاہر مسلمان بنتے ہیں، مگر اسلامی ایمان و یقین سے سرتاپا عاری، اسلامی تعلیمات و ہدایات سے یکسر غافل اور اسلامی تمدن و معاشرت سے تمامتر خالی ہیں، پھر اصرار ہے کہ ہم کو اسلام کا پیرو اور مسلمان کہا جائے، اور اسلام اور مسلمانوں کے جو لوازم اور خصوصیات ہیں، ان کا ہم کو اہل قرار دیا جائے، اور اگر وہ وعدے جو مسلمانوں سے کئے گئے تھے ہمارے ساتھ پورے نہ کئے جائیں تو ہم کو اپنی غلط نمائی پر جھوٹ کا گمان نہیں ہوتا، بلکہ اس وعدہ کرنے والے کے جھوٹے ہونے کا (نعوذ باللہ) خیال ہوتا ہے، کیا یہ علت و معلول اور خاصیت و ذی خاصیت کے درمیان لزوم کی صحیح منطقی شکل ہے ؟



دنیا کی سطح پر جو قومیں بھی وجود پذیر ہوئی ہیں، انکی بناوٹ کا خمیر عموماً تین مختلف مسالوں سے تیار ہوا ہے

یعنی کسی نسل کی محبت، یا کسی خاص ملک کی الفت اور یا چند خیالات سے مستحکم عقیدت، اسلامی قوم کی طبعی ساخت تینون مسالہ سے ہوئی ہے، اسلیے اسکی بنا کی سستی کو اگر دور کرنا ہے تو اسی خاص قسم کے مسالہ کو جہان جہان سے وہ جھڑ گیا ہو اور اس کو پختہ کیجئے، ورنہ اگر آپ یہ چاہینگے کہ اسکی کمزوری و سست بنیادی کو پہلی یا دوسری قسم کے مسالے سے دور کرین تو آپ اُسکو وہی چیز نہین بلکہ دوسری یا تیسری چیز بنا رہے ہین، اُسکو ہندو بنا رہے ہین یا انگریز، مسلمان نہین بنا رہے ہین،



جسوقت عرب کے ملک مین اسلامی قومیت کی تعمیر ہو رہی تھی اس کے داہنے اور بائین دو اور قومیتین موجود تھین، ایکطرف ایرانی نسل کی قومیت، اور دوسری طرف رومی شہنشاہی وطنیت، مگر عرب کی نئی قومیت کے خلاق نے نہ ادھر دیکھا اور نہ اودھر، کہ ان دونون کی کمزوریان آشکارا تھین، بلکہ وہ اپنے لیے ایک تیسری قومیت کا مسالہ تیار کرتا رہا، اور بالآخر ایک نئی قوم بنا کر کھڑی کر دی جس نے آن کے آن مین دونون گذشتہ قومیتون کو تہ و بالا کر کے ان کو اپنے مین مدغم کر دینے پر مجبور کر دیا،



مسلمان اگر آج مسلمان ہین تو اس نکتہ پر غور کرین کہ محمد رسول اللہ صلعم نے اپنی نئی قومیت کی تعمیر کے وقت یہ نہین کہا، کہ اے مسلمانو! تم ایرانیون کیطرح بنجاؤ تو درفش کاویانی جیسا علم تمھارے سرون پر لہرانے لگے، یا اے مسلمانو! تم رومیون کی طرح بنجاؤ تو عالمگیر شہنشاہی کے تخت پر تم کو بیٹھنا نصیب ہو، بلکہ جب کہا تو یہی کہا، یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا، اے ایمان والو! ایمان والے بنجاؤ یعنی اے بے مثال قوم والو! اپنی مثال آپ بنجاؤ،



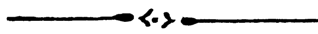
پھر یہ کیا بدبختی ہے کہ آج مسلمانون کے نزدیک ان کے مسلمان بننے کی صرف دو راہین ہین، کچھ کے نزدیک یہ کہ تمام مسلمان بلکلفت فرنگی بنجائین، اور بعضون کے نزدیک یہ کہ وہ ہندی بنجائین، اور مسلمان بننا اب مسلمان بننے کیلئے ضروری نہین رہا، تو خدارا بتاؤ کہ یہ پوری قوم کی قوم کو ایک دوسری قوم مین مدغم ہو جانے کی صریح دعوت ہے یا نہین؟



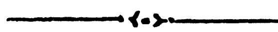
آج یورپ کو اتحاد عالم کے خواب کی تعبیر کے لیے اس کی ضرورت پیش آئی ہو کہ وہ ایک عالمگیر زبان پیدا کرے جس کا نام اسپرنٹو رکھا گیا ہے، لیکن اسلام نے اپنے عالمگیر اتحاد کے لیے اس مسئلہ کو پہلے ہی سے حل کر دیا ہو، اس کے پیغمبر اور اُسکی کتاب کی زبان آج چالیس کرور نفوس کے لیے اسلامی اسپرنٹو ہو، جہان کہین بھی کوئی مسلمان آبادی ہے، اس زبان کا کوئی نہ کوئی جاننے والا موجود ہے، آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے جہان چند ہزار بھی اس زبان کے جاننے والے ہین اس زبان مین ان کے اخبارات اور رسالے شائع ہو رہے ہین، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ پورے ہندوستان مین جہان آٹھ کرور اس زبان کے عاشق صادق، اور کم از کم چند لاکھ اس کے جاننے والے اور سمجھنے والے موجود ہین، اور ایک لاکھ سے زیادہ اس کے طالب العلم ہین، اور ہزارون کی تعداد مین اسکی درسگاہین ہین، اس زبان کا کوئی رسالہ موجود نہین ہے،



اسی ضرورت کو محسوس کرکے ہمارے چند عزیزان ندوۃ العلماء نے یہ قصد کیا ہے کہ لکھنؤ سے الضیاء نامی ایک ماہوار رسالہ جاری کرین جس کے نگران کارون مین ایک میرا نام بھی ہے، پہلا رسالہ مرتب ہو چکا ہے، محرم ۱۳۵۱ھ سے اس کا آغاز ہوگا، قیمت للعہ سالانہ ہوگی، پتہ یہ ہے، مولوی مسعود عالم صاحب ندوی، اڈیٹر الضیاء، شبلی دارالاقامہ، بادشاہ باغ لکھنؤ،



ہم کو امید ہے کہ اس زبان کے قدردان اسکی قدر کرینگے، اور نہ صرف اس کو خرید کر، بلکہ زر اعانت سے بھی اس کی امداد کرین گے، اس وقت پچاس پچاس روپیے کے چند دوستون کے چندون سے یہ کام شروع ہو رہا ہے، اگر باہر سے بھی کچھ لوگ اس کی ابتدائی مشکلات کے لیے پچاس پچاس روپیے یکشت چندون سے اس کی اعانت فرمائین تو بڑا کام ہو، ایسے احباب اس رسالہ کے دائمی سرپرست اور ہمیشہ کے خریدار رہین گے،



مقالات

کیا عالمگیر کے عہد مین تاریخ نویسی قانوناً جرم تھی؟

الہ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر تاریخ کی غلط بیانی؛

از
سید ریاست علی ندوی،

عالمگیر کی فرد قرار داد جرم مین ایک یہ جرم بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ اس نے اپنے مظالم کی پردہ پوشی کیلئے اپنے عہد مین تاریخ نویسی کو قانوناً ممنوع قرار دیدیا تھا، چنانچہ دور حاضر کے ایک ہندو مورخ ڈاکٹر ایشوری پرشاد صاحب ایم اے ڈی لٹ پروفیسر تاریخ الہ آباد یونیورسٹی اپنی تاریخ ہندوستان مین جو اسکول کے اوپر کے درجون کے لیے لکھی گئی ہے، عالمگیر کے جرائم تعصب و تشدد مین ایک اس جرم کا بھی اضافہ کرتے ہین، اور لکھتے ہین:-

"اورنگ زیب نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی اس کے زمانہ کے واقعات کا حال نہ لکھے"

مگر:-

"ایک ہمعصر مسلمان مورخ محمد ہاشم خفیہ طور سے اس زمانہ کے حالات لکھتا رہا، اس لیے وہ خافی خان کہلاتا ہے، اس کی کتاب منتخب اللباب سے اورنگ زیب کے زمانہ کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے"[1]

ہمارے ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان غالباً اپنے پیشرو انگریز مورخین کی تقلید مین لکھا ہے، بہر حال اس دعویٰ کے یہ تین ٹکڑے ہین،

[1] تاریخ ہندوستان ایشوری پرشاد ص ۳۰۲ مطبوعہ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۲۸ء

۱- عالمگیر نے اپنے عہد مین تاریخ نویسی کی ممانعت کردی،

۲- محمد ہاشم خفیہ طور پر اس کے عہد مین اپنی تاریخ لکھتا رہا،

۳- اسی خفیہ نویسی کیوجہ سے وہ "خافی خان" کہلایا،

واقعہ یہ ہے کہ جب محمد ہاشم کی منتخب اللباب شائع ہوئی، اوراس کے مطبوعہ نسخہ کے سرورق پر مصنف کا لقب "خافی خان" نظر آیا، تو اسی زمانہ سے بطور تخمین وقیاس یہ آواز پیدا ہوگئی تھی، کہ وہ اپنی خفیہ نگاری کے باعث اس لقب سے ملقب ہوا ہوگا، اور یہ اس لیے کہ عالمگیر نے اپنے عہد کے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے تاریخ نویسی کی ممانعت کردی ہوگی، اور نیز منتخب اللباب کے دیباچہ کے بعض بیان سے اس قیاس آرائی کی مزید تائید ہوئی جسکا تذکرہ آیندہ آئے گا، پہلے ہمین محمد ہاشم کے لقب اور منتخب اللباب کے عہد تالیف پر نظر ڈالنی ہے،

یہ عجب اتفاق ہے کہ جسطرح عالمگیر کے عہد مین عمالِ حکومت اور فوج سے کبھی جو غلطیان سرزد ہوئین، وہ براہِ راست عالمگیر کے سر تھوپ دی گئین، اوسی طرح آج چند صدیان گذرنے کے بعد بھی، جب عالمگیر کے عہد کے واقعات کی تاریخ مطبع سے شائع ہوئی، اوراس سے ایک اتفاقی غلطی سرزد ہوگئی، تو اُس کو بھی ایک مستقل الزام بنا کر عالمگیر کے سر لاد دیا گیا،

"خافی خان" کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہین کہ یہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نسخہ کی ایک اتفاقی غلطی ہے، کہ اسین محمد ہاشم نظام الملکی کا لقب "خوافی خان" کے بجائے "خافی خان" شائع ہوا، خواف نیشاپور (خراسان) کے ایک قصبہ کا نام ہے، خوافی سے اُسی کی طرف نسبت کیجاتی ہے، معجم البلدان مین ہے،

خَوَاف ..... قصبة كبيرة من اعمال	خواف ..... نیشاپور (خراسان) کا ایک بڑا قصبہ
نيسابور بخراسان ..... ينسب اليها	ہے ..... اسکی طرف اہل علم وادب کی ایک جماعت
جماعة من اهل العلم والادب	منسوب ہے ..... انہی مین ابو المظفر احمد بن محمد بن
منهم ابو المظفر احمد بن محمد بن المظفر الخوافي[1]	مظفر خوافی ہین .....

[1] معجم البلدان ج ۳ ص ۴۷۹ مطبوعہ مصر،

اسی طرح کتاب الانساب سمعانی مین ہے:-

خوافی ... ھذہ النسبۃ الی خواف | خوافی ... یہ نسبت خواف کیطرف ہی، جو نواحی نیشاپور
وھی ناحیۃ من نواحی نیسابور ... | مین ہی ... یہان سے علمار و محدثین کی ایک جماعت
کان منھا جماعۃ من العلماء والمحدثین[1] ... | پیدا ہوئی،

خواف کے اکثر اہل علم وفن سلاطین مغلیہ کے دامن سے وابستہ تھے، اور معزز عہدون پر فائز تھے، منتخب اللباب مین بھی ان کا جابجا تذکرہ ہے، مثلاً عبد الخالق خوافی (ج ۱ ص ۲، ۳۷) شیخ میر خوافی (ج ۲ ص ۱۲-۱۶-۲۳-۲۵-۲۷-۳۸ وغیرہ) اور خواجہ کلان خوافی کفایت خان وغیرہ (ج ۲ ص ۱۹، ۲۰ وغیرہ)

اور محمد ہاشم نے کہین کہین ان لوگون سے اپنی رشتہ داری اور نسبت بھی بیان کی ہی، خواجہ کلان خوافی کے ذیل مین لکھا ہی:

"خواجہ کلان خوافی کہ خالوی محرر اوراق می شد اصالۃ دیوانی اجین کہ ..... [2]"

اور اسی طرح اپنے وطن خواف اور ابنا سے وطن کے متعلق عالمگیر اور شیخ میر خوافی کے تذکرہ کے ایک سلسلہ مین لکھا ہے:

"گویند بسبب جان جانفشانی کہ بدان ارادت وعقیدت از شیخ میر بظہور آمد، پادشاہ قدردان خانہ زاد پرور از نسبت ہمہ مردم خواف توجہ تمام بہم رسید وآن قدر کہ در عہد خلد مکان عالمگیر پادشاہ مردم خواف کہ محقر ترین الکہای خراسان است پیش آمدند وترقی نمودند در ہیچ عہدی از پادشاہان سلف در تواریخ بنظر نیامدہ دنی الحقیقت اگرچہ مردم خواف نسبت ہمہ مردم خراسان در ظاہر درشت دبیرو واقع شدہ اند، اما اکثر در کار راست ودرست اند ودر طریقۂ پاس حق نمک آقا از جملہ ثابت قدمان می توان محسوب نمود[3]"

چنانچہ منتخب اللباب کے بعد کی تاریخون مین جن کا وہ ماخذ ہے، کتاب کے مولف کا نام ہر جگہ خوافی خان ملتا ہے، مثلاً مآثر الامراء، نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خان مین چند جگہ اس کا نام آیا ہے، اور ہر جگہ یہی نام مذکور ہے،

[1] کتاب الانساب (گب) ورق ۲۱۰، [2] منتخب اللباب ج ۲ ص ۱۹، [3] ایضاً ج ۲ ص ۶۲،

دیباچہ مین ماخذون کی فہرست مین ہی،

"لب لباب تالیف خوافی خان"

ج ۱ ص ۲۶۴ مین ہے:-

"خوافی خان صاحب تاریخ لب لباب ..... آوردہ"

اور اسی طرح ج ۱ ص ۵۱۴ مین ہے،

"اما خوافی خان در تاریخ خود زبانی خواجہ مکارم جان نثار خان .... آوردہ"

اور پھر ج ۳ ص ۶۸۰ مین ہے،

"خوافی خان صاحب تاریخ منتخب اللباب ..... نقل می کرد"

باقی رہا منتخب اللباب کو عہدِ عالمگیر کی تالیف بتانا ایک ایسی سخت حیرت انگیز غلطی ہے، جس کا ارتکاب ہندوستان کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی کے پروفیسر تاریخ سے حد درجہ تعجب انگیز ہے، اگر **تاریخ ہندوستان** کی تالیف کے وقت منتخب اللباب سامنے موجود نہ تھی، تو اس کتاب کا حوالہ دیتے وقت کم ازکم کسی فہرستِ مخطوطات ہی مین اسکو دیکھ لیا جاتا تو یہ التباس دور ہو جاتا، مثلاً فہرستِ مخطوطاتِ فارسی انڈیا آفس مین ہے:-

"یہ ۱۱۴۳ھ ۳۱-۱۷۳۰ء سے پہلے مکمل نہین ہوئی، اور مؤلف نے ۱۱۴۴ھ مین وفات پائی"[1]

ورنہ منتخب اللباب مین سنہ تالیف وغیرہ کے علاوہ کہ جس سے عہدِ عالمگیر کی وفات کے دس برس بعد کی یہ تالیف ثابت ہوتی ہے، جابجا ایسے واضح قرائن موجود ہین کہ اس کو عہدِ عالمگیری کی تالیف غلطی سے بھی نہین کہا جا سکتا، مثلاً عالمگیر کے حالات مین اکثر مواقع پر اس کو "خلد مکانی" سے موصوف کیا گیا، اور اُسکے برخلاف دیباچہ کے شروع ہی مین جہان محمد شاہ کا تذکرہ آیا ہے، اس کا نام فرمانروائے وقت کی حیثیت سے لکھا گیا ہے، دیباچہ مین ہے:-

[1] فہرست مخطوطات انڈیا آفس نمبر کتاب ۳۹۶ ص ۱۴۹،

"تا ذکرِ سلطنت عہد مبارک پادشاہ جم جاہ، جوان بخت، فرازندۂ تاج وتخت، اختر برج جہانبانی، گوہر درج صاحبقرانی آبروبخش دولت دوبارۂ تیموری ابوالمظفر ناصرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی بغایت سنہ ہزار وصد وسی کہ بتالیف آن جلد پرداختہ در مدت دو صد سال قمری بچہاردہ واسطہ زینت افزائے تخت ہندوستان پر وسعت گشتہ اند۔"

آغازِ کتاب کی عبارت یہ تھی، اب اتمام کتاب کی عبارت پڑھئے:-

"بغایت شروع سنہ چہاردہ بہ تحریر مجملی از سوانح عہد محمد شاہ بادشاہ پرداختہ، انشاء اللہ تعالیٰ بعد ازین بشرط بقائے حیات و وفا نمودن فرصت آنچہ اتفاق افتد بہ تسطیر تغیر و تبدیل وضع روزگار قلم زنجیر خواہد داشت[1]"

کتاب کے آغاز و اتمام کو آپ نے پڑھ لیا، کیا یہ عہد عالمگیری کی عبارت ہے؟ کہ یہ کہا جا سکے کہ عالمگیر کا "ایک ہمعصر مسلمان مورخ محمد ہاشم خفیہ طور سے اس زمانہ کے حالات لکھتا رہا، اور اس لیے وہ خافی خان کہلاتا ہے" لیکن اگر اس موقع پر ہمارے لائق مورخ عہد عالمگیری میں تاریخ نویسی کی ممانعت کو "ایک ہمعصر مسلمان مورخ" کے نام ولقب سے ثابت کرنے کے بجائے اس مسلمان مورخ کے بعض بیانات سے ثابت کرتے تو وہ اولاً ایسی فاش تاریخی غلطیوں میں نہ پڑتے، اور بلکہ بہ ظاہر کسی حد تک وہ قرینِ قیاس واقعہ نظر آتا، وہ وہی بیان ہے، جس کی طرف ہم ابھی اشارہ کر آئے ہیں، منتخب اللباب کے دیباچہ میں ہے:-

"اگرچہ خلاصۂ سوانح پنجاہ سال عہد آن پادشاہ جم جاہ تبند کارآوردن، آب دریا بکوزہ پیمودن است خصوص احوال چہل سال اواخر کہ مورخان از تسطیر آن ممنوع گشتہ، برشتہ بیان نکشیدہ اند، بحریست بے پایان[2]"

محمد ہاشم کا یہ ایک ایسا بیان تھا جس سے عہد عالمگیر میں تاریخ کی تدوین کے اشاعت کا حکم نکل سکتا تھا، لیکن

---

[1] منتخب اللباب ج ۱ ص ۲ و ج ۲ ص ۸۰۷، [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۰۳،

درحقیقت اس بیان کو بھی اس الزام سے دور کا بھی سروکار نہین ہے، اس مین ایک بالکل جداگانہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ سلاطین مغلیہ کے دربار مین تاریخ نویسی کا ایک سرکاری محکمہ ہوتا تھا، دربار کے چند اہل قلم تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور رہتے، وہ روزانہ بادشاہ اور دربار کے چھوٹے بڑے واقعات اور سلطنت کے حوادث و وقائع کو ترتیب دیکر کتاب کی شکل مین مرتب کرتے، اور پھر یہ کتاب فرمانروائے وقت کے سامنے پیش کیجاتی، وہ جہان چاہتا اس مین ردوبدل کر دیتا، چنانچہ توزک بابری، اکبرنامہ، جہانگیر نامہ اور شاہجہان نامہ وغیرہ اسی قسم کی تالیفات مین، جو سلاطین مغلیہ کی نگرانی مین ترتیب پائی ہین، اور خود عالمگیر کے ابتدائی عہد حکومت کے دس سالون تک یہ طریقہ رائج رہا، چنانچہ اس کے ابتدائی دہ سالہ عہدِ حکومت کی تاریخ عالمگیر نامہ ہے، جس کو منشی محمد کاظم بن محمد امین نے مرتب کیا ہے، اور وہ ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہو چکی ہے، محمد کاظم اس کا مسودہ مرتب کرتا، اور اس کو عالمگیر خود ملاحظہ کرتا، اور پھر سال بسال کتاب ترتیب پاتی جاتی،

لیکن اگر مورخانہ دیانتداری سے دیکھا جائے، تو ان کتابون کی حیثیت کسی آزادانہ تاریخی تصنیف کی نہین قرار پاسکتی، بلکہ اسکی ایک حد تک وہی حیثیت ہوسکتی ہے، جو آجکل حکومتون کی سالانہ رودادون کی ہوتی ہے، لیکن پھر ان رودادون اور ان تصنیفون مین بھی ایک اصولی فرق ہو گا، کہ ان رودادون کی اشاعت و ترتیب کی ذمہ دار خود حکومت ہوتی ہے، اور اس لیے سیاسی و دیگر معاملاتِ حکومت مین، حکومت اپنے طریق کار کی حمایت کرتی ہے، لیکن شاہان مغلیہ کے عہد کی وہ کتابین اگرچہ حکومت کی جانب سے ترتیب پاتی تھین، اور ان مین اسی کے نقطۂ نظر کو واضح کیا جاتا تھا، لیکن ان بیانات کی صداقت اور ان روایون کی صحت کی تمامتر ذمہ داری انہی مصنفین کے سر ہوتی تھی، اور ایک آزاد مورخ کے نام سے حکومت کی جا و بیجا حمایت کرائی جاتی تھی، اس لیے یہ فیصلہ بآسانی ہوسکتا ہے کہ حکومت کے مخالف پہلوؤن کے موقعون پر ان کتابون کا تاریخی پایہ استناد کیا ہوسکتا ہے،

عالمگیر کا اگر کوئی جرم ہے تو یہی کہ اس نے اس مذموم تاریخ نویسی کے سلسلہ کو یکقلم ممنوع قرار دیدیا، کہ تاریخین وہ ہونگی جو دوسرے آزاد اہل قلم لکھین نہ کہ وہ ہونگی جو حکومت کے زیر سایہ ترتیب پائین، چنانچہ اسی حکم کے مطابق منشی محمد کاظم کی تالیف عالمگیر نامہ کی ترتیب کا سلسلہ صرف دس برس کے حالات تک پہنچکر منقطع ہوگیا، عالمگیر نامہ ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہو چکی ہے، اُسے دیکھکر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی آزاد نگار مورخ کا تاریخی شاہکار ہے یا سرکاری دفتر کی سرکاری کھتیونی، کہ جس مین مخالف حکومت اشخاص کے نام تک تحقیر و تذلیل سے لکھے گئے ہین اور خصوصًا "داراشکوہ" ہر جگہ "دارائے بےشکوہ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے،

عالمگیر نے اسی غیر مناسب سلسلۂ تاریخ نویسی کو مسدود کر دیا، چنانچہ جب عالمگیر کے عہد حکومت کے بعد اسی طرح اس کے بقیہ سال حکومت کی تاریخ "مآثر عالمگیری" مستعد خان کے قلم سے ترتیب پائی، تو اس نے اپنے دیباچہ مین اس حقیقت کو واضح کیا، وہ لکھتا ہے:-

"واضح باد کتاب بلاغت نصاب والاخطاب عالمگیر نامہ متضمن وقایع دہ سالہ دولت ابد طراز...

...... ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی نگاشتہ خامہ بدایع نگار مرزا محمد کاظم سرآمد سخن سنجان نادرہ کار است وچون خدیو عالم صورت ومعنی واقف اسرار بلندی و پستی را تاسیس بنا ے باطن مقدم بر اظہار آثار ظاہر بود راقم از تسوید ممنوع شد[1]....."

اسی بنا پر عالمگیر نامہ کے مقدمہ مین مصحح کتاب کا بیان حسب ذیل ہے:-

"وچون بندگان حضرت اعلی خاقانی بمقتضاے دانش خداداد و فطرت بلند وعلو ہمت و وسعت حوصلہ ابقاء آثار ظاہر را درجنب محو ان وقعتے نہ نہادہ بتاسیس مآثر باطن بیشتر توجہ داشتند بعد از تدوین واقعات دہ سالہ حکم حقیقت شیم صادر شد کہ گذارندۂ داستان مفاخر و مکارم محمد کاظم مصنف کتاب مستطاب عالمگیر نامہ من بعد وقائع را بقید کتاب در نیاورد، لہذا او ہم بدان قدر

---

[1] دیباچہ مآثر عالمگیری قلمی کتب خانہ خدا بخش خان نمبر کتاب ۱۳۰ ورق ۲ و ۳، مطبوعہ نسخہ اس وقت پیش نظر نہین ہے،

اکتفا نمود ....[1]"

یہ ہے اس الزام کی اصل حقیقت، غریب عالمگیر اپنی خاکساری و فروتنی سے اپنے مفاخر و مکارم کی بزم داستان گوئی کو منتشر کرتا ہے، لیکن اس پر الزام یہ آتا ہے کہ اس نے اپنے عہد کے مظالم کی پردہ پوشی کے لیے تدوین تاریخ پر عام حکم امتناع جاری کر دیا، اگر یہ واقعہ ہوتا تو ظالم عالمگیر کو اپنے پہلے دہ سالہ جرائم کے اخفا کے لیے جو باپ اور بھائیون کیساتھ اس نے کئے، اپنے ابتدائی دہ سالہ تاریخ کو خاکستر کرنا چاہئے تھا، نہ کہ آیندہ کے واقعات کو جس مین مرہٹون کی جنگ کے سوا کوئی اور اہم باب نہین،

بہرحال اگر درحقیقت عالمگیر کے عہد مین تدوین تاریخ کا سلسلہ واقعی روک دیا گیا ہوتا، تو آج بہت سی کتابین جو عہد عالمگیر مین ترتیب پائی ہین، عالم وجود مین نہ آئی ہوتین، ورنہ عالمگیر کے عہد مین پرچہ نویسی و وقائع نگاری کا جو نظام قائم تھا، اس سے ممکن نہ تھا کہ مورخین اپنی کتابین لکھتے اور پرچہ نویس ان سے بے خبر ہوتے، چنانچہ اسوقت یورپ اور ہندوستان وغیرہ کے مختلف کتب خانون مین عہد عالمگیری کی بکثرت کتابین موجود ہین، اور سب سے پرلطف یہ ہے کہ ان تالیفات مین نہ صرف مسلمان مورخین کی کتابین ہین، بلکہ اس عہد کے ممتاز ہندو اہل قلم کی تصنیفات بھی ہین، اور ہمارے دور حاضر کے ہندو مورخین کے لیے یہ واقعہ سب سے زیادہ حیرت انگیز ہوگا، کہ عہد عالمگیر کے ہندو مورخین نے عہد عالمگیر کی تاریخ، عہد عالمگیر مین مرتب کرکے خود عالمگیر کے نام معنون کی، اور اپنی اپنی تالیفات ہاتھ مین لیکر عالمگیر کے دربار مین حاضر ہوئے،

ذیل مین عہد عالمگیری کی تاریخی تصنیفات کی ایک فہرست پیش کیجاتی ہے، امید ہو کہ یہ فہرست ہمارے لائق مورخ کے تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیگی، اس سلسلہ مین پہلے مسلمان مورخین کی کتابین درج کیجاتی ہین، اور پھر ہندو مورخین کی کتابین درج کیجائینگی، مسلمان مورخین کی کتابین حسب ذیل ہین:-

۱- **واقعات عالمگیری**، مصنفہ امیر خان، آیین عالمگیر کی ولادت، شاہزادگی اور پھر تخت نشینی سے شاہجہان کی وفات تک کے حالات ہین، اسکا ایک نسخہ کتب خانۂ دارالمصنفین مین ہے،

[1] مقدمہ عالمگیر نامہ ص ۵،

۲- **عجیبہ غریبہ**، جو فتحیہ عبریہ یا عبریہ بھی کہلاتی ہے، مؤلفہ شہاب الدین طالش بن محمد ولی احمدیہ کوچ بہار اور آسام کے فتح عالمگیری کی تاریخ ہے، جو عہد عالمگیری کے ابتدائی سالون مین پیش آئی، زمانہ تالیف سنہ ۱۰۷۳ھ ہے،

۳- **واقعات عالمگیر**، مولفہ عاقل خان رازی، عالمگیر کے ابتدائی پانچ سالون از سنہ ۱۰۶۸ تا سنہ ۱۰۷۳ھ تک کی تاریخ ہے،

۴- **تاریخ شاہ شجاعی**، مؤلفہ محمد معصوم بن حسن صالح، شاہ شجاع کی جنگون کے حال مین ہے، زمانہ تالیف سنہ ۱۰۷۰ھ ہے، (بانکی پور ج ۷، ص ۸۱)

۵- **آئینۂ بخت**، مؤلفہ بختاور خان، کتاب کا آغاز تصنیف سنہ ۱۰۷۸ھ مین ہوا، اسمین بابر سے شاہجہان تک کے مختصر حالات اور عہد عالمگیری کے ابتدائی دہ سالہ حکومت کے مفصل واقعات ہین، اور مصنف کے بیان کے مطابق "علت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہین" یہ نسخہ رامپور کے کتب خانہ مین موجود ہے، اور اسکا مفصل تذکرہ انہی اوراق کے گذشتہ نمبر مین شائع ہو چکا ہے، بختاور خان نے سنہ ۱۰۹۶ھ مین وفات پائی، اور عالمگیر نے خود نماز جنازہ پڑھائی، (معارف ج ۲۹ نمبر ۴)

۶- **مرآۃ العالم**، بختاور خان کی ایک دوسری تالیف مرآۃ العالم کے نام سے برٹش میوزیم مین موجود ہے، اس تصنیف کی تاریخ بھی "آئینۂ بخت" ہے، منشی احمد علیخان صاحب مہتمم کتب خانہ رامپور کا خیال ہے کہ غالباً بختاور خان نے ابتداً صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے، اور اس کا نام آئینۂ بخت رکھا، پھر اسی کو وسعت دیا، اور اس کو "مرآۃ العالم" سے موسوم کیا، اور اس کا تاریخی نام "آئینۂ بخت" باقی رکھا، لیکن انڈیا آفس کی فہرست مخطوطات کے مرتب نے اس تالیف مرآۃ العالم کو شیخ محمد بقا (سنہ ۱۰۳۷ھ - سنہ ۱۰۹۴ھ) کی تالیف قرار دیا ہے، (برٹش میوزیم ج ۱ ص ۱۲۵، انڈیا آفس نمبر کتاب ۱۲۴ تا ۱۲۶)

۷- **مرآۃ جہان نما**، یہ اسی شیخ محمد بقا (مولود سنہ ۱۰۳۷ھ - متوفی سنہ ۱۰۹۴ھ) کی تالیف ہے جسمین عالمگیر کے دہ سالہ حکومت تک کی تاریخ ہے، اور سنہ ۱۰۹۴ھ مین مصنف کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے محمد شفیع (سنہ ۱۰۹۵ھ) نے اس کو عہد عالمگیری ہی مین اڈٹ کیا، انڈیا آفس مین اسکا ایک نسخہ موجود ہے (نمبر کتاب ۱۲۶)

۸- **زینۃ التواریخ**، مولفہ عزیز اللہ، یہ تاریخ عام ہے، زمانہ تالیف سنہ ۱۰۶۷ھ ہے، برٹش میوزیم مین موجود ہے،

۹- **تنقیح الاخبار**، مؤلفہ ملا محمد، یہ بھی عہد عالمگیری کی تالیف ہے، یہ فرخ سیر کے عہد سنہ ۱۱۲۵ھ تک کی عام تاریخ ہے

عہدِ عالمگیر مین سنہ ۱۱۱۱ھ سے اس کی تالیف شروع ہوئی،

۱۰- **آداب عالمگیری**، مؤلفہ منشی الممالک شیخ ابو الفتح قابل خان، یہ کتاب عہد عالمگیری کے سرکاری دستاویزات اور خطوط وغیرہ پر مشتمل ہے، سنہ ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء مین یہ مجموعہ کتاب کی شکل مین مرتب ہوا، اور اسکی تاریخ "گل از باغ جان" سے متعین کیگئی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ہمارے کتب خانہ دار المصنفین مین بھی موجود ہے،

۱۱- **خلاصہ عالمگیر نامہ**، مؤلفہ حاتم خان، یہ اگرچہ عالمگیر کے ابتدائی دہ سالہ عہد کی تاریخ ہے لیکن اس دس سال کے بعد ترتیب پائی ہے جب عالمگیر نے محمد کاظم کے عالمگیر نامہ کی ترتیب روک دی تھی، یہ تمامتر اسی کا خلاصہ ہے، اور برٹش میوزیم کا نسخہ عالمگیر کے ۴۸ وین سال حکومت سنہ ۱۱۱۵ھ کا مکتوب ہے،

۱۲- **وقائع نعمت خان عالی**، اسمین عالمگیر کے حملۂ حیدرآباد سنہ ۱۰۹۷ھ کے چند دنون کے حالات قلمبند کئے گئے ہین، جو اسی زمانہ مین لکھے گئے تھے،

۱۳- **جواہر التواریخ**، مؤلفہ سلمان قزوینی، از ابتدائے آفرینش تا عہد عالمگیر کے حالات پر مشتمل ہے لیکن بوڈلین لائبریری مین جو نسخہ ہے، وہ جہانگیر کے عہد تک کے حالات مین ہے، مگر مصنف نے دیباچہ مین عہدِ عالمگیر تک کی تاریخ کی ترتیب بتائی ہے، اور مرتب فہرست نے اسکو عہد عالمگیر کی تصنیف قرار دیا ہے کہ عالمگیر کے نام کیا تھا "خلد اللہ ملکہ" کے الفاظ مین (بوڈلین نمبر کتاب ۱۶۸)

۱۴- **مجموعہ اقتباس تواریخ مختلفہ**، یہ بوڈلین لائبریری کا ایک نسخہ ہے، مصنف کا نام درج نہین، لیکن سنہ ۱۰۸۰ھ تالیف ہے، اسمین حسب ذیل تاریخون کے خلاصے ہین، تاریخ (۱) سلاطین خلافت تزئین سلسلہ علیہ صفویہ، مشتمل بر حالات از سنہ ۹۰۶ تا سنہ ۱۰۸۹، تواریخ (۲) بعضی از فتوحات بتسخیر قلاع وولادت وسوانح وواقعات، وبنائے مساجد وروضات وابنیہ وعمارات وحیاض وباغات ولود وعروسی شاہزادہ عالی کامگار مشتمل تا سنہ ۱۰۶۲ھ، تاریخ (۳) سلطنت بادشاہ خلجیہ، تاریخ (۴) سلاطین سلسلہ علیہ صاحبقران امیر تیمور گورگانی، فتح نامہ (۵) کہ مولانا علی کل از برائے حسین نظام شاہ نوشت و تاریخ (۶) سلاطین سلسلہ علیہ قطب شاہیہ تا حالات سنہ ۱۰۰۸ھ (بوڈلین نمبر کتاب ۲۴۱)

اب ذیل مین عہدِ عالمگیر کے چند ہندو مورخین کی کتابین پیش ہین،

۱۵- **فتوحات عالمگیری**، مصنفہ ایسر داس قوم ناگر متوطن بلدۂ پٹن، اسمین عالمگیر کی تخت نشینی سے ۳۴ وین سن

سال حکومت ۱۱۰۰ھ تک کے حالات ہیں، یہ عہدِ عالمگیری کی تالیف ہے (تفصیل کیلئے دیکھو فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۲۶۹)

۱۶۔ **نسخۂ دلکشا**، مؤلفہ بھیم سین ولد رگھو نندن داس، یہ عالمگیر کی دکنی معرکہ آرائیوں کی رزمیہ تاریخ ہے جس میں عالمگیر کی دکنی فوج کشی سے شاہ عالم کی تخت نشینی تک کے حالات ہیں، بھیم سین ۱۰۵۹ھ میں پیدا ہوا، اور عالمگیر کی فوج سے وابستہ تھا، تاریخ کی ترتیب اگرچہ عالمگیر کی وفات کے دو سال بعد ۱۱۲۰ھ میں اختتام کو پہنچی، لیکن اسکا بیشتر حصہ وہ عالمگیر ہی کے عہدِ حکومت میں جب وہ مختلف مقامات پر جاتا رہا، ترتیب دیتا رہا، (برٹش میوزیم)

۱۷۔ **منتخب التواریخ** مؤلفہ جگجیون داس ولد منوہر داس، اسکا مصنف عالمگیر کے عہدِ حکومت میں ۱۱۰۵ھ سے اس کا مواد فراہم کرتا رہا، لیکن ترتیب کا موقع نہیں ملا، یہانتک کہ ۱۱۲۰ھ میں اس کو مرتب کیا، (برٹش میوزیم)

۱۸۔ **لب التواریخ ہند**، مولفہ رائے بندرابن پسر رائے بہارا مل، اس میں ہندوستان کے مسلمان فرمانروا شہاب الدین غوری (۵۸۷ھ) کے عہد سے عالمگیر کے ۳۳ ویں سال حکومت ۱۱۰۰ھ تک کے حالات ہیں، عالمگیر کے عہد میں تالیف ہوئی اور اور اس کا ایک نسخہ اسی عہد یعنی عالمگیر کے ۴۲ ویں سال حکومت ۱۱۱۰ھ ۱۶۹۸ کا لکھا ہوا، انڈیا آفس میں موجود ہے،

اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس ہندو مصنف نے اپنی یہ تالیف خود عالمگیر کے نام معنون کی ہے،

۱۹۔ **خلاصۃ التواریخ**، مولفہ سنجان رائے (بعض نسخوں میں سجان رائے یا بعض میں سوجن رائے) یہ بھی ہندوستان کی عام تاریخ ہے، اور عالمگیر کے عہد کے چالیس سال یعنی ۱۱۰۷ھ ۱۶۹۵ تک کے حالات پر ختم ہوئی ہے، اور اسی سال یعنی ۱۱۰۷ھ میں اختتام کو پہنچی، اور عالمگیر کی خوش قسمتی ہے کہ اس ہندو مصنف نے بھی اپنی یہ تاریخی تالیف عالمگیر کے نام معنون کی ہے، اسکا ایک نسخہ کتب خانہ دار المصنفین میں بھی موجود ہے، اور اس میں مصنف کا نام سنجان رائے متوطن بٹالہ (یا پٹیالہ) ہے،

لیکن تاریخی حیثیت سے عہدِ عالمگیری کی ان تصنیفات سے زیادہ، اس عہد کے مجموعۂ مکاتیب و فرامین و احکام کو اہمیت حاصل ہے، یہ خطوط و احکام حسب ضرورت صادر ہوئے اور روزانہ جو حوادث پیش آئے، اور حوادث کے مختلف پہلوؤں میں جو حکمت عملی اختیار کیگئی اور جو سیاست برتی گئی، یہ خطوط و فرامین انکا صحیح ترین مرقع ہیں، یہ اس عہد کے پوشیدہ سے پوشیدہ رسل و رسائل کی وہ کڑیاں ہیں جنھیں دورِ حاضر کی حکومتیں بھی انتہا اخفا میں رکھتی ہیں اس لیے عالمگیری عہد کی تاریخ کا حقیقی آئینہ یہی بن سکتی ہیں، کیونکہ یہ خطوط

وفرامین جب صادر ہوئے تھے، اسوقت نہ ان کی اشاعت کا خیال تھا، ورنہ انھیں حوادث عالمگیری کے حق وباطل میں فیصلہ کا قرار دینے کا تخیل تھا،

لیکن عہد عالمگیری کے چند سال گذرنے کے بعد جب لوگون کو ان مکاتیب وفرامین کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا تو عالمگیر نے اسین کوئی مزاحمت نہین کی، اور اسی عہد مین اس قسم کے مختلف مجموعے تیار ہوگئے، اوران خطوط مین صرف عالمگیر کے مکاتیب نہین ہین بلکہ اس عہد کی تاریخ کی اہم شخصیتون شاہجہان، برادران عالمگیر، شاہزادگان عالمگیر، سیواجی، جے سنگھ، اور مختلف سرآوردہ عمال حکومت کے خطوط جمع کئے گیے،

اور اسی طرح لوگون نے عالمگیر کے سرکاری کاغذات کو استعمال کیا، اوران سے فرامین واحکام کے مختلف مجموعے تیار کیے گئے لیکن عالمگیر نے ان سرکاری کاغذات سے جمع وترتیب کرنے مین منع نہین کیا،

اور خود عالمگیر نے بھی اپنے سرکاری کاغذات کا مکمل ومنظم دفتر قائم رکھا، جو اس عہد کی تاریخ مین نہایت اہمیت رکھتے تھے، چنانچہ اسوقت بھی انڈیا آفس مین عالمگیری عہد کے سرکاری کاغذات کا ریکارڈ موسومہ اخبارات دربار معلّی موجود ہے، جس مین عالمگیر کے ۲۲ وین سال حکومت تک کے جستہ جستہ کاغذات ہین لیکن ۲۲ وین سال حکومت سے عہد آخر تک کی مکمل کڑیان موجود ہین،

اور اسی طرح عہد عالمگیری کے مکاتیب وفرامین کے بکثرت مجموعے مختلف مقامات پر آج بھی پائے جاتے ہین، جنکے حوالے سرجدوناتھ سرکار اور ہمارے دوست سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے نے اپنی اپنی تالیف مین مفصل درج کئے ہین، ان مجموعون کو نہ صرف مسلمان اہل قلم نے جمع کیا ہے، بلکہ ان مین ہندو مرتبین بھی شامل ہین،

اس لیے عالمگیر پر یہ الزام لگانا کہ اس نے تاریخ نویسی کو قانوناً جرم قرار دے دیا تھا، عالمگیر پر ظلم ہونے کے بجائے خود اپنی تاریخ دانی پر کس قدر صریح ظلم ہے،

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

از

جناب محمد یعقوب صاحب بی. اے، لکھنؤ،

۳- ہندوستان،

ہندوستان مین مطبع فرنگیون کی بنگال مین حکومت مستحکم ہونے کے بعد جاری ہوا، لیکن اس پر بھی غدر کے زمانہ مین صرف ۹ اینگلو انڈین اور ۲۵ ہندوستانی اخبار نکلتے تھے، موجودہ حالت مین ہندوستان مین اخباری دنیا کے لحاظ سے بہت ترقی ہوئی، اس کے متعلق صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ (۲۰۰) سے زیادہ اخبار اور (۲۵۰) سے زیادہ میگزین نکلتے ہین جنمین مسلمانون کی حالت دوسرے درجہ کی ہے، اور کل تعداد (۲۲۵) سے کچھ زیادہ ہے جیساکہ ذیل کا نقشہ بتا رہا ہے،

ہندوستان کے اسلامی اخبار و رسائل

۱- مدراس وحیدرآباد

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱	آزاد ہند	اردو	ٹرپلیکین
۲	دارالاسلام	تامل	مدراس
۳	گن ناسیربان	تامل	وجاپورم
۴	حکیم اور وطن	انگریزی	مدراس

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۵	جلیتھا یتھ	ملایلم	کالی کٹ
۶	اسلام دوتان	ملایلم	کیام کلم
۷	کریلا چندرکا	انگریزی اور ملایلم	تراونکور
۸	ملابار اسلام	انگریزی اور ملایلم	ریاست کوچین
۹	مخبر دکن	اردو	مدراس
۱۰	منیر الاسلام	ملایلم	کیام کلم
۱۱	مسلم اخیسام	ملایلم	تراونکور
۱۲	مسلم ساہکاری	ملایلم	کالی کٹ
۱۳	نیلگری ٹائمز	انگریزی	اوٹکمنڈ
۱۴	قاسم الاخبار	اردو، تامل اور انگریزی	مدراس
۱۵	قومی رپورٹ	اردو	مدراس
۱۶	رہبر دکن	"	حیدرآباد
۱۷	رسالہ المعالج	"	افضل گنج
۱۸	رسالہ اتالیق	"	حیدرآباد
۱۹	رسالہ محبوب النظیر	"	حیدرآباد
۲۰	رسالہ نونہال	"	"
۲۱	رسالہ واعظ	"	"
۲۲	رسالہ النساء	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۲۳	صحیفہ	اردو	حیدرآباد
۲۴	سیف الاسلام	تامل	مدراس
۲۵	شمس الاسلام	ملایم	کارنگاپلی
۲۶	رسالہ اردو	اردو	اورنگ آباد (دکن)
	۲- بمبئی		
۱	آفتاب الاسلام	گجراتی	راجکوٹ پارا
۲	اخبار	گجراتی	بمبئی
۳	اخبار الاسلام	"	"
۴	العزیز	"	جوددیا
۵	الحقیقت	"	لرکانا
۶	الحق	انگریزی اور سندھی	سکھر
۷	الاسلام اور مومن مترا	گجراتی	بمبئی
۸	الاکمال	گجراتی	بمبئی
۹	الاحتیفا (؟)	انگریزی اور سندھی	لاڑکانہ
۱۰	الوحید	انگریزی اور سندھی	کراچی
۱۱	بیگ مومن	گجراتی اور اردو	امریلی
۱۲	بھائی نیوز	انگریزی اور فارسی	کراچی
۱۳	بہاو مجلس	گجراتی	بمبئی

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۴	فیض عام	گجراتی	احمد آباد
۱۵	گلزار سخن	اردو	پونا صدر
۱۶	انصاف	گجراتی	بمبئی
۱۷	عرفان	اردو	"
۱۸	اشاعت الاسلام	گجراتی	"
۱۹	اسماعیلی	انگریزی اور گجراتی	"
۲۰	کاٹھیاوار	گجراتی	اپلیٹا
۲۱	خلافت	گجراتی	بمبئی
۲۲	خلافت بلیٹن	انگریزی	"
۲۳	منہار	گجراتی	"
۲۴	میمن مترا	"	"
۲۵	میمن سماچار	"	کراچی
۲۶	مرچنٹ اڈورٹائزر	"	بمبئی
۲۷	محب	"	لمبدی
۲۸	مسلم ہرلڈ	اردو	بمبئی
۲۹	پولیٹکل بوہمیو	انگریزی اور گجراتی	احمد آباد
۳۰	راہ نجات	گجراتی	بھاؤنگر
۳۱	روزنامہ خلافت	اردو	بمبئی

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۳۲	ست پنت پرکاش	گجراتی	احمد آباد
۳۳	سندھ زمیندار	انگریزی اور سندھی	سکر
۳۴	سلطان الاخبار	اردو	بمبئی
۳۵	تامل	سندھی	حیدرآباد
۳۶	توحید	سندھی اور عربی	کراچی
۳۷	وفادار	انگریزی، گجراتی اور اردو	نواساری (بڑودا)
	۴ - ممالک متحدہ		
۱	آگرہ اخبار	اردو	آگرہ
۲	البشیر	״	اٹاوہ
۳	البرید	״	کانپور
۴	علی گڑھ گزٹ	״	علی گڑھ
۵	الامداد	״	مظفر نگر
۶	الخلیل	״	بجنور
۷	الہ آباد اڈورٹائزر	انگریزی	الہ آباد
۸	اسٹار	انگریزی	״
۹	الناظر	اردو	لکھنؤ
۱۰	دبدبۂ سکندری	״	ریاست رامپور
۱۱	دربار	״	آگرہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۲	دلچسپ اخبار	اردو	فتح پور
۱۳	حق	"	لکھنؤ
۱۴	حقیقت	"	"
۱۵	ہمدم	"	"
۱۶	استقلال	"	کان پور
۱۷	انصاف	"	"
۱۸	سچ	"	لکھنؤ
۱۹	ہمت	"	"
۲۰	انڈین ورلڈ	انگریزی	کان پور
۲۱	انقلاب	اردو	لکھنؤ
۲۲	اقدام	"	مرادآباد
۲۳	اتحاد	"	امروہہ
۲۴	جادو	"	جون پور
۲۵	منصور	"	بجنور
۲۶	مشاہیر	"	بدایون
۲۷	مشرق	"	گورکھپور
۲۸	مکہ مدینہ	"	مراد آباد
۲۹	مدینہ	"	بجنور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۳۰	ملت	اردو	میرٹھ (دہلی؟)
۳۱	معارف	اردو	اعظم گڈھ
۳۲	مخبر عالم	"	مراد آباد
۳۳	نیر اعظم	"	"
۳۴	نجات	"	بجنور
۳۵	نقیب	"	بدایون
۳۶	نوید	"	بلند شہر
۳۷	نظام عالم	"	کان پور
۳۸	اودھ پنچ	"	لکھنؤ
۳۹	پیغام	"	فیض آباد
۴۰	پردہ نشین	"	آگرہ
۴۱	رہنما	"	مراد آباد
۴۲	رہیل کھنڈ گزٹ	"	بریلی
۴۳	روزانہ اخبار	"	"
۴۴	سیارہ	"	لکھنؤ
۴۵	شیعہ کالج نیوز	"	"
۴۶	سررشتہ روزگار	"	آگرہ
۴۷	تبلیغ	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴۸	ظریف	اردو	سہارنپور
۴۹	ذوالقرنین	اردو	بدایون
۵۰	مبصر	"	لکھنؤ
۵۱	نگار	"	"
۵۲	النجم	"	"
۵۳	صحیفۂ وارث	"	دیوہ (بارہ بنکی)
۴۔ صوبہ متوسط اور برار			
۱	ادیب	اردو	ناگپور
۲	البرہان	اردو	برہان پور
۳	گلزار حکیمی	گجراتی	خاماگاؤن
۴	سیمی ساہا	اردو اور گجراتی	نرسنگھ پور
۵	تاج	اردو	جبل پور،
۵۔ بہار اور اڑیسہ			
۱	اصلاح	اردو	رگھناتھ پور
۲	البشر	اردو	پٹنہ
۳	اتحاد	"	"
۴	بہارستان	"	"
۵	ندیم	"	گیا

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۶	الجامعہ	اردو	مونگیر
۷	اقدام	"	پٹنہ
	۶۔ بنگال		
۱	الہلال	اردو	کلکتہ
۲	اہل حدیث	بنگالی	"
۳	البلاغ	اردو	"
۴	پیغام	"	"
۵	الجامعہ	عربی	"
۶	ہند	اردو	"
۷	الکمال	اردو	"
۸	الرفیق	اردو	"
۹	بہادر	بنگالی	"
۱۰	بن گیا مسلم سہیتہ پترکلے	"	"
۱۱	بنگال پریسیڈنسی گزٹ	انگریزی اور بنگالی	ناتور
۱۲	دھمکیتو	بنگالی	کلکتہ
۱۳	ہنٹر بھیگار	اردو	"
۱۴	انقلاب زمانہ	اردو	"
۱۵	اسلام درشن	بنگالی	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱۶	جادو	اردو	ڈھاکہ
۱۷	حور	״	کلکتہ
۱۸	محمدی	بنگالی	״
۱۹	مسلمان	انگریزی	״
۲۰	نوخالی تہاشی	بنگالی	قصبہ نوخالی
۲۱	نوخالی سیلانی	بنگالی	قصبہ نوخالی
۲۲	پیس	انگریزی	ڈھاکہ
۲۳	رتناکر	بنگالی	قصبہ آسنسول
۲۴	رعیت بندھو	بنگالی	کلکتہ
۲۵	سنار بھارت	بنگالی اور انگریزی	״
۲۶	سلطان	بنگالی	״
۲۷	چوپنچ	اردو	״
۲۸	آفتاب	اردو	״
۲۹	ہند جدید	کلکتہ	״
	۷۔ پنجاب		
۱	روزنامہ زمیندار	اردو	لاہور
۲	اہلحدیث	اردو	امرتسر
۳	روزنامہ انقلاب	اردو	لاہور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴	روزنامہ سیاست	اردو	لاہور
۵	اختر	"	لاہور
۶	الواعظ	"	پٹیالہ
۷	البرھان	"	لاہور
۸	البشریٰ	انگریزی	قادیان
۹	الفلاح	اردو	جلندھر
۱۰	الفقیہ	"	امرتسر
۱۱	الفضل	"	قادیان
۱۲	الحکم	"	قادیان
۱۳	الحکیم	"	لاہور
۱۴	الاسلام	"	لاہور
۱۵	الکمال	"	لاہور
۱۶	المعالج	"	امرتسر
۱۷	المنیر	"	لاہور
۱۸	انگارہ	"	امرتسر
۱۹	انوار الصفا	"	امرتسر
۲۰	ڈاکٹر	"	لاہور
۲۱	در نجف	"	سیالکوٹ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۲۲	فاروق	اردو	قادیان
۲۳	ہمدرد	"	لاہور
۲۴	ہزار داستان	"	"
۲۵	ہمایون	"	"
۲۶	حریت	"	"
۲۷	انڈین آرکیٹکٹ	"	"
۲۸	انڈین سٹیٹس اینڈ کیسز	انگریزی	"
۲۹	انتخاب لاجواب	اردو	"
۳۰	انقلاب	"	"
۳۱	اشاعتِ اسلام	"	"
۳۲	اشاعت القرآن	"	"
۳۳	اصلاح	"	لدھیانہ
۳۴	اسلامک ورلڈ	انگریزی	لاہور
۳۵	اسمٰعیلی صداقت	اردو	راولپنڈی
۳۶	استقلال	"	پانی پت
۳۷	اتحاد اسلام	"	امرتسر
۳۸	کاکنیری نیشنل میگزین	"	لاہور
۳۹	کشمیری	"	لاہور

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۴۰	منظر	اردو	لاہور
۴۱	مشیر الاطبار	"	"
۴۲	مسٹر گزٹ	"	"
۴۳	محبت	"	"
۴۴	مسلمان	"	سودھارا
۴۵/۱	مسلم آؤٹلک	انگریزی،	لاہور
۴۵/۲	مسلم راجپوت	اردو	امرتسر
۴۶	مزارع	"	جالندھر
۴۷	نقشبند	"	سیالکوٹ
۴۸	نور	"	قادیان
۴۹	نیرنگ خیال	"	لاہور
۵۰	نصرت	"	"
۵۱	پیسہ اخبار	"	"
۵۲	پیام محبت	"	"
۵۳	پھول	"	"
۵۴	پولیٹکل رہنما	"	"
۵۵	پولیٹکل رہنما	"	امرت سر
۵۶	پنجابی خیالات	"	ٹبالہ

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۵۷	رفیق صادق	اردو	بٹالہ
۵۸	رفیق تعلیم	"	لاہور
۵۹	رہنمائے صحت	"	لاہور
۶۰	ریلوے یونین	"	"
۶۱	ریاض ہند	"	امرتسر
۶۲	رسالہ انجمن حمایت اسلام	"	لاہور
۶۳	رسالہ ستلج	"	لدھیانہ
۶۴	رسالہ شیخ قانون گو	"	لیالپور
۶۵	سنت	"	لاہور
۶۶	شباب اردو	"	لاہور
۶۷	سلک مروارید	"	بٹالہ
۶۸	سیاست	"	لاہور
۶۹	صوفی	"	پنڈی بہاوالدین
۷۰	طبیب	"	لاہور
۷۱	تبلیغ	"	لاہور
۷۲	تبصیر الطابع	"	شاہدرہ
۷۳	تفریح	"	لاہور
۷۴	رسالہ عالمگیر	"	"

نمبر شمار	اخبار کا نام	زبان	مقام اشاعت
۷۵	تاریخ	اُردو	لاہور
۷۶	تہذیب النسوان	"	لاہور
۷۷	توحید	"	امرتسر
۷۸	استانی	"	بٹالہ
۷۹	وطن	"	لاہور
۸۰	وکیل	"	امرتسر
۸۳	ادبی دنیا	"	لاہور
	۸ - برھما		
۱	ارکان نیوز	انگریزی	اکیاب
۲	شیر	اردو	رنگون

ہندوستان کے بعض مسلمان اخبارات بین الاقوامی شہرت رکھتے ہین جو انگریزی مین طبع ہوتے ہین، ریویو آف ریلیجن، (قادیان) مسلم آوٹ لک، (لاہور) مسلم کرانیکل (مدراس) ہیپی (ڈھاکہ) قابل ذکر ہین، کلکتہ کا انگریزی رسالہ مسلم ریویو اور حیدرآباد کا انگریزی رسالہ اسلامک کلچر بہترین علمی اسلامی رسالے ہین، جنھون نے اسلامی علوم و فنون و تمدن کی خوبیون کو ہر طرح آشکارا کیا ہے، اور اخبار الجامعہ و حبل المتین کلکتہ بھی جو عربی اور فارسی مین نکلتے تھے عالم اسلامی مین بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے، دی لائٹ (لاہور) اور اسلامک ورلڈ (لاہور) مسلم مشن کے اخبارات ہین۔

۴ - افغانستان

مسلمانون کا پہلا علمی اخبار افغانستان مین ۱۹۰۶ء مین جاری ہوا امیر امان اللہ خان کے دور حکومت مین کئی ہونہار اخبارات نکلے لیکن گردش زمانہ نے ان کو سنبھلنے نہ دیا، امان افغان (۱۹۱۹ء) کابل سے اتحاد

مشرق (۱۹۲۰ء) جلال آباد سے شائع ہوئے، لیکن ابھی تک کوئی نمایان ترقی اس باب مین نہین ہوئی، شاہ نادر کے دور مین ۱۹۳۰ء سے ایک اخبار الاصلاح فارسی مین نکلنا شروع ہوا ہے، ہرات، کابل اور جلال آباد سے علاوہ ان اخبارون کے ایک ایک اخبار اور نکلتا ہے لیکن زیادہ تر یہ سب فارسی مین شائع ہوتے ہین،

۵-جاپان و لنکا،

ہندوستانی مسلمانون نے ٹوکیو مین سب سے اول پہلا اسلامی اخبار ہ ار اپریل ۱۹۱۰ء مین شائع کیا تھا لیکن زیادہ عرصہ تک نہ چلا مسلمانون کی حالت جاپان مین زیادہ اچھی نہین ہے، صرف چند طالب العلم ٹوکیو مین اور کچھ سوداگر یا کوہاما اور کوجی مین اقامت گزین ہین،

لنکا سے صرف کرسینٹ کی اشاعت ہوتی ہے،

۶-مجمع الجزائر مشرق ہند

اگرچہ مسلمانون کی تعداد ان جزائر مین بہت زیادہ ہے لیکن پڑھے لکھے اشخاص کی بے حد کمی ہے، مسلمانون کی کئی علمی مجلسین بھی ہین، جنمین شرکت اسلام و محمدی اور بدو اتمو بہت باثر ہین، ان مین سے چند اہم مقامات ہین، سورابیا، اور بٹاویا خاص اخبارون کے مرکز ہین، اور اسلامی اخبارات حسب ذیل تعداد مین ان مختلف جزیرون سے نکلتے ہین،

نام جزیرہ	تعداد	نام جزیرہ	تعداد
جاوا	۸	جاوا کے قریب کے جزائر	۳۶
سوماترا اور آس پاس کے جزیرے	۱۰		

مسلمانون کے پانچ مذہبی رسائل اور تین عربی رسالے بھی شائع ہوتے ہین جنمین لائٹ آف سماترا، ینگ جاوا، ینگ سوماترا، لائٹ آف انڈیا، لائٹ آف مناہسا، لائٹ آف اسلام، ریو آف اسلام، اگری منٹ اور ڈس اگری منٹ، اور روتی ایریا آف اسلام بہت مشہور ہین، گو کہ تجارت کی حالت ان دنون بہت خراب ہے لیکن اس پر بھی ان اخبارات کا وہان پر ہونا یہ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اسلام ان لوگون مین زندہ ہے اور اس کی گرمی

حالت میں وہ تبلیغ کا کام کر رہے ہیں مشہور شہر جن سے اخبار نکلتے ہیں وہ مع تعداد اخبار حسب ذیل ہیں،

نام شہر	تعداد	نام شہر	تعداد
ولنگٹون	۱۶	سولو	۷
بٹیویا	۱۶	بنڈنگ	۵
سیمارنگ	۱۰	سوریبرا	۵
پیڈانگ	۱۰	مدان	۵
جوکیتیرا	۹		

اور باقی اخبارات ادھر اودھر چھوٹے چھوٹے مقامات سے نکلتے ہیں، بہت سے اخبارات عہد سلف کے اسلام کو زندہ کرنے کے خواہشمند ہیں، اور بہت زیادہ تعداد ان اخبارات کی بھی ہے، جو ترکی کے حامی ہیں، پردہ اٹھانے کی خواہش اور یورپ کے مقابلہ کرنے کی امنگ، ان کے دلوں میں بھری ہوئی ہے، "تاج اسلام،، زیادہ تر مسلم اتحاد اور مسلمانوں کی ترقی کا حامی ہے، اسمیں مسلم کتابوں، مسلم دکانوں اور مسلم کارخانوں ہی کے اشتہار چھپتے ہیں، مضمون بیشتر رسول کریم کی پیدائش، خلفائے راشدین کے اخلاق وعادات اور انصار کی مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ کے متعلق ہوتے ہیں، آجکل مسلم اخباروں کی مجموعی تعداد جو ان جزائر میں شائع ہوتی ہے (۱۰۰) سے کچھ اوپر ہے،

۷- فارس

فارس میں ۱۸۵۱ء سے قبل کوئی مطبع نہ تھا، ۱۹۰۶ء میں دستور سلطنت کے بننے پر صرف تین یا چار اخبار نکلتے تھے، اور ان کی بھی کوئی زیادہ اہم حیثیت نہ تھی، فارسی زبان میں مشہور اخبارات زیادہ تر فارس کے باہر سے نکلے، قسطنطنیہ، قاہرہ، لندن اور کلکتہ سے ان کی اشاعت ہوئی، کلکتہ سے حبل المتین ۱۸۹۳ء میں نکلا، ثریا، قاہرہ سے ۱۸۹۸ء میں پہلی مرتبہ جاری ہوا، اور بعدہٗ اس کی جگہ پرورش نے لی، لیکن انقلاب کے بعد صور اسرافیل، نسیم شمال، اور مساوات نے ترقی پکڑی، اس عرصہ میں سیکڑوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے اخبارات نکلے اور تباہ

دبرباد ہوگئے، جنکی تعداد کم از کم ۲۰۵ تھی، نومبر ۱۹۱۵ء سے ۸۴ اخبار اور میگزین نکلے جو حسب ذیل مقام پر شائع ہوئے،

طہران (۱۸) شیراز (۷) تبریز (۴) رشت (۴) اصفہان (۳) مشہد (۳) کرمان (۳) کرمانشاہ (۲) کوہی (۲) بوشہر (۱) مشہور ادبی رسائل، آرمغان، بہار، فروغ تربیت، دانش، ممات وحیات، فردوسی اور ایرانشہر ہین، آخری رسالہ برلن سے نکلتا ہے، اور وہان کے مشہور اخبارات کے نام یہ ہین، ایران، اتحاد، بامداد، روشن، جہانی، اور جہان بین ہین، آخری اخبار نسوانی ترقی کا حامی ہے،

فارس کے اخبارات اسلامی اتحاد اور قومی ترقی کے حامی ہین، اور انھین کی تبلیغ کرتے ہین،

۸- افریقہ

کوہ اٹلس کے ممالک ترکی سے بھی زیادہ سست تھے، تونس مین پہلا اخبار ۱۸۶۶ء مین نکلا اور بعدہٗ اس شعبے مین ترقی ہوئی، البستانی اور المعیار یہودی اور عربی اخبار ہین، الزہرا ہی صرف اکیلا روزنامہ ہے جو سلدالی سے عبدالرحمن کے زیرادارت نکلتا ہے، لیکن جوانون مین اب ترقی کی امنگ بڑھ گئی ہے، اور ترکی سے برابر خط وکتابت جاری رہنے سے تونس مین ایک نوجوانون کی جماعت کا الگ اخبار نکلتا ہے جس کا نام التونس ہے، اس کا فرانسیسی زبان مین بھی ترجمہ ہوتا ہے، حیدری اللوا، الضحاک، مرشد الائمہ، اور الثواب دوسرے اخبارون کی اشاعت گھٹتی چلی جارہی ہے،

طرابلس مین صرف ایک یا دو اخبار نکلتے ہین لیکن یہ بھی گورنمنٹ کے ہین،

الجزائر کی ترقی بھی خاصی ہے، روزنامہ اخبار الجزائر، اوران، اور تلمسن سے نکلتے ہین، لیکن ۱۹۲۴ء سے پہلے اخبارون کی حالت بیحد خراب تھی، ۱۹۰۵ء مین تنجیر سے پہلا اخبار نکلا، عربی کا پہلا اخبار جو فض سے نکلا، وہ ۱۹۲۲ء مین تھا، اس کی ضخامت صرف چار صفحون کی تھی اور اخبار تلغرف سے موسوم تھا، سہاولی سے ۱۹۲۳ء مین پہلا اخبار نکلا جس کا نام منبع نو تھا، لیکن اسکی اشاعت (۷۵۰) تھی،

جنوبی افریقہ مین صرف مسلمانون کے دو اخبار ہین جو گجراتی اور انگریزی زبانون مین نکلتے ہین، جنوبی اور مشرقی افریقہ مین اسکی کافی اشاعت ہوتی ہے، اس کا نام دی انڈین دیوز ہے، مڈگاسکر مین مسلمانون کا ایک بھی

اخبار نہین ہے، جزیرہ مارتیس سے مسلمان صرف ایک اخبار فرانسیسی زبان مین نکالتے ہین،

۹- چین

یورپ مین چھاپہ کی ایجاد سے پہلے اہل چین کو اخبار نکالنے کا شوق تھا لیکن مسلمانون کا کوئی اخبار نہین نکلتا تھا، ۱۹۱۰ء مین کل چار اخبار اور میگزین مسلمانون کے ہاتھ مین تھے" اسلامک ریویو" یانان فو (مغربی چین) سے ایک نہایت عمدہ پرچہ نکلتا ہے، مضامین زیادہ تر اسلامی اتحاد اور مسلمانون کی قومی بیداری پر ہوتے ہین، جنھین بہت پرجوش الفاظ مین انہی مقاصد کی تبلیغ کیجاتی ہے، مسلم بین الاقوامی تحریک کا پرچہ لائٹ آف اسلام شنگھائی سے شایع ہوتا ہے جو صرف مذہبی تحریکون کا بانی و مبانی ہے اور مسلم لیڈرون کی تصویرین وقتاً فوقتاً شائع کرتا رہتا ہے،

۱۰- روس

روس مین نجا جیتاری قازان، باکو، اورنبرگ اور لینن گرینڈ اخبارون کے خاص مرکز ہین، قازان مین سیکڑون کتابون کی اشاعت ہر سال ہوتی ہے اور ... ۷ مسلمانون کا روحانی، مذہبی، سیاسی اور معاشی مرکز ہے، افا (اوفا) ایک مسلمانون کی مذہبی جماعت کا مرکز ہے اور ان برگ تفلس اور ٹراٹسک اس حیثیت سے قابل ذکر ہین،

"ملت" مسلمانون کا پہلا اخبار تھا جو اسمٰعیل بیگ غسپرنسکی کے زیر ادارت شائع ہوا مسلمانون کو اخبار بینی سے کافی دلچسپی ہوتی جارہی ہے، اور اشاعت بہت زیادہ بڑھ رہی ہے،

کریمیا کا اخبار "ترجمان" جس کی طباعت ... ۵ ہے بہت مشہور و معروف ہے، یہ ۱۸۷۹ء مین پہلی مرتبہ جاری ہوا، دوسرا روسی اخبار "میر اسلاما" بہت زورون مین ترقی کر رہا ہے، اس مین توحید، رسول کریمؐ کے فضائل اور خلافت کے متعلق مضمون شائع ہوا کرتے ہین،

کوہ قاف مین مسلمانون کا اخبار باکو سے نکلتا ہے،

۱۱- بلغاریہ

بلغاریہ مین اسلامی اخبار وارنا، راس گراڈ، رزشک، شملہ، صوفیہ، فلپوپلس، اور برگس سے نکلتے ہین جو زیادہ

ترکی زبان میں ہوتے ہیں اور قابل ذکر اجالی، ضیا، ترندشا، اور موازنہ ہیں،

۱۲- یورپ، امریکہ اور اسٹریلیا

مسلم اخباروں نے مغربی تہذیب میں کافی اثر پیدا کیا ہے اور اسلامک ریویو (احمدیہ) پہلی مرتبہ انگلستان میں شائع ہوا، برلن میں مسلمانوں کا دوسرا اخبار الیوا تین زبانوں میں شائع ہوتا ہے، زیادہ تر بانسوک تحریک اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے سیاسی مسئلہ پر روشنی ڈالتا ہے ۱۹۲۴ء سے مسلم ریویو دوسرا پرچہ بھی برلن میں بہت ترقی کر رہا ہے، فرانس میں تین مسلم اخبار شائع ہوتے ہیں،

برازیل سے چار مسلم اخبار نکلتے ہیں، ارجنٹائنا، برٹش گائنا اور ٹرنڈو سے ایک ایک اخبار شائع ہوتا ہے باشندگان شام مقیم امریکہ کے پانچ اخبار ریاستہائے متحدہ میں چھپتے ہیں، اور تین میگزین ہیں جو صرف اسلام کے متعلق مضمون شائع کرتے ہیں، الہدیٰ بہت مشہور ہے، اور کافی خریدار رکھتا ہے، کوکب امریکہ ایک ترکی اخبار بھی سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے،

مسلم سن رائز پہلا اسلامی اخبار ہے جو ریاستہائے متحدہ سے شائع ہوا، یہ بھی احمدی جماعت کا اخبار ہے، اور اسلام، توحید رسول کریمؐ کے خصائل کے متعلق کافی روشنی ڈالتا ہے، یہ محض مشن کا اخبار ہے اور ہر نمبر میں امریکہ کے نو مسلم لوگوں کے نام چھاپتا ہے، دی اورینٹ ۱۹۲۵ء سے سید حسن کے زیر ادارت شیکاگو سے نکل رہا ہے، وہ امریکن قوم میں کافی شہرت رکھتا ہے،

اور بعینہ اسی قسم کا ایک دوسرا اخبار مسلم سن شائن پرتھ (اسٹریلیا) سے نکلا کرتا تھا،

انکوزیشن اور اسکی آتش فشانیاں[1]

یعنی

کلیسائے رُوما کے محکمۂ احتساب عقائد کی سرگذشت

از جناب محمد عزیر صاحب ایم اے ال ال بی علیگ رفیق دار المصنفین

پیروان مسیح کا سب سے بڑا اعتراض اسلام پر یہ ہے کہ اُس نے اپنی تبلیغ و اشاعت کے لیے تلوار سے کام لیا، اور غیر مسلموں کے سامنے قرآن اور تلوار کو بیک وقت پیش کر کے جبراً انھیں اپنا حلقہ بگوش بنایا، اس دعوے کے ثبوت میں مسلمان امرا و سلاطین کے نام پیش کئے جاتے ہیں اور ان کی فتوحات اور ملک گیریاں تبلیغ اسلام کا ذریعہ قرار دیجاتی ہیں، فضلائے یورپ کا معیارِ تحقیق نہایت بلند سہی لیکن اس ضلالت اندیشی کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے جو اسلام کے متعلق ہمیشہ انھوں نے ظاہر کی اور جس پر باوجود اس فضل و کمال کے اب بھی انھیں اصرار ہے؟ کسی مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اصول و قوانین کا مطالعہ کیا جائے نہ کہ اس کے متبعین کے افعال و اعمال کا، کسی فرد یا جماعت کی کجروی سے مذہب کی تنقیص نہیں ہو سکتی، تاریخ مذاہب کا یہی وہ اہم ترین نکتہ ہے جسے نظر انداز کر دینے سے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بہرحال مسیح کے وہ نام لیوا جنھوں نے اسلام کے جور و تعدی کی داستانیں تصنیف کر کے تمام دنیا میں پھیلائیں، دیکھنا چاہئے کہ خود ان کا طرزِ عمل اپنے مذہب کے بارہ میں کیا تھا اور امن و محبت کے زبانی دعووں کے ساتھ اُن کی آتش فشانیاں کس درجہ قیامت خیز اور ہلاکت آفرین تھیں مسیحیت

[1] اس مضمون میں حسب ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے:- (۱) گبن تاریخ رومہ (۲) ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۶-۷-۸-۱۰ (۳) انسائیکلوپیڈیا برٹینکا جلد ۱۴ (۴) تاریخ یہود از ایڈمس (۵) مورس ان اسپین از لین پول،

دنیا کے لیے ایک رحمت بن کر آئی تھی اور اس مین شبہہ نہین کہ ابتدائی تین صدیون مین اس نے صلح و امن اور رافت و رحمت ہی کی مثالین پیش کین، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب اسے کسی طرح کی قوت حاصل نہ تھی، اور رومہ کی بت پرست سلطنت کا استبداد اوسے سر اٹھانے کا موقع نہ دیتا تھا، چوتھی صدی کی ابتدا مین جب قسطنطین شہنشاہ رومہ نے دین عیسوی کو قبول کیا اور اس کے اثر سے بیشتر اراکین سلطنت بھی اس دین کے حلقہ بگوش بن گئے، اس وقت سے مسیحیت نے ایک دوسرا قالب بدلا اور جو تلوار اس کے ہاتھ مین آئی تھی اس کو بے دریغ چلانا شروع کیا، بے دینون اور غیر مذہب والون کیساتھ جو مظالم روا رکھے گئے، اُن کی داستان نہایت دردانگیز ہے لیکن یہ اس کا موقع نہین، اس مضمون مین صرف انکوئزیشن یعنی محکمۂ احتساب عقائد کی مختصر تاریخ بیان کرنی ہے، اور یہ دکھانا ہے کہ کلیسائے رومہ نے بیگانون کے ساتھ تو جو کیا وہ کیا خود اپنون کے ساتھ اس کا برتاؤ محض اختلاف عقائد کی بنا پر کس قدر جانگداز اور روح فرسا تھا اور کیونکر لاکھون بندگان خدا محض اس جرم مین زندہ جلا دیئے گئے، کہ انھون نے بعض مسائل مین کلیسائے رومہ سے اختلاف کرنے کی جرأت کی اور اپنی ہدایت کے لیے پاپائے رومہ کے فرمان کی بجائے کتاب مقدس اور ارشاد مسیح کو کافی سمجھا، تاریخ تعدی کے صفحات مین ہولناکیون اور خونفشانیون کی متعدد مثالین ملینگی جن کے تخیل سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین، لیکن یہ تمام مثالین انفرادی حیثیت رکھتی ہین، کہ ان کے مرتکب اشخاص و افراد تھے، یہ امتیاز صرف انکوئزیشن کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے جو کچھ کیا وہ کسی بادشاہ یا امیر کے جوش مذہب کا نتیجہ نہ تھا بلکہ تمامتر اس نظام کے ماتحت تھا جسے کلیسائے رومہ نے اپنی قدوسیت کے استحکام کی غرض سے قائم کیا تھا، ایک اور خصوصیت جو اسے تمام دوسری تعدیون سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ اس کی تمام کارگذاریان باضابطہ عدالتون کے ذریعہ عمل مین آئین اور اسطرح ظلم و ہلاکت کی انتہائی مثالون پر عدل و انصاف کی چادر ڈال کر ان کی ہولناکیون کو دوبالا کر دیا گیا،

انکوئزیشن (Inquisition) اس محکمہ کا نام ہے جسے کلیسائے رومہ نے احتساب عقائد کی غرض سے قائم کیا تھا، اس کا فرض تھا کہ عیسائیون کے عقائد کی جانچ کرے اور ان مین سے جن کے عقائد کلیسا کے

متفقہ عقائد سے مختلف ہون اُن کو سزا دے، یہ صحیح ہے کہ اس محکمہ کا باضابطہ قیام تیرہوین صدی مین عمل مین آیا، لیکن اصولی حیثیت سے اسکی ابتدا ظہور مسیحیت کے ساتھ ہی ساتھ ہوئی، چنانچہ ایمان نہ لانے والون کی سزا کا فتویٰ خود حضرت مسیح نے ان الفاظ مین صادر فرمایا تھا، "جو کوئی ایمان لاتا اور بپتسما پاتا ہے، نجات پائیگا، پر جو ایمان نہین لاتا اس پر سزا کا فتویٰ ہوگا" (مرقس۔ باب ۱۶۔ آیت ۱۶) ۔ اسی طرح پولوس نے جو پہلا خط تمطاؤس کو لکھا تھا، اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عقائد کا اختلاف اس وقت بھی سزا کا مستوجب تھا، اور اسی بنا پر پولوس نے ہمناؤس اور سکندر کو ان کے "کفر" کی پاداش مین "شیطان کے حوالے کر دیا"۔ پولوس لکھتا ہے، "اے بیٹے تمطاؤس مین تجھے ان پیشین گوئیون کے موافق جو آگے تیری بابت کیگئین یہ حکم دیتا ہون کہ تو ان مین اچھی لڑائی لڑے اور ایمان اور نیک نیتی پر قائم رہے، جسے بعضون نے چھوڑ کے ایمان کی ناؤ توڑی، انھین مین سے ہمناؤس اور سکندر ہین جنھین مین نے شیطان کے حوالے کیا تاکہ تنبیہ پا کے کفر نہ بکین" توراۃ نے ارتداد وارباب پرستی کی سزا قتل قرار دی تھی، اور اس باب مین اس درجہ تشدد برتا کہ مجرم کی گردن مارنے کے لیے سب سے پہلے اس کے اعزہ واحباب ہی کی تلوار کو منتخب کیا، "اگر تیرا بھائی جو تیری مان کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا یا بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے تیری جان کے برابر عزیز ہو تجھے پوشیدہ مین پھسلائے اور کہے کہ آؤ غیر معبودون کی بندگی کرین جن سے تو اور تیرے باپ دادا واقف نہین تھے...... تو تو اس سے موافق نہ ہونا اور نہ اس کی بات سننا، تو اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اسکی رعایت نہ کرنا بلکہ تو اس کو ضرور قتل کرنا، اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے اور بعد اس کے سب قوم کے ہاتھ"۔ (استثنا۔ باب ۱۳۔ آیت ۶-۱۰) اسی طرح استثنا کے سترہوین باب مین اس مرد یا عورت کو سنگسار کرنے کا حکم ہے جس نے معبود حقیقی کی پرستش چھوڑ کر سورج، چاند، ستارون کو اپنا معبود بنایا ہو، پولوس کے زمانہ مین اس قسم کے احکام کا صادر کرنا بالکل بے معنی تھا، اس لیے کہ مسیحیت اپنے ابتدائی دور مین زور و طاقت سے خالی تھی، اور احکام قتل کی تعمیل کے لیے اس کے ہاتھ مین کوئی حربہ نہ تھا، البتہ کسی مجرم کو کلیسا سے خارج کر دینا یعنی اس کو برکات آسمانی اور مراحم خداوندی سے محروم کر دینا اسوقت

بھی اس کے اختیار مین تھا اور اس اختیار کو وہ آزادی سے استعمال کرتی تھی، پولوس کا ہمناؤس اور سکندر کو شیطان کے حوالے کر دینا اسی اختیار کی بنا پر تھا،

چوتھی صدی کی ابتدا تک جیسا کہ کہا جا چکا ہے، مسیحیت کو کسی قسم کی قوت حاصل نہ تھی اس لیے اس کے دور آغاز مین تشدد و تعدی کی تلاش بے سود ہے، اس دور کے تمام مشاہیر علمائے کلیسا نے مذہبی تعدی سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا ہے، وہ خوب جانتے تھے کہ دین کو قبول عام صرف رفق و ملاطفت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، وہ حضرت مسیحؑ کے زمانہ سے قریب تر تھے، اور دولت و حکومت کے نشہ سے ہنوز ناآشنا تھے، لیکن قسطنطین کے قبول مسیحیت کے بعد ہی حالت بالکل بدل گئی، اور عیسائیون کو اب تک جتنے مظالم بیدینون کے ہاتھون برداشت کرنا پڑے تھے ان کا پورا بدلا انھون نے لے لیا، قسطنطین نے ۳۱۳ء مین فرمان ملان نافذ کیا، اور تمام سلطنت مین رواداری کا اعلان کیا، لیکن عملاً غیر مسیحیون کے ساتھ تشدد و ظلم کا برتاؤ ہوتا تھا، سب سے پہلے یہود اس زد مین آئے، قسطنطین نے کوشش کی تھی کہ یہود دین عیسوی قبول کرلین، اس غرض سے اُسنے علمائے یہود و نصاریٰ کے درمیان مباحثے بھی کرائے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا اور اسے قطعی مایوسی ہوئی، چنانچہ اسی مایوسی سے متاثر ہو کر اُس نے یہود کے خلاف نہایت سخت قوانین نافذ کئے، مثلاً اگر کوئی یہودی کسی عیسائی کی جان کو خطرے مین ڈالے تو وہ زندہ جلا دیا جائے، یہود اگر غیر مذہب والون کو اپنے حلقہ دین مین لائین تو ان کو شدید ترین سزائین دیجائین، کسی یہودی کو عیسائی غلام رکھنے کی اجازت نہ تھی، یہ سلوک تو ان کے ساتھ تھا جو عیسائی نہ تھے، لیکن اس سے زیادہ سختی کا برتاؤ ان لوگون کے ساتھ کیا جاتا تھا جو عیسائی تھے مگر عقائد مین کسی قدر اختلاف رکھتے تھے، ان کو سخت سے سخت سزائین دیجاتی تھین، محکمۂ احتساب عقائد ابھی اس نام سے قائم نہ ہوا تھا، لیکن ان تمام تعدیون مین وہی روح کار فرما تھی، قسطنطین نے فرقۂ دوناتسی (Donatism) کے لوگون کی جائدادین ضبط کر کے انھین جلاوطن کر دیا، یہ فرقہ مذہباً مسیحی تھا لیکن بعض جزئیات مین شہنشاہ کے عقائد سے اختلاف رکھتا تھا، اسی طرح ایریس (جو عیسائیون مین ایک مشہور فرقہ

کا بانی ہے کو اُس نے کافر قرار دیا اور یہان تک حکم دیدیا کہ جس شخص کو اس کافر کی کوئی کتاب ملے وہ اُسے جلا ڈالے اور اگر نہ جلائے تو اس کی گردن مار دیجائے،

قسطنطین کے بعد اس کے جانشینون نے بھی اختلافِ عقائد کو جرم قرار دیکر تعزیری قوانین نافذ کئے تھیوڈوسیس اوّل (Theodosius I) نے اس معاملہ مین نہایت تشدد برتا اور پندرہ سال کی مدت مین (۳۸۰ تا ۳۹۴) ایسے پندرہ فرامین جاری کئے جنمین مخالف عقیدہ رکھنے والون کے لیے سخت سزائین قائم کین، مبتدعین (Heretics) نہ صرف کلیسا سے خارج کر دیئے گئے بلکہ بعض صورتون مین اُن کی جائدادین بھی ضبط کر لی گئین اور ان کو جلاوطن کر دیا گیا، اُن کے تمام گرجا اُن سے لے لئے گئے اور شہرون کے اندر اُن کے جلسے ممنوع قرار دیئے گئے جن مکانون مین یہ جلسے ہوتے تھے وہ ضبط کر لیے جاتے تھے، ان کو وصیت کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ وہ وراثت کے مستحق سمجھے جاتے تھے، جو جائدادین اُن کو اپنے والدین سے ترکہ مین پہنچتی تھین وہ حکومت کے قبضہ مین آجاتی تھین، البتہ اگر وارث بچہ ہوتا اور وہ شہنشاہ کے مذہب کو قبول کر لیتا تو اس کو ترکہ دیدیا جاتا، غرض مبتدعین کے خلاف بیشتر ایسے ہی سخت قوانین جاری کئے گئے، اور تھیوڈوسیس نے اُن کی بجاآوری مین پوری سرگرمی دکھائی، مزید تفصیل گبن کے صفحات سے معلوم ہو سکتی ہے، بعض فرقون کو اس نے موت کی سزائین بھی دین سب سے پہلے اسی نے محتسب عقائد (Inquisitors) مقرر کئے جن کا کام یہ تھا کہ لوگون کے عقائد کی جانچ کرین اور شہنشاہ کو اختلاف رکھنے والون کا پتہ دین، محتسب عقائد کے نام کا پتہ اوّل اوّل تھیوڈوسیس کے عہد مین ملتا ہے، لیکن خود احتسابِ عقائد کا عمل اس سے قبل ہی جاری تھا، قسطنطین نے بھی جو پہلا مسیحی شہنشاہ تھا ایرین اور دوسرے مبتدعین کے خلاف اسی قسم کی تفتیش جاری کی تھی،

لیکن باوجود اس کے کہ حکومت کی طرف سے اتنی سختی کا برتاؤ ہو رہا تھا خود کلیسا زیادہ تشدد کا طرفدار نہ تھا، اور علاوہ دو ایک کے اس کے اور تمام ذمہ دار اشخاص سزائے موت کے مخالف تھے، چنانچہ ۳۸۵ء مین جب اسپینی مبتدع پرسیلین (Priscillian) شہنشاہ میکسمس (Maximus) کے حکم سے قتل کیا گیا

تو کلیسا مین اس واقعہ پر سخت مباحثہ ہوا، اور سینٹ مارٹن، سینٹ ایمبروز، اور سینٹ لیو نے ان اسپینی اسقفون کی نہایت شدید ملامت کی جنکی تحریک سے قتل ہوا تھا، سینٹ آگسٹائن کے نزدیک بدعت کی سزا مین درے لگانا، جرمانہ کرنا، اور جلا وطن کر دینا کافی تھا اور سینٹ جان کرائسوسٹم (Chrysostom) کی رائے تھی کہ مبتدعین کی تقریرین اور اُن کے جلسے ممنوع قرار دیدیے جائین، قتل کی نسبت اس کا خیال تھا کہ یہ ایک ایسے جرم کو دنیا مین رواج دینا ہے جس کا کوئی کفارہ نہین" چنانچہ کلیسا کی اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ چھٹی صدی سے لیکر نوین صدی تک مذہبی تعدی کی مثالین بہت کم ملتی ہین،

لیکن دسوین صدی مین فرقہ کتھاری (Cathari) نے سر اٹھایا اور اس کا اثر فرانس اور گرد و پیش کے ممالک مین تیزی سے پھیلنے لگا، اس فرقہ کو ان ممالک مین زیادہ کامیابی ہوئی جہان تعلیم اور تہذیب و تمدن کیسا تھ ارباب کلیسا کی حرص و طمع کے خلاف بیزاری روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی، یہ کیفیت جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی مین بہت نمایان تھی، چنانچہ مجلس کلیسا نے اُن کے خلاف جو فرمان نافذ کیا اسکی تعمیل محض اس وجہ سے نہ ہوسکی کہ اس حصۂ ملک کے تقریبًا تمام امراء (Barons) نے اُن کی پشت پناہی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تعداد بہت بڑھ گئی، لیکن اُن کا یہ اثر اور زور تمام ملک مین نہ تھا، شاہِ فرانس کلیسائے رومہ کا متبع تھا، اور کتھاری کے عقائد کا سخت دشمن تھا، چنانچہ اس فرقہ کے تیرہ آدمی ۱۰۲۲ء مین اس کے حکم سے زندہ جلا دیے گئے، قرون وسطیٰ مین سزائے موت کی یہ پہلی مثال تھی جو اختلافِ عقائد کی پاداش مین ایک والیِ حکومت نے قائم کی، اس کے بعد فرانس، اٹلی، سلطنت رومہ، اور انگلستان مین مبتدعین کو بارہا موت کی سزائین دی گئین، کبھی وہ پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے، اور کبھی زندہ جلا دیئے جاتے تھے، لیکن صحیح طور پر یہ نہین کہا جا سکتا کہ تقریبًا ۱۲۰۰ء تک خود کلیسا کو اس امر مین کہان تک دخل تھا، اسمین شبہہ نہین کہ جہان تک عقائد کی جانچ کا تعلق ہے یہ کام ارباب کلیسا ہی نے انجام دیا ہوگا، رہا سزا کا معاملہ تو ممکن ہے کہ انھون نے براہ راست اسکی تحریک نہ کی ہو بلکہ حکومت نے بطور خود اس معاملہ کو اپنے ہاتھ مین لے لیا ہو اور ملک نے حکومت کا ساتھ دیا ہو، چنانچہ ۱۰۲۲ء مین فرقہ کتھاری

کے تیرہ[۱۳] آدمی جو زندہ جلا دیئے گئے ان کی موت کی ذمہ داری کلیسا کے سر نہین ہے بلکہ شاہی فرمان کی تعمیل خود ملک والون نے کی، اسی طرح بارہوین صدی کے آخر تک مبتدعین کو قتل و آتش کی جو سزائین دی گئین وہ بیشتر حکومت کے ذمہ دار اشخاص اور عوام کے جوشِ مذہب کا نتیجہ تھین، تاہم اس زمانہ مین بھی بعض مثالین ایسی ملتی ہین جنمین یہ سزائین کلیسا کے حکم سے دی گئین، چنانچہ ۱۱۶۷ء مین جو لوگ بمقام ویزیلے (Vezelay) زندہ جلا دیئے گئے انکی سزا کا حکم وہان کے رئیس رہبان اور متعدد اسقفون ہی نے نافذ کیا تھا، ۱۱۸۳ء سے ۱۲۰۶ء تک اکزیر (Auxerre) کے اسقف ہیو نے مبتدعین کو جلاوطن کرنے، اُن کی جائدادین ضبط کرلینے، اور ان کو جلا دینے کے اختیارات بالکل اپنے ہاتھ مین رکھے تھے، اسی طرح رائمس (Reims) کے اسقف اعظم ولیم نے بھی فلپ کاونٹ فلینڈرس کی مدد سے بدعت و زندقہ کا استیصال اپنے ضلع سے بزور آتش کیا،

بارہوین صدی مین اہل کلیسا کی حرص و طمع اور ان کی ظاہر داری و ریاکاری کا احساس عام طور پر لوگون مین پیدا ہوگیا تھا، کتاب مقدس اور علوم مذہبی کا اجارہ پادریون نے اپنے ہاتھ مین لے لیا تھا، اور اس کے تحفظ مین وہ اس سختی سے محتاط تھے کہ کسی شخص کو بغیر اُن کی اجازت اور توسط کے انجیل کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کرنے کا حق حاصل نہ تھا، یہ صورت حال ایسی تھی کہ اس کی اصلاح کے لیے اکثر دلون مین بےچینی کے آثار پائے جاتے تھے چنانچہ ۱۱۷۰ء مین جب پیٹر والڈو (PETER WALDO) نے اصلاح کا علم ہاتھ مین لیکر قدم اٹھایا تو بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہوگئے، والڈو انجیل کی تبلیغ حوارین مسیح کے طریقہ پر کرتا تھا، اس کا مقصد تھا کہ دین کو اپنی اصلی حالت مین پیش کیا جائے، اس گروہ کو جو تاریخ مین والڈنسز (Waldenses) کے نام سے مشہور ہے ابتدا مین کلیسائے رومہ سے علٰحدہ ہوجانے کا مطلق خیال نہ تھا، وہ محض دین کو تمام آلائشون سے پاک کرکے اس کی اصلی صورت مین پیش کرنا چاہتے تھے، چنانچہ جب لیون (Lyons) کے اسقف اعظم نے اُن کو تبلیغ سے منع کیا تو بجائے اس کے کہ خودسری اور سرکشی کا اظہار کرتے انھون نے ۱۱۷۹ء مین پوپ سکندر ثالث کی خدمت مین اجازت حاصل کرنے کے لیے درخواست پیش کی، لیکن جب ۱۱۸۴ء مین پوپ لیوسیس ثالث

نے ان کو کلیسا سے خارج کر دیا، تو انھون نے بھی اس سے علحدگی اختیار کرلی، اس فرقہ کا اثر ان ممالک مین زیادہ پھیلا جہان کے باشندے کلیسا ے رومہ کے پادریون سے پیشتر ہی سے بیزار تھے، مثلاً جنوبی فرانس اور شمالی اٹلی، پیروان والڈو کی کامیابی کا اصلی سبب یہ تھا کہ انھون نے انجیل کے مطالعہ اور اُس پر غور وفکر کی اجازت عام کر دی تھی، لیکن یہ حالت زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکی، پوپ انوسنٹ ثالث نے زمامِ حکومت ہاتھ مین لینے کے ساتھ ہی ۱۱۹۸ء مین اپنے سفرا کو استیصالِ بدعت کے غیر محدود اختیارات دیکر ان ملکون مین روانہ کیا، ان سفرار نے پہنچکر پہلے مختلف فیہ مسائل پر مباحثے کیے لیکن جب اس طریقہ سے انھین اپنے مقصد مین کامیابی نہ ہوئی تو پھر ظلم وتعدی کے وہ تمام وسائل اختیار کیے جن سے مسلح کرکے انھین بھیجا گیا تھا،

جنوبی فرانس مین جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کلیسا ے رومہ کے خلاف مختلف فرقے یکے بعد دیگرے اٹھتے رہتے تھے اور ان مین سے ہر ایک کو کسی نہ کسی حد تک کامیابی حاصل ہوتی تھی، چنانچہ تیرھوین صدی کے شروع مین بھی البیجنسز (ر ے [illegible]) نے سر اٹھایا اور اس عام بیزاری سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی جو پادریون کے تشدد اور سخت گیری کی وجہ سے لوگون مین پائی جاتی تھی، لیکن کلیسا ے رومہ کو اپنی قوت پر اعتماد تھا اور اُس نے اس فرقہ کے خلاف ایک مذہبی جنگ کا اعلان کرکے اپنے سفیر ارنالڈ کو اس مہم پر مامور کیا، ارنالڈ نے وہ سب کچھ کیا جس کی اس سے توقع تھی، اس نے استیصال بدعت مین قتل وغارتگری کی ایک ایسی مثال قائم کی جو کلیسا کی آیندہ تعدیون کے لیے اپنے اندر ایک سند جواز رکھتی ہے، اس کے طریق عمل نے نہ صرف ایک خاص فرقہ کا استیصال کیا بلکہ اس بات کو ثابت کرکے دکھا دیا کہ کلیسا کی کامیابی صرف اسی صورت مین ممکن ہے، کہ تیغ وآتش کا استعمال نہایت آزادی سے کیا جائے، چنانچہ ۱۲۲۹ء مین ٹولوز کی کونسل نے احتساب عقائد وتعزیر بدعت کا ایک محکمہ قائم کیا جو بعد مین اپنے نظام اور دستور العمل کے ساتھ انکویزیشن کی شکل مین نمودار ہوا، اس باب مین پرجوش فرمانروایان ملک نے بھی بہت سرگرمی دکھائی خصوصاً شہنشاہ فرڈرک ثانی نے پوپ ہنوریس ثالث اور گریگوری تاسع کی مدد سے اپنی سلطنت مین قتل، جلاوطنی، اور ضبط جائداد کی سزائین نہایت

واضح طور پر متعین کین، ان سزاؤن کا اثر بہت جلد ظاہر ہونے لگا، اسقفون نے پورے جوش کے ساتھ حکومت کی مدد کی اور اختلافِ عقائد کی وہ رو جو برابر بڑھ رہی تھی اب نمایان طور پر رُکنے لگی، بلکہ کریوپ گریگوری نے مزید تاخیر و تامل کو نامناسب خیال کیا اور انکوئزیشن یعنی محکمۂ احتساب عقائد کا باضابطہ نفاذ کرکے ڈومنکن (Dominican) فرقہ کے راہبون کو جو اپنی سختی اور تشدد کی وجہ سے دوسرون مین ممتاز تھے نہایت وسیع اختیارات دیکر استیصال بدعت کی خدمت پر روانہ کیا،

کلیسا کے محتسب روانہ ہوے اور جبر و تعدی کی گرم بازاری شروع ہوئی، ابتدا مین یہ طریقہ تھا کہ کسی قصبہ مین پہنچکر یہ لوگ وہان کے باشندون کو جمع کرتے اور مبتدعین سے اعتراف گناہ کے لیے کہتے، اگر وہ اعتراف کرتے تو سزائے موت سے بری کر دیئے جاتے، اس کے بعد ان لوگون کی تحقیق و تفتیش ہوتی جنکے متعلق خیال تھا کہ کلیسا کے عقائد سے مخفی طور پر اختلاف رکھتے ہین، یہ گرفتار کرکے انکوئزیشن کی عدالت کے سامنے پیش کئے جاتے، وہان ان کے مقدمات کی سماعت ہوتی اور عدل و انصاف کے پردہ مین ایسی ہولناک کارروائیان عمل مین لائی جاتین جنکی نظیر سے تاریخ تعدی کے صفحات خالی ہین، اس طرح ایک قصبہ سے استیصال بدعت کرکے محتسبین عقائد دوسرے قصبہ مین پہنچے اور وہان سے فارغ ہوکر تیسرے مین، شروع مین یہی طرز عمل تھا لیکن جب ابتدائی ضربون کے بعد دستِ قاتل مین قوت پیدا ہوگئی اور تشنگانِ خون کی پیاس بھی چند گھونٹون سے اور زیادہ تیز ہوگئی تو انکوئزیشن کی عدالتین ہر ہر ضلع مین قائم کر دی گئین، اور پھر صدیون تک تمام یورپ کلیساے رومہ کی آتشفشانیون کی نذر ہوتا رہا،

وان اکیم (Van Eimeric) نے صراحت کیساتھ اس محکمہ کی کارروائیون کو بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جس وقت کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہوجاتا کہ اس نے قوانین کلیسا کی خلاف ورزی کی ہے یعنی اس کے متفقہ عقائد سے اختلاف رکھتا ہے اسی وقت اُسے طلب کیا جاتا، اگر پہلی طلبی کے بعد ہی وہ حاضر ہو جاتا تو اُس کے حق مین بہتر ہوتا کیونکہ تاخیر سے اس کے جرم کا شبہہ زیادہ قوی ہوجاتا، بہرحال عدم حاضری

۱۰ کی صورت مین وہ دوبارہ اور سہ بارہ طلب کیا جاتا اور بالآخر انکویزیشن کے سیکڑون مخفی وسائل اُسے گرفتار کرکے ہی آتے، عدالت کا خوف لوگون پر اس درجہ مستولی تھا کہ کسی شخص کو اس مفروضہ مجرم کی نسبت کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوتی، نہ کوئی اُسے خط لکھ سکتا تھا اور نہ اسکی سفارش کرسکتا تھا، اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا، اور پھر عدالتی کارروائی شروع ہوتی جسکا سلسلہ ایک مدت دراز تک قائم رہتا،

ایک تنگ و تاریک قیدخانہ مین بہت دنون تک پڑے رہنے کے بعد ملزم عدالت انکویزیشن کے سامنے پیش کیا جاتا، حکام عدالت اس بدنصیب سے قطعی لاعلمی ظاہر فرماتے اور اس سے پوچھتے کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو، اگر وہ اپنے جرم سے آگاہ ہونے کی خواہش کرتا تو اس کے جواب مین خود اُسے اعتراف گناہ کا مشورہ دیا جاتا، اگر وہ کسی بدعقیدگی کا اعتراف نہ کرتا تو اُسے دوبارہ غور کرنے کا موقع دیا جاتا اور قیدخانہ مین واپس بھیج دیا جاتا، عرصہ کے بعد وہ پھر عدالت کے سامنے حاضر کیا جاتا اور پھر اسے اعتراف گناہ کا حکم ہوتا، اگر وہ اب بھی اپنی ضد پر قائم رہتا تو اس سے اس بات کی قسم کھانے کو کہا جاتا کہ وہ تمام سوالات کا جواب سچائی سے دیگا، اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرتا تو کارروائی وہین ختم کردیجاتی اور اسکی سزا کا حکم سنا دیا جاتا، اگر قسم کھالیتا تو اس سے اسکی تمام زندگی کے متعلق سوالات کیے جاتے لیکن اب بھی اُسے ان مفروضہ جرایم سے مطلع نہ کیا جاتا، اعتراف جرائم کی صورت مین اس سے معافی کا وعدہ کیا جاتا مگر یہ بھی ایک چال تھی جس کے ذریعہ حکام عدالت اس کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے،

ان تمام مراحل کے بعد الزامات کی ایک نقل تحریری شکل مین اس کے ہاتھ مین دے دیجاتی اور ایک وکیل بھی اُسکی طرف سے پیروی کرنے کے لیے متعین کردیا جاتا، وکیل صاحب بجاے اس کے کہ ملزم کی بریت کی کوشش کرتے الٹا اسے اقرار جرم کی ترغیب دیتے، سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ الزام لگانے والون کا نام اسے نہ بتایا جاتا، اور نہ ان سے جرح کرنے کا اسے موقع دیا جاتا، مقدمہ کی پہلی پیشی مین اس سے صرف یہ دریافت کرلیا جاتا کہ کون کون لوگ اس کے دشمن ہین اور اُن کی دشمنی کے اسباب کیا ہین، لیکن ان لوگون کو طلب کرنے یا اُن سے کسی قسم کے سوالات کرنے کی ملزم کو اجازت نہ تھی، مبتدعین یا ان لوگون کی شہادتین جو تمام ملکی حقوق سے محروم کردیے گئے تھے

تھے، عام طور پر عدالتون مین لائق سماعت نہ تھین، مگر عدالت انکوئزیشن کے ملزم کے خلاف یہ تمام مردود شہادتین مقبول ہو جاتین، عورتین، بچے اور غلام ملزم کے خلاف شہادت دینے کے مجاز تھے لیکن اُسکی مدافعت مین انکی شہادتین مسموع نہ ہوتین، حد یہ ہے کہ دس سال کے بچون کی شہادتین بھی قبول کیجاتی تھین، اگر کوئی گواہ جس نے ملزم کے خلاف بیان دیا ہے اپنی شہادت سے عود کرتا تو اُسے جھوٹی شہادت کے جرم مین سزا ملتی لیکن خود اس کی شہادت باوجود جھوٹی تسلیم کئے جانے کے اپنی جگہ پر قائم رہتی اور مقدمہ کے فیصلہ مین پوری طرح مؤثر ہوتی، کوئی شخص شہادت دینے سے انکار نہ کرسکتا تھا کیونکہ انکار کرنے والا خود مجرم قرار دیا جاتا، (ملاحظہ ہو انسائکلوپیڈیا برٹینکا انکوئزیشن)

ملزم کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، قسم کھانی پڑتی کہ وہ تمام سوالات کا جواب سچ سچ دیگا، اور کوئی بات چھپا نہ رکھیگا، لیکن اگر اُس کے جوابات تشفی بخش نہ ہوتے یعنی اُن سے اُسکا جرم ثابت نہ ہوتا یا جو الزامات اس کے خلاف عاید کئے گئے تھے ان کا ثبوت کافی طور پر بہم نہ پہنچ سکتا تو یہ نہ ہوتا، جیسا کہ انصافاً ہونا چاہئے تھا، کہ اُسے بے قصور قرار دے کر رہا کر دیا جاتا بلکہ عدالت انکوئزیشن اپنے مفید مطلب بیان حاصل کرنے کی غرض سے اُسے شکنجہ مین کسنے کا حکم صادر کرتی، شکنجہ کی سزا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دیجاتی اور اس وقت تک قائم رکھی جاتی جب تک طبیب انکوئزیشن کی راے مین ملزم اسے برداشت کرسکتا، بالآخر اس جانکنی سے تنگ آکر اُسے وہی کہنا پڑتا جو عدالت کہلانا چاہتی تھی، لیکن اقرار جرم کے بعد بھی شکنجہ کی عقوبتین قائم رکھی جاتین یہانتک کہ آخر کار اسے اپنے تمام شرکار کے نام اور پتے بھی بتانا پڑتے، اقرار جرم کے یہ معنی نہ تھے کہ ملزم نے در اصل اس کا ارتکاب بھی کیا ہے، شکنجہ کی اذیتین اس درجہ روح فرسا ہوتین کہ وہ موت کو ترجیح دیتا اور اس سے رہائی پانے کی خاطر مفروضہ جرائم کا اقرار کرلیتا، بااین ہمہ بعض سخت جان ایسے بھی تھے جو اعتراف گناہ نہ کرتے اور آخر وقت تک اپنی ضد پر قائم رہتے، اور یہی لوگ مبتدع اور زندیق قرار پاتے،

مجرمین کی تین قسمین تھین، (۱) وہ جو اعتراف گناہ کرکے توبہ کرلیتے، (۲) وہ جو اعتراف گناہ نہ کرتے اور اس لیے زندیق سمجھے جاتے، (۳) وہ جو اعتراف اور توبہ کے بعد پھر بدعت و زندقہ اختیار کرلیتے، ممکن ہے

گر توبہ کرنے والون کی نسبت یہ خیال ہو کہ وہ سزا سے بری کر دیئے جاتے تھے، لیکن ایسا نہ تھا، کلیسا کے نزدیک عفو بخش کی کوئی حقیقت نہین تھی، تائبین کو بھی پچھلے گناہون کی پاداش مین کچھ نہ کچھ سزا بھگتنا پڑتی تھی، انکی سزائین گناہون کی اہمیت کے لحاظ سے مختلف درجون کی ہوتی تھین، مثلاً نفس کشی و ریاضت، روزے، نمازین، مقامات مقدسہ کی زیارت وغیرہ وغیرہ، درّے بھی لگائے جاتے اور ان کے لباسون مین سینہ اور پشت پر زرد کپڑے کی صلیبین ٹانک دیجاتی تھین جو انکی سابقہ گمراہیون کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتی تھین، قید کی سزائین بھی دیجاتی تھین اور انکی مختلف مدتین ہوتی تھین، بعض لوگ تمام عمر قید مین رکھے جاتے تھے، یہ برتاؤ اُن گنہگارون کیساتھ تھا جو اپنی تمام بدعقیدگیون سے تائب ہو چکے تھے، باقی وہ جو اپنے خلاف الزامات کو تسلیم نہ کرتے اور انتہائی اذیتون اور عقوبتون کے بعد بھی اعترافِ گناہ نہ کرتے یا وہ جو بعد توبہ کے پھر گمراہ ہو جاتے انھین عدالت انکوزیشن کی طرف سے سزائے موت کا حکم سنایا جاتا اور وہ حکومت کے سپرد کر دیئے جاتے جس پر احکام کلیسا کی تعمیل واجب تھی، چونکہ کلیسا کے نزدیک خونریزی کسی حالت مین بھی روا نہ تھی اس لیے بدعت و زندقہ جیسے شدید جرم کی صورت مین بھی اس سے اجتناب کیا جاتا اور مجرم کو بجائے قتل کرنے کے زندہ آگ مین جلا دیا جاتا کہ انسانی خون کا کوئی قطرہ کلیسا کے ہاتھ سے زمین پر نہ گرنے پائے،

یہان تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرون وسطیٰ کے انکوزیشن اور اسکی کارروائیون کا ایک نہایت مختصر سا خاکہ ہے، اگرچہ اس محکمہ کا باضابطہ نظام تیرہوین صدی مین قائم ہو گیا تھا اور تمام مسیحی یورپ مین اس نظام پر عمل جاری تھا تاہم جو آتش فشانیان تاریخ کے صفحون مین ہمیشہ روشن رہینگی ان کا ظہور پندرہوین اور سولھوین صدی مین ہوا اور استیصال بدعت کی یہ آتشین سعادت سب سے زیادہ اسپین کے حصہ مین آئی، چونکہ یہ دردانگیز داستان زیادہ طویل ہے اس لیے ہم اسے مضمون کے دوسرے حصہ کے لیے اٹھا رکھتے ہین، اسی حصہ مین یہ بھی بیان کیا جائے گا کہ محکمہ احتساب عقائد نے یورپ کے اور ملکون مین کیا کارگذاریان دکھائین اور اپنے مقاصد مین کہانتک کامیاب رہا،

(باقی)

صہبائے دانش

از

جناب مولوی ابوالقاسم صاحب سرور،

(بسلسلۂ گذشتہ)

جمالیات[1] نفسیات کا دوسرا شعبہ جمالیات حسیات کی آبادی سے معمور ہے، جو جمیل اور حسین لائق تحسین یا اس کے خلاف مکروہ و قبیح سے پیدا شدہ حسیات کی ایک وسیع بسما ہی، انسان حواسون مین سے مخصوص طور پر سماعت و بصارت ان دونون مین اس قسم کے ریشے ودیعت ہین جن کے سہارے ملاحظۂ اشیا، یا سماعت آواز سے احساس مسرت رونما ہوا کرتا ہے، مظاہر فطرت کی بوقلمونی، ان کی عظمت وجبروت یا کسی خوشنما تصویر یا کسی خوبصورت بت کا معائنہ یا کسی نظم کا پڑھنا، یا سننا، ان سے خوشگوار احساس کی روئید گی شروع ہوتی ہے، اور انسانی دل

---

[1] فلسفہ کی خشکی کی تلافی کے لئے فلسفۂ جمالیات کے اہم مسائل کو نظم کے سانچہ مین ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے، عجب نہین کہ یہ طریقہ ناظرین کرام کے لئے دلچسپی کا باعث ہو،

حسن کا لفظ سہ حرفی آج ہے موضوع بحث — اس کے ہر اک حرف کو تنقید سے ہے دیکھنا
علم حسیات و وجدانات و جذبات بشر، — پورا سرمایہ ہے یہ فن جمالیات کا
کس طرح ہوتا ہے احساس جمالی کا ظہور — کون سی شے ہے جو ہو حسن مجسم برملا
کیا سبب اس کا کہ اک شی ایک کرتا ہی پسند — دوسرا کرتا ہے نفرت وہ بھی کیسی ناروا
کون سے اشیا، کہ ہین ایسے نمایان خطا خال — جس سے ہو جاتے ہین وہ اشیا، نہایت خوشنما

سے مسرت کی موج اٹھتی ہے، زبان کلماتِ ستائش ادا کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور اس شے جمیل کی دلکشی اور خوبصورتی کے متعلق بے اختیار منہ سے تعجب اور حیرت کے الفاظ نکلتے ہیں، یا ایسی حالت میں انسان ایسا خود رفتہ اور کھویا جاتا ہے کہ اظہارِ احساسات کے واسطے اسے لفظ تک ہاتھ نہیں آتے، شے جمیل پر اپنا قبضہ ہو یا نہ ہو ہر حالت میں انسان کا اس سے حظ اندوز ہونا ضروری ہے، اور تحسین و ستائش کی بچھاور کے بغیر خاموش بیٹھے رہنا ممکن نہیں تو اثر نظارہ لذت ملاحظہ میں اضافہ کرتا رہتا ہے جس طرح خوشگوار احساس پیدا کرنے والی شے کو جمیل کہتے ہیں اُسی طرح نفرت و الم کے احساسات ظاہر کرنے والی شے بدشکل اور قبیح کہلاتی ہے، اسی کی نسبت نطشے کہتا ہے کہ مکروہ

سحر ایسا کونسا پوشیدہ ہے آواز میں، جس سے ہو جاتی ہے تہذیبِ سامعہ دلکش صدا
جتنا اشیائے جمیلہ کا جیتا ہے سب کا سب، اشتراک آپس میں اس کے ہوتا ہے کیا ایک سا
اس طرح کے اور جتنے بھی کئے جائیں سوال، ان سبھوں کا ہر جمالیات سے رشتہ جڑا
ایسے استفسار دن پر ردّ و قدح اور غور و خوض، فنِ بالا میں رہا کرتا ہے اس کا مشغلہ
نظرتِ خاموش کے لاکھوں مناظرِ بے بدل، سطوت و عظمت پہ جنکے فہم عالم ہے فدا
خوبصورت کوئی بت یا کوئی تصویرِ جمال، کوئی عمدہ نظم یا دلکش صدا کا سلسلہ
دیکھتے ہی سنتے ہی فوراً بشر کے قلب میں، خوشگوار احساس کا طوفان ہوتا ہے بپا
دل میں بھر جاتے ہیں جذباتِ مسرت ناگہاں، سازِ لب سے اٹھتا ہے تحسین کا اک غلغلہ
یا خموشی اس پہ چھا جاتی ہے ایسے وقت میں، جب کہ ہو جاتا ہے ذہنِ نارسا بیدست و پا
لفظ تک اظہارِ کیفیات کے ملتے نہیں، جوشِ دل لفظوں میں اس سے ہو نہیں سکتا ادا
شکل، حرکت، رنگ اور نیز اس طرح کے ارتسام، دیکھنے یا سننے سے جن کا ہوا نشو و نما
اطلاع ان کی دیا کرتے ہیں ہر دم گوش و چشم، جس سے پیدا ہوتی ہے احساسِ لذت کی صدا
یہ وہی ہے جس کو کہتے ہیں جمالی التذاذ، اس کا باعث حسن ہے جس میں نہیں چون و چرا
یہ وساطت سے حواسِ آدمی کے روز و شب، عقل و وجدان و تخیل کو ہے کرتا مبتلا

اور بدصورت شے انسان کو کمزور و مضمحل کر دیتی ہے، اور اس کے لئے سخت اذیت رسان ہے، عالم افسردگی مین چونکہ اسی مکروہ صورت کی قربت و نزدیکی کا انسان احساس کرتا ہے، اسی بنا پر الم خیز وارفتگی اس پر قبضہ کر لیتی ہے، جمیل شے خوشگوار احساس کی خالق ہے، اور یہ صفت اس سے کسی وقت علٰحدہ نہین ہوتی، مگر خوشگوار شے کی یہ نوعیت نہین، اس پر جمیل ہونے کا اطلاق نہین ہوتا، یہان یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ سونگھنے اور چکھنے کی چیزون سے جمال کا تعلق نہین، یہ دیکھنے اور سننے کی چیزون کے لئے مخصوص ہے، فواکہ، اغذیہ، اشربہ، عطریات، کتنے ہی اعلیٰ درجہ کے کیون نہ ہون یہ لفظ جمیل کا مصداق نہین بن سکتے، انھین خوشگوار، عمدہ، نفیس وغیرہ ان ہی الفاظ سے

نفس مین پیدا کیا کرتا ہے جذباتِ نفیس — روح کو پہنچاتا ہے تا حدِ بامِ اعتلا
حسیاتِ احساس اور لذّات کی دلچسپ بحث — ہے یہی وہ روزنِ در جس سے ہے جھانکنا
کچھ نواہائے شنیدہ کچھ بہارِ دیدہ سے — دونون سے مل کر بنا ہے اسکا سحرِ حشر زا
خوشگوار احساس کا اٹھتا ہے جب جوشِ طرب — اس کو کہتے ہین یہ ہے سیلابِ حسنِ خود نما
حُسن کو سقراط ٹھہراتا ہے مانندِ مفید — اور فلاطون کی نظر مین ہے یہ اوسکا مرتبا
جو تصوّرِ خیرِ برتر اور الُوہیت کے ہین، — حُسن ہے ایسا تصور کا مثیل وہم نوا
حُسن سے اشیاے عالم کل کے کل لبریز ہین — یہ خیالاتِ فلاطون کا ہے مجمل تذکرہ
حال کے نقاد کہتے ہین نہین ایسا نہین — یہ ہے احساس و حواسِ آدمی کا شعبدہ
جو کسی شے کے تصوّر سے ہوا ہو ارتسام — اہل یورپ کرتے ہین اپنی یہین سے ابتدا
پھر صفات، اعراض اشیا دیکھتے ہین غور سے — تا کہ حاصل ہو جمالی کیفیت کا مدّعا،
حُسن کی تخئیل سے حاصل شدہ لذّت وہ ہے — مادّی اغراض کا جس مین نہ ہو کچھ شائبہ
سب سے پہلے کانٹ نے اس امر کی تعیین کی — حسن کی لذّت نہ ہو وابستۂ حرص و ہوا
اس کے احساس و شعورِ اوّلین کے باب مین — ماہرینِ فن نے لونیّت سے کی ہے ابتدا
جتنے گہرے رنگ رجحانات کو ہون گے پسند — سمجھا جائے گا تمدن کا ابھی ہے بچپنا،

تعبیر کیا جائے گا، میوہ جات لذیذ غذاؤں سے قوتِ ذائقہ ضرور حظ اندوز ہوتی ہے، عطریات قوتِ شامہ کو یقیناً محظوظ کرتے ہیں، مگر ان میں سے کوئی جمیل شے نہیں ہوتی، اسی بنا پر اغذیہ وغیرہ کے ذائقہ اور خوشبو کو جمیل نہیں کہا جاتا، حسن سے کیف مسرت کا ظہور رونما ہونے کی علت وہ ارتسام ہے جو ذہن انسانی کے صفحہ پر حواس کے ذریعے

ہلکے رنگوں کی نفاست جتنی دل کو بھائیگی
اتنا ہی ہوگا تمدّن کو عروج و اعتلا

حسن کے قصرِ بصیرت زا کی جانب رات دن
ہر تمدّن بڑھتا ہے لیکر کمندِ ارتقا

آبشاروں کی روانی چرخ آسا کوہسار
نیرّ تاباں کا چھپ چھپ کر نکلنا ڈوبنا

اور اجرامِ سماوی کے منور قمقمے
آج تک فہمِ بشر جن کی نہ گنتی گن سکا ہے

ابر کی اودی، سنہری، نیلی پیلی ساریان
جن کو پھیلاتی ہے چرخِ بام پر بادِ صبا

وہ شفق کا پھولنا وہ اس کی زرین آب و تاب
تودۂ غبرا ہو جس سے صاف سونے کا ڈلا

قلزم و عمّان کی موجون کا خروشِ سہمگین
دیکھنے سے ان مناظر کے ہے دل ہیبت کدہ

ان کی لامحدودیت مرعوب کرتی ہے ہمین
سامنے آنکھون کے رہتی ہے جلالت کی فضا

اس تصور میں اسی حد پر ہے احساسِ الم
جس سے پہلے ہوتی ہے افسردہ کچھ طبعِ رسا

بعد اس کے خود ابھرتے ہین وہ جذباتِ لطیف
جن سے پھر بڑھتا ہے آگے ذوقِ دل کا حوصلہ

ایک ہی آواز یا صورت ہر اک پر اک طرح
کیون اثر کرتی نہین اس کی ہے آخر وجہ کیا

ساختِ عصبی ریشون مین ہر شخص کے یکسان نہین
اختلافِ عادت و تعلیم ہے اس کے سوا

ذہن کی بالیدگی مین بھی بہت باہم ہے فرق
بیش و کم تفریق کرتی ہے طبائع کو جدا

اک تخیّل ہی نہین اس حُسن کے زیرِ اثر
عقل تک پھیلا ہوا ہے، اس اثر کا دائرہ

دلکشی، آواز، حرکت، رنگ، خط، آئین جو بھی ہو
یہ بامدادِ حواس اک فعل ہے ادراک کا

ان مین پیدا کرتے ہین موزونیت فکر و شعور
جس سے بن جاتا ہے یہ نقشہ عجیب لذت فزا

قوتِ ذہنی یہیں انسان اور حیوان کی
باہمی تفریق کو کرتی ہے ظاہر برملا

مختلف رنگون کی اک تصویر کو یا نظم کو
دیکھتا سنتا ہے حیوان بھی مگر کیا فائدہ

سے نقش ثبت کر دیتا ہے،

جمیل اور کارآمد ان دونون مین باہم حدِ فاصل قائم ہے حقیقۃً جو جمیل شے ہو، اس کے خیال سے حاصل شدہ لذت عموماً مادی لحاظ سے غیر مفید کہلانے کی مستحق ہے، کیونکہ خیال حسن سے حاصل کی ہوئی لذت غرض اور خواہشات مادی کی آمیزش کی متحمل نہین، یہ ایسی لطیف اور نازک لذت ہے، جو غرضون اور مادی خواہشون سے یکسر پاک وصاف ہوا کرتی ہے، اس لذت کے بارہ مین پہلے پہل جرمنی کے فلسفی کانٹ نے نہایت تصریح سے بیان کیا کہ حسن کی حاصل شدہ لذت مین خواہشات مادی وغیرہ کا شائبہ نہ ہونا چاہئے، چشم وگوش ہی وہ وسیع راستے ہین جن پر بعض آوازون کی سماعت سے پیدا شدہ ارتسام اور رنگ و شکل و حرکت کی اطلاع کے قافلے منزل دماغ مین داخل ہوتے رہتے ہین، ان ارتسامات مین لذت یا الم کا احساس بھی شریک رہتا ہے، یہ لذت جمالی لذت سے موسوم ہے، جس کی علت تامہ حسن ہے، ایسا حسن کہ جس کی اثر انگیزی انسانی وجدان عقل

اس سے حیوان کو حصول کیف ہوتا ہی نہین
جس سے وہ ظاہر کرے جذبہ کوئی ابھرا ہوا

کس طرح ہوتا ہے ظاہر یہ جمالی التذاذ
فعل اورہ تخلیق ہے اس کا ذریعہ واسطہ

دل مین انسان کے یہی رہتی ہی خواہش ہمہ گیر
جو کرے محسوس اس کو جون کا تون کردکھا

بتگری، معماری، و موسیقی کلفت شکن
شاعری جس مین کہ رہتا ہے، درِ تخییل وا

نیز نقاشی کہ جو دنیا ہے نقش ورنگ کی
ارتسام ذہنی وطبعی کا ان مین سلسلہ

سب یہ ظاہر ہوتا ہے الفاظ یا اصوات سی
نام صناعی ہوا ایسے ہی اظہارات کا

خارجی صورت مین ہم وجدان یا احساس کو
جب کرین ظاہر تو صناعی یہی کہلائے گا

منفعل رہتا ہے یا خوابیدہ احساس جمال
عام لوگون مین مگر صناع مین ہے جاگتا

فعل ہے افراط قوت کا نتیجہ اور یہی
جا درِ تخلیق سے کرتا ہے ظاہر دست وپا

دیکھتی ہے غیر مرئی چیز کو کس غور سے وہ
صوت ورنگ وسنگ مین صناع کی طبع رسا

پھر اسے مرئی بنا کے سامنے لاتی ہے یہ
جس سے دل کے باغ مین چلتی ہی لذت کی ہوا

وتخیل کو متاثر کرتی ہے، اور روح کو پاک وصاف کرکے نفس مین شریفانہ جذبے پیدا کرتی ہے، لذت حسن مین خواہشات واغراض کا نام ونشان نہین ہوتا، اس لئے کہ خواہشات کا اقتضا یہ ہوا کرتا ہے، کہ کسی طرح اشیائے عالم پر قابو پالین، اور انھین اپنے قبضہ واقتدار مین لے آئین، اس بناپر خواہشات رنج وغم کا سبب ٹھہرتی ہین، جمالیات کا مطمح نظر اور مقصد کیا ہے، وجدانات اور لذات کی تحقیق، اور پوری پوری ان کی حدبندی کرنا، خوشگوار احساس چلتا ہوا جادو ہے، جس سے بچکر نکلنا انسان کے بس کی بات نہین، عام طبیعتین خوشگوار احساسات سے متاثر ہونیکے بعد بھی وہ اس توجیہ سے بالکل لاعلم رہتی ہین کہ کس بناپر وہ متاثر ہو رہی ہین، اور بیشتر اس متاثر ہونے کی علت اور سبب کی تحلیل وتحقیق نہین کر سکتین، ایک عامی محسوس کرنے کے بعد الفاظ یا افعال کے ذریعہ اپنے احساس پنہان کو برافگندہ نقاب کرنے پر قدرت نہین رکھتا، صرف محسوس کرنا یہ جبلّی یا وجدانی خاصہ ہے جو ایک حد تک حیوانات مین بھی پایا جاتا ہے، عام شخص محض محسوس کرتا ہے، اور فلسفی یا صناع غور وفکر کرتے ہین اور اپنے احساسات کو الفاظ یا افعال کے ذریعہ سے ظاہر بھی کر دیتے ہین، انس ومحبت، میلان ورغبت، انبساط ومسرت کے احساس کا منبع جمیل ہے، اور تکدر وانقباض، نفرت وکراہت کے احساس کا مخزن مکروہ وقبیح ہے، اس کے خلاف

یا یہ کہئے کام مین صنّاع سحر انگیز کے ۔۔۔ صاف ہے توضیح نصب العین کا نقشہ کھینچا
یہ ذریعہ سے حواس آدمی کے ذہن کو ۔۔۔ لیکر آغوش اثر مین اور بڑھتا ہے سوا
روح کو دیکر سہارا پھر یہ کرتا ہے بلند ۔۔۔ اور جذبات شریفانہ کو دیتا ہے جگا،
اس سے وجدانات اعلیٰ پاتے ہین اوج کمال ۔۔۔ یہ دماغ ودل کو دیتا ہے تاثر کی غذا،
قوتین انسان کی کل اس کے ہین زیر اثر ۔۔۔ روح کی گہرائیون مین بھی ہے یہ بیرا ہوا
عام نظر دن سے نظر صناع کی ہوتی ہے تیز ۔۔۔ وہ تعقل کرتا ہے جب ایک نصب العین کا
ساتھ ہی اس کے کسی پیرایۂ دلچسپ سے ۔۔۔ جون کا تون کر دیتا ہے اس کا اعادہ بے خطا
اس بیان مین اس جگہ پیدا یہ ہوتا ہے سوال ۔۔۔ کیا ہے صناعی فقط تقلید کی بانگ درا
جو اعادہ کرتی ہے حسّی ظواہر کا تمام ۔۔۔ کوئی کیا اس کا بھی ہے مقصود وغایت مدعا

جبروت آمود حُسن فطرت، فضائے بسیط مین جگر لگانے والے بیشمار اجرام سماوی، فلک بوس جبال، بحرِ ذخار، نیرِ عالم کا طلوع وغروب، یہ سب کے سب مناظر جمیلہ ہین لیکن ان کے تصور سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس مین رنج والم کا بھی لگاؤ ہے، اسلئے ان کے غیر متناہی ہونے کے رعب سے انسان سہم جاتا ہی، ایسے اوقات مین محاذ نظر کی جمیل کے بجائے جلیل سے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے، جس سے ابتداءً افسردگی کا احساس شروع ہوتا ہی، اور پھر ایک شریفانہ جذبہ اُبھر آتا ہے،

اس سے ہٹکر مضحک کا بھی ایک تصور ہے، جو جلیل کے مقابل ہے، توازن وتقابل اور مصنوعی متانت و سنجیدگی کا احساس اس تصور کا رہبر اور مبدأ ہے،

کسی کا قول ہے، کہ اگرچہ لائق ضحک اور مضحک یہ دونون ہم معنی سمجھے جاتے ہین، لیکن لفظ مضحک اصطلاحاً محدود اور معین ہی معنی رکھتا ہے، یہ ایک پُر وقار پُر متانت خندۂ سنجیدہ پیدا کرتا ہے، یہ مفہوم خاص اسی لفظ کے لئے مخصوص ہے، اور اس سے محض ہنسانے والی شے مراد نہین لیجاتی، احساس جمال ظاہر کرنے والی چیزون کے آئین واصول صناعی پر مُضحک کا بھی دار و مدار ہے، احساس مسرت حزنیہ (درد یہ) بھی پیدا کرتا ہے، اس مین رحم کے جذبہ کا لگاؤ ہے، یہ بھی لذت ہے، مگر ایسی جسمین الم بھی شریک ہی، لذت اس بنا پر کہ انسان کے اخلاقی وجدانات

کیا نہین اخلاق سے اس کا تعلق یا کہ ہے، / محض صناعی کی خاطر سیکھین صناعی کو کیا،
ان سوالات عجیبہ کی ہے ایسی شاہراہ / ماہران فن نہین سے ہوتے ہین یا ہم جدا
نقل فطرت کی بعینہ یا تشابہ بس یہی، / بعض کے نزدیک صناعی کا مقصد ہے بڑا
بعض کہتے ہین مناسب ہی نہین صناع کو / نقل فطرت مین کرے فطرت کی پوری اقتدا
بلکہ کچھ ہو نقل اور کچھ ہو اضافہ ساتھ ساتھ / وہ اضافہ اپنے افکار اور وجدانات کا
فطرت خاموش سے اشیا، کو کرے منتخب / ربط دیگر سر فطرت کو کرے ان سے ادا
ایسی صناعی جو ہو مخصوص خط وخال کی / یا تصور کوئی یا سیرت ہو جس سے رونما
یہ حقیقت سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اور / ذہن کو پہناتی ہے فوراً تاثر کی قبا،

کو اس سے خاص تمتع حاصل ہوتا ہے، اس قسم کے جتنے احساسات ہین، وہ سب جمالیات کے حدود مین داخل ہین، اس بنا پر جمالیات، جذبات، وجدانات، حسّیات، ان سبھون کا بامعانِ نظر مطالعہ کرتی ہے اور جمیل مکروہ جلیل مضحک، اور تصورات انبساط و مسرت کی توضیح و تعریف کرنا بھی اسی کا فرض ہے، ایسے علل و اسباب جو کسی شے کے جمیل یا بدشکل ہونے کے سبب و علت ہوتے ہین، ان کا پتہ لگانا بھی اسی کے ذمہ ہے، جمال فطرت صناعی کی خوبصورتی، مادی وغیرمادی چیزون کے حُسن کی تحقیق و تفتیش بھی یہی کیا کرتی ہے، احساسات جمالی کا مبدء کونسا ہی، یہ احساسات کس طرح اور کہان سے پیدا ہوتے ہین، کس شے پر حُسن مجسم کا اطلاق آسکتا ہی، احساسات جمالی جو بجائے خود ہر ایک کو محسوس ہوتے ہین، کیا یہ احساسات زادۂ اشیا رکیے جا سکتے ہین، ایک شے یا آواز یکسان دو طبیعتون پر کیون اثر نہین کرتی، ایک شے اس سے حظ اندوز ہو کر نشاط کی انگڑائیان لیتا ہی، اور دوسرا اُسی سے متنفر ہو کر منہ پھیر لیتا ہے، خط و خال اشیا اور ارتعاشات اصوات وہ کس قسم کے ہین جن سے یہ جمیل و دلکش بن کر انسان مین احساس مسرت و انبساط پیدا کر دیتے ہین، اشیائے جمیلہ کا پورا جتھا کیا یکسان قدر مشترک رکھتا ہے، اس طرح کے استفسار و سوال جمالیات ہی سے تعلق رکھتے ہین،

پروفیسر بین کی تحقیق مین ذہنِ انسانی حُسن کے ابتدائی تصوّرات کی ابتدا، لونیت سے کرتا ہی، اُسے مثال مین اس طرح ظاہر کیا ہی، کہ شکل و صورت، موزونیت سے لذّت اندوز ہونے سے پیشتر بچے نہایت گہرے

زد مین وجدانی اثر کے آکر اک صناع کو،
فکر ہوتی ہے۔ بنا دے نقل کی اس کو سبھا

اس لئے پوری وہ کرتا ہی نہیں فطرت کی نقل
اتنی ہی کرتا ہے جو محسوس وہ خود کر چکا،

پھر یہین سے اور پیدا ہوتا ہے مشکل سوال،
جسکو کر سکتے ہین پہلے کے مقابل دوسرا

تابع اخلاق صناعی کو ہونا چاہیئے،
یا نہین اخلاق سے بالا ہے اس کا مرتبہ

بعض اس بارہ مین رسکن کے ہوئے ہین ہمخیال،
کہتے ہین اخلاق پر صنعت کی قائم ہو بنا،

اپنے وجدانات اعلیٰ مین کرے ہمکو شریک
سب سے بڑھ کر کارنامہ ہے یہی صناع کا،

مقصدِ اعلیٰ ہو صناعی کا بس یہ ایک ہی
اس سے ہو اخلاق کی تعلیم کا نشو و نما

اور شوخ رنگون کے گرویدہ ہوتے ہین، بچون کی طرح ایک دہقانی بھی اسی قسم کے شوخ رنگون کا حریص ہوتا ہے، غرض کہ ایسی وحشی قومین جو ارتقائے ذہنی کی منزلین طے کرنے کی جانب ابھی مائل نہین، انھین جاندار اور بے جان اشیاء کے گہرے رنگ نہایت پسندیدہ معلوم ہوتے ہین۔ وہ افراد جو ابھی نشو ونما کی عدم تکمیل کی گھاٹی سے باہر نہین نکلے ہین، شعورِ ذات کی معرفت سے خالی ہاتھ اور مطالعۂ باطن کی سرحد (جو ترقی کی ممتاز منزل ہے،) سے دور پڑے ہوئے ہین، یہ بھی گہرے رنگ یا مجموعۂ الوان کو دل سے پسند کرین گے لیکن ایک ترقی یافتہ مہذب انسان کی نظر مین یکسانیت لئے ہوئے ہلکے رنگ خوشنما معلوم ہون گے، امتیاز حسن اور پسندیدگی کی قوت عموماً ذوق سے تعبیر کی جاتی ہے، اسے لذت جمالی کے محسوس کرنے کی استعداد و قابلیت کہتے ہین جو مبدءِ فیاض سے انسان کو عطا ہوئی ہی، جماعت و افراد مین تربیت و تعلیم ترقی دیکر اس قوت کو آگے بڑھا دیتی ہے، ایک آواز یا ایک صورت سے ہر ایک مساویانہ طور پر متاثر نہ ہونے کی بھی مختلف وجہین ہین، مثلاً عصبی ریشون کی ہر ایک مین عدم یکسانیت تعلیم عادت رسم و رواج سے باہمی جداگانہ طبیعتون کا اختلاف، ہر ایک کا ذہنی نشو ونما مین افتراق وغیرہ یہی وجہین ہین جس سے ہر ایک طبیعت ایک سا اثر نہین لیتی، حسن تخیل اور عقل دونون کو متاثر کرتا ہی، حرکات، خطوط، اصوات، اور رنگون کی دلکشی کے ادراک ذریعہ و وسیلہ حواس ہین، اور ان مین موزونیت پیدا کرنے کا کام فکر و شعور سے متعلق ہے، یہین سے انسان اور حیوان کے امتیازات کی راہین علٰحدہ ہوتی ہین، کسی عمدہ تصویر یا اچھی نظم ان دونون کو حیوان بھی

بعض کہتے ہین کہ صناعی نہ ہو پابندِ قید ۔۔۔ اس کو ہونا چاہئے مطلق جمیل و خوشنما
ہیئت و صورت ہی مین موجود ہوتا ہی جمال ۔۔۔ بے تعلق جس سے یہ رہتا ہی وہ ہے مادہ
بعض گذرے ہین جمالیین مین ایسے بھی فرد ۔۔۔ جو جمالیات کی کرتے ہین اس حد پر ثنا
کہتے ہین رتبہ جمالیات کا مافوق ہے، ۔۔۔ اور ہے اخلاق سے بھی اوس کا اونچا مرتبہ
الغرض یہ ایسا دلکش روح پرور پھول ہی ۔۔۔ جسکی خوبی سامعہ اور باصرہ کی ہے غذا،
چشم نظارہ طلب مین اس سے سحرِ بیخودی ۔۔۔ سامعہ مین اس کی لذت کا ہی اک طوفان بپا

دیکھتا اور سنتا ہی مگر بیکار اور فضول، وہ شعورِ محبت اور کسی قسم کے ابھرے ہوئے جذبے سے بالکل خالی نظر آتا ہے، فعل اور تخلیق یہی جمالی لذت کی جلوہ گاہ ہے، یہ لذت اسی فضا مین رونما ہوتی ہے، جس قسم کے بھی احساس سے انسان متاثر ہوتا ہے، اس کا فطری اقتضا یہی ہے، کہ ایسے مواقع پر روئداد تاثر کی اصوات یا الفاظ سے ترجمانی کرے، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے موقعون پر وہ سرتاپا عمل بن کر کہنے اور کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہی، اس اقتضاے فطرت سے مجبور ہوکر ایک بے سواد جو تقریر و تحریر سے بالکل مس نہین رکھتا، وہ بھی اس قسم کی سعی وکوشش کی ہمت کیا کرتا ہی، اگرچہ اس کا یہ عزم و ارادہ محض فطرت کے مجبور کر دینے کی وجہ سے ہوا کرتا ہی، مگر عوارضِ جہل کے سبب سے یہ کمان اس سے زہ نہین ہوسکتی لیکن جو اشخاص قوتِ اظہار سے بہرہ ور ہین، وہ جبتک اس عمل کی نمایش نہین بنا دیتے اس وقت تک انھین چین نہین آتا طبعی ذہنی یا اخلاقی ارتسامات کی تحصیل کے بعد خطوط، الفاظ، یا اصوات کے ذریعہ سے نقاشی، سنگتراشی، معماری، شاعری اور موسیقی مین انھین ارتسامات کو ظاہر کیا جائے، تو اس کو فن یا صناعی کہین گے، صورت خارجی مین اظہار وجدان یا احساس کا صناعی نام رکھا جاتا ہی، احساسِ جمال عوام الناس مین منفعل یا خفتہ رہتا ہی، اور یہی صناع مین طاقتِ فاعلی اور حالت بیداری کی شان مین جلوہ نما ہوتا ہی، افراطِ قوت کا نتیجہ فعل کہلاتا ہی، اور تخلیق کے ذریعہ سے یہی فعل معرض ظہور مین آیا کرتا ہی، ایک صناع غیر مرئی شے کو بذریعہ سنگ یا رنگ زبان یا آواز کے مرئی بنا کے پیش کرتا ہی، صناع کا کام اس کے مطمح نظر اور نصب العین کا توضیحی نقشہ ہی، جو اس کی وساطت سے وہ ذہن کو متاثر کرتا ہی، جس سے روح مین رفعت و بلندی اور نفس مین جذباتِ شریفانہ کا چشمہ ابل پڑتا ہی، اسی سے دبے ہوئے وجدانات اعلیٰ ابھر آتے ہین، صناعی دل و دماغ دونون کو تاثر کی غذا تقسیم کرتی ہی صناع، وجدان، تصور، جبرہ کی خصوصیات کو اس طرح ترکیب دیکر سامنے لاتا ہی کہ اس پیشکش کے آئینہ مین اس سے قبل کی نہ محسوس کی ہوئی چیزین نہایت صاف دکھائی دیتی ہین، (باقی)

جنتِ گوش، اور فردوسِ نظر ہر ایک مین | جلوہ ہائے حسن کی رہتی ہے نور افشان ضیا
روز و شب سمع و بصر کے پردۂ فانوس پر | کوندتی رہتی ہے اس کی برقِ استعجاب زا

(باقی)

تلخیص و تبصرہ

اقتصادی تباہی اور امریکہ کی خانگی زندگی

امریکہ کی دولت و ثروت اور تہذیب و تمدن کی حکایتین اس کثرت سے ہمارے کانون تک پہنچی ہین کہ اب وہان کے افلاس و وحشت کے واقعات کا مشکل سے یقین آتا ہے، اور سمجھ مین نہین آتا کہ جس ملک مین کروڑپتیون کی تعداد بھی حد شمار سے باہر تھی وہان قوت لایموت کا سوال کیسے پیدا ہوگیا، اور جن ہاتھون مین تہذیب حاضر کی شمع ہدایت تھی وہ وحشت و بربریت کی انتہائی تاریکیون مین قتل و غارتگری مین کیونکر مصروف ہین لیکن واقعات بہرحال واقعات ہین، جنپر حسن ظن یا خوش اعتقادی کی کوئی نقاب پردہ نہین ڈال سکتی،

امریکہ کی موجودہ اقتصادی تباہی کا جو اثر عام طور پڑا ہے، کہ لاکھون آدمی بے روزگار ہوگئے، جرائم کی کثرت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، قتل اور ڈاکے دن رات ہزارون کی تعداد مین ہورہے ہین اور تمام ملک مین ایک عام پریشانی اور سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے، اس وقت اس کی تفصیل سے بحث نہین، یہان صرف اس اثر کو دکھانا ہے جو اقتصادی تباہی نے امریکہ کی خانگی زندگی پر ڈالا ہے، اور پھر تمام ملک کا ذکر نہین بلکہ صرف ایک شہر نیویارک کے حالات ہین جو رسالہ لٹریری ڈائجسٹ (۱۲ر مارچ ۱۹۳۲ء) کے حوالہ سے ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہین،

نیویارک امریکہ کا دار السلطنت، اور تمام متمدن دنیا کا اولین شہر ہے، اس کی حالت زار سے امریکہ

کے دوسرے شہروں اور عام ملک کی حالت کا قیاس کیا جا سکتا ہے، نیویارک کی انجمن رفاہ عام (welfare Council) نے اپنے نو۹ سو کارکن غریب گھروں کے حالات دیکھنے پر مامور کئے تھے، ان لوگوں نے صرف نیویارک مین تقریبًا ساڑھے سات لاکھ غریب خاندانوں کی جانچ کی اور اپنی رپورٹ انجمن کے سامنے پیش کی، اس رپورٹ کے مباحث کے عنوانات حسب ذیل ہین :-

"ہمت و حوصلہ سے محرومی، اور یاس و ناامیدی کی زیادتی اکثر سرقہ، قتل اور خودکشی کی حد تک سراسیمگی اور دماغی الجھن،

خود اعتمادی کا فقدان، اور اپنی ناکامی اور فروتنی کا احساس،

جدّتِ طبع اور احساسِ ذمہ داری کا باقی نہ ہونا،

بے مقابلہ اطاعت اور بردباری، کام کی تلاش یا کسی نئی چیز کی کوشش کے لیے ہمت کا باقی نہ ہونا،

روزگار حاصل کرنے کی ضرورت کے خیال کا ہمہ وقت دماغ پر مستولی رہنا،

قانون اور مذہب سے بیزاری، اخلاقی اور روحانی انحطاط،

سوسائٹی، حکومت اور عام طور پر تمام چیزوں کے خلاف کلبیت (Cynicism) بغض، عداوت اور بغاوت، تفاخر اور خودداری کا فقدان، اپنی ظاہری حیثیت کی طرف سے بے پروائی اور عام بے حسی،

بے چینی، پریشانیوں سے بھاگنے کے لیے لہو و لعب کی طلب، جو بالآخر مے خواری اور قمار بازی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، دماغی اور اعصابی ہیجان جو شدید ترددات سے لیکر خطرناک بیماریوں تک ترقی کر جاتا ہے،

دوبارہ روزگار حاصل کر لینے کے بعد بھی اس کے جاتے رہنے کا ہمیشہ ڈر لگا رہنا "

آخر مین خلاصہ کے طور پر خانگی زندگی پر بے روزگاری کا اثر یون بیان کیا گیا ہے، "گذشتہ دو سال کے اقتصادی حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ خانگی تعلقات پر ضرورت سے زیادہ بار پڑ گیا ہے، زن و شوہر اور اولاد و والدین کے رشتے کمزور ہو گئے ہین، خاندانوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا ہے، وسائل آمدنی شوہر اور باپ سے بیوی اور

بچون یا پبلک کی طرف منتقل ہوگئے ہین، والدین کا اقتدار اپنی اولاد پر باقی نہین رہا، خانگی تربیت کو صدمہ پہنچا ہے، شخصی مشکلات اور خانگی پیچیدگیان نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ گئی ہین، اور بے اطمینانی اور بے امنی مین ترقی ہوگئی ہے"۔

ڈاکٹر لورے (Lowrey) ناظر ادارہ "رہنمائے اطفال" (Institute for Child Guidance) کا بیان ہے کہ اکثر ان مشکلات کو دماغ سے دور کرنے کے لیے لوگون نے میخواری اور قماربازی اختیار کرلی ہے اور جب اس تدبیر سے بھی سکون حاصل نہ ہوا تو پھر گھر بار چھوڑ کر کہین نکل گئے، لیکن مشکل اب بھی حل نہ ہوئی اور بالآخر مجبور ہو کر انھون نے خودکشی کی راہ اختیار کی، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے قول کے مطابق خودکشی کی رفتار مین نمایان ترقی ہے۔ اقتصادی دشواریون کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ لوگ سوسائٹی کے موجودہ نظام کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہین اور ہر اس اجتماعی یا سیاسی سلک کو قبول کرنے کے لیے تیار ہین جو اس وقت ان کی دستگیری کرے، اور یہی جذبہ ہے جس نے ان لوگون کو موجودہ معاشیاتی نظام سے برگشتہ اور مذہب سے بیزار کر رکھا ہے،

لیکن امریکہ کے بعض اہل نظر اس تاریکی مین بھی روشنی محسوس کر رہے ہین، ان کا خیال ہے کہ ملک کی اقتصادی تباہی نے خانگی زندگی پر مفید اثر ڈالا ہے، اور فقر و فاقہ کی سختی نے باہمی تعلقات کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر الیٹ (Elliott) کا بیان ہے کہ خاندان کے افراد اب پہلے سے زیادہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے متوجہ ہو رہے ہین، اگر موجودہ اقتصادی تباہی کا کوئی پہلو خدا کی رحمت خیال کیا جا سکتا ہے، تو وہ یہی ہے کہ اب لوگ باہمی استعانت کی ضرورت زیادہ محسوس کرنے لگے ہین اور سوسائٹی کی فلاح کے لیے ازدواجی اور خانگی زندگی کا وجود ضروری خیال کیا جانے لگا ہے"،

اوپر کے اقتباسات کو پڑھکر یہ بات کتنی روشن ہو جاتی ہے کہ ہم جس ملک کو جنت کا ٹکڑا سمجھتے ہین وہی دوزخ کا نمونہ بھی ہے، اور ہم اس کی ظاہری دلفریبیون کو دیکھکر یہ یقین کر لیتے ہین کہ یہ وہ مسرتگاہ ہے جہان غم کا نام و نشان نہین، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہان کے پر درد دلون کی آہ و بکا، وہان کے عیش و نشاط کے سرود

کی آوازون سے دیگر ہمارے کانون تک نہین پہنچتی، حالانکہ قدرت الٰہی وہان بھی اسی طرح کارفرما ہے جس طرح یہان، اور زخمی دلون کی تسکین کا مرہم نہ دولت کی کثرت ہے، نہ عیش و مسرت کی فراوانی، بلکہ وہ صرف جدّ و جہد کی دولت، اور قناعت کی مسرت ہے، اور یہی وہ خزانہ ہے جس کی کلید مذہب کے ہاتھون مین ہے،

"ع ز"

ڈنمارک مین پہلوی مخطوطات

آج ڈنمارک سے ہندوستان یا ایران ایک ہفتہ کا راستہ ہے لیکن گذشتہ صدی مین کوپن ہیگن (دار السلطنت ڈنمارک) سے بمبئی یا یزد پہنچنے مین مہینون صرف ہوجاتے تھے، باوجود اس کے علماے ڈنمارک اس زمانہ مین بھی اس خیال سے یزد اور بمبئی کا سفر اختیار کرتے تھے کہ یہ مقامات اُن کے نزدیک پارسی علوم کا گہوارہ تھے،

پارسیون کے قدیم مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کا اتنا شوق انھین غالباً فرانسیسی فضلار کے تذکرون کو پڑھکر پیدا ہوا، ریزمس راسک (Rasmus Rask) ۱۸۱۶ء اور ۱۸۲۳ء کے درمیان ہندوستان آیا تھا، خوش قسمتی سے اُسے اوستی اور خصوصاً پہلوی مخطوطات کی ایک بڑی تعداد دستیاب ہوگئی جسے اس نے خرید لیا،

اسکے بعد اسکا ہموطن وسٹر گارڈ (Westergaard) ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۴ء کے درمیان آیا، وسٹر گارڈ اپنے پیشرو سے کہین زیادہ دلیر تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حصول مقصد یعنی مذہبی تحقیق و تفتیش کی غرض سے کتابین فراہم کرنے کے لیے ناجائز دباؤ سے بھی کام لیا، ان دونون نے اپنے حاصل کردہ پہلوی مخطوطات کوپن ہیگن کے کتب خانہ کو دیدئے، یہان اہل علم برابر ان مخطوطات کے اقتباسات اس غرض سے لیتے رہتے تھے کہ دوسرے نسخون کی تصحیح کرلین، بالآخر مستشرقین کی جو کانگرس ۱۹۱۲ء مین ایتھنز مین منعقد ہوئی اسمین یہ طے پایا کہ چونکہ ان مخطوطات کی مانگ برابر رہتی ہے اس لیے اُن کے عکسی نسخے شائع کردیئے جائین،

اس تجویز پر عمل ہونے مین جنگ عظیم کے باعث تاخیر ہوئی، آج ڈنمارک مین دنیا کے اور ملکون کی نسبت اقتصادی مشکلات کا اثر کم نظر آتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے وہان سے تقریباً بنیں اہم پہلوی رسالون کے

عکسی نسخے ایک شاندار جلد مین "پہلوی مخطوطات" ک (۲) وک (۲) ب" کے عنوان سے شائع ہوگئے ہین مقدمہ ڈاکٹر کرسٹنسن (Dr. Christensen) کے قلم سے ہے جو کوپن ہیگن یونیورسٹی مین ایرانی لسانیات کے پروفیسر ہین اور تیس سال سے زیادہ سے مختلف زبانون مین ایرانی آثار عتیقہ پر روشنی ڈال رہے ہین،

ڈاکٹر کرسٹنسن کی کتاب "ساسانی تہذیب و تمدن" اپنی بیش قیمت معلومات کے لحاظ سے ایک بلند پایہ تصنیف ہے، صفائی اور سلاست اس کتاب کی امتیازی خصوصیات ہین، ڈاکٹر موصوف انگریزی یا فرانسیسی جس زبان مین بھی لکھتے ہین عبارت صاف اور سلجھی ہوئی ہوتی ہے، اس مضمون سے متعلق صرف ایک کتاب اس سے پہلے لکھی گئی ہے یعنی ڈاکٹر بارتھالومے (Dr. Bartholomae) کی مرتب کی ہوئی اُن ایرانی تصنیفات کی فہرست جو کوپن ہیگن کے کتب خانہ مین موجود ہین، ڈاکٹر بارتھالومے کی کتاب مین مخطوطات کے جو اقتباسات اور بیانات ہین، اُن سے تقریباً وہ تمام معلومات حاصل ہو جاتے ہین جو مطبوعہ نسخون سے بہم پہنچے امید ہے کہ "پہلوی مخطوطات" کی جو جلدین آیندہ شائع ہونے والی ہین اُن مین ڈاکٹر کرسٹنسن ان مضامین کو تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے جنکا ذکر اپنے مقدمہ مین محض اجمالی طور پر کرکے انھون نے ناظرین کو مشتاق بنادیا ہے

پہلوی زبان جو ساسانی عہد مین رائج تھی اب بھی تمام ایرانیون پر ویسا ہی دلکش اثر رکھتی ہے اور یہ اثر اُن انکشافات کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ گیا ہے، جو ساسانی تہذیب و تمدن سے متعلق غیر متوقع طور پر ہوئے ہین، کوپن ہیگن یونیورسٹی کا یہ کارنامہ یورپ، ہندوستان، اور ایران کے اہل علم کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگا اور "پہلوی مخطوطات" کا یہ عکسی نسخہ اُن لوگون کی راہ مین بہت کچھ سہولتین پیدا کردیگا جو ایران کی قدیم ادبی یادگار سے واقفیت حاصل کرنی چاہتے ہین،

"ع ز"

(بمبئی کرانکل ہفتہ وار)

موت کی نسبت اہل جاپان کے عقائد

بدھ مذہب کے آنے سے پہلے جاپان مین تجہیز و تدفین کا کوئی خاص طریقہ نہ تھا، قدیم

تاریخون سے معلوم ہوتا ہے، کہ پرانے زمانہ مین مُردون کو بغیر کسی ادا ے رسم کے سمندر مین ڈال دیتے تھے، یا پہاڑون مین دفن کر دیتے تھے، لیکن بدھ مذہب جب جاپان مین داخل ہوا تو اپنے ساتھ تجہیز وتدفین کا ایک باقاعدہ نظامِ رسوم بھی لایا، اور اس وقت سے یہی مراسم تمام ملک مین بالعموم رائج ہو گئے اگرچہ دفن کے قدیم جاپانی اور چینی طریقے اب بھی کسی حد تک باقی رہ گئے، چنانچہ جاپان کے شاہی خاندان اور امرا مین وہی قدیم طریقے اب تک جاری ہین،

بدھ مذہب کی تجہیز وتدفین کے بنیادی اصول ایک قدیم مذہبی قول مین اس طرح بیان کئے گئے ہین :-

"گرم پانی سے غسل دو، سوتی کپڑے کا کفن پہنا دو، لاش کو ایک سنہرے تابوت مین رکھو، اس پر خوشبودار تیل چھڑک کر خوشبودار مصالحون سے چھپا دو، اس کے بعد آگ مین جلا دو اور ہڈیون کو جمع کرکے ایک بُرج مین رکھ دو"

اس ہدایت کے بموجب پہلے مُردون کو گرم پانی سے غسل دیا کرتے تھے اور یہ گذشتہ زمانہ مین تجہیز وتدفین کی ایک اہم رسم تھی، لیکن یہ رسم شہرون مین اب فنا ہو گئی ہے، البتہ بعض اضلاع مین ابھی تک باقی ہے، سفید سوتی کپڑے کا کفن اب بھی پہناتے ہین نہ صرف اس لیے کہ مذہبی حکم ہے بلکہ طہارت اور صفائی کے خیال سے بھی، پہلے قیمتی اشیاء اور لباس بھی لاش کے ساتھ دفن کر دیتے تھے، لیکن اب ایسا نہین کرتے، دیہات کے لوگ تانبے کے سکے یا ایک کاغذ کے ٹکڑے پر اُن سکون کا خاکہ کھینچ کر تابوت مین رکھ دیتے ہین، ان لوگون کا عقیدہ ہے کہ دریاے سنزو (Sanzu) اس دنیا اور بہشت کے درمیان حایل ہے اور یہ سکے اسی کو عبور کرنے کے حصول کے لیے چاہئین، چونکہ اُن کے نزدیک بہشت کی مسافت بہت طویل ہے، اس لئے مسافرِ عدم کے لیے تابوت مین پیال کی جوتیان اور ایک مضبوط ڈنڈا بھی رکھ دیتے ہین،

بدھ مذہب کے مروجہ عقائد کے مطابق اہل جاپان کا یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد انسان فوراً ہی دوسری دنیا مین نہین پہنچ جاتا بلکہ اس درمیانی حالت مین رہتا ہے جو دنیا اور آخرت کی زندگی کے بین بین ہے، اس حالت مین نہ اُسے مردہ کہہ سکتے نہ زندہ، وہ موت اور زندگی کے درمیان ہوتا ہے، اس عقیدہ کے بموجب اُسے دنیاوی زندگی سے بالکل خارج نہین سمجھا جاتا، اگرچہ اس کی لاش دفن کردیجاتی ہے، یا جلادی جاتی ہے، تاہم ہر روز اس کی رُوح کے سامنے غذا پیش کیجاتی ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ روح جب تک اس درمیانی حالت مین رہتی ہے کھاتی پیتی ہے ۔

مردہ کے اسی درمیانی قیام کے دوران مین "قاضی اعظم" فیصلہ کرتا ہے کہ وہ جنت مین بھیجا جائیگا یا دوزخ مین، لیکن اس فیصلہ سے پہلے دس محتسب یکے بعد دیگرے اس کے تمام اعمال حسنہ وقبیحہ کی جانچ کرتے ہین، اور بالآخر وہ جس نتیجہ پر پہنچتے ہین اُسی کے مطابق مرنے والے کی قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس درمیانی زمانہ مین وہ دراصل موت اور حیات کے بین بین ہوتا ہے، کیونکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس دوران مین اُسے سات بار دنیا مین واپس آکر پھر مرنا پڑتا ہے، اور ساتوین بار مرنے کے بعد تب کہین اس کا تعلق دنیا سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہوتا ہے ،

چونکہ یہ لوگ مسئلۂ تناسخ کے قائل ہین اس لیے رُوح کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہین کہ یہ کبھی فنا نہین ہوتی، بلکہ مختلف شکلین اختیار کرتی رہتی ہے، اس امر کا فیصلہ کہ دنیاوی موت کے بعد روح کونسی شکل اختیار کرے گی "قاضی اعظم" کرتا ہے ، جب وہ اُن دس محتسبون کی شہادتون پر غور کرلیتا ہے، اوپر کہا جاچکا ہے کہ مردہ کو سات بار مرنا پڑتا ہے، یہ موتین ایک ایک ہفتہ کے وقفہ کے بعد آتی ہین، پہلی بار جب کوئی مرتا ہے تو تجہیز وتکفین کے بعد اس کی لاش دفن کردیجاتی ہے یا جلا دیجاتی ہے، لیکن اس کی رُوح گھر ہی مین رہ جاتی ہے، ساتوین روز وہ دوبارہ مرتا ہے، چودھوین روز پھر مرتا ہے، اسی طرح سات ہفتہ تک ہفتہ وار مرتا رہتا ہے، یہان تک کہ ساتوین موت کے بعد

وہ اس دنیا سے بالکل رخصت ہو جاتا ہے،

آیندہ زندگی مین روح کی مسرت کے لیے متوفی کے پسماندون کی دعائین اور نذرین بہت مؤثر خیال کیجاتی ہین، ساتوین موت کے بعد ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد یا عورت، یا کسی جانور، چڑیے یا کیڑے کی شکل مین پھر پیدا ہو، ان مین سے جس شکل مین بھی وہ دوبارہ آئے اس کے اہل خاندان اور احباب کی دعائین اور عبادتین اس کی روح کو مسرور کرتی ہین، اگر اس کی دوسری زندگی تکلیف و مصیبت کی زندگی ہے، تو یہ دعائین اور عبادتین اُس تکلیف و مصیبت کو دور کرکے ایک بہتر حالت پیدا کردیتی ہین،

(بمبئی کرانکل، ہفتہ وار)

"ع ز"

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام و مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہو رہے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل، ضخامت ۴۱۲ صفحے قیمت للعہ،

"منیجر"

اخبار علمیہ

چین کی خفیہ انجمنین

اسٹیٹسمین کی ایک قریبی اشاعت مین مسٹر سملے روڈس (Semley Rhodes) کا جو حال مین چین سے واپس آئے ہین ایک مضمون شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان خفیہ انجمنین کس کثرت سے ہین اور کتنا اثر رکھتی ہین، مسٹر روڈس کا بیان ہے کہ چین مین سیکڑون ہزارون خفیہ انجمنین ہین جو بڑے بڑے شہرون سے لیکر چھوٹے چھوٹے دیہاتون تک تمام ملک مین پھیلی ہوئی ہین اور چین وجاپان کی موجودہ جنگ مین حصہ لے رہی ہین ان انجمنون کے اراکین کی تعداد لاکھون سے متجاوز ہے، ان مین سے بعض انجمنین خالص حربی ہین، بعض خالص سیاسی، اور بعض محض تجارتی، لیکن یہ سب نہایت طاقتور ہین اور انکی خفیہ شاخین ایسے مقامات مین پھیلی ہوئی ہین جہان ان کے وجود کا شبہہ بھی نہین ہوتا، ان انجمنون کی وسعت رکنیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ہونان (Honan) کے ایک صوبہ مین ایک انجمن ہے جسکا نام "سرخ نیزے" ("Red Lances") ہے ممبرون کی تعداد تقریبا پانچ لاکھ ہے، انجمن کے داخلہ کی تقریب عجیب وغریب رسمون کے ساتھ برتی جاتی ہے، اور ممبرون کو پورا یقین ہوتا ہے کہ ان رسوم کی ادائیگی کے بعد وہ ہر طرح کے خطرون سے بالکل محفوظ ہو جائین گے، یہ لوگ گنڈے اور تعویذ پہنتے ہین اور دل سے اس بات پر یقین رکھتے ہین کہ ان چیزون کے استعمال سے گولی اور برچھی کا اثر نہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اپنی حفاظت کا ایسا پختہ یقین ان پانچ لاکھ آدمیون کی شجاعت و دلیری پر کتنا زبردست اثر ڈالتا ہوگا، ایسی انجمنین ملک کے ہر گوشہ مین پھیلی ہوئی ہین اور اپنے اپنے مقاصد کے ماتحت کام کر رہی ہین، لیکن ایسے

اوقات بھی ہوتے ہیں جب یہ سب کسی ایک مشترک مقصد کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں، اور اگر چین کی موجودہ حالت میں تمام انجمنیں متفقہ طور پر ملک کی مدد کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر دنیا دیکھ لیگی کہ جو اتحاد وہاں کئی پشتوں سے مفقود تھا اس کے رونما ہونے کا وقت بہت قریب آگیا ہے،

ہلاکت آفرینی کا ایک جدید شاہکار

مسٹر لسٹر بارلو (Lester P. Barlow) امریکہ کے مشہور انجنیئر نے گولہ باری کی ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جس کی ہلاکت آفرینی کے سامنے بڑے سے بڑے آلات حرب کی بھی کچھ وقعت نہ رہ جائے گی، اگر موجد کا دعویٰ صحیح ہے تو اس مشین سے ایک ہزار میل تک کے تمام شہر اور انکی آبادیاں چوبیس گھنٹے کے اندر نیست و نابود کر دیجا سکتی ہیں، یہ پے در پے پندرہ ہزار گولے برسا سکتی ہے اور ہر گولہ میں دو سو پونڈ (تقریباً ڈھائی من) آتش انداز گیس ہوتی ہے، یہ ریڈیو کے ذریعہ سے چلائی جاتی ہے، اور اسکی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس کے چلانے والے جنگی مجموعی تعداد پانچ ہزار ہے خود خطرہ سے بالکل محفوظ رہتے ہیں، یہ ایجاد امریکہ کے چار ممبران سینٹ کے سامنے جنسے رازداری کا حلف لے لیا گیا ہے پیش کیجائیگی، اس کے قابل عمل ہونے میں موجد کو ذرا بھی شبہ نہیں ہے، کیونکہ اس نے پورے طور پر تجربہ کر لیا ہے اور اب صرف اسی قدر رہ گیا ہے کہ کانگرس خود اس کا ملاحظہ کرلے،

موت و ہلاکت کا یہ بے نظیر آلہ جو قیامت برپا کر سکتا ہے اس کا اندازہ سطور بالا سے ہوگا، لیکن اس قیامت پر قیامت یہ ہے کہ خود صاحب ایجاد کے نزدیک اس کا مقصد جدال و قتال نہیں بلکہ صلح و امن ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، کہ "میں جنگ کو ختم کر دینا چاہتا ہوں اور میری ایجاد اسے ختم کر دے گی، میں اپنی ایجاد کا انعام دولت یا عزت کی شکل میں نہیں چاہتا، میرا انعام صرف یہ ہوگا، کہ تمام دنیا میں امن قائم ہو جائے"۔ ظاہر ہے کہ جو وعظ اس طرح "دہان توپ" سے کہا جائے گا اس کے اثر سے کون انکار کر سکتا ہے؟

ماہتاب تک سفر چھ روز میں

پروفیسر جوان اسٹورٹ (John Q. Stewart) پرنسٹن یونیورسٹی نے کتاب موجودہ سائنس

(,, Science To-day) کے ایک مقالہ میں بیان کیا ہے کہ سو برس کے عرصہ میں ہمارے بعد آنے والی نسلیں ماہتاب تک سفر کرنے لگیں گی، پروفیسر موصوف پیشین گوئی کرتے ہیں کہ ۲۰۵۰ء سے قبل یہ سفر ایسے طیاروں میں جو بان کے زور سے اڑینگے تقریباً چھ روز میں طے ہو جائیگا، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا طیارہ بنایا جائے جو کئی میل فی سکنڈ کی رفتار سے پرواز کرے، موجودہ ہوائی جہازوں کی ترقی رفتار اگر جاری رہی تو پروفیسر اسٹورٹ کا خیال ہے کہ ماہتاب کے سفر میں جو مشکلیں بھی پیش آئیگی سائنس انھیں حل کریگی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں، "جہاں تک معلوم ہے زمین سے ماہتاب تک سفر کے لیے "آسمانی بان" (Sky rocket) ہی کی تدبیر واحد موزون تدبیر ہے، اسمین شبہہ نہین کہ آیندہ دس بیس برس کے اندر ایسی پرواز ناممکن ہے، ایک بڑی دقت یہ ہے کہ اس کے لیے انجن میں جتنی زیادہ طاقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ کسی معلوم گیس سے حاصل نہین ہوتی، ایسی طاقت پیدا کرنے والے گیس کی تیاری معمولی انجنیری کی استعداد سے باہر ہے، اس کے لیے علم طبیعیات میں بنیادی تحقیقات کی ضرورت ہے" جو جہاز اس سفر کے لیے تیار کیا جائے گا اس کے مصارف کا تخمینہ پروفیسر موصوف نے دو ارب ڈالر لگایا ہے، لیکن ہمارے پروفیسر کی پرواز ماہتاب ہی تک ختم نہین ہو جاتی، ان کا خیال ہے کہ یہ تو صرف "ایک قدم" اور ایک ابتدائی منزل ہے اس "فلک پیمائی" کی جو انسانی حوصلہ سے ظہور پذیر ہونے والی ہے،

شہتوت کے درخت سے کاغذ کی ایجاد

جاپان میگزین کی اطلاع ہے کہ ڈاکٹر کاواس (Kawasa) پروفیسر زراعت امپیریل یونیورسٹی ٹوکیو (جاپان) نے شہتوت کے درخت سے کاغذ تیار کر لیا ہے، پروفیسر موصوف کا بیان ہے کہ اس سے قبل ہی جاپان میں شہتوت کے درخت کی چھال کاغذ بنانے میں استعمال کیجاتی تھی، لیکن چھال کو درخت سے علحدہ کرنے میں بہت دقت پیش آتی تھی اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا تھا، یہی باتیں اسکی کامیابی میں ایک بڑی حد تک مانع تھیں، ڈاکٹر کاواس نے ان مشکلات کو پیش نظر رکھکر نہ صرف چھال کو استعمال کیا بلکہ درخت کے تنے اور شاخوں سے بھی کاغذ بنانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، یہ کاغذ بہت چمڑا اور مضبوط ہوتا ہے اور اگرچہ ابھی بالکل سپید

نہین ہوتا تاہم اُمید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نہایت سفید بھی تیار ہونے لگے گا، اس وقت اس پر اعلی درجہ کی طباعت بھی ہوسکیگی اور جاپانی طباعت مین ایک نادر تجدید واصلاح ہوجائیگی،

قدیم رومن مختصر نویسی،

حال کے ایک اثری اکتشاف سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ مختصر نویسی دراصل قدیم رومیون کی ایجاد ہے جینو میلینو (Geno Meliano) نے ایک فاضلانہ مقالہ مین ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیح سے دو سو سال قبل مختصر نویسی رومیون مین کثرت سے رائج تھی، سلطنت رومہ کی تباہی کے بعد اس فن کا استعمال جاتا رہا لیکن زمانہ حال کی تجارتی ضرورتون نے اسے پھر زندہ کیا، جینو میلینو نے تحقیق کرکے رومن مختصر نویسی کے تمام حروف تہجی معلوم کئے ہین، یہ حروف موجودہ مختصر نویسی کے حروف سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، حضرت مسیح سے کئی صدی قبل جب رومہ کی سلطنت دنیا کے ہر حصے مین پھیل رہی تھی سرعت تحریر کی ضرورتون نے یہ فن ایجاد کیا تھا، اور رومن تجارتی کمپنیون نے اسے استعمال کرنا شروع کردیا، قدیم تحریرون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کمپنیون کے اکثر حسابات وخطوط انہی مختصر حروف مین ہوتے تھے،

پوپ کی خدمت مین چند نادر ہدایا،

جماعت فرینسسکن سسٹرس آف میری (Franciscan Sisters of Mary) کی "مادر عظمی" (MOTHER GENERAL) نے پوپ کی خدمت مین اُنکی ایک تصویر پیش کی ہے جو چاول کے ایک دانہ پر کندہ ہے اور اسقدر چھوٹی ہے کہ صرف خوردبین کی مدد سے نظر آسکتی ہے، یہ تصویر چین کے ایک نو عیسائی مصور کے کمال فن کا نمونہ اور اس کے جوش عقیدت کا نتیجہ ہے، اسکے علاوہ جاپان کے ایک معتقد نے ایک ریشمی کپڑا بھیجا ہے جسے خود ریشم کے کیڑون نے بنا ہے، یہ کیڑے ایک لمبے چوڑے میز پر رکھدیئے گئے تھے اور جب انھون نے ریشم کا تنا شروع کیا تو انھین ایک لکڑی کے ذریعہ سے اسطرح حرکت کرنے پر مجبور کیا گیا کہ ساتھ ہی ساتھ کپڑا بھی بنتا گیا، دوسرے ہدایا یہ ہین:- ٹھوس آبنوس کے آٹھ ہاتھی، اناناس کے ریشون سے بنا ہوا نفیس زردوزی کا کام جو جزیرہ فلپائن کی صنعت ہے اور تبت کا ایک ناقوس جس سے بودھ مذہب والون کو مذہبی رسوم کی طرف بلایا جاتا تھا، "ع ز"

ادبیات

نالۂ شبانۂ مزمّل

از جناب نواب سر محمد مزمل اللہ خان بالقابہ سابق وزیر داخلیۂ صوبہائے متحدہ

جناب نواب سر محمد مزمل اللہ خان، بالقابہ کی ذات میں اللہ تعالےٰ نے جو خوبیاں ودیعت رکھی ہیں ان کا علم وقتاً فوقتاً اہل ملک کو ہوتا رہا ہے، مگر اسکی خبر شاید بہت کم لوگوں کو ہو کہ موصوف کو فارسی شاعری سے اس حد تک لگاؤ اور مناسبت ہے کہ وہ خاصی ضخامت کے ایک فارسی دیوان کے مالک ہیں جس میں قصائد، غزلیات اور رباعیات سب کچھ ہیں، ابھی حال کی ایک ملاقات میں انھوں نے اپنا فارسی دیوان دکھایا، اور جستہ جستہ اپنا کلام سنایا، اس لطفِ سخن سے ناظرینِ معارف کو بھی متمتع کرنے کی غرض سے، ذیل میں ایک قصیدہ مقفیٰ اشاعت کیا جاتا ہے،

اے دوستان سرے بہ پریشان خیالیم ۔۔۔ گوشے خدائے را بہ بیانِ ملالیم
یکچند بیش نیست کہ تا شعر گفتہ ام ۔۔۔ ہرگز نہ کہنہ مشقم و نے دیر سالیم
حاشا کہ لافِ شعر و بلاغت مرا سزد ۔۔۔ فردوسیم نہ سعدیم و نے ھلالیم
گستاخم ار مثال نہ پیشینیان زنم ۔۔۔ باللہ کہ من نہ شبلی و نہ داغم نہ حالیم
من کیستم چہ کارہ ام تا چہ بودہ ام ۔۔۔ حیرانم از خرابی و آشفتہ حالیم
نے پیشوائے خلقم و نے مقتدائی قوم ۔۔۔ نے فخرِ رازیم نہ امام غزالیم
نے رندِ میگسارم تا ہائے و ہو کنم ۔۔۔ نے محتسب کہ مست کند گوشمالیم
نے زاھدم کہ سجہ و سجادہ آورم ۔۔۔ نے صوفیم کہ سر بود از حال و قالیم

نے شیرِ گرسنہ کہ زآزارِ خلق سیر / آمادۂ فریب نہ چون شیرِ قالیم
نے چون جنابِ شیخ مشیخت مآب تند / نے بے وقار و مبتذل و لا اُبالیم
نے پُر چو بطن زاہدم از خوانِ اغنیا / نے گوش خلق کر کنم و کوس خالیم
نے مُدعیِ جاہم و نے مدعائے خلق / نے تنگ دستم و نہ چو سرکار عالیم
نے شکوہ از جہالت و نافہمیم بود / نے فخر بر سخنوری و خوش مقالیم
بیچارہ سر بجیبِ ندامت فگندہ ام / بارِ گناہ بر سر و جان انفعالیم
از دست بردِ نفس عجب پاشکستہ ام / بیزار از حیاتم و از جان ملالیم
چوگانِ نفس گوئے دلم را بہ ضرب تند / گاہے جنوبیم کند و گہ شمالیم
دیوِ لعینِ نفس مرا کردہ سحر بند / اے وائے او مقدّم و من ہمچو تالیم
اے رحمتِ تمام جہان رحمتے بمن / للّٰہ دار و ئے پئے آشفتہ حالیم
تا چند سر بپائے خاقان خم کنم بعجز / یا مصطفیٰ اخلاص کن از پائے مالیم
مُزّمِلا! گلیمِ تو مطبوعِ احمدؐ است / حاشا کہ حاجتے بود از شال و قالیم

نالۂ حسرت

از سید الشعرا فضل الحسن حسرت موہانی،

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا / شغل بے کار ہین سب انکی محبت کے سوا
حشر مین تابِ جہنم سے مفر اور کہان / اہلِ عصیان کو ترے سایۂ رحمت کے سوا
علم و حکمت کا جنھین شوق ہو آئین نہ ادھر / کچھ نہین فلسفۂ عشق مین حیرت کے سوا
سب سے منہ موڑ کے راضی ہین تری یاد پہ ہم / اس مین اک شانِ فراغت بھی ہے راحت کے سوا
عقل حیران ہے اے جانِ جہان، راز ترا، / کون سمجھے دلِ دیوانۂ حسرت کے سوا

آثارِ عتیقہ

آرکاٹ کا گورِ غریبان

"شمالی مدراس مین آرکاٹ کی اسلامی ریاست نے گو کوئی بڑی عمر نہین پائی، تاہم اس دور دراز خطۂ ہند مین اسلامی علوم وفنون وتمدن کی ترقی مین اس نے اچھا خاصہ حصہ لیا، مولنا عبد العلی بحر العلوم جس درسگاہ کے مدرس اعظم ہون، اُسکی عظمت و جلال کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے، فارسی اور اردو کے بہت سے شعراء، اور علماء و فضلا کی بہت بڑی تعداد اس کے سایہ مین آرام کرتی تھی، مگر بالآخر انگریزون اور فرانسیسیون کی جنگ مین وہ بالکل برباد ہوگئی،

۲- اکتوبر ۱۹۲۷ء کو جب مین مدراس کے سفر مین تھا آرکاٹ کی زیارت کو گیا، دیکھکر افسوس ہوا کہ اس عظیم الشان دار الامارت مین اب صرف کھنڈرون کی چند چار دیوارین کے سوا کچھ نہین، کہین ایک دو مسجدون کا نشان ہے کہین ایک دو قبرون کا، یا ادھر ادھر چند ٹوٹی پھوٹی دیوارین ہین،

بہر حال اس کے گورِ غریبان مین صرف دو مسافرون کی قبرین ایسی نظر آئین، جن پر کتبہ تھا، ان مین سے ایک پر سعادت اللہ خان کا نام تھا، اور دوسری پر تلمسان واقعہ شمالی افریقہ کے قاضی کا، اتحاد اسلامی کے اس عظیم الشان منظر پر ذرا عبرت کی نگاہ ڈالو، کہ کہان شمالی افریقہ کا دور ترین شہر تلمسان، اور کہان شمالی ہندوستان کی دور ترین آبادی، آرکاٹ! اور پھر مسلمانون کی اس

علمی دشت نوردی کے ذوق وشوق کو دیکھو کہ وہ کبھی تلمسان سے چل کر آرکاٹ کے کھنڈروں میں آکر دم لیتے تھے، سچ ہے،

ہیچگہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

"سلیمان"

مقبرۂ آرکاٹ کا پہلا کتبہ

ابر رحمت سعادت اللہ خان | آنکہ او بُد درین زمانہ ولی،
گفت سالِ وفاتِ او ہاتف | یافت جنت ز بندگی علی
۱۱۳۶ھ

دوسرا کتبہ

رحلت قاضی شیخ محمد تلمسانی

تلمسانی کہ سینہ اش در علم | ہمچو بحرِ محیط می زد جوش
علم او بود باعمل مقرون | عملش باخلوص ہم آغوش
وا دریغا کہ شد ز صرصرِ مرگ | شمعِ جانِ منوّرش خاموش

خواستم سالِ رحلتش از عقل
رضی اللہ عنہ گفت سروش
سنہ ۱۲۰۸ھ

مطبوعات جدیدہ

صراطِ مستقیم، مترجمہ مولٰنا عبدالرزاق ملیح آبادی، حجم ۲۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ:- ہند بک ایجنسی نمبر ۲۰۴ نیو سرکلر روڈ کلکتہ،

مولٰنا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کے سلسلۂ تالیفات کو اُردو مین منتقل کرنے کی جو مفید خدمت انجام دے رہے ہین، اس سلسلہ کی جدید کڑی "صراط مستقیم" ہے، یہ شیخ الاسلام کی جلیل القدر کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم فی مجانبۃ اصحاب الجحیم" کا ایک ملخص ترجمہ ہے، اس کتاب کا موضوع اگرچہ کفار کے مذہبی تہوارون وغیرہ مین مسلمانون کی شرکت کے عدم جواز کو دکھانا ہے، لیکن اسی سلسلہ مین شیخ الاسلام نے اپنی تحریک ردِّ بدعت کے مباحث بھی بہ تفصیل درج کئے ہین، جنمین نذر و نیاز، عرس، اور قبر پرستی وغیرہ پر اسلامی تعلیمات کے روسے روشنی ڈالی گئی ہے، مترجم نے ابتدار مین ایک دیباچہ اور جابجا اپنے حواشی لکھ کر کتاب کو دورِ حاضر کی ضروریات کے مطابق بنادیا ہے، لیکن اس موقع پر ہمین افسوس سے یہ بھی کہنا پڑتا ہے، کہ جس طرح دورِ حاضر مین علمائے سوٗ اور متصوفین افراط و تفریط مین پڑکر صراط مستقیم سے الگ ہو رہے ہین، اسی طرح ہمارے دورِ حاضر کے صلاح کارانِ اُمت بھی جادۂ اعتدال پر قائم نظر نہین آتے، اور یہی وجہ ہے کہ ہمین مترجم کے دیباچہ کے بعض اجزا اور بعض حواشی سے اتفاق نہین ہے،

مواعظ از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی، حجم ۱۶ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱؍ پتہ:- انجمن اسلامیہ جڑچرلہ محبوب نگر (دکن)

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی نے اپنے زمانۂ قیام حیدرآباد مین بعض

اسلامی انجمنوں میں مواعظ بیان فرماتے تھے، انھی کے خلاصے رسالہ کی شکل میں "مواعظ" کے نام کو شائع کئے گئے ہیں۔

آداب والدین از جناب حاجی محمد خلیل صاحب انصاری مہتمم صدر دفتر ریاست جاورہ

ناشر انجمن رفیق الاسلام گوڑ گانوہ (پنجاب) حجم ۶۴ صفحے تقطیع مختصر لکھائی چھپائی ناقص۔

انجمن رفیق الاسلام گوڑ گانوہ (پنجاب) وقتاً فوقتاً مختصر رسالے شائع کرکے ان کو مسلمانوں میں مفت تقسیم کرتی ہے، اس رسالہ میں مسلمانوں کو والدین کے حقوق بتائے گئے ہیں، محصولڈاک بھیجکر انجمن سے مفت طلب کیا جاسکتا ہے۔

نیچریت ترجمہ مقالہ مرحوم سید جمال الدین افغانی از مولوی عبدالحنان صاحب ناشر منیجر کتبخانہ

صفیہ لاہور، حجم ۴۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۶ر

آج تیس چالیس برس پیشتر جب مسلمانان ہند کے خیالات، معتقدات اور تعلیمات میں اصلاح کا دور جاری تھا، تجدید پسند جماعتوں کو "نیچری" اور ان کے معتقدات کو "نیچریت" سے موسوم کرنے لگے تھے، لیکن جہاں ان الفاظ کا جا و بیجا استعمال ہو رہا تھا، وہاں یہ بھی حقیقت تھی کہ ایک جماعت یورپ کی مادہ پرستی کی تقلید میں اپنے جادۂ اعتدال پر قائم نہیں رہی تھی، اور یہ حالت نہ صرف ہندوستان بلکہ عام عالم اسلامی کی تھی، علامہ سید جمال الدین افغانی نے اسی مؤخر الذکر جماعت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور عالم اسلامی میں اپنی تحریک اصلاح و تجدید سے اس بے راہروی کو روکا، پیش نظر رسالہ "نیچریت" انھی اصلاحی کوششوں کی ایک کڑی ہے، رسالہ میں اولاً عہد قدیم سے مادہ پرستی کے ظہور و نتائج کو دکھایا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں "مادہ پرستی کی ابتدا"، "اجتماع انسانی کے ضروریات ستہ" اور "نیچریت سے تمدن کی تباہی" بیان کی ہے، پھر مختلف ممالک یونان، فارس، فرانس، اور ترکی میں نیچریوں کی تباہ کاریاں دکھائی گئی ہیں، اور آخر میں "نیچریوں کے موجودہ فرقے" کے زیر عنوان اپنے عہد کے خیالات پر روشنی ڈالی ہے، دور حاضر میں جب کہ یہی نیچریت یورپ زدگی و مغرب پرستی کے رنگ میں نمایاں ہو رہی ہے، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کی عام طور پر اشاعت کیجائے،

حالات حضرت جان اللہ شاہ، از مولوی محمد عبدالوہاب صاحب عندلیب،

حجم ۲۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی ناقص، قیمت درج نہین، پتہ:- دفتر رسالہ واعظ حیدرآباد، دکن،

حضرت جان اللہ شاہ رحمۃ اللہ متوفی ۱۱۹۲ھ اپنے عہد مین سلسلۂ قادریہ کے باکمال مشائخ مین تھے، مولوی عبدالوہاب صاحب عندلیب نے نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کے ارشاد کے مطابق کتاب مرأۃ الجمال کے قلمی نسخہ سے موصوف کے حالات زندگی اخذ کرکے اردو مین مرتب کئے ہین،

تاریخ امریکہ، از مولوی محمد یحیی صاحب تنہائی ایم اے ال ال بی، وکیل غازی آباد، حجم ۲۷۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت:- عہ/ پتہ:- منیجر صاحب دارالاشاعت غازی آباد،

اردو مین امریکہ کی یہ پہلی مستقل تاریخ ہے، جو اولاً مسلسل رسالہ الناظر لکھنو مین شائع ہوئی تھی، اور اب کتابی شکل مین مطبع سے نکلی ہے، مصنف نے اس مین اس کو انگریزی کی مستند کتابون سے مرتب کیا ہے، لیکن طرز ادا اور زبان مین تالیف کے بجاے ترجمہ کا رنگ زیادہ نمایان ہے، کتاب بیس ابواب مین تقسیم ہے، کتاب کی ابتدا "دریافت کنندگان امریکہ" سے ہوتی ہے، لیکن افسوس ہو کہ اس سلسلہ مین مرتب نے ایسی بہت سی جدید تحقیقات کو نظرانداز کردیا ہے جو "امریکہ اور کولمبس" سے پہلے کی کڑیان ہین، اور جنھین اب یورپ کے حلقون مین مستند تسلیم کرلیا گیا ہے، علاوہ ازین کتاب کے تمام مباحث صرف وہان کے جغرافی و سیاسی حالات پر مشتمل ہین، ضرورت تھی کہ آخر کے چند ابواب مین امریکہ کی تمدنی ترقیون کا مرقع بھی کھینچا جاتا کہ اگر امریکہ اپنے دریافت ہونے کے زمانہ مین جغرافی حیثیت سے دنیا کی دلچسپی کا مرکز بنا رہا، اور پھر اسکی آزادی کی جدوجہد کے دور مین اگر اس کو سیاسی اہمیت حاصل رہی، تو اس کے موجودہ دور مین اسکی تمدنی ترقی اور اقتصادی مرفہ الحالی کو لوگ جائزہ کی نگاہ سے دیکھ رہے ہین، تاہم ہندوستان کی موجودہ سیاسی کشمکش کے دور مین ضرورت ہے کہ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھایا جائے، کہ اس وقت ہندوستان کو امریکہ کے اسی سیاسی دور سے زیادہ گہری وابستگی ہے،

منتخبات ہندی کلام، مرتبہ جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب پی ایچ ڈی، (ہائیڈلبرگ) استاذ معاشیات و عمرانیات جامعہ عثمانیہ، ناشر دی حیدرآباد بک ڈپو، چادر گھاٹ حیدرآباد، حجم ۲۲۵ صفحے،

تقطیع ۲۰×۳۰، کاغذ نفیس، لکھائی چھپائی ناقص، قیمت مجلد عا

ڈاکٹر جعفر حسن صاحب، پی ایچ ڈی نے ہندی شاعری کو اردو دان طبقہ مین روشناس کرنے کے لئے منتخبات ہندی کلام کے نام سے ہندی شاعری کا انتخاب شائع کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مین ایک بسیط مقدمہ ہے، جسمین ہندی شاعری کی خصوصیات دکھائی ہین، اور پھر اردو دان طبقہ کو اس کی طرف مائل کرنا چاہا ہے، اسی سلسلہ مین اردو مین ہندی پر جو کچھ لکھا گیا ہے، مرتب نے اس کا بھی جائزہ لیا ہے، یہ فہرست سرسری مطالعہ سے ناقص نظر آتی ہے، اور اس موضوع پر بعض اہم مضامین اور کتابین جو اس سے پہلے نکل چکے ہین، اس فہرست مین موجود نہین ہین، مجموعہ چند ابواب "ہندی جذبات عالیہ" "فلسفیانہ مسائل" "عاشقانہ تخیلات" اور "عشقیہ دوہے" پر مشتمل ہے، مرتب نے اولاً ایک ایک شعر یا ایک ایک دوہے کو اصل ہندی مین نقل کیا ہے، پھر اس کو اردو رسم الخط مین منتقل کیا ہے، پھر مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے، پھر ترجمہ اور اس کے بعد شعر کی تشریح درج کیگئی ہے، یہی ترتیب اکثر جگہ نظر آتی ہے، لیکن کہین صرف ترجمہ پر اور کہین صرف تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے، اکثر دوہے دلچسپ ہین، لیکن کہین کہین ان کی تشریح مین غیر ضروری تفصیل سے کام لیا گیا ہے، اور ہر دوہے پر ایک نئی تمہید اٹھا کر اس مین ایک طویل عمرانی و معاشی و فلسفیانہ موشگافیون کی کوشش کیگئی ہے، مثلاً ص ۵۵ تا ۶۰، ۶۲ تا ۶۶، ۷۵ تا ۷۷، اور ۷۷ تا ۸۱ وغیرہ) اگر دوہون کے بامعنی مطلب خیز ترجمہ اور ضروری تشریح پر اکتفا کیا جاتا، تو اس مجموعہ مین زیادہ منتخب کلام نظر آتا، لیکن اسی کے ساتھ کہین کہین نہایت لطیف، دلچسپ، اور پرکیف معنی آفرینیان نظر آتی ہین، اور معنی اور تشریح سے دوہے کی لطافت مین اضافہ ہو جاتا ہے، بہرحال یہ مجموعہ، مجموعی حیثیت سے قابل قدر ہے، اور ضرورت ہے کہ اسی رنگ مین ہندی شاعری کو اردو دان طبقہ کے سامنے پیش کیا جائے،

انتخاب حسرت، مرتبہ جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ، ناشر مکتبۂ جامعۂ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی، حجم ۱۵۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت عمر

سید الشعراء فضل الحسن حسرت موہانی دور حاضر کے جدید طرز غزل گوئی کے بانی کہے جاتے ہین، ان کا دیوان

سات آٹھ حصوں میں وقتاً فوقتاً شایع ہوتا رہا ہے، جناب جلیل احمد صاحب قدوائی بی اے علیگ شکریہ کے مستحق ہین، کہ ہشت دفتر سے انتخاب کرکے "انتخاب حسرت" کے نام سے ایک مختصر مجموعہ تیار کیا ہے، مجموعہ کی ابتدا مین مرتب کا ایک مقدمہ ہے، جسمین حسرت کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا ہے،

کھیتی، از جناب محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ضخامت ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۶ ر پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

"کھیتی" ایک اجتماعی و اصلاحی ڈراما ہے، جسمین مسلمانون کے دور حاضر کی اجتماعی زندگی دکھائی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح شہر کے خود غرض لیڈر اپنے ذاتی نام و نمود اور مفاد و مقاصد کے لیے مسلمون اور غیر مسلمون کے درمیان فسادات کی تخم ریزی کرتے ہین، اور شہر کے ناکارہ مسلمان ان کے علم کے نیچے آجاتے ہین، اور قومی زندگی کی عمارت کو مسمار کرتے ہین، اور اس کے بالمقابل اسی ڈرامے مین ایک گریجویٹ کی دوسری سیرت دکھائی گئی ہے، جو شہر کی مکدر فضا سے نکل کر دیہات کی پرسکون زندگی اختیار کرتا ہے، اور وہان کھیتی باڑی مین مصروف ہوتا ہے، اور دیہات کی معاشرتی و اجتماعی اصلاح کرتا ہے، اور پھر شہر کی وہی ناکارہ جماعت جو وہان کے لیڈرون کا آلۂ کار تھی، اسی دیہات مین پہنچکر مفید تعمیری زندگی مین مصروف ہو جاتی ہے، ڈراما اپنے رنگ مین کامیاب ہے، عام مسلمانون مین اس کی اشاعت کی ضرورت ہے،

اساس منطق، از مولوی سید ابو سعید عبد القدوس صاحب بہاری، مدرس مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الہ آباد، ضخامت ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اوسط درجہ اور لکھائی چھپائی معمولی قیمت ۶ ر پتہ:- جناب سید رکن الدین عالم صاحب مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الہ آباد،

"اساس منطق" مین منطق کے مسائل کو عام فہم زبان مین چھوٹے بچون کے لیے مرتب کیا گیا ہے، طرز بیان مین سلاست و روانی کی زیادہ ضرورت تھی، رسالہ کی ترتیب عام منطقی کتابون کی ترتیب پر ہے، اصطلاحات و مسائل کی تشریح مین مثالین اردو کی دیگئی ہین، اور ہر بیان کے ختم پر مشقون کے ذریعہ مسائل کے مستحضر کرنے کی

کوشش کیگئی ہے، یہ رسالہ منطق کی ابتدائی کتابین ایساغوجی، اور تہذیب وغیرہ پڑھنے والے طلبہ کے لیے بطور کلید کام دے سکتا ہے،

بچّون کا قاعدہ، مؤلفہ مولوی سید مختار احمد و مولوی ذہین صاحب، حجم ۲۴ صفحے، لکھائی چھپائی، بچون کے مناسب، قیمت درج نہین، ناشر مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد نے یہ رسالہ بچون کے لیے مرتب کرایا ہے، جو حروفِ تہجی سے شروع ہوتا ہے، اور جدید طریقۂ تعلیم پر ترتیب پایا ہے، لیکن یہ رسالہ کی کوئی ایسی خصوصیت سمجھ مین نہین آئی، کہ بچے بچون مین سے خصوصیت کے ساتھ "بچون" کی طرف منسوب کیا جائے،

مخزنِ ادب، مؤلفہ جناب ڈاکٹر حافظ محمد عبدالرشید صاحب ایس ایس ایم اے ایل آئی جی، ناشر: ایجوکیشنل بک ہاؤس، سول لائن، علیگڈھ، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت درج نہین ہے،

"مخزن ادب" انگریزی اسکولون کی ساتوین آٹھوین جماعتون کے معیار کے مطابق لکھی گئی ہے، رسالہ کی ترتیب مین سب سے زیادہ اہمیت خطوط نویسی کو دیگئی ہے، چنانچہ سب سے پہلا باب "خطوط نویسی" ہے جسمین اولاً خط نویسی کے آداب بتائے گئے ہین اور پھر مختلف خطوط بطور نمونہ درج کئے گئے ہین، اسکے بعد ایک مستقل باب "خط شکست" پر ہے جسمین اُس کے قواعد بتا کر رسم خط شکست کے خطوط نقل کئے گئے ہین، اس کے بعد ایک باب "رقوم و دیگر مروجہ علامتین" ہے، اس مین ناپ اور تول اور ہندسہ کے اوزان و علامات درج کئے گئے ہین، پھر ملک کے مشاہیر ادب کے خطوط نقل کئے گئے ہین، اور اس کے بعد اردو کے ممتاز بلند پایہ اہل قلم کے مضامین کا انتخاب ہے، پھر حصہ نظم شروع ہے، جس کے آغاز مین اصناف کلام کا مختصر تعارف ہے، اور پھر متاز شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے، اگر رسالہ کی ترتیب مین مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا،

تصحیح، معارف ماہ جنوری ۱۹۳۲ء مین اردو رسالون کے تبصرہ مین ایک رسالہ کا نام "تیغ" کے بجائے "تبلیغ" چھپ گیا ہے، ناظرین تصحیح کر لین،

"م"

جلد بست ونہم ٢٩ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۱ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۲ء | عدد ۶

مضامین

شذرات

مصر کو ایک مدت سے مسلمانوں نے قبۃ الاسلام کا بجا لقب دے رکھا ہے، اس نے ہمیشہ اسلام کی علمی، مالی، تمدنی اور جنگی خدمتیں انجام دی ہیں، وہ مشرق و مغرب کے درمیان کی کڑی ہے، مغرب سے جو چیز مشرق کو آتی ہے، یا مشرق سے مغرب کو جاتی ہے، اسکا درمیانی واسطہ یہی نیل کی زرفشاں وادی ہے، یقیناً یہ اہل مصر کے لیے فخر کی بات ہے کہ وہ دنیائے اسلام کی ایک ایسی اہم مملکت پر قابض ہیں، لیکن اسی کیساتھ ان پر اسکے سبب سے بہت سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں،

دنیائے اسلام کا وہ علمی قبلہ ہے، اسلام کی سب سے بڑی اور سب سے پرانی درسگاہ اسی کے احاطہ میں واقع ہے، اس کے مطبعوں کی چھپی ہوئی کتابیں تمام مسلمانوں میں اشاعت پاتی ہیں، اس کے اخبارات اور رسائل عربی زبان میں ہونے کے باعث تمام دنیائے اسلام میں پھیلتے ہیں، تمام دنیائے مسلمان طالب العلم اسلامی علوم و فنون کی تعلیم و تحصیل کے لیے اسکی درسگاہوں کی طرف رخ کرتے ہیں، اسلیے اُس پر اپنے قلم کی ایک ایک کشش، اور اپنی زبان کے ایک ایک حرف کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے،

اگر وہاں ایمان کے بجائے الحاد، اور عفت کے بجائے بد اخلاقی، ہشیاری کے بجائے مستی، اور احساس دینی کے بجائے فرنگ مآبی سکھائی جائے تو کیا یہ سفیرِ اسلام امین ہونیکے بجائے دنیا میں خائن نہیں قرار پائیگا، یہ سنکر شاید کتنوں کو افسوس ہو کہ پچھلے پندرہ ۱۵ برس کے اندر ہندوستان سے اکثر طالب العلم جو مصر تکمیل و طلب علم کیلئے گئے، وہ جب واپس آئے تو وہ بنکر نہیں آئے، جسکی توقع ان کے دوستوں اور بزرگوں نے اُن سے کی تھی،

سبب یہ ہو کہ آجکل ہر ملک مین اخبارات و رسائل کی حکومت ہے، آج اسی کے کالم خطیبون کے منبر اور واعظون کی کرسیان ہین، اور وہان کے تمام بڑے بڑے اخبارات عیسائیون اور فرنگی مآبون کے ہاتھون مین ہین، وہ صبح و شام خیالات کا جو پیالہ انکو پلاتے ہین، وہ چار و ناچار وہان ہر ایک کو پینا پڑتا ہے، دوسری بات یہ ہو کہ وہان کی بعض بڑی درسگاہون مین تعلیم و استادی کے منصب پر چند ایسے نام کے مسلمان سرفراز ہین جنکی زبان و قلم کا ہر نقطہ زہر مین بجھا ہوتا ہے، وہ جو کچھ لکھتے پڑھتے اور پڑھاتے ہین، وہ اسلام کی دشمنی، ایمان کی بیخکنی اور مشرقیت کی عداوت ہوا ہین، انہین مین ڈاکٹر طہٰ حسین، سلامہ موسیٰ، ڈاکٹر محمد حسین ہیکل وغیرہ ہین ان کے اثر سے مصری اور غیر مصری طلبہ متاثر ہوتے، اور برباد ہوتے ہین،

لیکن نہایت خوشی کی بات ہو کہ چند سال سے مصر کے علماء، عوام اور بعض سیاسی رہنماؤن مین اسلامی بیداری کی روح پیدا ہو گئی ہو، انھین مین ہمارے پرجوش دوست ڈاکٹر عبد الحمید سعید بے (ممبر پارلیمنٹ) ہین، انکی متفقہ کوشش سے سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ ڈاکٹر طہٰ حسین پہلے مصری یونیورسٹی سے اور بعد کو نفس تعلیمات کے دائرہ سے بدر کئے گئے، اور مصر کے مسلمانون نے اس پر اطمینان کی سانس لی، مصری حکومت کے اس دانشمندانہ فیصلہ کی تائید غالبًا دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے ہوگی، اور اسکی خدمت مین تبریک و تہنیت کے پیام بھیجے جائین گے،

ہمنے الضیاء کے نام[1] سے لکھنؤ سے جس عربی رسالہ کی اشاعت کی کوشش کی ہو اسکا ایک سبب یہ بھی تھا کہ یہان کے عربی پڑھنے والے طالبعلون مین عمومًا الہلال و المقتطف وغیرہ رسائل کا چرچا ہو، اور یہ تمام رسالے عیسائیون کے قلم سے نکلتے ہین، اور ان مین بیدینی اور الحاد کی کھلی تعلیم اور اسلام کی صریح تحقیر ہوتی ہو مگر اس انداز سے ہوتی ہو کہ ہمارے طلبہ قند سمجھکر اس زہر کے پیالہ کو نوش کرتے ہین، اور خوش ہوتے ہین.

---

[1] کاتب کی غلطی سے اسکی قیمت پچھلے پرچہ مین ؎ روپے چھپ گئی ہو، حالانکہ ؎ (تین روپیہ اٹھ آنہ) ہے،

ہمارے ملک کے مشرقی حصہ سے ملا ہوا ملک سیام ہی، مگر اس قرب کے باوجود وہان کے مسلمانون کی حالت سے ہمکو بیخبری ہے، سیام کے دار الحکومت بنگاک سے ہمارے پاس خطوط اور رسائل آئے ہین، جنسے معلوم ہوتا ہی کہ وہان آنا حاجی محمد آدم اور ننگ عائشہ آتل لمڈوم کی کوشش و امداد سے مسلمان لڑکیون کیلئے محمدیہ اسلامک کالج کی بنا ڈالی گئی اور ایک عظیم الشان عمارت قائم کیگئی ہی، اسکے نصاب مین تمام جدید علوم و فنون کے پہلو بہ پہلو عربی زبان اور اسلامی اصول و عقائد کی تعلیم بھی رکھی گئی ہی، دار الاقامہ بھی ہی، صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ ہے، اور عائشہ خاتون مذکور جو اس درسگاہ کی مربیہ ہین، وہ لڑکیون کی ہر قسم کی نگرانی کا فرض خود انجام دیتی ہین، زبانون مین عربی، سیامی، انگریزی، ہندوستانی اور ملائی وغیرہ سکھائی جاتی ہے،

اسی سلسلہ مین ہمکو اپنے ملک کے مدرسۃ البنات جالندھر شہر (پنجاب) کا تذکرہ کرنا ہی، لڑکیون کی تعلیم کیطرف قوم مین توجہ بڑھتی جاتی ہی، مگر ابتک یہ طے نہین ہوا ہی کہ اُنکو کیا تعلیم دیجائے، لڑکیون کی جدید تعلیم کے حامی سیلاب کیساتھ بہ رہے ہین، ایسے وقت مین مدرسۃ البنات جالندھر کے کارکنون کو مبارکباد دیجاسکتی ہے کہ انھون نے اس ضروری امر کی طرف توجہ کی، اور مدرسہ سے پہلے مدرسہ کے کورس اور نصاب تعلیم کی درستی کیطرف توجہ فرمائی، اور تعلیم یافتہ لڑکیون کے بجائے مسلمان لڑکیان پیدا کرنا اپنا نصب العین قرار دیا، اُسکے اس سال کے اجلاس مین جسکی صدارت ہمارے مخدوم نواب صدر یار جنگ مولنا شیروانی نے فرمائی، مجھے افسوس ہی کہ دعوت و اصرار کے باوجود حاضری سے معذوری رہی، تاہم کام کی بابت جو روداد معلوم ہوئی وہ تسکین بخش ثابت ہوئی،

مدراس کی ملیالم زبان مین اسلامی تصنیفات کے تراجم کا سلسلہ اس حد تک ترقی کرچکا ہی کہ دار الاسلام مدراس کے دو پر جوش کارکنون بی داؤد شاہ بی اے، اور حافظ محمد یوسف فاضل باقوی نے تھوڑی ترمیم کیساتھ ہماری سیرۃ النبی کی پہلی جلد کا ملیالم ترجمہ بہ نہایت اہتمام سے شائع کیا ہی، ظاہری اور باطنی دونون حیثیتون سے یہ نہایت قابل قدر کام ہوا ہی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان باہمت کام کرنے والون کو خدمت اسلام کی اور مزید توفیق عنایت فرمائیے،

مقالات

خصائص قرآن مجید

از مولنا عبد السّلام ندوی،

(۱)

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار،
گلچینِ جمال توز دامان گلہ دارد

بلاغت

قرآن مجید گونا گون مزایا وخصائص کا مجموعہ ہو، اسمین اخلاقی معاشرتی، تمدّنی عقلی، غرض ہزارون قسم کی خوبیان موجود ہین اور انھی خوبیون نے جمع ہوکر اسکو ایسا معجزہ بنا دیا ہی جس کا جواب نہ عرب کے امیون سے ہوسکا، نہ حکما، ر فلاسفہ اوسکی ایک آیت کا جواب پیش کرسکے، اور نہ آج اس ترقی یافتہ دور مین کوئی اوسکے مقابلہ کی جرأت کرسکتا. لیکن قرآن مجید کے ان محاسن مین سب سے پہلے جس چیز پر نگاہ پڑتی ہی وہ اوسکی فصاحت وبلاغت ہی، قرآن مجید کے وجوہ اعجاز مین اگرچہ بہت سے اختلافات ہین لیکن عام طور پر اسی فصاحت وبلاغت کو قرآن مجید کا معجزہ خیال کیا جاتا ہی، اسلئے خصائص قرآنی کے سلسلے مین سب سے پہلے ہم اوسکی فصاحت وبلاغت ہی کو پیش نظر رکھتے ہین،

علمای معانی وبیان نے فصیح لفظ کی تعریف یہ کی ہی کہ تنافر حروف سے خالی ہو، غریب نہ ہو، قیاس کے مخالف نہ ہو، لیکن ان الفاظ سے جب کوئی جملہ یا فقرہ بنایا جائے تو اوسکے لئے صرف اسی قدر کافی نہین ہی، بلکہ اسکے ساتھ ان الفاظ کے توازن وترکیب مین ناہمواری اور تعقید نہ ہو،

بلاغت کیلئے ان اوصاف یعنی مفرد الفاظ کی فصاحت اور ترکیب کی ہمواری اور خوشگواری کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کلام مقتضای حال کے مطابق ہو لیکن فصاحت و بلاغت کی یہ ایک اصطلاحی تعریف ہی، اور زمانۂ جاہلیت عہد نبوت اور عہد صحابہ بلکہ بنوامیہ کے زمانے تک یہ اصطلاح نہین پیدا ہوئی تھی، خود قرآن مجید نے اگرچہ اپنے آپ کو تحدی کے ساتھ اہل عرب کے سامنے بطور معجزہ کے پیش کیا ہی، تاہم اوس نے صریح الفاظ مین کہین بھی فصاحت و بلاغت کا دعوی نہیں کیا ہی، اور خطباے عرب اور شعراے جاہلیت نے بھی کسی قصیدہ یا خطبہ کی تعریف مین فصاحت و بلاغت کا لفظ استعمال نہین کیا ہی، اس لئے ہم تاریخی حیثیت سے زمانۂ جاہلیت اور آغاز اسلام مین فصاحت و بلاغت کا کوئی معیار نہین قائم کرسکتے، البتہ اس زمانے مین ہمکو بعض ایسے الفاظ ضرور ملتے ہین، جو کسی کلام کے حسن و اثر کے نمایان کرنے کیلئے استعمال کئے جاتے تھے، چنانچہ اس قسم کا سب سے زیادہ متداول لفظ سحر یعنی جادو تھا، اور کفار قرآن مجید کے حسن و اثر کے متعلق یہی لفظ استعمال کرتے تھے،

واذا تتلی علیهم آیتنا بینت قال	جب اون کا فرون پر ہماری کھلی کھلی آیتین پڑھی جاتی ہین،
الذین کفروا للحق لما جاءهم هذا	تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہین،
سحر مبین،،	کہتے ہین یہ تو کھلا ہوا جادو ہی،

ایک حدیث مین بھی ہی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

إن من البیان لسحرا	بعض بیان جادو ہوتے ہین،

لیکن افسوس ہے کہ ہم قرآن مجید کے حسن و اثر کے اظہار کے لئے یہ لفظ استعمال نہین کرسکتے، کیونکہ اس سے اگرچہ قرآن مجید کی کشش و تاثیر کا اظہار ہوجاتا ہی لیکن معنوی حیثیت سے اوسکی صداقت بالکل خاک مین ملجاتی ہی، یہی وجہ ہی کہ جب صعصعہ بن صوحان نے حدیث کا یہ ٹکڑا سنا تو کہا کہ رسول اللہ صلعم نے بالکل سچ فرمایا، کیونکہ ایک شخص پر کسی کا حق واجب الادا ہوتا ہی لیکن وہ اظہار دلائل مین اصلی حقدار سے زیادہ لسان ہوتا ہی، اور اپنی لسانی سے لوگون کو مسحور کرکے حق کو مار لیتا ہی[1] کفار بھی قرآن مجید کو سحر اسی لئے کہتے تھے، کہ وہ اون کے نزدیک محض اپنے الفاظ و عبارت کے حسن و اثر

[1] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۶

سے غلط کو صحیح اور باطل کو حق کی صورت مین پیش کرتا ہی،

ایک حدیث مین رسول اللہ صلعم نے خاص قرآن کی نسبت ایک اور فقرہ استعمال کیا ہی،

چنانچہ آپ نے فرمایا:-

بعثت بجوامع الکلم[1] مین جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا یعنی قرآن مجید

اور یہ ایک ایسا فقرہ ہے، جو قرآن مجید کی تمام لفظی اور معنوی خوبیون کو حاوی ہی، لیکن ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی، کہ زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ آغاز اسلام مین محض الفاظ کے حسن و قبح کے اظہار کیلئے کوئی لفظ ایجاد نہین ہوا تھا، بلکہ کلام کے زور و اثر کے نمایان کرنے کے لئے جو الفاظ اور فقرے استعمال کئے جاتے تھے ان کا تعلق زیادہ تر معنی سے تھا، کسی کلام کو سحر اسلئے کہتے تھے کہ وہ ایک غیر حقیقی چیز کو حقیقی بنا دیتا تھا، جوامع الکلم کا لفظ قرآن مجید کے لئے اسلئے استعمال کیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی پاکیزہ تعلیمات اور ارشادات و ہدایات کا جامع ہے، یا یہ کہ بڑے بڑے معانی و مطالب کو مختصر الفاظ مین ادا کر دیتا ہے،

اس کے بعد محاسنِ کلام کے اظہار کے لئے بہت سے الفاظ اور فقرے ایجاد ہو گئے، مثلاً شیرین، خوشگوار، حسین، سحر حلال، مرغوب، لذیذ، تحفہ، باغ، آب زلال، دیبا، منقش و رنگین، لیکن یہ الفاظ اور فقرے بھی قریب قریب مترادف تھے، اور ان سب سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ کلام مین ایسی خوبیان جمع ہو گئی ہین، کہ وہ سامع کے دل کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہین، بہر حال فصاحت و بلاغت کی محدود اصطلاح نہین پیدا ہوئی تھی، جس کے ذریعہ سے ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرے کی جانچ پڑتال کے بعد کسی کلام کے فصیح و بلیغ ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہی، بلکہ مجموعی طور پر کسی کلام کا جو اثر دل پر پڑتا تھا، اوسکو پیش نظر رکھ کر ان الفاظ اور فقرون سے اوسکی تعریف کیا کرتے تھے، صاحب مثل السائر نے لکھا ہی کہ مین نے ایک فلسفی سے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کی، تو اوس نے کہا کہ قرآن مجید مین کیا فصاحت ہے، ؟ قرآن مین ہی" تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ" تو کیا ضیزیٰ کے لفظ مین کوئی حسن ہی؟

[1] بخاری کتاب الاعتصام

لیکن خود اہلِ عرب نے قرآن مجید کے کسی لفظ یا ترکیب پر اس قسم کا اعتراض نہین کیا ہی، جس سے معلوم ہوتا ہی کہ اہلِ عرب کے نزدیک فصاحت وبلاغت کا معیار اس سے مختلف تھا، اور اوسکی بنیاد تمام تر ذوقِ سلیم پر قائم تھی، اور ہر قوم مین فطرۃً یہ معیار پایا جاتا ہی، البتہ یونانیون نے اوس کو ایک مستقل فن بنا دیا تھا، اور ارسطو نے اس فن پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی، لیکن اس کتاب مین بھی صرف معانی ومطالب کے موثر اور دلنشین کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے، الفاظ وتراکیب سے بحث نہین کیگئی تھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہی کہ منطق کو اگرچہ ایک عقلی علم اور تحصیلِ فلسفہ کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا ہی، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ایک ادبی علم تھا، اور اوسمین زیادہ تر وجوہِ بلاغت سے بحث کی گئی تھی، کیونکہ منطق کے ایک حصہ مین الفاظ کی دلالت اور عبارت و معانی کے تعلقات سے زیادہ تر بحث کی گئی ہے، اور ایک حصّہ برہان، خطابت، شعر، جدل اور سفسطہ سے تعلق رکھتا ہے، جو انسان کے دل پر اثر ڈالنے کا ایک ذریعہ ہین اور غالبًا اسی مناسبت سے اہلِ عرب نے اُس کا نام منطق رکھا، جس کے معنی گفتگو اور کلام کے ہین، لیکن بہر حال فصاحت وبلاغت ایک ذوقی چیز ہے، جسکی تحدید عملی طریقے سے نہین کی جا سکتی، کیونکہ علوم وفنون کی بنیاد کسی خاص چیز پر قائم ہوتی ہے مثلاً نحو کی بنیاد کلامِ عرب پر قائم ہے. طب کا دار ومدار تجربہ پر ہے، علم حساب وہندسہ عقل سے تعلق رکھتے ہین، لیکن بلاغت کی بنیاد کسی خاص چیز پر قائم نہین، بلکہ عقل ونقل، ذوق، الفاظ، معانی، نظم وترکیب، موقع ومحل غرض وہ ہزارون چیزون سے تعلق رکھتی ہے، یہی وجہ ہی کہ آجتک اوسکی کوئی متفقہ تعریف نہین ہو سکی، جاحظ نے کتاب البیان والتبیین مین لکھا ہی کہ ایرانی رومی اور ہندی سب سے بلاغت کی تعریف پوچھی گئی، تو سب نے مختلف جواب دئے، زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی زمانے تک بلاغت کا دار ومدار صرف اسی ذوقِ سلیم پر تھا، یہی وجہ ہی کہ اہلِ عرب کے نزدیک بلاغت کا تعلق معانی اور ترکیب کے توازن وایتلاف یا دوسرے لفظون مین کلام کے ترنّم وموسیقیت سے تھا، وہ نفسِ الفاظ کی ظاہری خوبیون کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، لفظ ضیزی پر اونھون نے اسی لئے کوئی اعتراض نہین کیا کہ اگرچہ اسکے ہم معنی الفاظ اس سے زیادہ فصیح ہین، تاہم اگر وہ اس آیت مین لائے جائین، تو کلام کے توازن وایتلاف اور ترنم وموسیقیت

کی خوبیان خاک مین مل جائین،

تاریخی حیثیت سے فن بلاغت کا یہ پہلا دور تھا، اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اصلی معیار یہی دور ہے،

اس کے بعد جب مسلمانون نے علمی ترقیان کین، اور ادبی علوم مثلاً صرف و نحو اور عروض کی تالیف و تدوین ہوئی، تو فن بلاغت کو بھی علماء کی ایک خاص جماعت نے مدون کیا، اگرچہ اس دور مین بھی اس فن کی بنیاد زیادہ تر ذوق سلیم ہی پر قائم تھی، تاہم علمی حیثیت سے اون وسائل و اسباب کے فراہم کرنے کی کوشش کی گئی، جن کے ذریعہ سے یہ ذوق ترقی کر سکے، اسلئے دو خصوصیتون کی وجہ سے یہ دور پہلے دور سے مختلف و ممتاز ہو گیا۔

(۱) ایک تو یہ کہ محاسن کلام کے لئے خاص خاص نام مقرر کر دئے گئے، مثلاً مجاز، تشبیہ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ

(۲) دوسری یہ کہ کلام کے اوبہت سے جدید اوصاف پیدا کئے گئے جن سے دور اول کے لوگ ناواقف تھے، یہ اوصاف زیادہ تر علم بدیع سے تعلق رکھتے ہین، جس کا موجد ابن معتز ہی،

اس دور کے بعد تمدن اسلام کو اور ترقی ہوئی، تو فن بلاغت نے ایک نیا قالب بدلا اور اس کا سب سے آخر دور شروع ہوا جسکی خصوصیات حسب ذیل ہین،

(۱) علوم و فنون کی بنیاد علمائے عجم کے ہاتھ مین آگئی، اور سیاست کے ساتھ وہ علم و ادب کے خزانون پر بھی قابض ہو گئے،

(۲) فلسفہ کا عام رواج ہو گیا، اور تمام علوم و فنون جن مین فن بلاغت بھی داخل ہے، فلسفیانہ قالب مین ڈھل گئے،

اسی دور مین عربی ذوق بھی خراب ہو گیا، اور اوسکی جگہ عجمی مذاق پیدا ہو گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فن بلاغت کا تمام تر دار و مدار زمخشری، سکاکی، قزوینی، اور تفتازانی کی تصنیفات پر رہ گیا، جس مین منطق و فلسفہ کی کتابون کی طرح اعتراضات و مناقشات کے سوا اور کچھ نہ تھا، اب عربی بلاغت بلکہ عربی فطرت کا خاتمہ ہو گیا، اور عربی انشا پردازی

مین تکلف وآورد کی بہتات ہونے لگی، اور مقاماتِ بدیع ہمدانی اور مقاماتِ حریری کی مسجع و مقفی عبارتین اس دور کی بہترین یادگارین قرار پائین اس بناپر اگر ہم فصاحت و بلاغت کو قرآن مجید کا معجزہ قرار دین، تو اوس کا معیار ان دونون دور کی تصنیفات نہین قرار پاسکتین، بلکہ اوس کا اصلی معیار اہل عرب کا ذوقِ سلیم ہوگا، اور اس ذوقِ سلیم کا اندازہ صرف اس اثر سے ہوسکتا ہی، جو اہلِ عرب کے دلون پر قرآن مجید کی آیتون کا پڑتا تھا، یہ سچ ہے کہ علمای بلاغت نے ایک فصیح و بلیغ کلام کی جو خصوصیات قرار دی ہین وہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت مین موجود ہین، لیکن جو چیز اہلِ عرب کے دلون پر اثر ڈالتی تھی، وہ ان سب سے بالاتر تھی، حضرت انیس جو خود ایک شاعر تھے، رسول اللہ صلعم کی نسبت اپنے بھائی حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے کہتے ہین کہ" لوگ آپ کو شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہین، لیکن مین نے کاہنون کا کلام سنا ہی، آپ کا کلام کاہنون کا کلام نہین، مین نے آپ کے کلام کو انواع شعر پر رکھا تو اب کوئی یہ نہ کہے کہ وہ شعر ہے، خدا کی قسم آپ سچے ہین، اور وہ لوگ جھوٹے ہین" اس سے ثابت ہوتا ہی کہ جو چیز اہلِ عرب کو متاثر کرتی تھی وہ قرآن مجید کی صداقت تھی، جو الفاظ و عبارت کے خوشنما پردون مین جلوہ گر ہوکر اپنے آپ کو اور بھی زیادہ موثر بنادیتی تھی، اسی مضمون کو وہ دوسرے الفاظ مین یون بیان کرتے ہین کہ" مین نے آپ کو دیکھا کہ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہین، اور ایسا کلام پیش کرتے ہین، جو شعر نہین ؂۱"

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ نے جب قرآن مجید کی یہ آیتین سنین :-

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	خدا عدل، احسان، اور قرابتدارون کے ساتھ
وایتاءِ ذی القربی وینھی عن	سلوک کرنے کا حکم دیتا ہی، اور بدکاری، بُرائی
الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم	اور ظلم سے روکتا ہی، وہ اسلئے یہ نصیحتین کرتا ہی کہ شاید
لعلکم تذکرون،	تم اوسکو قبول کرو،

تو اون کا بیان ہے کہ اسلام میرے دل مین گھر کر گیا ؂۲، لیکن ان آیتون مین روانی اور شستگی الفاظ کے سوا

؂۱ صحیح مسلم فضائل ابی ذر رضؓ ؂۲ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۱۸،

نہ تو کوئی صنعت ہی، نہ کوئی بلاغت کا نکتہ ہے، نہ شاندار الفاظ استعمال کئے گئے ہین، اس لئے اس اثر کا سبب اوس کی پاکیزہ اخلاقی تعلیم کے سوا اور کچھ نہین، جو ہر سلیم الفطرت شخص کے دل پر اثر کرتی ہے، ایک بار نماز مغرب مین رسول اللہ صلعم سورۂ طور پڑھ رہے تھے، حضرت جبیر بن مطعم رضؓ نے آپ کی زبان مبارک سے اس سورہ کی یہ آیتین سنین:-

ام خلقوا من غیر شیء ام ھم الخالقون	کیا وہ بن گئے ہین آپ ہی آپ یا وہی ہین بنانے والے
ام خلقوا السموت والارض بل لا یوقنون	یا اونھون نے بنائے آسمان اور زمین کوئی نہین، مگر
ام عندھم خزائن ربک ام	یقین نہین کرتے کیا اون کے پاس ہین خزانے تیرے
ھم المصیطرون	رب کے یا وہی داروغے ہین،

تو اون کا بیان ہے کہ میرا دل اڑنے لگا[1] لیکن ہمارے علمای بلاغت نے علم معانی و بیان مین بلاغت کے جو نکات بیان کئے ہین، اون مین ایک بھی اس آیت مین نہین پایا جاتا، بااینہمہ اس کا اثر ایک طالب حق کے دل کو بیقرار کر دیتا ہی جسکی وجہ صرف یہ ہو کہ اہل عرب صرف اپنے فطری مذاق سے قرآن مجید کے معانی و مطالب کو سمجھتے تھے، اور وہی طبعی ذوق اون کے قلوب کو بیقرار و متاثر کر دیتا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح مین خطابی کا یہ قول نقل کیا ہی، کہ "وہ اس آیت کو سنکر اس لئے بیقرار ہو گئے کہ اونھون نے آیت کے معنی، مطلب اور استدلال کو اپنی طبع لطیف سے سمجھ لیا"، صرف قرآن مجید ہی کی تخصیص نہین، بلکہ اس فطری ذوق کی وجہ سے اہل عرب ہر صحیح کلام سے جو پر زور طریقے سے ادا کیا جاتا تھا، متاثر ہوتے تھے، اور یہ اثر دفعۃً اون کی حالت مین انقلاب پیدا کر دیتا تھا،

غزوۂ حنین مین آپ نے تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند نوجوانون کو نہایت ناگوار ہوا، اور انھون نے کہا "خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہی، اور ہم کو چھوڑ دیتا ہی حالانکہ

[1] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ طور،

ہماری تلوارون سے خون ٹپک رہا ہی، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ مین جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی، لوگون نے کہا کہ "چند نوجوانون نے یہ کہا ہی، ہم مین جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہین اونھون نے ایک لفظ بھی نہین کہا، اب آپ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا،

یا معشر الانصار الم اجدکم	اے گروہ انصار! کیا مینے تمکو گمراہ نہین پایا، پس خدا
ضلالا فہداکم اللہ بی وکنتم	نے میری وجہ سے تمہین ہدایت دی، تم متفرق تھے، خدا
متفرقین فالفکم اللہ بی و	نے میری وجہ سے تمکو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے، خدا
عالۃ فاغناکم اللہ بی،	نے میری وجہ سے تمکو دولتمند کر دیا،

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان اس سے زیادہ ہی" آپ نے فرمایا کہ "یہ کیون نہین کہتے کہ اے محمد! تم اس حالت مین آئے تھے کہ لوگ تمھاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تمھاری تصدیق کی، تمھارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمھاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہم نے تمکو گھر دیا، تم محتاج تھے ہم نے تمھاری غمخواری کی" اس کے بعد آپ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:-

اترضون ان یذھب الناس	کیا تم نہین پسند کرتے، کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکر
بالشاۃ والبعیر وتذھبون	جائین، اور تم اپنے گھرون مین خود پیغمبر کو لیکر جاؤ، خدا
بالنبی الی رحالکم فواللہ لما	کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس جاتے ہو، وہ اس سے بہتر
تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون،	ہے جسکو تمام لوگ لیکر واپس جاتے ہین،

اس پر تمام انصار پکار اوٹھے "قد رضینا" یعنی ہم اس پر راضی ہین[1]،

خطبات نبوی مین یہ خطبہ نہایت بلیغ ہے، لیکن مطول و مختصر المعانی مین بلاغت کے جو اصول و قواعد بتائے گئے ہین وہ اس مین کہین نہین پائے جاتے، بلکہ اس کے اثر کا تمامتر دار و مدار صداقت اور واقعیت پر ہے، جو فصیح الفاظ مین نہایت

[1] بخاری غزوۂ حنین مع فتح الباری۔

پرزور طریقے سے ظاہر کی گئی ہی، غور سے دیکھو اسکا ایک حرف بھی صداقت سے ہٹا ہوا ہے، کیا ہجرت سے پہلے انصار گمراہ نہ تھے؟ کیا جنگ بعاث نے اون کے شیرازے کو درہم برہم نہین کر دیا تھا؟ کیا وہ محتاج نہ تھے؟ لیکن آپ نے صرف اپنا ہی احسان نہین جتایا، بلکہ انصار کے احسانات کو بھی تسلیم کیا، یعنی یہ کہ انصار نے آپ کی تصدیق کی، آپ کی حمایت کی، آپ کو گھر دیا، اور آپ کی غمخواری کی، اور انھی احسانات کا یہ صلہ تھا، کہ آپ نے مدینہ کو اپنا گھر بنا لیا، اسی صداقت کو آپ نے ان الفاظ مین بیان فرمایا کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکر جاتے ہین اور تم خود رسول اللہ کو لیکر واپس ہو رہے ہو،

رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد صحابہ مین جو شک و اضطراب پیدا ہو گیا تھا، اسکے رفع کرنے کیلئے حضرت ابو بکر صدیق نے ایک نہایت مختصر خطبہ دیا، جسکے الفاظ یہ ہین:-

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا	آگاہ رہو جو شخص محمد کو پوجتا تھا، تو محمد صلعم کا وصال
صلے اللہ علیہ وسلم قد مات	ہو چکا، اور جو شخص خدا کو پوجتا تھا، تو خدا زندہ ہی جو نہ
ومن کان یعبد اللہ فان اللہ	مرے گا، اوس نے کہدیا تھا (کہ اے محمد) تم مروگے
حی لا یموت وقال انک میت	اور وہ لوگ بھی مرینگے، اوس نے کہدیا تھا کہ محمد صرف
وانھم میتون وقال وما محمد	ایک پیغمبر ہین اور اون سے پہلے اور پیغمبر گذر چکے ہین، تو
الا رسول قد خلت من قبلہ	کیا وہ مرجائینگے، یا قتل کردئے جائینگے، تو تم قدم
الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی	پیچھے ہٹاؤگے، اور جو شخص پیچھے قدم ہٹالیتا ہی، وہ خدا
اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن	کو کچھ نقصان نہین پہنچاتا، اور خدا شکر کرنے والون کو
یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین	عنقریب بدلہ دیگا،

اس تقریر مین صرف چند ہی فقرے ہین، لیکن ان کا اثر یہ ہوا کہ روتے روتے لوگون کی ہچکیان بندھ گئین[1]

حضرت عمرؓ کہتے ہین کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیتین پڑھین، تو میرے پاؤن کانپنے لگے اور مین زمین پر گر پڑا،[2]

---

[1] بخاری کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ [2] بخاری باب مرض النبی صلے اللہ علیہ وسلم ووفاتہ

سقیفۂ بنو ساعدہ میں جب خلافت کا جھگڑا پیش آیا، تو اس موقع کیلئے حضرت عمرؓ نے پہلے ہی سے ایک تقریر تیار کر لی تھی، جس کی نسبت خود اون کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسی تقریر تیار کی تھی، جو مجھے نہایت پسند تھی، اور مجھے خوف تھا، کہ ابو بکرؓ ویسی تقریر نہ کر سکیں گے، لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اون کو روک دیا، اور خود تقریر کی، جس کے چند ہی فقرے ہیں۔

ولکنا الامراء وانتم الوزراء ما	لیکن ہم لوگ امرا ہیں اور تم لوگ وزرا ہو، تم لوگوں نے
ذکرتم فیکم من خیر فانتم لہ اہل	اپنی جن خوبیوں کا ذکر کیا ہے تم، اوس کے اہل ہو، لیکن
ولن یعرف ھذا الامر الا لھذا	خلافت صرف قبیلۂ قریش کا حق ہے، کیونکہ وہ خاندان
الحی من قریش ھم اوسط العرب دارا واعربھم احسابا	اور حسب و نسب کے لحاظ سے عرب کے بہترین لوگوں میں ہیں

لیکن ان چند فقروں کے نسبت خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں،

ثم تکلم ابوبکر فتکلم ابلغ الناس	پھر ابو بکرؓ نے تقریر کی تو بلیغ ترین شخص نے تقریر کی،

دوسری روایت میں ہے کہ

فتکلم ابوبکر فکان ھو احلم منی واوقر[1]	تو حضرت ابو بکرؓ نے تقریر کی تو وہ مجھ سے زیادہ حلیم اور

ان تمام واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک بلاغت کی بنیاد صرف زورِ کلام، حسنِ استدلال، واقعیت، صداقت اور الفاظ و ترکیب کی متانت و جزالت، بلکہ خود متکلم کے علم و وقار پر تھی، اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اصلی معیار یہی ہے اور اس معیار کے رو سے اگر قرآن مجید کے تمام مطالب و معانی کی تحلیل کی جائے، تو حسب ذیل قسمیں نکلیں گی،

(۱) عقائد، اس میں تمام روحانی مسائل مثلاً توحید، ابطال شرک، واقعات مابعد الموت یعنی دوزخ، جنت، قیامت، اور پل صراط وغیرہ داخل ہیں، (۲) اخلاق و تہذیب نفس، (۳) عبادات و اعمال (۴) معاملات و معاشرتی

[1] بخاری کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ و کتاب المحاربین، باب رجم الحبلیٰ،

تعلقات (۵) تاریخ و قصص،

اور قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اوس نے ان تمام مطالب و مقاصد کو نہایت یکسانی و ہمرنگی کے ساتھ بیان کیا ہے،

اسلئے قرآن مجید مین اختلاف ناہمواری اور پیچیدگی کا نام و نشان نہین،

افلا یتدبرون القرآن ولو کان	کیا کفار قرآن مجید مین غور نہین کرتے، اگر یہ خدا کے
من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ	سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس مین بہت سے
اختلافاً کثیراً۔	اختلافات پاتے،
قرآناً عربیاً غیر ذی عوج	قرآن عربی زبان مین جس مین کوئی کجی نہین،
بلسان عربی مبین۔	یہ قرآن عربی زبان مین ہے جو اپنے مطالب کو

فصاحت و بلاغت کے ساتھ

لیکن اگر پہلی اور دوسری آیت کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ متعلق کیا جائے تو قرآن مجید کا یہ دعویٰ بظاہر صحیح نہین معلوم ہوتا، یہ سچ ہے کہ قرآن مجید مین کہین پیچیدگی نہین پائی جاتی، بلکہ تمام مطالب یکسان وضاحت و سلاست کے ساتھ بیان کئے گئے ہین، لیکن جن آیتون مین عقائد یعنی روحانیات کا بیان ہے، اون مین بہت زیادہ زور و اثر پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مکی سورتین مدنی سورتون سے زیادہ پرجوش اور ولولہ انگیز ہین، لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین اہل عرب کے نزدیک بلاغت کی بنیاد صرف جوش اور ولولہ پر نہین، بلکہ صداقت، واقعیت حسن استدلال کلام کی متانت و جزالت بلکہ متکلم کے حلم و وقار پر قائم تھی، اور یہ ایسے اوصاف ہین، جو قرآن مجید کی ہر آیت مین پائے جاتے ہین، اور اس لحاظ سے قرآن مجید مین کہین اختلاف نہین پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اہل عرب پر قرآن مجید کی پرجوش آیتون کا جو اثر پڑتا تھا، وہ اوس کی حقیقت پر سحر کا پردہ ڈال دیتے تھے یعنی یہ کہ یہ صرف قرآن مجید کا زور بیان ہے، جو غیر حقیقی چیزون کو حقیقی بنا دیتا ہے، لیکن حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ جن آیتون کی وجہ سے ایمان لائے، اون مین جوش و ولولہ نہ تھا، بلکہ صرف ایک مسلمہ صداقت اور حسن استدلال نے اون کو اسلام کی طرف مائل کر دیا،

اہل عرب پر کلام کی واقعیت اور صداقت کا جو اثر پڑتا تھا، اوسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک شاعر نے ایک

قبیلے کی ہجو مین ایک شعر لکھا،

قوم اذا استنبح الاضیاف کلبھم قالوا لامھم بولی علی النار

یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جب وہ کتا مہمانون کو بھونکتا ہے، تو اپنی مان سے کہتے ہین کہ آگ پر پیشاب کر دے،

جس کے وجوہِ بلاغت پر غور کرنے کے لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اہلِ عرب کے نزدیک فیاضی اور مہمان نوازی سب سے بڑا اخلاقی وصف تھا، اور مہمانون کے کھانا پکانے کے لئے بہت سی آگ جلانا، اوس کی علامت تھی شاعر نہایت بلیغ طریقے پر اس قبیلے سے اسی وصف کی نفی کرتا ہے، اور اس کو مختلف شاعرانہ انداز سے ثابت کرتا ہی،

(۱) ایک تو یہ کہ اس قبیلے مین مہمان بہت کم آتے ہین، یہی وجہ ہے، کہ ان کے کتے ان کو اجنبی سمجھ کر بھونکتے ہین،

(۲) اور اگر بھولے بھٹکے مہمان آجاتے ہین، تو اون کے لئے کھانا پکانا تو درکنار خود آگ ہی کو بجھا دیتے ہین،

(۳) لیکن یہ آگ اس قدر کم ہوتی ہی، کہ صرف پیشاب کی معمولی مقدار سے بجھ سکتی ہی،

(۴) اس قدر بدتمیز ہین کہ اپنی مان سے پیشاب کرنے کی فرمایش کرتے ہین،

(۵) اون کے گھرون مین لونڈیان نہین ہوتین، اس لئے اون کو باورچی خانے کا کام گھر کی عورتون سے لینا پڑتا ہی،

(۶) اون کے گھرون مین پانی نہین ہوتا، اسلئے پیشاب سے آگ بجھانے کی ضرورت پڑتی ہی،

(۷) نہایت گندہ اور نجس ہین،

لیکن باایہمہ بلاغت چونکہ اس شعر کو واقعیت و صداقت سے لگاؤ نہ تھا، اسلئے عرب مین مقبول نہ ہوا اسکے برخلاف ایک شاعر نے ایک قبیلے کی ہجو مین نہایت سادہ طور پر صرف ایک شعر لکھا، جس کا ایک مصرعہ یہ ہے،

حلت استه وتمثل الامثاله

یعنی جب اس قبیلے کے کسی آدمی سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے، تو وہ اپنا سُرین کھجلانے لگتا ہی، اور ادھر اودھر کی باتین کرنے لگتا ہی،

اور وہ اسقدر مقبول ہوا کہ ایک مجلس مین اس قبیلے کے ایک شخص کو سرین کھجلانے کی ضرورت پیش آئی، لیکن وہ اسلئے نہ کھجلا سکا کہ مبادا یہ مصرع اوس پر چسپان ہو جائے، لیکن اس شعر کی مقبولیت کا سبب صرف یہ تھا کہ اوس مین واقعیت اور صداقت پائی جاتی تھی، کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب ایک بخیل شخص سے کوئی سوال کیا جاتا ہی، اور وہ اوسکو پورا نہین کرنا چاہتا، تو ٹال مٹول کیلئے اپنے بعض اعضار کو کھجلانے اور ادھر اودھر کی باتین کرنے لگتا ہی، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ کلام کی مقبولیت اور اثر کیلئے اہل عرب کے نزدیک واقعیت اور صداقت کسقدر ضروری چیز تھی،

اسکے ساتھ بلاغت کا ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ معانی و مطالب کے اختلاف سے طرز تحریر و انشار مین لازمی طور پر اختلاف ہوجاتا ہی، درد و غم کے اظہار کے لئے خاص خاص الفاظ اور خاص خاص ترکیبین ہین، پر جوش مضامین کے اظہار کیلئے شاندار اور متین الفاظ کی ضرورت ہوتی ہی، اخلاق و تہذیب نفس کی تعلیم کے لئے نرم اور واعظانہ لہجے کی ضرورت ہی، قرآن مجید مین اس قسم کے مختلف مضامین کے لئے اس اصول کے لحاظ سے مختلف الفاظ، مختلف ترکیبین اور مختلف لہجے اختیار کئے گئے ہین، لیکن باوجود اس اختلاف کے اصل حقیقت یعنی نفس بلاغت مین کوئی اختلاف نہین پیدا ہوا بلکہ اگر اوس کے برعکس ان تمام مضامین کے لئے ایک ہی طرز اختیار کیا جاتا تو بلاغت خاک مین مل جاتی ہی، نکتہ ہی جسکو صاحب مثل السائر نے ان الفاظ مین ادا کیا ہی، کہ الفاظ کی دو قسمین ہین جزل و رقیق، اور ہر ایک کے استعمال کے خاص خاص مواقع ہین، جزل الفاظ میدان جنگ کے بیان اور تہدید و تخویف وغیرہ کے موقع پر، اور رقیق الفاظ شوق اور ایام فراق وغیرہ کے بیان کے لئے استعمال کئے جاتے ہین، جزل الفاظ کی مثال حساب، عذاب، میزان اور صراط وغیرہ کے بیان مین قرآن مجید کی تہدیدی آیتون مین ملتی ہی، اور رحمت، مغفرت، انبیاء، اور نیک بندون کے خطاب کے موقع پر رقیق اور نرم الفاظ قرآن مجید مین ملتے ہین،

ان تمہیدی اصول کے بعد اب ہم تمام مضامین کے متعلق قرآن مجید کی چند آیتین بطور نمونہ کے پیش کرتے ہین

جن سے اندازہ ہوگا کہ قرآن مجید ہر قسم کے مضامین کو کس بلیغ طریقہ سے ادا کرتا ہی،

عقائد عقائد مین توحید اور نفی شرک قرآن مجید کا نہایت اہم موضوع ہی، اور اوسکو قرآن مجید نے نہایت پرزور اور مدلل طریقے سے بیان کیا ہی، مثلاً۔

توحید

(امن خلق السموت والارض و
انزل لکم من السماء ماءً فانبتنا
به حدائق ذات بهجة ما
كان لكم ان تنبتوا شجرها ءاله
مع الله بل هم قوم يعدلون
امن جعل الارض قرارا وجعل
خلالها انهرا وجعل لها رواسي
وجعل بين البحرين حاجزا ءاله
مع الله بل اكثرهم لا يعلمون
امن يجيب المضطر اذا دعاه
ويكشف السوء ويجعلكم خلفاء
الارض ءاله مع الله قليلا ما
تذكرون امن يهديكم
في ظلمت البر والبحر ومن
يرسل الريح بشرا بين
يدي رحمته ءاله مع الله

بھلا آسمانون اور زمین کو کس نے پیدا کیا، اور آسمان
سے تم لوگون کے لئے (کس نے) پانی برسایا (ہم ہی نے
پانی برسایا) پھر پانی کے ذریعہ سے ہم (ہی) نے خوشنما باغ
اوگائے (لوگو!) تمھارے بس کی بات تو نہ تھی کہ تم
اون کے درختون کو اوگا سکو، کیا خدا کے ساتھ کوئی
(اور) معبود بھی ہی؟ (نہین) مگر یہ ہی (بے سمجھ) لوگ ہین
کہ (ناحق) کجروی کرتے ہین، بھلا کس نے زمین کو (آدمیون
اور جانورون کے) ٹھہرنے کی جگہ بنایا، اور اوسکے بیچ
مین ندی نالے بنائے اور اس کے (ایک وضع خاص پر رکھنے
کے) لئے اٹل پہاڑ بنائے اور (میٹھے اور کھاری) دو
سمندرون مین حد فاصل رکھی (کہ ایک دوسرے سے مل
نہ جائین) کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہی؟
(نہین) مگر ان لوگون مین اکثر (اتنی موٹی بات بھی)
نہین جانتے، بھلا کون ہی کہ جب کوئی شخص (بیقرار ہو کر)
اس سے فریاد کرے تو وہ اس بیقرار کی فریاد کو پہنچے، اور
(اوسکی) مصیبت کو ٹال دے، اور (کون ہی جو) زمین

تعالى الله عما يشركون امن يبدؤا الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم من السماء والارض ءاله مع الله قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔

مین تم لوگون کو (اپنا) نائب بناتا ہی، ؟ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہی ؟ (نہین مگر) تملوگ بہت کم غور وفکر کرتے ہو، بھلا کون (ہے جو) تملوگون کو خشکی اور تری کی تاریکیون مین راہ دکھاتا ہی، اور کون (ہے جو) اپنی رحمت (یعنی مینہہ) کے آگے (آگے) ہواؤن کو (بارش کی) خوشخبری دینے کیلئے بھیجتا ہے کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود (بھی) ہی ؟ یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہین، اللہ کی شان، اوس سے بالاتر ہی، بھلا کون ہی جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہی، پھر اوسی طرح کی مخلوقات بار بار پیدا کرتا رہتا ہی اور کون (ہے جو) تملوگون کو آسمان وزمین سے روزی دیتا ہی، کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود بھی ہی (نہین) اے پیغمبر ان لوگون سے کہو کہ اگر (شرک کے) دعوی مین سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو

صفات باری عقائد مین توحید کے بعد سب سے اہم مسئلہ خداوند تعالے کے اوصاف کا ہی، اور اون اوصاف کو قرآن مجید نے نہایت دلآویز اور پر اثر طریقے سے بیان کیا ہی، مثلاً:۔

الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح في زجاجة كانها كوكب دري يوقد من شجرة

اللہ ہی کے نور سے، آسمان اور زمین کی روشنی ہی اسکے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو، (اور) طاق مین ایک چراغ (رکھا ہی اور) چراغ ایک شیشے کی قندیل مین ہی، (اور) قندیل (اسقدر شفاف ہے) کہ گویا

مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء

گویا، وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا، ایک ستارہ ہی (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہی، کہ جو نہ پورب کے رُخ واقع ہی اور نہ پچھم کے رُخ، اوس کا تیل (اس قدر صاف ہو کہ) اگر اوسکو آگ نہ بھی چھوئے، تاہم معلوم ہوتا ہی کہ (آپ سے آپ) جل اوٹھے گا (غرضکہ ایک نور نہین بلکہ) نور علی نور (یعنی نور پر نور) اللہ اپنے نور کی طرف جسکو (سورۂ نور ۔ پارہ ۱۸ ۔ ع ۵)

قیامت | قیامت کے مختلف مناظر مین قیامت کا آنا، ایک نہایت ہیتناک منظر ہے، اور قرآن مجید نے اس ہیتناک منظر کی تصویر نہایت مہیب، ہولناک اور دل ہلانے والے الفاظ مین کھینچی ہے، مثلاً:-

کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا وجیٓء یومئذ بجھنم یومئذ یتذکر الانسان وانی لہ الذکری۔

مگر جس دن زمین مارے دھکون کے چکنا چور ہو جائے اور (اے پیغمبر) تمھارا پروردگار رونق افروز ہو گا اور فرشتے صف بستہ (اوسکے جلو مین ہون گے) اور اس دن جہنم (سب کے روبرو) لا حاضر کی جائے گی، اوس دن انسان چیتے گا مگر (اوس وقت) اوسکے چیتنے (فجر)

یا ایھا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شیٔ عظیم یوم ترونھا تذھل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملھا وتری

لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے ڈرو (کیونکہ) قیامت کا زلزلہ ایک بڑی (سخت) مصیبت ہو گی جس دن وہ تمھارے سامنے آموجود ہو گی، ہر دودھ پلانے والی (مارے ڈر کے) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی، اور جتنی حمل والیان ہین سب کے

الناس سکری وما ھم بسکری	حمل گر پڑین گے، اور (مارے بدحواسی کے) لوگ
ولکن عذاب اللہ شدید.	متوالے دکھائی دین گے، حالانکہ وہ متوالے نہین
	بلکہ خدا کا عذاب بڑا سخت ہے (جس کے ڈر سے لوگ
	بدحواس ہو رہے ہون گے)

اس آیت کے اثر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی، کہ جب صحابۂ کرامؓ نے رسول اللہؐ کی زبان سے اوس کو سنا، تو اون کے چہرون کا رنگ بدل گیا،[۱] ترمذی مین ہے کہ ایک سفر مین آپؐ نے یہ آیتین بلند آواز سے پڑھین، اور اپنے الفاظ مین اسکی تفسیر کی تو صحابۂ کرامؓ دم بخود ہو کر رہ گئے،[۲]

انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ	خدا اون کو اس دن تک کی مہلت دے رہا ہے
الابصار مہطعین مقنعی	جب کہ (مارے خوف کے لوگون کی) آنکھین پھٹی
رؤسھم لا یرتد الیھم طرفھم	کی پھٹی رہ جائین گی، اپنے سر اوپر کی طرف اوٹھائے
وافئدتھم ھواء	بھاگے چلے جا رہے ہین، (ٹکٹکی بندھی ہوئی ہی کہ
	جدھر کو دیکھ رہے ہین ادھر ہی) نگاہ پھر ان کی
(ابراہیم)	طرف لوٹ کر نہین آتی، اور ان کے دل (ہین)

ایک حدیث[۳] مین آیا ہی کہ جو شخص قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے، اوس کو سورۂ تکویر کی یہ آیت اذا الشمس کورت اور سورۂ انفطار کی یہ آیت واذا السماء انفطرت اور سورۂ انشقاق کی یہ آیت اذا السماء انشقت پڑھنی چاہئے، کیونکہ یہ وہ سورتین ہین، جن مین واقعۂ قیامت کی تصویر نہایت پر اثر الفاظ مین کھینچی گئی ہے لیکن اس زور و اثر کے ساتھ ایک لفظ بھی واقعیت سے ہٹا ہوا نہین ہے، بلکہ وہی حالات بیان کئے ہین، جو خوف و اضطراب کی حالت مین عموماً پیش آیا کرتے ہین،

---

[۱] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ حج [۲] ترمذی تفسیر سورۂ حج [۳] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۶،

فاذا برق البصر وخسف القمر و	تو جب مارے ہیبت کے آنکھیں پتھرا جائیں، اور چاند
وجمع الشمس والقمر یقول	گہنا جائے، اور سورج اور چاند (دونوں) یکجا
الانسان یومئذ این المفر کلا	کردئے جائیں، اوس دن آدمی بول اوٹھیگا
لا وزر الی ربک یومئذ ن المستقر	کہ اب کدھر کو بھاگ جائیں، سو (اے آدمی)
	بھاگنا تو ہو نہیں سکے گا، (اس دن) کہیں پناہ
	نہیں، (اور) اوس دن ٹھکانا (ہوگا تو) تیرے
	پروردگار (ہی) کے پاس ہوگا،

دوزخ اور جنت | واقعات قیامت میں قرآن مجید نے جنت کی مسرتوں اور لذتوں کا بیان نہایت پرکیف طریقہ سے کیا ہے، اور دوزخ کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی تصویر نہایت درد انگیز الفاظ میں کھینچی ہے، مثلاً

هل اتك حديث الغاشية	(اے پیغمبر) تمکو (اوس آفت یعنی قیامت) کا حال
وجوه يومئذ خاشعة عاملة	(بھی) پہنچا ہے جو (ساری جہان پر چھا جائیگی) کتنے
ناصبة تصلى نارا حامية تسقى	(لوگوں کے) منہہ اوس روز اوترے ہوئے ہوں گے،
من عين آنية ليس لهم طعام الا من	وہ لوگ طرح طرح کی مشقتیں کررہے ہوں گے،
ضريع لا يسمن ولا يغني من جوع	(اور ماری مشقتوں کے) تھک (کر چور ہو) رہے
وجوه يومئذ ناعمة لسعيها	ہوں گے، یہ لوگ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں
راضية في جنة عالية لا	داخل ہوں گے (اور) اونکو ایک کھولتے ہوئے
تسمع فيها لاغية فيها عين جارية	چشمے کا پانی پلایا جائے گا، کانٹوں کے سوا اور
فيها سرر مرفوعة و	کوئی کھانا اون کو نصیب نہیں، جن (کے کھانے)
اكواب موضوعة و نمارق	سے نہ تو بدن ہی موٹا ہو، اور نہ بھوک ہی بند ہو (الغرض)

مصفوفة وزرابی مبثوثه

ان شجرة الزقوم طعام الاثیم
کالمهل یغلی فی البطون کغلی الحمیم
خذوه فاعتلوه الی سواء الجحیم
ثم صبوا فوق راسه من عذاب
الحمیم ذق انك انت العزیز
الکریم ان هذا ما کنتم به تمترون
ان المتقین فی مقام امین فی جنت
وعیون یلبسون من سندس
واستبرق متقبلین کذلك
وزوجنهم بحور عین یدعون
فیها بکل فاکهة آمنین

کتنے (لوگون کے) منہ اوس روز ہشاش بشاش
ہون گے (دنیا مین جو نیک کوشش کر آئے ہین) اپنی
(اوس) کوشش (کے نتیجے) سے (بڑے) خوش بہشت
برین مین ہون گے کہ وہان کوئی بیہودہ بات اون کے
کان مین نہین پڑے گی اوس مین چشمے بہ رہے ہونگے
اوس مین اونچے اونچے تخت (بچھے) اور آبخورے
رکھے، اور گاؤ تکیے ایک قطار مین لگے ہون گے[۴]
کچھ شک نہین کہ (آخرت مین) تھوہر کا درخت
(بڑے) مجرمون (یعنی کافرون) کا کھانا ہوگا جیسے
پگھلا ہوا تانبا (اور) وہ پیٹ مین ایسا کھولے گا
جیسے بھلتا ہوا پانی کھولتا ہے، (اس کے علاوہ ہم
فرشتون کو حکم دین گے کہ) اوسکو پکڑو اور گھسیٹتے
ہوئے جہنم کے بیچون بیچ تک لیجاؤ، پھر (اسکو یہ)
سزا دو کہ اوسکے سر پر بھلتا ہوا پانی ڈالو پھر ہم طنزاً
کہین گے کہ اس عذاب کے مزے چکھ (کیونکہ ہمارے
ہان) تیری بڑی قدر و منزلت ہے، یہی تو وہ (دوزخ)
ہے جسکی نسبت تم لوگ شبہہ کیا کرتے تھے، (رہے)
پرہیزگار (سو وہ) امن کی جگہ (یعنی) باغون اور
چشمون مین ہونگے (نیز) ریشم کی مہین اور دبیز

۴ اور بچھونے بنا رہے تکیے ہون گی

پوشاکیں پہنے ہوئے (ایک دوسرے کے) آمنے سامنے
بیٹھے (براج رہے) ہون گے، ایسا ہی ہوگا اور (اس کے
علاوہ) بڑی بڑی آنکھون والی حورون سے ہم نے اُنکے
جوڑے لگا دئے ہون گے وہان اطمینان سے ہر
طرح کے میوے منگا (منگا کر کھا) رہے ہون گے،

اخلاق وتہذیب نفس اخلاقی تعلیم کے دو طریقے ہین، ایک تو یہ کہ جذبات کو برانگیختہ کرکے لوگون کو محاسن اخلاق کی طرف مائل کیا جائے، دوسرے یہ کہ نرمی کے ساتھ واعظانہ لہجے مین اخلاق کی تعلیم دی جائے، پہلے طریقے مین اگرچہ انشا پردازی کی شان زیادہ نمایان ہوتی ہے لیکن واقعیت سے عدول کرنا پڑتا ہے، قرآن مجید نے یہ دونون طریقے اختیار کئے ہین، لیکن واقعیت سے کسی حالت مین تجاوز نہین کیا ہے،

وما ادرىك ما العقبة فك رقبة او اطعام في يوم ذي مسغبة يتيما ذا مقربة او مسكينا ذا متربة ثم كان من الذين آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة:—

اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا (مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہے) کسی کی گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن مین یتیم (کو خاصکر جبکہ وہ اپنا) رشتہ دار (بھی) ہو یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی کرتا ہی چاہئے تھا کہ اوس گھاٹی مین ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ اون لوگون (کے زمرے) مین ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور (نیز) ایک دوسرے کو (خلق خدا پر) رحم کرنیکی (بلد پ ۳۰)

يبني اقم الصلوٰة وامر بالمعروف

بیٹا نماز پڑھا کر اور (لوگون کو) اچھے کامون کے کرنے

وانہ عن المنکر واصبر علی ما	کی نصیحت کیا کر اور بری کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جیسی
اصابک ان ذالک من عزم	پڑے جھیل بیشک یہ (بڑی) ہمت کے کام ہین اور لوگون سے
الامور ولا تصعر خدک للناس	بے رخی نہ کر اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) اللہ کسی اترانے
ولا تمش فی الارض مرحا ان	والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی رفتار مین
اللہ لا یحب کل مختال فخور	میانہ روی (اختیار) کر اور (کسی سے بات کرے تو)
اقصد فی مشیک واغضض من	ہولے سے بول (کیونکہ) آوازون مین بری سے بری آواز
صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر	گدہون کی آواز ہے،

عبادات واعمال عبادات واعمال کے متعلق بلاغت کا اسلوب صرف یہ ہے کہ ان کے اہم جزئیات اور احکام ومصالح کی تصریح کردی جائے، اور عبارت کی سلاست وروانی مین کوئی فرق نہ آنے پائے، قرآن مجید مین عبادات واعمال کے متعلق جسقدر آیتین ہین اون سب مین اس اسلوب کا لحاظ رکھا گیا ہے مثلاً:-

واذا ضربتم فی الارض فلیس	اور (مسلمانو!) جب تم (جہاد کیلئے) کہین کو جاؤ،
علیکم جناح ان تقصروا من	اور تم کو خوف ہو کہ (نماز پڑھنے مین کہیں) کافر تم سے
الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم	(لڑائی کی) چھیڑ چھاڑ (نہ) کرنے لگین، تو تم پر کچھ
الذین کفروا ان الکفرین کانوا	گناہ نہین، کہ نماز مین سے (کچھ) گھٹا دیا کرو بیشک
لکم عدوا مبینا واذا کنت فیھم	کافر تو تمھارے کھلے دشمن ہین، (تکو اطمینان سے نماز
فاقمت لھم الصلوٰۃ فلتقم	نہین پڑھنے دین گے، اور (اے پیغمبر) جب تم
طائفۃ منھم معک ولیاخذوا	مسلمانون (کی فوج) کے ہمراہ ہو اور (امام بنکر)
اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا	اون کو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانون کی ایک جماعت
من ورائکم ولتات طائفۃ اخری	(مقتدی بنکر) تمھاری ساتھ کھڑی ہو اور اپنے

لم یصلوا فلیصلوا معک و لیاخذوا حذرھم واسلحتھم ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة،	ہتھیار لئے رہیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں، اور دوسری جماعت جو (ابتک) شریک نماز نہیں ہوئی آکر تمھارے ساتھ نماز میں شریک ہو، اور ہوشیاری (رکھیں) اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، کافروں کی (تو) یہ تمنا ہو کہ تم (ذرا بھی) اپنے ہتھیاروں اور سازوسامان (جنگ) سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں،

معاملات ومعاشرتی تعلقات معاملات ومعاشرتی تعلقات کے متعلق جو آیتیں ہیں، ان کا بھی یہی حال ہی، البتہ عبادات ومعاملات میں جہاں اخلاقی جذبات کی آمیزش ہوگئی ہے، وہاں اس قسم کی آیتوں میں بھی انشا پردازی کا غیر معمولی زور و اثر پیدا ہوگیا ہی، مثلاً

یاایھا الذین اٰمنوا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس ولا یومن بالله والیوم الاٰخر فمثله کمثل صفوان علیه تراب فاصابه وابل فترکه صلدا لا یقدرون علی شیٔ مما کسبوا والله لا یھدی القوم الکٰفرین ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء	مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور (سائل کو) ایذا دینے سے اس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کیلئے خرچ کرتا ہی اور اللہ اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتا تو اوسکی (خیرات کی) مثال چٹان کیسی ہی کہ اوس پر (کچھ) تھوڑی سی مٹی (پڑی) ہی، پھر اوس پر برسا زور کا مینہ اور اوسکو سپاٹ کر دکے بہا لے گیا (اسی طرح قیامت میں) ریاکاروں کو اوس (خیرات) میں سے جو اونھوں نے کی تھی کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا، اور اللہ اون لوگوں

مرضات الله وتثبيتا من انفسهم كمثل جنة بربوة اصابها وابل فآتت اكلها ضعفين فان لم يصبها وابل فطل والله بما تعملون بصير ٥

کو جو (نعمت کی) ناشکری کرتے ہین، ہدایت نہین دیا کرتا، اور جو لوگ خدا کی رضاجوئی کیلئے اور اپنی نیت ثابت رکھکر اپنے مال خرچ کرتے ہین ان کی مثال ایک باغ کیسی ہی جو اونچے پر (واقع) ہو اور اس پر زور کا مینھ تو وہ اپنا دو چند پھل لایا، اور اگر اس پر زور کا مینھ نہ (بھی) پڑا تو (اسکو) ہلکی پھوار (ہی) بس کرتی ہی، اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ (اسکو) دیکھ رہا ہی

انّ الذين يأكلون اموال اليتمىٰ ظلما انما يأكلون فى بطونهم نارا

جو لوگ ناحق (ناروا) یتیمون کے مال خورد برد کرتے ہین، وہ اپنے پیٹ مین بس انگارے بھرتے ہین

الذين يأكلون الربوا لا يقومون الا كما يقوم الذى يتخبطه الشيطن من المس

جو لوگ سود کھاتے ہین (قیامت کے دن) کھڑے نہین ہوسکینگے، مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا جسکو شیطان نے چھو (لپٹ کر) مخبوط الحواس بنا دیا ہو

تاریخ و قصص تاریخ و قصص کا بھی یہی حال ہی، واقعہ نگاری کے ساتھ ساتھ عبارت کی سلاست و روانی ہر جگہ یکسان طور پر قائم ہی لیکن جہان کسی ہولناک واقعہ کا ذکر آگیا ہی، وہان غیر معمولی زور و اثر پیدا ہوگیا ہی مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے قصے مین ہمارے اہل معانی نے اس آیت کو

وقيل يارض ابلعى ماءك ويسماء اقلعى وغيض الماء وقضى الامر واستوت على الجودى وقيل بعدا للقوم الظلمين

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی جذب کرلے اور اے آسمان تھم جا اور پانی (کا چڑھاؤ) اوتر گیا اور (قوم کا) کام تمام کر دیا گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری اور (چار دانگ عالم مین) پکار دیا گیا کہ ظالم لوگوں کو (رحمت الٰہی سے) دوری ہی

زور بیان اور بلاغت کی اعلیٰ مثال قرار دیا ہی

شعرائے عجم کی عربی شاعری

از

جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جونا گڑھی

عربی زبان اور اہل عجم اسلام کی ابتدائی صدیون مین عربی زبان ہی صرف ایسی زبان تھی، جو اس وقت تمام ممالک اسلامیہ مین اظہار خیال کا بہترین آلہ سمجھی جاتی تھی[1]، چنانچہ چوتھی صدی ہجری تک عربی تمام اسلامی دنیا کی علمی زبان بنی ہوئی تھی، اور اس کے بعد بھی تقریبًا ساتوین صدی مین حملۂ تاتار تک اسی ایک زبان مین علمی تصانیف لکھی جاتی تھین[2]، اس لحاظ سے عالم اسلامی کے طول و عرض مین عربی زبان کا وہی علمی درجہ تھا، جو لاطینی زبان کو ازمنۂ وسطیٰ کے یورپ مین حاصل تھا، اور گو عام طور پر عربی زبان بول چال اور روزمرّہ گفتگو مین استعمال نہ کی جاتی ہو، لیکن مدارس اور دار العلومون مین اسی زبان مین نوشت و خواند ہوتی تھی، عربی زبان کا یہ رنگ گو کچھ عرصہ تک قومی اور ملکی اثرات کی وجہ سے کچھ پھیکا پڑ گیا، لیکن عام طور پر اہل عجم اس سے دست بردار نہ ہو سکے، اور کیسے ہو سکتے تھے جب کہ مدتون تک تحصیل علم کیلئے عربی زبان ذریعۂ تعلیم بنی ہوئی تھی، اور ہم دیکھتے ہین کہ ان بے شمار فارسی شعرا مین جو لوگ علوم نقلیہ و عقلیہ مین دستگاہ رکھتے تھے، ان کا کلام عربی کی اصطلاحات، محاورات، ضرب الامثال اور تلمیحات سے لبریز ہے،

عربی شاعری کی تقلید اہل ایران مین اگرچہ فارسی شاعری کی ابتدا تیسری صدی مین ہو چکی تھی[3]، اور اسی

---

[1] تاریخ ادبیات ایران از پروفیسر براؤن جلد دوم صفحہ ۴ تا ۸، [2] تاریخ ادب العرب از نیکلسن صفحہ ۲۷۰، [3] ادبیات ایران جلد اول صفحہ ۱۳

وقت سے گو عام طور پر عجمی شعراء فارسی شعر گوئی کی طرف مائل ہو گئے تھے، لیکن عربی زبان کے ادب اور شاعری نے زمانہ تک اُن کا ساتھ نہین چھوڑا تھا، اس لئے اگر ایک طرف وہ اپنی مادری زبان مین شعر کہتے تھے، تو دوسری طرف عربی شعراء کے دواوین بھی ان کے پیش نظر رہتے تھے، اور وہ ان سے برابر استفادہ کرتے رہتے تھے، بلکہ ایک حد تک یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عربی شاعری پر انھون نے اپنی شاعری کی بنیاد رکھی عجمی شاعری کے فاضل مورّخ کا بیان ہے کہ:

"اول اول ایرانی شعراء عربی شاعری سامنے رکھ کر شعر کہتے تھے، مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے، آج بہت سے فارسی قطعے، فرد بلکہ قصیدے موجود ہین جن کو عام لوگ ایران کا سرمایہ سمجھتے ہین، لیکن درحقیقت وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین، اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے تاکہ شعراء کے لئے نمونے ہاتھ آئین"[۱]

صرف اسی پر اکتفا نہین کیا گیا، بلکہ اشعار عرب کے پورے مضامین تک اڑائے گئے، اور ان کو فارسی کے حجاب مین ایسا مستور بنا دیا، کہ عربی ادب سے ناواقف لوگ ان کا عربی جلوہ نہ دیکھ سکے چنانچہ مولانا فرماتے ہین:۔

آس پردہ مین سرقہ شروع ہو گیا، عنصری، اسدی، کسائی، مروزی، غضائری کے ہان بہت سے مضامین ہین جو قطعاً عرب سے لئے ہین، لیکن چونکہ لوگون کی نظر کلام عرب پر نہین ہے، اس لئے کسی نے سرقہ یا ترجمہ کا خیال نہین کیا"[۲]

عجم کے نامور شعراء باایں ہمہ بلند پروازی اور علو فکر کے عربی شاعری کی فضیلت اور عربی شعراء کی قدر و منزلت سے منہ نہین موڑ سکے، بلکہ ہر موقع پر ان کو اعتراف ہی کرتے بنا ہے کہ شاعری مین ان کے استاد عرب تھے، چنانچہ انوری لکھتا ہے:۔

---

[۱] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۳۱، [۲] ایضاً صفحہ ۱۲۴،

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود   اوّل شان امرا القیس آخر شان بو فراس[1]

عربی شاعری میں شعرائے عجم کا حصہ؛

فارسی اور ایرانی شعراء نے عربی شاعری میں اپنا جو حصہ پیش کیا ہے، وہ بجائے خود ایک دلچسپ اور مستقل موضوع ہے جس پر ابتک بہت کم توجہ کیگئی ہے، اور جس پر پروفیسر براؤن ان الفاظ میں اظہار تعجب کرتے ہیں:-

"میں اس بات پر تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ وہ لوگ جنھیں فارسی ادبیات سے دلچسپی ہو (بشرطیکہ وُہ ادبیات کو محض اظہار زبان دانی سمجھتے ہوں، نہ کہ کسی قوم کی دماغی اور ذہنی پیداوار) انھوں نے اپنے موضوع پر مطالعہ کے ایسے وسیع میدان کو اب تک کیوں نظر انداز کر رکھا ہوگا؟ رہے وہ لوگ جنھیں تمام تر عربوں اور دیگر سیاطیقی اقوام سے سروکار ہے، تو وہ طبعاً یہ زحمت گوارا نہ کریں گے"[2]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:-

"قاعدہ کی بات ہے کہ عربی کے ادیب کیلئے یہ موضوع کچھ زیادہ دلچسپ اور قابل توجہ نہیں ہو سکتا، اس لئے قدرتی طور پر وہ اس کی طرف مائل نہیں ہوتا، گو وہ اس کو کلاسیکل بھی خیال کرتا ہو، جب کہ ادب فارسی کا محقق بہت دیر میں جا کر اس امر کی تصدیق کرے گا، کہ تاریخی اور ادبی مقصد کے لئے لسانیات کا نقطۂ نظر بہت گمراہ کن ہے، یعنی کہ سنسکرت اور آرین زبانوں سے اُسے اسقدر سروکار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ عربی سے"[3]

شعراء ذو اللسانین عربی تذکروں میں؛

پروفیسر براؤن کا یہ قول صحیح ہے کہ فارسی کے محققینِ ادب نے اس میدان میں گام فرسائی نہیں کی، لیکن عربی کے بعض ادیبوں نے اپنی قابل قدر تصانیف میں اس موضوع پر بہت اہم اور کارآمد مواد اکٹھا کر دیا ہے، چنانچہ ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں اور باخرزی نے دُمیۃ القصر میں بعض ان عجمی شعراء کا کلام درج کیا ہے جن کو ذو اللسانین (دو زبانوں میں شعر کہنے والے) کہتے ہیں،

[1] شعر العجم ج ۴ ص ۱۴۱، [2] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول صفحہ ۴۴۵، [3] ایضاً صفحہ ۴۴۶

لیکن ان کی یہ تصانیف ان کی ذاتی معلومات و واقفیت کے لحاظ سے ایک حد تک محدود ہیں، کہ ان میں سے اول الذکر صرف چوتھی صدی اور اس سے پہلے، اور ثانی الذکر چھٹی صدی اور اس سے پہلے کے شعراء کا تذکرہ ہے جنمین بعض فارسی گو شعرائے عجم کا عربی کلام نقل کیا گیا ہے، لیکن متعدد مشاہیر شعرائے عجم کا عربی کلام زیادہ تر ان کے فارسی کلام کے مجموعون اور دواوین کے سوا کہین نہین ملتا، ان کے بعد دسوین صدی ہجری مین ابن معصوم نے سُلافۃ العصر جیسی ضخیم کتاب لکھ کر بعض متاخرین شعرائے عجم کے عربی کلام کے نمونے پیش کئے ہین[1] مگر وہ بقول مصنف صرف دسوین صدی کے شعراء تک محدود ہے،[2] یہی وجہ ہے کہ ان عربی تذکرون مین ہم اُن مشاہیر فارسی شعراء کا کلام نہین پاتے، جو فلکِ شاعری کے درخشان ستارے مانے گئے ہین، اور جنھون نے بہ نسبت عربی کے فارسی مین زیادہ شہرت حاصل کی ہی،

عجمی شعراء کا کلام صحیح طور پر عربی نہین ہی: عجمی شعراء کا عربی کلام طرزِ ادا اور اسلوب بیان کے لحاظ سے عجمی ہے، اور گو محاورات اور زبان کے لحاظ سے وہ صحیح عربی ہو، لیکن یہ ان ٹھیٹھ عربی خصوصیات سے معرّیٰ ہی جو عرب کے شعرائے متقدمین کے کلام مین پائی جاتی ہین،" اسی لئے ان متاخرین کی عربی شاعری کو نقادانِ فن عربی نہین کہتے"[3] پروفیسر براؤن لکھتے ہین:-

"بحیثیت زبان و محاورات کے وہ قریب قریب "عربی" ہی ہے، گو وہ اس سطحِ شاعری کو نہ پہنچتا ہو، جو ان ممالک مین پیدا ہوئی، جہان عربی مادری زبان تھی"[4]

علامہ ابنِ خلدون جنھون نے اپنے مقدمۂ تاریخ مین "ملکۂ لسانی" کے نظریہ پر بحث کی ہی، اس بات کو تسلیم کرتے ہین، کہ اہل عجم عربی کے ملکۂ لسانی سے بہت دُور جا پڑے تھے، چنانچہ لکھتے ہین:-

"اور یہ ملکۂ لسانی اس عہد (عباسی) مین بہت پختہ تھا، اور مشرق مین جید شعراء اور انشا پردازون کی کثرت عربون اور ان کی اولاد کی کثرت کی وجہ سے تھی، اور مشرق مین یہ ملکہ بنی امیہ اور بنی عباس کے

[1] سلافۃ العصر فی محاسن الشعراء بکل مصر ص ۹ [2] مصر شعر العجم جلد اول صفحہ ۱۹۷ [3] لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول صفحہ ۴۴۷ [4]

عہدِ حکومت مین بہت مضبوطی کے ساتھ قائم رہا، اس وقت ان مین ایسے لوگ تھے، جو بلاغت مین عرب جاہلیت سے بڑھے ہوئے تھے، جیسا کہ ہم بعد مین ذکر کرین گے، یہان تک کہ عربون کی حکومت مٹنے کے ساتھ ہی ان کی زبان بھی مٹ گئی، اوران کا کلام بگڑ گیا، ان کی سلطنت عجمیون کے ہاتھون مین چلی گئی اور وہ غالب ہوگئے، یہ دیلمیون اور سلجوقیون کے عہدِ حکومت مین ہوا، اور اہلِ شہر اور متمدن لوگون سے ان کا میل جول ہوگیا، یہان تک کہ وہ عربی زبان اور اسکے ملکہ کو دور جا پڑے، اوران کے متعلم اس زبان کی تحصیل سے قاصر رہے، اوراس زمانہ مین فنِ نظم و نثر مین ہم ان کی زبان کو ایسا ہی پاتے ہین اگرچہ ان دونون فنون مین انھون نے بہت کچھ لکھا ہی[۱]

اس کے ساتھ ہی ابن خلدون کی یہ رائے بھی ہو کہ ایک عجمی جو شروع ہی سے فارسی زبان مین دستگاہ رکھتا ہے، وہ عربی زبان کے ملکہ پر قادر نہین ہوسکتا[۲]

قدیم اور جدید شاعری یہی وجہ ہے کہ شعر کے ناقدین متاخرین شعراء (جن مین اکثر اہلِ عجم ہین) کی عربی شاعری کو "کلاسیکل" نہین مانتے، اس نکتہ کو واضح کرنے کیلئے قدیم اور جدید شاعری کے فرق اور امتیاز کی وجوہ معلوم کرنا ضروری ہین،

اسلام کی ابتدائی صدیون کے بعض نقادانِ سخن کے نزدیک جو زیادہ تر زباندان ہوتے تھے اصلی شاعری صرف شعرائے جاہلیت کی کہی جاسکتی ہے، بلکہ ان کے خیال مین کسی شاعر کا بعد از اسلام پیدا ہونا ہی نقصِ شاعری کی دلیل تھی، چنانچہ ابوعمرو بن العلاء نے اخطل کی نسبت کہا تھا کہ اگر اس نے عہدِ جاہلیت مین ایک دن بھی بسر کیا ہوتا تو مین کسی شاعر کو اس پر ترجیح نہ دیتا،[۳] یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ کے ناقدین اور زباندانون کے حلقون مین یہ خیالات جاگزین ہوگئے تھے، اوران کا اثر عام مذاقِ سخن پر بھی اس حد تک پڑ چکا تھا، کہ عروض اور نحو کے ماہرین جس شاعر کے کلام پر چاہتے، اعتراض جڑ دیتے، اوراس کو غیر عربی ٹھہرا

[۱] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۶۳، ۵۵۲ طبع بولاق [۲] ایضاً ص ۵۶۷ [۳] کتاب الاغانی جلد اول ص ۱۷۰،

دیتے تھے، ان کے نزدیک بدویانہ زندگی کی تصویر نظم میں کھینچنا ہی کمالِ شاعری کی معراج سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر ابن خلدون نے شعرائے مولدین مثلاً متنبی اور ابو العلاء المعری وغیرہ کے کلام کو "کلاسیکل" نہیں مانا، کیونکہ وہ اسالیب عرب پر نہیں ہے[۱] مگر بعضوں نے اس "قدامت پسندی" سے اعراض کرکے اس رسمی پابندی کو لغو قرار دیا تھا، چنانچہ مشہور عربی شاعر ابو نواس باوجود قدیم عربی شاعری کے اسلوب کا پابند ہونے اسکو ترک کر دینے کی استدعا اس لطیف پیرایہ میں کرتا ہے:۔

صفة الطلول بلاغة القدم	کھنڈرون کی تعریف کرنا قدیم شعرا کی بلاغت ہے
فاجعل صفاتك لابنة الكرم	اب تم دختر انگور کی تعریف بیان کرو
ولا تخدعن عن التي جعلت	اور ہرگز اس سے فریب بازی نہ کرو
سقم الصحيح وصحة السقم	جو تندرست کی بیماری اور بیمار کی تندرستی ہے
تصف الطلول على السماع بها	تم محض سُن سُنکر کھنڈرون کی تعریف کر رہے ہو
افذو العيان كانت في الحلم	گویا تم نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
واذا وصفت الشيء متبعاً	لیکن محض تقلیداً کسی چیز کی تعریف کروگے تو
لم تخل من غلط ومن وهم	وہ غلطی اور توہم سے خالی نہ ہوگی[۲]

اسی طرح بعض منصف مزاج ماہرینِ فن نے بھی اصل عربی شاعری کے اس معیار کو ضروری نہیں سمجھا، بلکہ شعر کی خوبیوں کو بندش، طرز ادا، اور نفاستِ خیال پر منحصر کر دیا، چنانچہ تیسری صدی کے ایک مشہور ادیب اور مورخ ابن قتیبہ اپنے زمانہ کے نقادانِ سخن کے عام مذاق کے خلاف لکھتے ہیں:۔

میں نے اپنے زمانہ کے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ ایک پست شعر کو شاعر کے تقدم زمانی کے لحاظ سے بلند

---

[۱] مقدمہ صفحہ ۵۶۹، [۲] العمدۃ لابن رشیق، جلد اوّل صفحہ ۸۵،

کہہ دیتے ہین، اور اس کو اپنے پسندیدہ کلام مین شمار کرتے ہین، اور بلند شعر کو پست ٹھہرا دیتے ہین،

جس کا عیب صرف یہ ہو کہ وہ ان کے زمانہ مین کہا گیا ہے، اور انھون نے اس کے قائل کو دیکھا ہو،

مگر خداوند تعالیٰ نے فن شعر، علم اور بلاغۃ کو کسی خاص عہد کے ساتھ مخصوص نہین کر دیا، بلکہ اپنے

بندون مین مشترک طور پر تقسیم کیا ہے، اور اس کی ہر قدیم چیز کو اس کے زمانہ مین جدید بنایا ہی، اور بہترین چیز

کو اوس کے ابتدائی زمانہ مین خارج (غیر مروج) ٹھہرایا ہی[۱]،

ابن قتیبہ نے شاعری کا اعلیٰ معیار صرف "حسن کلام" کو قرار دیا ہے، لیکن بعض ناقدین قدیم شعرائے جاہلیت پر شعرائے مخضرمین اور ابتدائی عہد اسلام کے شاعرون کو ترجیح دیتے ہین، اس لئے کہ وہ صحیفہ آسمانی اور حدیث نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی معجزانہ فصاحت و بلاغت سے واقف ہو چکے تھے، جس کی وجہ سے ان کے اشعار مین صفائی اور روانی پیدا ہو گئی تھی، اسی لئے ان کے نزدیک شعرائے مخضرمین حضرت حسان بن ثابت، عمر بن ابی ربیعہ، حطیئہ، جریر، فرزدق، نصیب، غیلان، ذوالرمہ، احوص، اور بشار بن برد کا کلام شعرائے جاہلیت پر سبقت لیگیا ہے[۲]، اس سے آگے بڑھ کر بعض نقاد تو یہان تک مانتے ہین کہ شعرائے مولدین سلاست اور صفائی مین متقدمین پر سبقت لے گئے ہین، چنانچہ اندلس کا نامور شاعر اور نقاد ابن رشیق لکھتا ہی، کہ مولدین کا کلام شیرین بیانی، روانی، حلاوت اور سلاست کی وجہ سے زیادہ پڑھا جاتا ہی، اور متاخرین بھی متقدمین کے مسلک پر چلتے یعنی ان کے اشعار کے تتبع مین صحرا، چوپایون، اور حشرات الارض کا ذکر کرتے تو ان کا کلام اسقدر مطبوع طبع نہ ہوتا[۳]،

عجمیون کی عربی شاعری کی خصوصیات

اسلامی عہد حکومت مین دوسری صدی ہجری کی ابتدا ہی سے، عجمی اثرات روز افزون ہونے لگے تھے، چنانچہ سیاسیات، تمدن اور ادبیات پر بھی ان کا گہرا اثر پڑنے لگا تھا، ہارون الرشید کے عہد خلافت مین برامکہ کی بدولت عربی کے ادب و شاعری مین ایک

[۱] کتاب الشعر والشعراء ص ۲ مصر، [۲] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۸۶، [۳] العمدۃ جلد اول صفحہ ۹۰،

تغیر عظیم پیدا ہو چلا تھا، عرب کے اسلوب پر لمبے لمبے قصائد لکھنا موقوف ہو گئے تھے، اور ان کا تتبع غیر ضروری خیال کیا جاتا تھا، اس طرح عربی شاعری مین ایک نئی تحریک وجود مین آرہی تھی جس نے ساحل دجلہ پر جنم لیا، جہان پرشوکت بارگاہ خلافت کی قدر دانیون اور حوصلہ افزائیون نے ارباب شعر و ادب کو اپنی طرف کھینچنا شروع کیا تھا،

ہم اوپر بتا چکے ہین کہ ابتدا مین اہل عجم شاعری مین عرب کا اتباع کرتے تھے، مگر ایک مدت کے بعد خود عربی شاعری پر عجمی اثرات پڑنے لگے، چنانچہ "عجم کی شاعری نے آنکھیں کھولین، تو عربی شاعری خود عجمی بن چکی تھی، صرف زبان کا فرق تھا، اس لئے ایران کی شاعری نے بظاہر عرب کی تقلید کی لیکن درحقیقت وہ اپنی ہی تقلید تھی، کیونکہ عربی شاعری کا تغیر عجم ہی کا اثر تھا"[1]

عجمی اثرات کی وجہ سے عربی شاعری مین جو جو تغیرات رونما ہوئے اور اس پر ملکی و وطنی، قومی و اجتماعی، ادبی و لسانی خصوصیات نے جو اثر ڈالا، اس کو تفصیل سے بتانا ذرا مشکل ہی، تاہم اجمالی طور پر اس عجمی عربی، شاعری کی بعض خصوصیات کا یہان ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:-

(۱) فارسی زبان کے اثرات :-

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان کے خیالات و جذبات اپنے اطراف اور ماحول سے متاثر ہوتے ہین، ملکی اور وطنی خصوصیات مین زبان کا اثر سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ممالک اسلامیہ مین تیسری اور چوتھی صدی ہجری مین عجمیون کے ہاتھون جو ادبی ذخیرہ جمع ہو رہا تھا، اس کا اثر عربی ادب پر بالواسطہ ہونا لازمی تھا، چنانچہ امثال و محاورات، بندش مضامین اور طرز ادائے اظہار خیال اور اسلوب بیان کے جو طریقے فارسی ادب مین رائج تھے، اون کو شعرائے عجم نے اپنی عربی

[1] شعر العجم جلد چہارم صفحہ ۱۲۹،

شاعری مین بھی منتقل کرنا شروع کیا، حتیٰ کہ اون کی ترکیب شعری مین فارسی کا لسانی پہلو نظر آنے لگا، یا یون کہو کہ عربیت کی بجائے عجمیت آگئی، اس کے ثبوت مین شعرائے عجم کے وہ عربی اشعار پیش کئے جا سکتے ہین جنہین فارسی زبان کے اثرات نمایان طور پر نظر آتے ہین،

بعض اوقات عربی اشعار مین قصداً فارسی الفاظ استعمال کئے گئے ہین جن سے مقصد محض تفنن طبع ہوتا تھا، چنانچہ بصرہ والے اہل فارس کے بعض کلمات اپنے اشعار مین استعمال کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن رشیق نے لکھا ہے:۔

"بسا اوقات ایک شہر مین ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہین جو دوسرے شہر مین مستعمل نہیں ہوتے، مثلاً اہل بصرہ کا اہل فارس کے بعض کلام کو اپنی اشعار اور نوادر حکایات مین استعمال کرنا"[1]

(۲) قومی اور معاشرتی خصوصیات:۔

عجمیون کی عربی شاعری مین ہم بدویانہ زندگی کی سادگی، بے تکلفی، اور فطری جذبات کی بجائے ایک طرح کی رنگینیٔ خیال، آورد اور تصنع پاتے ہین، جنکو ایرانی زندگی کے پر تکلف عیش اور سامان حضارۃ نے پیدا کر دیا تھا، اہل عجم کے تمدن و معاشرت، قومی شعائر، خصائص ملی، اور عوائد و رسوم عرب سے مختلف اور جداگانہ تھے، اس لئے لازمی طور پر ان کی شاعری بھی انھی خیالات کے زیر اثر رہی چنانچہ ان کے اکثر عربی اشعار مین ہم کو ان کی سیرۃ اور عوائد رسمیہ سے متعلق کئی الفاظ ایسے ملتے ہین جو ان کو عربون سے ممتاز کرتے ہین، مثلاً ان کی رسومات، آداب معاشرت، قومی تہوار، ملکی لباس وغیرہ کی نسبت متعدد اشارات پائے جاتے ہین،

(۳) فارسی کے اوزان و بحور کا استعمال:۔

اگرچہ زمانۂ اسلام مین ایرانیون نے شعر گوئی مین عربی عروض کی تقلید کی تاہم اپنے قدیم

---

[1] العمدۃ ج ۱ ص ۵۸،

اوزان و بحور کو بھی یک لخت ترک نہین کر دیا تھا، البتہ عربی اوزان کو مطبوعِ طبع نہ پا کر انھون نے عربی اوزان مین تصرفات کئے، مثلاً بحر ہزج اور بحر رمل کو جو عربی مین دراصل مسدّس ہین مثمّن کر لیا یا مسدس مین بعض زحافات بڑھا دئے جس سے سامعین کو استکراہ نہ ہو، اور اشعار کے وزن مین بھی ثقل نہ رہے، اسی طرح ہزج اور رمل کی بحور مسدّس سالم مین اگرچہ انھون نے شعر نہین کہا، لیکن ان دونون بحرون کے مزاحفات فارسی کے مشہور ترین اوزان ہین، مثلاً نظامی کی شیرین و خسرو اور لیلیٰ مجنون، مولانا روم کی مثنوی،

فارسی کے قدیم ترین اوزان مین سے دوبیتی یا رباعی ہے، اس وزن مین ان کے ہان گیت گایا جاتا تھا، جسکو "ترانہ" کہتے تھے[1] عہد اسلام مین فارسی کا جو قدیم ترین شعر بتایا جاتا ہے، وہ اسی وزن مین ہے[2] رباعی کا یہ وزن دراصل ہزج کی انواع اخرب اور اخرم مین سے[3] ہے، اور عجمیون نے اس بحر مین عربی اشعار لکھے ہین، ان سے پہلے عرب اس وزن پر شعر نہ کہتے تھے، المیزان الوافی مین لکھا ہے:-

> "متقدمین عرب کے ہان سوائے قطعات اور قصائد کے کچھ نہ تھا، متاخرین نے اشعار کی تمام انواع عجم سے لین، جیسے رباعی جو دوبیت کے نام سے، اور مزدوجہ جو مثنوی کے نام سے مشہور ہین[4]"

رباعی کے وزن پر بعض اشعار پانچوین صدی ہجری مین ملتے ہین چنانچہ ایک عجمی شاعر احمد بن

---

[1] المعجم فی معاییر اشعار العجم مطبوعہ یورپ صفحہ ۹۰ [2] عوفی، شمس قیس اور دولت شاہ نے قدیم شعر کی مثال مین ایک مصرع نقل کیا ہے، جو حسب ذیل روایات پر مبنی ہے، ایک لڑکا اخروٹون سے کھیل رہا تھا، ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے مین جا گرا، بچہ کے منہ سے بیساختہ نکل گیا "غلتان غلتان ہمی رود تا لب گو"، ایک شاعر نے جو وہان کھڑا ہوا تھا، کلام موزون سمجھ کر اس پر تین مصرعے اور لگا دئے، اور دوبیتی نام رکھا، کچھ دنون کے بعد اس کو رباعی کہنے لگے، شمس قیس کا بیان ہے کہ یہ شاعر رودکی تھا، ص ۸۸-۸۹، [3] المعجم صفحہ ۹۰، [4] ہفت آسمان صفحہ ۴

الحسین الخطیب نے جو عربی اور فارسی کا شاعر تھا، حسب ذیل رباعیان لکھی ہین:۔

قد حاض فراقه قفاری واللّٰه (۱) واستهلک هجره قراری واللّٰه

اذری اللّه مرللی ونهاری واللّٰه لم یغن عن الهوی حذاری واللّٰه

البلی جسدی هوی ظلوم جانی قد هجن قدره قضیب البانی

یامن اضحی ومالهٔ من ثانی (۲) ماضرک لو فککت هذا العانی

باخرزی نے یہ رباعیات نقل کرتے ہوے لکھا ہی، کہ مین اس طریقہ سے بالکل گوش آشنا نہ تھا لیکن میرے والد نے اس طرز پر مجھے ابو العباس باخرزی کی یہ رباعی سنائی:۔

قد صیرنی الهوی اسیر الذلّة واستهلکنی وما بجسمی عِلّة

واستأصل هجره بصبری کلّه لاحول ولا قوة الا باللّٰه

اس کے بعد باخرزی نے اپنے والد کی دو رباعیان نقل کی ہین[1]، شمس الدین محمد بن قیس رازی (صاحب المعجم) کے زمانہ مین ساتوین صدی کے نصف اول مین اس وزن پر عربی رباعیات تمام بلاد عرب مین شائع اور متداول ہو چکی تھین[2]،

رباعی کے علاوہ عجمیون کی ایک اور ایجاد ہے جس کا نام انھون نے مثنوی رکھا ہے، جسمین ہر شعر مین علیحدہ دو دو قافیے ہوتے ہین، عربی مین بھی اس نہج پر شعر کہے گئے ہین، اور اس کا نام مزدوج رکھا گیا ہے، بعد مین عربی شعراء نے بھی مثنوی کے طرز پر اشعار پر لکھے ہین، چنانچہ ابن المعتز کا قصیدہ مزدوجہ مشہور ہے، آزاد بلگرامی نے مثنوی کے نمونہ کے طور پر شیخ بہاء الدین عاملی کے بعض اشعار نقل کیے ہین[3]:۔

عربی مین ذوالقافیتین اشعار کی ایجاد بھی عجمیون نے کی ہی، چنانچہ رشید وطواط نے حدائق السحر مین

---

[1] دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر ص۱۱۲ طبع حلب، [2] المعجم صفحہ ۹۰، [3] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص۱۰۳ طبع بمبئی

مسعود سعد سلمان کے یہ اشعار مثال میں پیش کئے ہیں،

یا لیلۃ اظلمت علینا، لیلاء قاریۃ الدجنہ
قد راکضت فی الدجی علینا دھما خذاریۃ الاعنہ
فبت اقتاسھا فکانت حبلی نھاریۃ الاجنہ[1]

اشعار بالا کا یہ وزن مفعول مفاعلن فعولن فارسی والوں کا ہے، لیکن بعض عربی شعراء نے بھی اسکو استعمال کیا ہے، چنانچہ بہا زہیر مصری کے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں :-

یا من لعبت بہ شمول ما الطف ھذہ الشمائل
نشوان یھزہ دلال کالغصن مع النسیم مائل[2] الخ

اگرچہ یہ بحر عربی عروض کی بحروں میں داخل نہیں ہے، مگر صفدی نے اس کو بحر وافر کی ایک قسم بتایا ہے[3]:-

ملمعات فن بدیع کی ایک قسم تلمیع ہی جو عجمی اثرات کا نتیجہ ہے، رشید وطواط نے حدائق السحر میں اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :-

"تلمیع لغۃ میں گھوڑے کے جسم پر ان دھبوں یا داغوں کو کہتے ہیں جو اس کے رنگ سے مخالف ہوں اور اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جو عربی اور فارسی یا کسی دوسری زبان سے مرکب ہو اس طرح کہ ایک ایک مصرعہ عربی میں ہو، اور ایک ایک مصرعہ فارسی میں، یا ایک بیت عربی میں اور ایک بیت فارسی میں، یا ایک بیت سے زائد ہو، وطواط نے حدائق السحر میں اس کا ذکر کیا ہے[4]"

---

[1] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۲۰۸، [2] ایضاً صفحہ ۱۳۳، ۱۳۴، [3] شرح لامیۃ العجم للصفدی ج ۱ صفحہ ۳۲، [4] سبحۃ المرجان صفحہ ۲۰۰،

اس صنعت کا رواج کب سے ہوا، یہ بتانا دشوار ہے، تاہم چوتھی صدی ہجری کے بعد عجمیوں نے فارسی آمیز عربی یا عربی آمیز فارسی اشعار لکھنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ اس قسم کے اشعار جنمین ایک مصرعہ فارسی اور ایک مصرعہ عربی ہوتا ہے، یا فارسی اشعار کے ساتھ خالص عربی اشعار ہوتے ہین، متعدد شعرا کے کلام مین پائے جاتے ہین، خصوصاً مشاہیر شعرائے فارسی مین، انوری، سعدی، خسرو، حافظ، عماد، اور جامی کے ہان ملمعات پائے جاتے ہین، بلکہ سعدی کے کلیات مین تو ایک خاص مجموعۂ اشعار "ملمعات" کے نام سے شامل ہے[۱]،

فارسی شعرا کا عربی کلام

فارسی شعرا مین ایک خاصی تعداد ایسے شعرا کی ملے گی جنھون نے عربی زبان مین بھی اشعار موزون کئے ہین، ان مین ایسے شعرا بھی تھے، جو دونون زبانون مین شعر کہنے کی قدرت رکھتے تھے، چنانچہ ایسے عجمی شعرا کا جنھون نے عربی مین شعر کہے ہین، ثعالبی نے یتیمۃ الدھر[۲] مین، اور باخرزی نے دمیۃ القصر[۳] میں ذکر کیا ہے، اور ان کے عربی کلام کے نمونے بھی نقل کئے ہیں، ایسے شعرا کو وہ ذواللسانین کہتے ہین، ان کے علاوہ اور مشاہیر شعرا فارسی کے عربی اشعار ان کے دواوین اور کلیات مین پائے جاتے ہین، فارسی کے مشاہیر شعرا مین عربی گو شعرا بہت کم ہین، ہم یہان ان کے عربی کلام کا ذکر کرتے ہین:-

(۱) فارسی شعرا مین صرف مسعود سعد سلمان ایک ایسا شاعر تھا، جس نے فارسی اور ہندی کے علاوہ عربی مین بھی اپنا دیوان مرتب کیا تھا[۴]، دولت شاہ بھی اس کی نسبت لکھتا ہے کہ "اشعار عربی بسیار دارد[۵]"، وہ خود بھی دعویٰ کرتا ہے،

زبان دولت عالی بہ بندہ داد پیام ۔۔۔ کہ اے ترا دو زبان پارسی و تازی رام

---

[۱] کلیات سعدی (نولکشور) قصائد فارسیہ ص ۵۰ تا ۶۳ [۲] جلد چہارم [۳] صفحات ۱۵۰، ۱۷۴، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۴۴
[۴] لباب الالباب عوفی جلد دوم ص ۲۴۶ [۵] تذکرہ (طبع بمبئی) ص ۹

منم کاندر عرب و اندر عجم کس نباشد چون من از چیرہ زبانی

بجو د آرد بہ پیش خاطر من روان رودکی و ابن ہانی[1]

حدائق السحر مین رشید وطواط نے بدایع کی مثالون مین اس کے عربی اشعار نقل کئے ہین جنکو آزاد نے حدائق سے لیا ہے[2]:-

ثق بالحسام فعهده لا يمون وارکب وقل للنصر کن فيکون

تلوار کو مضبوط پکڑ کہ اس کا عہد مبارک ہی گھوڑے پر سوار ہو اور فتح سے کہدے کہ ہو جا تو ہو جائیگی

قطعۂ ذیل توریہ کی مثال مین پیش کیا گیا ہے:-

وليل كأنّ الشمس ضلت ممرّها وليس لها نحو المشارق مرجع

اور وہ ایسی رات تھی کہ جسمین آفتاب اپنی گذرگاہ بھول گیا، گویا مشرق کی طرف اس کا مرجع ہی نہ تھا

یعنی اس رات کی صبح ہی نہ تھی،

نظرت اليه والظلام كأنه على العين غربان من الجوّ وقّع

مین نے اسکی طرف پھر تاریکی کی طرف دیکھا، تو آنکھون کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا کوے فضا سے اتر آئے ہین،

فقلت لقلبي طال ليلي وليس لي من الهمّ منجاة وفي الصبر مفزع

تو مین نے اپنے دل سے کہا کہ میری رات دراز ہوگئی، اور میرے غم کا کوئی چھٹکارا نہین ہی، اگر صبر ہی مین نجات ہے،

أرى ذنب السرحان[3] في الجو طالعا فهل ممكن ان الغزالة[4] تطلع

مین دیکھتا ہون دُم گرگ فضا مین طلوع ہو گیا ہی تو کیا یہ ممکن ہو کہ اب ہرن نکلے (آفتاب طلوع ہو)

---

[1] سوانح مسعود سعد سلمان مرتبۂ عبدالوہاب قزوینی و ترجمۂ براؤن ص ۹۔ [2] سبحۃ المرجان ص ۲۷، ۲۸ [3] دُم گرگ سے مراد صبح کاذب ہی، [4] عرب لوگ آفتاب کو غزالہ بھی کہتے تھے، مگر غزال کی تانیث غزالہ نہین آتی، بلکہ اس کی بجائے ظبیہ بولتے ہین، (دیکھو شرح لامیہ للصفدی ج ۲ صفحہ ۱۴۳)

(۲) مسعود کے بعد صرف شیخ سعدی ہی ایسے شاعر ہین، جنکے عربی کلام کا مجموعہ ان کے کلیات مین شامل ہی، سعدی کے عربی قصائد خصوصًا زوال بغداد پر ان کا مرثیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، ان کے عربی قصائد کی تعداد ۲۰ ہے، گلستان مین بھی جیسا کہ انھون نے خاتمہ مین تصریح کی ہی تمام عربی اشعار انھی کے ہین، ان کے عربی کلام مین جو سلاست، سادگی، بے تکلفی، اور آمد پائی جاتی ہے، وہ ان کے کلام کو دوسرے فارسی شعراء سے ممتاز کرتی ہے، ابن معصوم نے سعدی کے دس اشعار نقل کئے ہین[1] جو ایک خاص انداز ترنم مین لکھے گئے ہین:-

یا ندیمی قم بلیل　　واسقنی واسق الندامی

اے ہم نشین رات کو اٹھ　　اور مجھے اور میرے رفیقون کو شراب پلا

خلنی اسهر لیلی　　ودع الناس نیاما

مجھے رات بھر جاگنے دے　　اور لوگون کو سوتا ہوا چھوڑ دے

اسقیانی وهدیر الرعد قد ابکی الغماما

مجھے (شراب) پلا دے اس حالت مین کہ　　رعد نے برسات کو رُلا دیا ہے

فی اوانٍ کشف الورد عن الوجه اللثاما

ایسے وقت مین کہ گلاب نے　　اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا دیا ہے،

ایها المصغی الی الز　　هّاد دع عنك الکلاما

اے زاہدون کی باتین سننے والے　　اپنی باتون کو موقوف کردے

فزبها من قبل ان یجعلك الدهر عظاما،

اور (شراب) پلا.............. قبل اسکے کہ زمانہ تجھے استخوان مین تبدیل کردے

[1] سلافۃ العصر ص ۴۹۱،

لا عرفت الحب ھیھا ت ولا ذقت الغراما

افسوس ہے کہ تونے محبت کو پہچانا ہی نہین، اور نہ لذت عشق کو چکھا ۔۔

قل لمن عیّر اھل الحب فی الحب ولاما

کہدے اس شخص سے جس نے عشاق کو ان کی محبت پر شرم دلائی اور ملامت کی،

لا عرفت الحب ھیھا ت ولا ذقت الغراما

کہ افسوس تونے محبت کو پہچانا ہی نہین، اور نہ لذت عشق کو چکھا،

لا تلمنی فی غلام اودع القلب سقاما

مجھے اس غلام کے لئے ملامت نہ کر جس نے میرے دل کو بیمار کر رکھا ہی

فبذاک الحب کم من سیّد اضحیٰ غلاما

اسی محبت کے طفیل مین کئی آقا اپنے غلامون پر قربان ہوگئے۔

(۳) اسی طرح فارسی کے نامور شاعر اور فلسفی حکیم عمر خیام نے بھی اپنی فارسی رباعیات کے علاوہ عربی اشعار کہے ہین، اسکے چند اشعار جنین معری کی جھلک پائی جاتی ہی قفطی نے نقل کئے ہین[۱]

اذا رضیت نفسی بمیسور بُلغۃ یحصّلھا بالکدّ کفّی وساعدی

جب کہ میرا نفس تھوڑی سی معاش پر راضی ہوگیا کہ جسے میرے دست و بازو نے حاصل کیا ہو

أمنتُ تصاریف الحوادث کلّھا فکن یا زمانی مُوعِدی[۲] او مواعدی

(اور) مین تمام حوادث سے مامون رہون تو اے زمانے! تو بھی مساعد اور سازگار بن جا،

الیس قضی الافلاک فی دورھا بان تعید الی نحس جمیع المساعد

کیا گردش افلاک نے ایسا نہین کر دیا کہ تمام نیک شگونیان بد شگونیان بن جائین

[۱] تاریخ الحکما طبع یورپ ص ۲۴۴، [۲] معارف :- مُوعِدی دھمکانے والا،

فیا نفس صبراً فی مقیلک انما تحرّز رلمہ بانقضاض القواعد

پس اے نفس تو اپنی آرامگاہ مین صبر کر کہ بنیادون کے اکھڑتے ہی اسکی بلندیان بھی گر پڑینگی،

اس قطعہ کے بقیہ اشعار مع دیگر چند شعرون کے شہرزوری نے اپنی تاریخ الحکما مین نقل کئے ہین[1]

(۴) خواجہ امیر خسرو (رحمۃ اللہ علیہ) نے چند عربی اشعار غرۃ الکمال کے دیباچہ مین لکھے ہین، جن سے زبان پران کی قدرت ظاہر ہوتی ہے :-

ذاب الفواد وسال من عینی الدم وحکی الدوامع کل ما انا اکتم

دل گھل گیا، اور آنکھون سے خون بہہ گیا اور آنسوؤن نے وہ سب کہدیا جسے مین چھپاتا تھا،

واذا بحثت لدی الوری کرب النوی تبکی الاحبۃ والاعادی ترحم

جب مین لوگون کے سامنے فراق کی تکلیف بیان کرتا ہون، تو دوست روتے ہین اور دشمنون کو میرے حال پر رحم[2]

یاعاذل العشاق دعنی باکیا ان السکوت علی المحب محرم

او عاشقون کے ملامت گر تو مجھے رونے دے، کہ چپ رہنا عاشق پر حرام ہے،

من بات مثلی فھوید رلیلتی طول اللیالی کیف بات متیم

جو شخص میری طرح رات گذاردے، وہ البتہ جان سکتا ہے کہ عاشقون کی رات کس طرح کٹتی ہے[3]

(۵) خواجہ حافظ شیرازی نے متعدد عربی اشعار لکھے ہین جو ان کے موجودہ دیوان مین پائے جاتے ہین، ہم نے خواجہ کے عربی کلام پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو رسالہ تسنیم (آگرہ) بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۱ء مین شائع ہوچکا ہے،

(۶) مولانا جامی جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ "از جامی سخن را تمامی رسید"، عربی کے جید عالم اور نامور مصنف تھے، اور عربی ادب پر بھی کافی عبور رکھتے تھے، ان کے فارسی کلام مین بعض عربی

[1] دیکھو شعر العجم ج ۱ ص ۲۳۴، ۵ ۳۳۵ [2] شعر العجم ج ۲ ص ۱۹۱ [3] معارف: چوتھے شعر کا پہلا مصرع صحیح یون ہے،

من بات مثلی فھو یدری حالتی

اشعار بھی پائے جاتے ہین:-

ان کے کلیات مین متعدد اشعار صنعت تلمیع مین پائے جاتے ہین جنمین فارسی کے ساتھ عربی مصرعون کا پیوند لگایا گیا ہے، لیکن خالص عربی اشعار شاذ و نادر نظر آتے ہین، آذر اصفہانی[1] نے ذیل کے دو شعر نقل کئے ہین:-

سلام اللہ ما ناحت حمامہ　　لفقد الألف او حادت حمامہ

علی اکناف وادٍ حلّ فیہا　　سُعادٌ بالسعادۃ والسلامہ

عربی شاعری پر عجمی اثرات کا نتیجہ

اکثر ناقدین کا خیال ہے کہ اہل عجم نے عربی شاعری مین فطری سادگی اور بے ساختگی کے بجائے تصنع اور تکلف پیدا کر دیا، اور اس لئے عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہی، کہ عربی شاعری مین پرشکوہ اور شاندار الفاظ، بلند آہنگی، صنائع و بدائع کا استعمال، جس کا بہترین نمونہ متنبی کا کلام ہے، اور جو مابعد کے اسلامی شعراء کا مخصوص وصف ہی، سب سے پہلے ان عجمیون نے داخل کیا جو بغداد مین دربار خلافت کے متوسل تھے، لیکن عربی شاعری کا یہ طرز و اسلوب عجمی الاصل نہین ہی کیونکہ بعض عجمی النسل قدیم شعرائے عربی بشار بن برد اور ابو نواس کے کلام مین اس کا کہین نشان نہین ملتا، در اصل ایرانیون نے عربی شاعری کو جن باتون سے روشناس کرایا، وہ پرشکوہ طرز نہین ہے، بلکہ وہ سلاست و روانی حسن تخییل، صفائی بیان عمق جذبات اور نفاست خیال ہین[2]

چنگیز خان

تاتاریون کے پہلے باقاعدہ فرمانروا چنگیز خان کے حالات اور کارنامون پر ہیرلڈ لیمب کی دلچسپ و محققانہ کتاب کا اردو ترجمہ مصنف نے ایمن تاتاری و فرنگی و عربی و فارسی ماخذون سے اس عجیب و غریب بادشاہ کے حالات مرتب کئے ہین جن سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ کیونکر اوس وقت کی دنیائے ہلام پر چھا جانے کا مستحق ہو سکا، ترجمہ کی صحت اور خوبی کے لئے مولوی شیخ عنایت اللہ صاحب بی اے ناظم دارالترجمہ عثمانیہ کا نام نامی ضمانت ہی، مطبع معارف پریس کی بہترین لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ضخامت ۳۴۲ صفحے قیمت ع/

[1] آتشکدہ صفحہ ۵ طبع بمبئی [2] تاریخ ادب العرب از نکلسن صفحہ ۲۹۵

عجائب خانہ حیدرآباد کا ایک نایاب دکھنی مخطوطہ

یعنی

نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی،

از مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی مؤلف "یورپ مین دکھنی مخطوطات"

یورپ کو چھوڑکر اب تو ہندوستان مین بھی اکثر بڑے بڑے شہرون مین عجائب خانے موجود ہین، مگر حیدرآباد مین اسکی کمی تھی، اعلحضرت سلطان العلوم کی خسروانہ توجہ اور شاہانہ سرپرستی سے گذشتہ سال یہان بھی عجائب خانہ کا افتتاح ہوگیا، افتتاح کی رسم اعلحضرت معظم نے خاص اپنے دستِ مبارک سے ادا فرمائی،

یہ عجائب خانہ مولوی غلام یزدانی صاحب ایم اے ناظم آثارِ قدیمہ کے زیر نگرانی ہے، اور صاحب موصوف ہی کو کوششون سے اس کا قیام عمل مین آیا ہی، گو اس مین اسکی ابتدائی حالت ہے، مگر پھر بھی کتبات، قدیم اسلحہ، بیدری سامان، اور مرقعہ جات وغیرہ کا اچھا ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے، خطاطی کے بعض نایاب نمونے بھی ہین، اور کلام اللہ کے چند نسخے اور دیگر مخطوطات بھی محفوظ ہین جنمین دو اردو مخطوطے بھی ہین جنمین سے ایک دکھنی ہے، جو اس وقت زیر بحث ہے، اور دوسرا مخطوطہ میرحسن کی مثنوی بدر منیر ہے جسمین تصاویر بھی ہین،

زیر بحث مخطوطہ "نورس" کا مصنف ابراہیم عادل شاہ ثانی الملقب بہ جگت گرو ہے، جو بیجاپور کا چھٹا حکمران تھا، اپنے چچا علی عادل شاہ اول کے مارے جانے پر سنہ ۹۸۸ھ مین مسندِ حکومت پر جلوہ گر ہوا، اور طویل و کامیاب حکمرانی کے بعد سنہ ۱۰۳۷ھ مین انتقال کیا،

اس کی حکمرانی کا دور علم و ہنر کی ترقی کے لحاظ سے نمایان حیثیت رکھتا ہی، اس نے علم کی ترویج مین جو کوششین کی ہین، وہ تاریخ دکن مین ہمیشہ تابان اور درخشان رہین گی علمی ترقی کے لحاظ سے ہندوستان کے کے مسلمان بادشاہون مین اس کا خاص درجہ ہے، بیجاپور کے تمام مورخ اس کے علم وفضل اور علم پروری کے معترف اور مداح ہین، جس کی تفصیل ہماری تالیف "یورپ مین دکھنی مخطوطات" مین کی گئی ہی، (ص ۱۹۵ تا ۲۰۵)

اس کی سرپرستی مین کئی بہترین تصنیفین ہوئین جنہین سے بعض یہ ہین، ابوالقاسم فرشتہ نے اپنی مشہور و معروف تاریخ گلزار ابراہیم الموسوم تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ مین تالیف کی، ملا ملک قمی نے مخزن اسرار نظامی کا جواب لکھا، عبدالرشید التبگی نے علاالدین محمد بن ذکریا قزوینی کی مشہور کتاب عجائب المخلوقات کا فارسی مین ترجمہ کیا، نورالدین ظہوری نے اپنی مشہور تصنیفات لکھین، رفیع الدین شیرازی نے روضۃ الصفا کا خلاصہ کیا،

ابراہیم کو شاعری کا بڑا شوق تھا، خود بھی زبردست شاعر تھا، ابراہیم تخلص کرتا تھا، فارسی اور دکھنی کے نامور شعرا اس کے زمانہ مین موجود تھے، جو نہ صرف اپنے عہد مین بلکہ اپنی تصنیفات کی بدولت آج تک مشہور ہین، ان مین سے بعض یہ ہین، ظہوری، ملک قمی، حکیم آتشی، مرزا محمد مقیم مقیمی، ملا تکیبی، دولت شاہ، عبدالقادر نورسی، نوری، امین وغیرہ،

سلطان نے دکھنی زبان کی خصوصیت سے سرپرستی فرمائی شاہی دفتر کی زبان جو علی عادل شاہ کے زمانے مین فارسی کر دی گئی تھی، پھر سے دکھنی ہوگئی، شعرائے دکھنی گو کا عروج ہوا، چنانچہ سلطان کے اسی شغف کا ایک کارنامہ کتاب نورس ہے، اس کو خوشنویسی کا بھی بڑا شوق تھا، خلیل خان تمام خوشنویسون مین ممتاز تھا، اس کو موسیقی مین اور خاص کر سرود ہندی مین بڑی مہارت تھی، اوس وقت کے تمام باکمال گویے بیجاپور مین جمع تھے، اوس کی اسی مہارت اور کمال کا ایک زندہ ثبوت زیر بحث مخطوطہ ہے،

سلطان کو "لفظ نورس" سے بڑی محبت تھی، ۱۰۰۸ھ مین ایک قلعہ بنام "نورس" تیار ہوا، ۱۰۱۳ھ مین ایک

شہر آباد کرکے اس کا نام نورس پور رکھا گیا، شاہی مہر پر نورس کندہ تھا، سکہ پر نورس مضروب تھا، سالانہ ایک جشن اسی نام سے ہونے لگا، درباری شاعر عبدالقادر کو نورسی کا خطاب دیا گیا، اسی طرح بادشاہ نے اپنی تصنیف کا نام بھی "نورس" رکھا،

یہ کتاب اس نے ہندی راگ اور راگنیوں پر لکھی تھی، افسوس ہے اس کی تصنیف کا صحیح سنہ معلوم نہیں ہوسکا مگر اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اسکی تصنیف ۹۹۰ھ اور ۱۰۱۵ھ کے درمیان ہوئی ہے، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے، یہ ۱۰۱۵ھ مین تصنیف ہوئی ہے،

اس وقت تک اردو علم ادب کی تاریخ مین جو نئی کتابین شائع ہوئی ہین، ان مین سے گل رعنا، مولٰینا حکیم عبدالحئی، تاریخ ادب مترجمہ مرزا عسکری، اردوئے قدیم، اور اردو شہ پارے وغیرہ مین اس کا تذکرہ آیا ہے، اور ان مین بتایا گیا ہے کہ خود ابراہیم نے دھرپد (علم موسیقی) مین ایک کتاب ملکی زبان مین نورس نام تصنیف کی، اور ظہوری نے اس کا دیباچہ فارسی مین لکھا، جو سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے، (گل رعنا ص ۱۲، تاریخ ادب ص ۷۵ اور اردو شہ پارے ص ۳۴، ۳۵ وغیرہ)

لیکن چونکہ ان مین سے کسی نے بھی اصل کتاب نہین دیکھی تھی، اس لئے نفس کتاب کے متعلق ان مین زیادہ وضاحت موجود نہین اور بعضون نے تو کتاب کا نام بھی غلط لکھا ہے، اسی طرح ابھی حال مین بعض مضامین[1] اس پر شائع ہوئے ہین، لیکن وہ بھی زیادہ تر اردوئے قدیم سے ماخوذ ہین، اب اس کے تین نسخون کا پتہ چلا ہے، جو حسب ذیل ہین:۔

(الف) عجائب خانۂ حیدر آباد دکن،

(ب) کتب خانہ جناب نواب سالار جنگ بہادر،

(ج) مملوکۂ مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی و مال و ملکی وغیرہ،

---

[1] رسالہ عالمگیر کا سالنامہ ۱۹۳۲ء نوشتہ سید احمد اللہ قادری،

ان مین سے پہلا اور آخری نسخہ ہماری نظر سے گذرا ہے، سردست پہلے نسخہ کا تعارف ناظرین سے کرایا جاتا ہے،

عجائب خانہ کا یہ نسخہ نسخ مین لکھا ہوا ہے، اعراب بھی ہین، پ اور چ کے سوا گ اور ڈ کے لئے بھی نیچے تین نقطے دئے گئے ہین، اس کا کاتب عصمت اللہ ہے، افسوس سنہ کتابت درج نہین ہے، اوراق کی تعداد (۳۰) ہے ہر صفحہ مین چھ سطرین ہین جنمین سے تین سطرین جلی اور تین خفی لکھی گئی ہین، جدول مطلا ہی، یہ نسخہ بظاہر مکمل معلوم ہوتا ہی، کیونکہ بسم اللہ تعالیٰ تمت کی عبارت موجود ہی، مگر مولوی سید خورشید علی صاحب کے مملوکہ نسخہ سے مقابلہ پر معلوم ہوتا ہی، اسمین تقریباً (۵۰) شعر کم ہین،

اس عجائب خانہ کے نسخہ کا پہلا صفحہ سبز رنگ کا سیاہی مائل کاغذ کا ہی، اس صفحہ پر جو عبارتین درج ہین، وہ حسب ذیل ہین:-

(۱) "کتاب نورس بخط شکوہ...... (؟) قلمی جلد سیاہ جمع کتاب خانہ معمور...... (؟)"

(۲) "درین تصنیف راگ شانزدہ دوہرہ دہ گیت چہار......" (؟)

(۳) "تصنیف ابراہیم عادل شاہ، مالک این کتاب لودھی خان"

اسی طرح نظم کے خاتمہ پر دو سطرون کی عبارت درج ہی، جو اگرچہ صاف معلوم نہین ہوتی تاہم جو واضح ہے وہ حسب ذیل ہے:-

"حضرت...... جہان پناہ خلد اللہ ملکہ عجالہ باستکمال رسید سید الفقیر عصمت اللہ"

ابتدا حسب ذیل عنوان اور شعر سے ہوئی ہے:-

انچلی در مقام گوری

ستید محمد میرے دل پہ نانو جیون رسول کر لکھے عرش تہانو

خاتمہ ذیل کے شعر پر ہوا ہے:

رام گیری راگنی کستوری　　　سیاسو کیس کیسی دھملا

اس کے برخلاف مولوی سید خورشید علی صاحب کے نسخہ مین ابتدا اور خاتمہ کے اشعار بالکل جداگانہ ہین،

لفظ نورس کئی ایک مقام پر لایا گیا ہی، مثلاً:۔

بن بیچ بھتادی نورس کا آتی　　　بھر بھر دار و پیالا پیلانی (ص۹)

بادل و ناے بجلیا بجاوے ؛　　　باجی خالو آشتابی انی یاوی

سہلا نورس کلیان بدھاوے　　　ابراہیم گرگنی گاوے ... (ص۱۰)

نورس کا دگیت کہن کن گسنج بتی　　　جم جم جیو آتش خان سدا (ص۱۲ ب)

ایک کردندی داوز دوجی پابی　　　پتنگ پیکٹ نورس کاوت اتیتی (ص۱۳ الف)

ابراہیم پایا اتم ملنساری نورس (ص۹ ب)

کئی جگہ سید محمد کا نام آیا ہے جس سے سید محمد گیسو دراز مراد ہین، اگرچہ عجائب خانہ کے نسخہ مین صرف سید محمد ہی درج ہی، مگر مولوی سید خورشید علی صاحب کے نسخہ سے اسکی تصریح ہوتی ہی جسمین لفظ گیسو دراز مذکور ہی،

حضرت محمد جگتر کر گستائین　　　تو ور گد جمک میر دمن ساز (ص۱۰۳ الف)

ابراہیم چاہے اتم بدیا دان دھرم　　　سید محمد کر دھائی کریم کرن نا (ص۱۳ ب)

میرا نیر سکت در ہوا دھو وندی،　　　سید محمد ابراہیم کون دکھا نگری (ص۱۴ الف)

ایک جگہ چاند بی بی کا ذکر آیا ہے،:۔

سب سندری دکھیا یون جپن ہی کہان　　　جات چاند سلطان نانو پی ابی ملکے جہان (ص۱۵)

چاند سلطان (چاند بی بی) ابراہیم کی چچی تھی، ابراہیم اس شعر مین اسکے حسن کی تعریف کرتا ہی، جو موجودہ مشرقی تہذیب مین معیوب خیال کیا جاتا ہی،

بعض دیگر مقامات سے نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہی:۔

کمت وسی جیو خسرو مدینا کبھی غلیف دھر موتیون خونا
جیون دیپک مین دسی ہٹ نانک نگینا مشک عبیر بھائی انکھنا
سیوی روپ پرچل ذوالقعدا مینا

ابھوک

پوت نبی کا پر مردانا جس ٹیک برس ہوے زمینا
ابراہیم خان پرسون ہوانا جیون توازش سب نحنتے گنا

ابھوک

دھنی یوا نار جیو ملکی جھازی سندر سمدر سنگات کرتا رکنازی
ابراہیم اکتین چتل سندر نتر ونتا دری

بین

ایک ہست رند نرا نرسون جگل کرا داہن بلیور دست جات گسائین پشورا
گاس گرت گنجرا پرشتہ چر مرد کر با

امید ہے کہ اس وضاحت سے اس مخطوطہ کا ایک خاکہ ذہن نشین ہوجائے،

نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ کا نسخہ خاص بیجاپور کے شاہی کتب خانہ کا ہے جس کا کاتب عبد الرشید ہی،

لیکن مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی و مال کا نسخہ اس سے زیادہ اہم ہی کیونکہ یہ نہ صرف بیجاپور کے شاہی کتب خانہ کا نسخہ ہے، بلکہ خاص ابراہیم کیلئے لکھا گیا ہی جس پر اس کی مہر کے علاوہ دستخط بھی موجود ہین، اور کتب خانہ مین داخل ہونے کی یادداشت بھی درج ہی،

حضرت صوفی منیری

سنہ ۱۲۵۳ – سنہ ۱۳۱۸

از جناب محمد عثمان صاحب ابدالی اسلام پوری خانقاہ اسلام پور

"رسالہ معارف کے کسی گذشتہ نمبر میں حضرت شاہ فرزند علی صاحب صوفی منیری ؒ کے نام غالب کا ایک خط شائع ہوا تھا، اسی سلسلہ میں صوفی صاحب کے حالات دو تین سطروں میں بطور تعارف لکھے گئے تھے، موصوف کے نواسے جناب شاہ عطاء الرحمن صاحب نے اون کے ذیل کے حالات قلمبند کرا کے بھیجے ہیں، جو بطور یادگار سلف شائع کئے جاتے ہیں"

سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر

نام و نسب حضرت ابو محمد جلیل الدین عرف شاہ فرزند علی صوفی رحمۃ اللہ علیہ منیر شریف ضلع پٹنہ کے ایک باکمال شاعر تھے، ۹ شوال ۱۲۵۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، اور ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کو آپ نے اسلام پور میں انتقال کیا، آپ کے والد کا نام شاہ محمد علی ہے، حضرت سید علیم الدین دانشمند نیشاپوری آپ کے جد اعلیٰ ہیں، اور ننھیالی رشتہ نسب بواسطہ مخدوم شاہ خلیل الدین (برادر مخدوم شاہ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری قدس سرہ) حضرت امام تاج فقیہ فاتح منیر شریف سے ملتا ہے، بزرگوں کا وطن بہار شریف محلہ دیبی سرائے تھا، یہ محلہ ولیۂ باکمال حضرت بی بی ابدال بنت مخدوم بدر عالم زاہدی رحمۃ اللہ علیہما کے نام نامی کے سبب سے مشہور انام ہے، اور حضرت بدر عالم ؒ زاہدی کی درگاہ بہار شریف میں "چھوٹی درگاہ" کے نام سے معروف ہے، آپ کو چونکہ بی بی ابدال صاحبہ سے نسبی تعلق ہے، اسی وجہ سے یہ خاندان ابدالی کہا جاتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد یہ خاندان موضع شرف آباد یا رتصو (جو موضع پُن پُن کے قریب ہے،) آبسا، اور آخر میں وہاں سے بھی ہجرت کی، اور حضرت صوفی ؒ اپنے برادر اکبر و پیر و مرشد شاہ اولاد علی ؒ فردوسی زاہدی کے ساتھ اپنی ننھیال منیر شریف میں آکر آباد ہوگئے،

اور موصوف کی شادی اسلام پور ضلع پٹنہ مین حضرت شاہ ولایت علی قدس سرہ کی صاحبزادی سے ہوئی،

تعلیم و اخلاق حضرت نے ابتدائی درسی کتابین کمسنی مین پڑھی تھین، اور پھر بذریعہ مطالعہ و کتب بینی فارسی کی اچھی خاصی استعداد حاصل کرلی عربی بھی بقدر ضرورت مولوی حسام الدین حید، صاحب اور مولوی فیض اللہ صاحب پشاوری سے یہین اسلام پور مین پڑھی کتب بینی کے نہایت شائق تھے، بزرگون خصوصاً حضرت مخدوم رح اور ان کے سلسلہ کی تصانیف کے مطالعہ اور کتابت کا مشغلہ تمام عمر رہا، خط بھی پختہ، اور خوبصورت تھا، ظرافت اور خوشدلی کو بھی آپکے مزاج مین بے حد دخل تھا، فن تصوف مین نہایت اچھی دستگاہ تھی، بلکہ اپنے معاصرین مین سربلند تھے، لیکن شہرت سے ہمیشہ گریزان تھے، اسی لئے مجالس و مجامع سے دور دور رہتے حضرت مخدوم کی محبت عشق کی حد تک پہنچ گئی تھی، ذکر و اشغال کا بھی شغل ہمیشہ جاری رہا،

تلمذ ادب کا فطری ذوق تھا، اردو فارسی کے نغز گو اور بلند پایہ شاعر تھے نظم و نثر فارسی و اردو دونون مین مہارت حاصل تھی، فارسی اور اردو نثر و نظم مین متعدد کتابین یادگار ہین، حضرت غالب مرحوم سے تلمذ تھا، اصلاح کلام کے لئے حضرت غالب پر نظر انتخاب دلی کے تعلق سے پڑی کہ دلی موصوف کے فیوض باطنہ کا اصل سرچشمہ تھی، اس لئے کمال ظاہری کے اکتساب کا انتساب بھی یہین سے قائم ہو، چنانچہ اصلاح کیلئے کلام ارسال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہین:-

چون فیض باطن درین خاندان از ہمان بقعۂ متبرکہ دہلی اعنی از حضرت خواجہ خواجگان عرش آستان حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس سرہ مبذول شدہ نخواستم بحکم آنکہ یدٔ گیر محکم گیر با ستانہ دیگر جبہہ سایم، ہرچہ از ظاہر با باطن بمن رسد از ہمان جوار دیار باشد"

تصانیف فارسی اور اردو دونون زبانون مین آپ کی تصانیف موجود ہین بعض طبع ہو چکی ہین اور بعض ہنوز زاویۂ گمنامی مین پڑی ہین، ان کی فہرست درج ذیل ہین،

کتب مطبوعہ (۱) راحت روح (اردو) علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہین "راحت روح سہل و روان

مقفی ومسجع و رنگین اردو عبارت مین بطور افسانہ تصوف پر ایک بہترین تصنیف اُن سے (حضرت شاہ فرزند علی رح صوفی سے) یادگار ہے، (معارف ماہ نومبر ۱۹۲۰ء) (۲) عروۃ الوثقیٰ (اردو) عقائد اسلام کے بیان مین ایک اچھی منظوم کتاب ہی، (۳) وسیلۂ شرف (اردو) حضرت مخدوم رح کے حالات مین ہی، (۴) ذریعۂ دولت (اردو) بزرگان سلسلہ کے تذکرہ مین ہی، یہ دونون مقبول کتابین ہین، (۵) اصول تکسیر فارسی، اصول تعویذات مین (۶) سرود مستان، (فارسی) ایک افسانہ ہی،

کتب غیر مطبوعہ (۷) مصطلحات المتصوفین (فارسی) ضخیم ہے، موضوع نام سے ظاہر ہے، (۸) خمخانہ (فارسی) (۹) خطراست اردو) یہ رسالہ ایک ارادت مند کے بعض شکوک کے جواب مین لکھا گیا، جو تشیع کی طرف مائل تھا، (۱۰) نتیجۂ بالخیر (اردو) حضرت سعدی اور بعض دیگر شعراکے نتیجہ خیز مطائبات کی طرح اردو منظوم حکایات کا مجموعہ ہے، (۱۱) کشش عشق (۱۲) روش عشق (۱۳) لوا الحمد یہ تینون اردو کی مثنویان ہین، آخرالذکر حلیۂ نبوی مین ہی، (۱۴) فارسی اور اردو کا غیر مکمل دیوان،

نمونۂ نثر اردو ذیل مین راقم روح کی دوچار سطرین بطور نمونہ آغاز کتاب سے لکھی جاتی ہین:۔

"مضمون کا وجود ضمیر منیر مین اعتباری ہے، عبارت قوت طبع متکلم کی نموداری ہے، جب قلم لوح پر چلتا ہی، مدعا نقش کے پیرایہ مین نکلتا ہے، خوبی خط خوشنویس کی صفت ہی، ہستی آئینہ معرفت ہے

... ...

قلم تابع انامل ہی، انامل مطیع دل، دل زیر فرمان جان ہی، اور جان محکوم امر فرمانروائی کن فکان، کیسا فرمانروا کہ تکوین اس کی ایک بات ہی، کن فرمایا اور ہو گئی اوسکے آگے کون سی کائنات ہی، لمن الملک کا دعویٰ اسی کو زیبا ہی، کہ سلطنت اوسکی شرکت اور احتیاج سے مبرا ہی۔"

درمیان کتاب کی دوچار سطرین یہ ہین:۔

"فضا ایسی دلکش کہ تمام عمر آدمی اُنکا ہو، گھر آنے کو جی نہ چاہے، اس راہ سے بھٹکا رہے، سرتاسر للہ نافرمان

پھولے، جن کے رنگ پر عاشق، گل عارضِ معشوق کی بہار پھولے، لالۂ نافرمان نہ تھے بلکہ نافرمانی کے لالے تھے گلچین دہان کے داغ اٹھانے والے تھے، یہ لوگ تو باغ ہستی کے رنگ و بو کی طرف مائل تھے، نیرنگ تقدیر کے نئے رنگ سے غافل تھے، دفعۃً ہوائے نفسانی کی آندھی اس زور سے اٹھی کہ قوم عاد کا جھونکا اس کے آگے دم سرد تھا، اور گنبد آسمان دماغ کو کدورتِ دل کے غبار نے ایسا اندھا دھند کر دیا کہ شیشۂ ساعت گرد تھا ظلمت کی گھٹا بڑھ کر چار طرف چھا گئی، زمانے کے چہرے پر تیرگی آگئی بیتابی کی برق استقلال کا لطف کھونے لگی، بارش ہوس ہین وسوسون کی بوچھار ہونے لگی،" (ص ۵۹)

شاعری حضرت صوفی کی شاعری کے متعلق ان کے نمونہ کلام سے اہلِ ذوق خود فیصلہ کر لین گے، البتہ حضرت غالب مرحوم نے اپنے گرامی نامہ مین انکے کلام پر جو رائے دی ہے، وہ یہان درج کیجاتی ہے، لکھتے ہین،:-

"حکم بجالایا، دو ایک جگہ املا کی صورت بدلی گئی، کہین مصرع کی جگہ مصرع لکھا گیا ہے غائلہ تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے، لفظ عمدہ ترکیب اچھی معنی بلند،" (معارف نومبر ۱۹۲۳ء)

حضرت صوفی فارسی اور اردو دونون مین شاعری کرتے تھے، فارسی کی ایک غزل نمونہ کے لئے درج ذیل ہے،

خوش سفر و مقام ما در رہِ آرزوئے تو | رفتنِ ما بسوے تو ماندنِ ما بکوئے تو
رُخ بحرام کجا نہیم، تن بہ سفر چرا دہیم | قبلۂ ماست روے تو کعبۂ ماست کوئے تو
خرقہ بگیر وے بدہ، گرچہ گران تراست مے | پیرِ مغان! ہمی برم بر سرِ خود سبوئے تو
دست بعشق دادہ ام رابطہ است رہبرم | سلسلۂ ارادتم کاکلِ مشکبوئے تو
ہر طرفے کہ بگزری عطر فشان شود ہوا | نکہتِ مشکبوئے تو، رہبرِ ما بسوئے تو
او بدرون و تو درون میطلبی زراہ گفت | تو بہ زگفتگوئے تو آہ زجستجوئے تو

نفس خروج کردہ است لب بکشائے صوفیا

می کندش دلیر وسخت نعرۂ ہائے وہوئے تو

اردو شاعری کے مختلف اصناف سخن مین طبع آزمائی فرماتے، دیوان مین زیادہ مجموعہ غزلون کا ہے، فہرست تصنیفات سے معلوم ہوچکا ہے، چند مثنویان بھی ہین، اسی طرح اس زمانہ مین تاریخ گوئی کا مذاق بزرگون مین عام تھا،

حضرت صوفی نے بھی تاریخین بہت کہی ہین، اور اکثر مین استادانہ کمال دکھایا ہی چنانچہ اپنے ماموں شاہ اعظم علی عرف شاہ بکن منیری علیہ الرحمہ کی وفات کی تاریخ لکھی ہے، صرف ۵ شعر کا قطعہ ہی اور کمال یہ ہی کہ ۲۰، ۷ طریقون سے مطلوبہ تاریخ نکلتی ہے، اسکی ندرت وجدت مقتضی تھی کہ اسے بھی نظر فروز ناظرین کیا جائے لیکن بخوف طوالت اسکو ترک کیا جاتا ہی چند غزلون کا عام نمونہ یہ ہی،

کوچہ یار اپنا مسکن ہے
ہم جو بلبل ہین تو یہ گلشن ہے

ہے گریبان کا حلقہ دست جنون
نہ گریبان ہے نہ دامن ہے

خلش خار غم سے صورت گل
چاک چاک اپنے دل کا دامن ہے

حال سوز وگداز کا میرے
تجھ پہ اے رشک شمع روشن ہے

جوش گلہائے داغ ہجران سے
ساحت سینہ رشک گلشن ہے

یوسفستان ہوا ہے خانہ دل
اس مین تو جب سے جلوہ افگن ہے

ہے یہ روضہ منیر کا فردوس
صوفی اب ہمکو کرمردن ہے

حاصل ہے میرے رشک کا حرمان کہین جسے
سایہ ہے میرا وہ شب ہجران کہین جسے

ہے عکس وہ مرا جسے کہتے ہین لوگ قیس
میرا ہے جلوہ گاہ بیابان کہین جسے

غش آپ کو نہ آئے تو لاؤن حضور مین | وہ آئینہ کہ دیدۂ حیران کہین جسے
مجکو، کہ مدتون پہ قفس سے رہا ہوا | صبح وطن ہے شام غریبان کہین جسے
خوش ہون جنون سے مین کہ وہ کرتے ہین التفات | ہے صبح عید چاک گریبان کہین جسے
سعی طلب مین سرمہ کرون چشم شوق کا | وہ اک کف غبار بیابان کہین جسے
اے رشک مہر جلوہ ترا ہے نگاہ سوز | پردہ ترا ہے عارض تابان کہین جسے
وہ غم سرشت ہون کہ ہے عشرتکدہ مرا | اس سے پرے کہ روضۂ رضوان کہین جسے

صوفی بتائے منزل جانان کی راہ کون
اب چپ ہے وہ جرس دل نالان کہین جسے

اسی طرح مثنوی کے عام اندازہ کے لئے مثنوی "لواء الحمد" سے جستہ جستہ حمد کے اشعار درج ذیل ہین:-

کنہ ذات اس کی بشر کیا سمجھے | نکتہ رس لاکھ ہو پر کیا سمجھے
عجز کے جیب مین جب ڈال کے سر | مَا عَرَفْنَاکَ کہین پیغمبر
راہ اس کوچے کی ناپیدا ہے | پیک ادراک کا چلتا کیا ہے
اس ہوا مین جو اڑے خود کھو جائے | مرغ فکر اڑتے ہی عنقا ہو جائے
کیا کرے اوسکی کوئی حمد و ثنا | غیر سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا

نعت لکھتے ہین:-

فخر عالم گہر تاج رسل | خواجۂ کون و مکان مرجع کل
قرۂ باصرۂ عین حضور | اولین موجۂ دریائے ظہور
نور حق، جلوۂ رب، شان الٰہ | ہے تو بندہ، مگر اللہ اللہ!![1]

---

[1] یہ وہ شعر ہے جسپر حضرت غالب نے صاد کرکے اپنی پسند کا اظہار کیا ہے

معراج کے بیان مین فرماتے ہین:۔

شبِ معراج فلک سے گذرا — سرِ حدِ ملکِ ملک سے گذرا
جلوۂ شاہد دیجو دیکھا — بے حجابِ رُخ و گیسو دیکھا
کئے بے واسطہ خالق سے کلام — کیسا جبریل؟ کہان کا پیغام
درمیان پردۂ آواز نہ تھا — نغمے دل کش تھے مگر ساز نہ تھا
طے ہوئی راہ بیک دم اس کی — آمد و رفت تھی توأم اس کی

تلامذہ | شاعری مین آپ کے چند تلامذہ ممتاز ہین اور قابلِ ذکر ہین، اون مین سے ایک حکیم شاہ احتشام الدین حیدر مشرقی منیری مرحوم آپ کے برادر خالہ زاد شاہ خلیل الدین احمد جوشؔ کے فرزند تھے ۱۲۸۲ھ مین پیدا ہوئے، فارسی اور اردو دونون زبانون کے پرگو اور کہنہ مشق شاعر تھے، بانکی پور پٹنہ کے مشہور ظریف اخبار "الپنچ" مین مضامین لکھتے تھے، پہلے صافی تخلص کرتے تھے، پھر مشرقی تخلص کرنے لگے، ۱۰ر شوال ۱۳۴۳ھ کو انتقال ہوا،

نمونۂ کلام یہ ہے،

ہر سانس تری اے دل حسرت سی بھری کیون ہے — خشکی ہے لبون پر کیون آنکھون مین تری کیون ہے
کس آئینہ طلعت نے صورت تجھے دکھلائی — ہر کس لئے یہ حیرت، یہ بے خبری کیون ہے
پہلو مین نہین بیٹھا گر تیرِ نظر کوئی — آنکھون سے ٹپکتا پھر خونِ جگری کیون ہے
یہ مان لیا مین نے ہان تجھکو نہین سودا — یہ نالۂ شب کیا آہِ سحری کیون ہے
جب دستِ جنون میرا غمخوار سلامت ہی — پھر میرے گریبان مین یہ بخیہ گری کیون ہے

اے مشرقیِ رسوا کی تو نے اگر توبہ
دامن پہ ترے اچھا پھر مے کی تری کیون ہے

لہ دیکھو جوش کا تذکرہ خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۸۵، ۲۸۶

ان کے علاوہ جناب شاہ اکرام الدین احمد صاحب عرفان رئیس اسلام پور ضلع پٹنہ بھی موصوف کے تلامذہ میں ہیں جنکی عربی کی تعلیم تقریبًا تکمیل کو پہنچ گئی ہے، اور فارسی میں خاصی مہارت ہے، اور فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں، نمونۂ کلام یہ ہے،

ذرا جذبِ دلِ نخچیر دیکھو نہیں کھنچتا تمھارا تیر دیکھو،

یہاں تدبیر میں مصروف ہیں ہم وہاں ہے خندہ زن تقدیر دیکھو

کئے جاتا ہے عرفاں جرم پر جرم
تم اوس کی لذتِ تعزیر دیکھو

اسی طرح مولانا حکیم شاہ محمد عمر مرحوم عامر اسلام پوری خلف اوسط حضرت صوفی رح بھی اپنے والد بزرگوار سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے، سالِ ولادت ۱۲۹۱ھ اور سالِ وفات ۱۳۳۳ھ ہے،

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبحِ امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں، درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی، کاغذ اعلیٰ ضخامت ۱۷۰ صفحے، قیمت ۱۲/

کلیات فارسی

مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، انہیں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپائی ضخامت ۱۲۰ صفحے قیمت عہ ۔ "منیجر"

صہبائے دانش

از مولوی سید ابو القاسم صاحب ترقی سر رشتۂ تالیف و ترجمہ حیدر آباد،

(بہ سلسلۂ ماسبق)

صناع ایک عامی سے نہایت دقیق، نہایت عمیق، نہایت گہری نظر رکھتا ہی، وہ تنہا کسی نصب العین کا تعقل ہی نہین کرتا، بلکہ جون کا تون اس کا اعادہ کرنے کا بھی خوگر ہی، صناع جج بعینہٖ حسی ظواہر کے اعادہ کا نقشہ کھینچدیتی ہی، کیا یہ محض تقلید ہی کا نام ہے، اس کا مطلوب، مقصد، غایت بھی کوئی ہی کہ نہین، صناعی کی تعلیم گویا اسی صناعی کی صرف خاطر سے حاصل کرنے کی ضرورت ہی، اخلاق سے اس کا کس قسم کا تعلق ہی، صناعی مین اخلاقی مطابقت کی ضرورت ہی، یا اخلاق سے اُسے کوئی تعلق و واسطہ نہین، یہی وہ مقام ہی، جہان سے ماہرینِ فن اور اربابِ تحقیق کے نظریے جداگانہ راہین اختیار کرتے ہین، اس بحث نے حقیقت یا فطریت اور تصوریت کے نظریات پیدا کر دئے، بعض نے کہا کہ فطرت کی بعینہٖ شبیہہ کشی یا فطرت سے مماثلت و تشابہ پیدا کرنا حقیقۃً صناعی کی غرض و غایت یہی ہی، بعض اس طرف گئے کہ فطرت کی ہو بہو نقل

سامعہ اور باصرہ کے ساز مین وہ تار ہین
جنکی جنبش مین نہفتہ ہی مسرت کی صدا

حسن کی تصویر کے دو رخ ہین دونون دلفریب
باصرہ ہے ایک ان مین سامعہ ہے دوسرا

عشوہ سامان صورتین ہین باصرہ سے ہمکنار
سامعہ مین قردہائے روح کا ہے جمگھٹا

دُور تک میلا گلابی باصرہ کے گھاٹ پر
سامعہ مین نور کی تانین ترنم زا گلا ہٗ

عشوہ و ناز و کرشمہ کے خدنگ دل شکار
باصرہ کے گھر مین بنتے ہین یہ پیکانِ قضا،

سامعہ کے باغ مین اٹکھیلیان کرتی ہوئی
ہر روش پر پھرتی ہے نطق و تکلم کی صبا

دلربا رنگین تصویرین بصر کے ساتھ ساتھ
سامعہ مین رہتی ہے ضوریز نغمون کی ضیا

کرنا صناع کے لئے زیبا نہین، صنّاع کے واسطے کسی نصب العین کے تعقل کے بعد اس کے اعادہ کے وقت حقیقت کی کی نقل مین اپنے افکار و وجدانات کی رنگ آمیزی کی بھی ضرورت ہی فطرت کی شبیہہ کشی مین موقع موقع سے اپنے افکار و وجدانات کا اضافہ بھی چاہئے، صناع فطرت کے سرمایہ سے چند چیزون کو چنکر اور انھین ترتیب کی رنگ آمیزی سے نظر فروز بنا کر فطرت کے مفہوم نہان اور معانی نہفتہ کو آشکار کرتا ہی کسی خاص خط و خال یا سیرت نمایان، یا کسی مخصوص تصوّر کو پیش کرنے والی صناعی کے نقوش حقیقت سے زیادہ اُجاگر ہوتے ہین، اسی بنا پر ذہن انسانی اس قسم کی صنّاعی سے زیادہ متاثر ہوتا ہی، وجدان کی نزدیک اگر صنّاع اپنی ہمّت اس امر پر منحصر کر دیتا ہے کہ جس طرح اس سے بن پڑے اسے فعلیت کے سانچہ مین ڈھال دے، اس وجہ سے وہ اسکی نقل بعینہٖ نہین اُتارتا بلکہ جسطرح وہ خود محسوس کرتا ہے اسی طرح نقل مین بھی اس اپنی نوعیت احساس کی تقلید کرتا ہی،

یہ سوال کہ صناعی تابع اخلاق ہے یا اس سے بلند و بالا، اس کے جوابات مختلف طور پر دئے گئے ہین مثلاً رسکن اور اس کے ہمنوا افراد نے کہا کہ اخلاق پر صناعی کی بنیاد قائم کیجائے، ان کے نزدیک صناع کا یہ اہم فرض ہو کہ وہ اپنے جذبات اعلیٰ کی بزم مین دوسرون کو بھی شرکت کی دعوت دے، اس گروہ کے خیال مین صناعی سے محض اخلاقی تعلیم مقصود ہی بعض اس حدبندی کو نہین مانتے اور صنّاعی کا مطلق جمیل ہونا ہی، انکی نظر مین حقیقی غایت و مدعا ہی، وہ کہتے ہین کہ جمال و

دونون کی پہنائیان لبریز کیف حسن ہین سب ... بستیان احساس لذت کی ہین ہر اک مین جدا
یہ الگ اشیائے عالم سے نظر آتا نہین سب ... یہ دکھایا کرتا ہے، رہ کر انھین مین معجزہ
ریگ کے ذرّون مین اجرام سماوی مین یہی ... جس جگہ جاؤ ملے گا اس کا قصر آراستہ
کہکشان کی چادر پُر نور، قرص ماہ و مہر ... التہاب برق اور بزم نجوم پُر ضیا،
سنگ خارا کی ردائین اور نباتی جامہ وار ... کسوت حیوان و انسان سب مین ہر یہ رونما
رنگ بیزی و نوا ریزی اسی کے ہین محل، ... مختلف لذت کی تصویرین ہین جس مین جا بجا
باصرہ افروز نیرنگون مین گلون کے ہے یہی ... سامعہ مین لحن کے آئینون کی یہ ہے جِلا،
ساز کے پردون مین خوابیدہ ترنم بھی یہی، ... جب ذرا مضراب نے چھیڑا او ٹھا ہنستا ہوا

حسن صورت ہی مین پایا جاتا ہی، مادہ سے اوسے کوئی واسطہ نہین، کیونکہ وہ یعنی مادّہ مکروہ و قبیح بھی بن سکتا ہی بعض نے جمالیات کو اتنا بڑھایا کہ اون کی نظر مین اخلاق جمالیات سے پست و فروتر معلوم ہونے لگا جمالیات کا پرستان آج کا نہین عہد بتین کی یادگار ہی، پہلے پہل جرمنی فلاسفر ولف کے شاگرد جام گارٹن کی نکتہ رس طبیعت نے اسے استعمال سے روشناس کیا جسکی حقیقت یہ ہی کہ اس نے جمالیات کی لفظ ایک یونانی لفظ سے نکالی جس کے معنی حواس سے محسوس کرنے کے تھے، اور اس علم کا نام جمالیات رکھ دیا جسکے اصلی معنی تو احساس اور ادراک کے ہین لیکن اشیای جمیلہ کیلئے اب اس کا اطلاق مخصوص ہوگیا، اس کی تحقیق مین ادراک عقل سے نہین بلکہ حواس سے تعلق رکھتا ہی۔

موضوعِ حُسن پر فلاسفۂ یونان کی نکتہ آفرینیان بھی لائق مطالعہ ہین، سقراط کی نظر مین اخلاق کا تصور ایک خاص افضلیت رکھتا ہی، اور اس تصور کے اثر کی بھی ایک مخصوص اہمیت ہی، اس کے نزدیک جمیل مفید کا مثیل ہی، فلاطون تصورِ جمیل تصورات خیر و الوہیت کے مماثل بتاتا ہی، اس بنا پر لفظ حُسنِ مجرد و مطلق ناقابلِ تغیر شے کی طرح ہی، اور حسن کو وہ ایسی ہستی تسلیم کرتا ہی کہ جو حقیقتِ خارجی سے علٰحدہ ہی، چونکہ شاہدِ حقیقی کے لازوال حُسن کی پُرعظمت و مقدس جلوہ ریزیون سے روحِ انسانی اپنی حیاتِ ارضی سے پیشتر متمتع اور شرف اندوز ہوچکی ہی، اس بنا پر ایسی شے جسمین حُسنِ ازل کے رشحات

یا حجابِ سازِ اک محفل ہے ذوقِ گوش کی
حُسن کے نغمون کا رہتا ہے جہان پر جسمگھٹا

یا یہ پردے اوس کے روئے دلربا کے ہین نقاب
جن کے اٹھتے ہی شکیب وضبط ہوتے ہین فنا

دہر کے خمخانۂ لذت کا ساقی ہے یہی
جس نے پیمانون کو احساسات کے یکسر بھرا

روح بالیدہ ہو جس سے یہ ہے وہ کیفِ نشاط
گلکدے دل کے مہک جاتے ہین یہ ہے وہ صبا

مادیت پست کر دیتی ہے جب ذوقِ طلب
پھونکتا ہے آکے یہ انسان مین رُوحِ اعتلا

اس سے جذباتِ مہذب جاگ اٹھتے ہین تمام
گلشنِ تہذیب اس سے پاتا ہی نشو و نما

مادیت سے نکل کر سیر کرنے کے لئے
جادۂ ادراک پر لے آتا ہے یہ رہنما

چشمِ باطن کو دکھا دیتا ہے ایسا جلوہ زار
جس کا لپکا ذوقِ تشنہ سے نہین پھر چھوٹتا

حُسنِ مطلق کا یہ اک پرتو ہے جو عالم مین ہی
سایہ پھر سایہ ہے، جسکو اصل سے نسبت ہی کیا

یہ مقیدِ حُسن مطلق کی دلیلِ راہ ہے
اس سے ملتا ہے ہمین روحانیت کا راستہ

وہ کشادہ راہ جس جا شش جہت کل اک قدم
وہ بلندی جس جگہ ہفت آسمان تحت الثریٰ

کی جھلک ہو اس کا نظارہ بھولے ہوئے منظر کی یاد دلا کر بےچین اور خود رفتہ بنا دیتا ہی افلاطون یہ بھی کہتا ہی کہ حُسن ہماری حواس سے بالکل آزاد اور اشیائے عالم مین بالطبع موجود رہتا ہی لیکن نظریۂ ارتقا رسے اسکے قول کی تائید نہین ہوتی یہی وجہ ہے کہ متاخرین افلاطون کے خلاف رائے قائم کرنے پر آمادہ ہوگئے اور یہ طے کیا کہ اشیائے عالم سرتاسر حُسن سی خالی ہین، یہ شعبدہ بازی جو دکھائی دیتی ہی، یہ سب کی سب انسانی احساسات و حواس کی کرشمہ سازی ہی، اس کے علاوہ حسن کا کہین نام و نشان نہین معلوم ہوتا، قرونِ متوسطہ نے جمالیات کے متعلقہ تخیلات سے سخت بے اعتنائی برتی، انگریزون کے حُسنِ التفات کی آبیاری سی اس نہال مین برگ و بار پیدا ہوئے، انگریزی فلاسفہ نے صرف تجربہ کو اپنی توجہ و میلان کا مرکز بنا کر کسی شے کو ایسے ارتسامات جو حواس و ذہنِ انسانی پر مرتسم ہو جاتے ہین، اصل شے کو نظرانداز کر دیا اور اس کے ارتسامات پر تحقیق و تنقید غور و فکر کے دریا بہائے اس بنا پر جمالیات فلسفہ کا ایسا شعبہ تھا کہ اس کے امیال و عواطف کے لحاظ سے تحقیق و جستجو کی ٹکٹکی اسکی طرف بندھ گئی کسی شے کے خیال سی جو ارتسامات انسان مین رونما ہوتے ہین انگلستان والے انھین ارتسامات کو مبدء تحقیق قرار دیکر اسی سی جستجو کا آغاز کرتے ہین اور آگے بڑھکر یہ تفتیش کیجاتی ہی کہ معرضِ بحث شے مین کس قسم کے صفات اور اعراض کا پایا جانا لازمی ہی، یہ اس بنا پر کہ وہ اثرات جمال پیدا کر سکے،

ہر طرف پھیلی ہوئی ذوقِ طلب کی تیز دھوپ
دُور تک کوئی نشان رہ نہ منزل کا پتا

اور اس سے آگے گلزارِ تحیّر کی مہک
جس سے بیخود ہو کے رہجاتا ہی ادراکِ رسا

رنگ و بوئے گیتی کے ہین سرمایہ دارِ التذاذ
اُس جگہ دونون کے دونون بحقیقت، بینوا

گل نوا ریزی تصدّق لذت آوردہ سکوت
گُل تبسّم ہیچ و نا کارہ شگفتہ وہ فضا

کیف و کم کی اس جگہ میزان نہین منت پذیر
قید و بندش کا وہان ادنی نہین کچھ واسطہ

نورِ عالم کُل کا کُل اس جا پہ اک داغِ سپید
اور نشان عالم کا اس جا ایسا جیسے نقشِ پا

مادیت تاب لاسکتی نہین جس دید کی
اس طرح کا حُسنِ مطلق ہر طرف پھیلا ہوا

لامکان کے گوشۂ تقدیس مین ایک عشوہ گر
سامنے جس کے ہی اپنی منزلت کا آئینہ

دیکھتا ہے آپ ہی اپنا جمالِ بے مثال
غیر نانی اپنی سج دھج کا ہے خود ہی مبتلا

بے جھجک آگے بڑھے جاتے ہو بس ٹھہرو سرور
کیا نہین معلوم تملو راستہ ہے کون سا:

تلخیص و تبصرہ

گیٹے

اور

اوسکی صدسالہ برسی

گیٹے جرمنی کا ایک مشہور فلسفی، مشہور شاعر، مشہور انشا پرداز اور مشہور ناولسٹ تھا، اور اہل جرمنی نے موت و زندگی دونون حالتون مین اوسکی نہایت قدر کی، اب جب کہ اوسکی وفات پر ایک پوری صدی گذر چکی ہے، اہل جرمنی نے اوسکی صدسالہ برسی مناکر اپنی عام عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے، اور اس تقریب سے اپریل ۱۹۳۲ء کے مقتطف نے ایک طویل مضمون گیٹے کے سوانح زندگی پر شایع کیا ہی جس کا خلاصہ ہم ناظرین معارف کی دلچسپی کیلئے درج کرتے ہین، وہ لکھتا ہی:-

"گیٹے ۲۸ مارچ ۱۷۴۹ء کو شہر فرنیکفرٹ مین پیدا ہوا، جو جرمنی کا ایک عظیم الشان تجارتی شہر ہی، اوس کا باپ اگرچہ ایک دولتمند شخص تھا تاہم وہ کسی شریف خاندان سے تعلق نہین رکھتا تھا، بلکہ اس کا دادا جولاہا تھا اور فرنیکفرٹ مین اپنا پیشہ کرتا تھا، پھر بعد کو ایک ہوٹل کا منیجر ہوگیا، لیکن چونکہ وہ اپنے خاندانی پستی سے واقف تھا، اسلئے اوس نے اپنے بیٹے یعنی گیٹے کے باپ کو عمدہ تعلیم دلائی تاکہ خاندانی پستی کی تلافی علمی ذریعہ سے ہوجائے چنانچہ اس نے تعلیم مین اسقدر ترقی کرلی کہ فرنیکفرٹ کے متوسط طبقہ کے بہترین لوگون مین اس کا شمار ہونے لگا، یہان تک کہ اوس نے ۱۷۴۸ء مین ایک شریف خاندان مین شادی کرلی، اور شادی کے بعد جو سب سے پہلا لڑکا پیدا ہوا

وہ بھی گیٹے تھا،

خوش قسمتی سے گیٹے نے تعلیم مین اپنے باپ سے زیادہ ترقی کی اور دولتمندی نے اوسکی تعلیم کی راہ مین ہر قسم کی آسانیان پیدا کین چنانچہ اس نے بچپن کی خانگی تعلیم مین مختلف زبانین مثلاً لیٹن، یونانی، انگریزی اور فرنچ سیکھ لین، زبان کے علاوہ علوم وفنون مین اوس نے ریاضی، موسیقی، اور تصویرکشی کی تعلیم بھی گھرہی پر پائی، گو وہ ریاضی اور تصویرکشی مین کوئی امتیاز نہ پیدا کرسکا، تاہم تصویرکشی مین ایک متوسط درجہ کی مہارت پیدا کرلی، فرینکفرٹ مین بہت سے یہودی بھی رہتے تھے، جن کی زبان جرمن اور عبرانی زبان سے مخلوط تھی، اس تعلق سے گیٹے نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی، اور اس مین اس قدر مہارت بہم پہنچائی، کہ تورات کو اوسکی اصلی زبان مین پڑھ سکتا تھا، جرمن قوم کی ایک عام اخلاقی خصوصیت صبرو استقلال تفرد و توحد ہے اور اسی اخلاقی خصوصیت نے جرمنون مین اسپیشلسٹ یعنی کسی علمی یا عملی شعبے مین خصوصی بننے کی قابلیت اور قومون سے زیادہ پیدا کردی ہے، لیکن گیٹے مین اسکے بخلاف تلون مزاجی پائی جاتی تھی اسلئے وہ مستقلاً کسی ایک موضوع ایک علم اور ایک شعبے پر قناعت نہین کرسکتا تھا، بلکہ اوسکا دماغ علم وفن کے ہر دائرے مین چکر لگاتا رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اوس نے ابتدا ہی سے مختلف موضوع کو اپنا جولانگاہ بنایا، بعض لوگون کا خیال ہے کہ اگر وہ صرف شعر یا ادب پر اکتفا کرتا تو اوس سے زیادہ کمال پیدا کرتا جتنا اوس نے اس علمی دشت گردی مین پیدا کیا، بہرحال گھر کی تعلیم سے فارغ ہوکر وہ اکتوبر ۱۷۶۵ء مین سولہ سال کی عمر مین لیپزگ کی یونیورسٹی مین داخل ہوا، گیٹے کے والد نے قانون کی تعلیم حاصل کی تھی، اسلئے اس کی خواہش یہ تھی، کہ اس کا بیٹا بھی سب سے پہلے قانون ہی کی تعلیم حاصل کرے، لیکن گیٹے بالطبع علم ادب کا شائق تھا، اور اس نے قانون کے پروفیسر سے اپنے اس ذوق کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ "ادب ایک سطحی علم ہے، عمیق النظر طلبہ اوسکی طرف توجہ نہین کرتے"، اس بنا پر اس نے کچھ دنون قانونی لکچرون مین شرکت کی، لیکن بعد کو دل برداشتہ ہوکر قانون کی تعلیم کو چھوڑ دیا، اوس نے اپنی کتاب فاؤسٹ مین طالب العلم اور ابلیس کا جو مکالمہ لکھا ہے، وہ غالباً انھی طالب العلمانہ تجربات کا نتیجہ ہے، بہرحال وہ قانون کو چھوڑ کر اپنے ذوق کے مطابق دوسرے علوم کی تکمیل مین مشغول ہوا،

او علم ادب کے ساتھ تاریخ طبعی اور علم طب سے بھی ناآویزی پیدا کی لیکن اوس نے لیپزگ یونیورسٹی مین اپنی زندگی کا بہت کم حصّہ بسر کیا، وہ اپنے اوقات زیادہ تر فنون لطیفہ کے معابد مین صرف کرتا تھا، اور جس کے ہوٹل مین کھانا کھاتا تھا، اوسکی لڑکی کے وصف مین عاشقانہ اشعار کہتا تھا، اسی زمانے مین اوس نے دو ناول "مزاج عشاق" (DIE LAUNE DESUEYLIEBTEN) اور "شرکاء جرم" (DIE-MILSCHULDIGEW) لکھے، اور گیٹے کی تصنیفات مین سب سے قدیم تصنیف یہی دونون ہین، اس کے پہلے اوس نے جو کچھ لکھا تھا، وہ ضائع ہوگیا، بلکہ اون کا زیادہ تر حصہ اوس نے خود جلا ڈالا،

لیپزگ مین تین سال بسر کرنے کے بعد وہ ۱۷۶۸ء مین سخت بیمار ہو کر فرنیکفورٹ واپس آیا، اور ۱۷۷۰ء کے ابتدا مین کامل شفا پائی، اب اوسکے باپ نے اوسکے غیر مطبوع موضوع یعنی قانون کی تعلیم کیلئے پھر بھیجنا چاہا، اور اپریل ۱۷۷۰ء مین اوسکو اسٹراسبرگ کی یونیورسٹی مین بھیجا، یہان اوس نے قانون کی تعلیم تو جبراً حاصل کی لیکن اپنے وقت کا بڑا حصہ تشریح، علم النباتات، کیمیا، اور علم ادب کی تحصیل مین صرف کرتا رہا، غرض اوسکی تعلیم کا زمانہ اس طرح گذرا کہ اوس نے کبھی ایک علم پر قناعت نہین کی، بلکہ ہمیشہ زبان کا ذائقہ بدلتا رہا،

اسٹراسبرگ کا تعلیمی زمانہ گیٹے کے سوانح حیات مین خاص طور پر اہمیت رکھتا ہی، اسی زمانہ مین اوس نے قانون مین ڈاکٹری کی سند حاصل کرکے اپنے باپ کی آنکھین ٹھنڈی کین اور اسی یونیورسٹی مین وہ ہرڈر (HERDER) سے ملا، اور اوس سے مستفید ہوتا رہا، ہرڈر نے اصول علم ادب مین بہت سی کتابین لکھی تھین، اور وہ گیٹے کو اپنی خاص تعلیمات سے متاثر کرتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گیٹے کی توجہ ہومر اور شکسپیر وغیرہ کی طرح قومی شعر و ادب کی طرف مبذول ہوگئی، اور اوس نے جرمنی کی تاریخ مین جرمن روح اور ٹیوٹن قوم میتھالوجی کی جستجو شروع کردی، اور ان کوششون کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی مین ایک نیا ادبی دور شروع ہوگیا جو ان تمام قیود سے آزاد تھا، جو ادب قدیم و فن قدیم کے ذوق و شغف نے عائد کردی تھین،

اس جدید تحریک کا نام (STURM UND DRANG) ہے جسکا ترجمہ تو مشکل ہی

البتہ لفظ "شورش" و "اضطراب" سے کسی قدر یہ مفہوم ادا ہو سکتا ہی، گیٹے کے مشہور ڈراما "گوٹز" (GOTZ) مین اسی روح کی جلوہ گری پائی جاتی ہے،

اسٹراسبرگ کے قریب ہی ایک گاؤن مین ایک پادری رہتا تھا، اور اسی سلسلہ مین اس سے گیٹے کی شناسائی ہوگئی، اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا، رفتہ رفتہ وہ اوسکی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا، اور نوبت یہان تک پہنچی کہ عقد کے متعلق غور و فکر ہونے لگا، لیکن پھر گیٹے نے اوسکو اپنی آیندہ زندگی کے اعمال جلیلہ کے لئے ایک بڑی سمجھا، اسلئے اوس نے اس تخیل سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور اگست ۱۷۷۱ء مین ڈاکٹر اور وکیل بنکر فرنیکفورٹ واپس آیا، اور وطن مین واپس آنے کے بعد اوس نے اپنا مشہور ناول "گوٹ" لکھنا شروع کیا، جو ۱۷۷۳ء مین شایع ہوا، لیکن اوسکے شایع ہونے سے ایک سال پہلے گیٹے وسلار مین جہان ہائیکورٹ تھا، قانونی مشاغل کی مہارت بہم پہنچانے کے لئے چلا گیا، اور وہان جاکر شرلوت بوف پر جو کیسٹنر کی منگیتر تھی، فریفتہ ہوگیا، اور چند مہینون کے بعد فرنیکفورٹ مین واپس آکر اس عشق کا نتیجہ ایک کتاب کی صورت مین ظاہر ہوا، جس کا نام "آلام ورتر" تھا، یہ کتاب اگرچہ من حیث علم ادب مین کوئی بلند پایہ کتاب نہ تھی تاہم اوس سے گیٹے کی شہرت مین خاص اضافہ ہوا، اور اس کا اثر اوسکی آیندہ زندگی پر پڑا، اس کتاب کے شایع ہونے کے چند دنون کے بعد وہ فرنیکفورٹ مین پھر ایک دولتمند شخص کی لڑکی پر فریفتہ ہوا، جس کا نام "اناشونمان" تھا، اوس کا نام اوس نے لیلی رکھا، اور اوس سے قانونی عقد بھی کر لیا، لیکن وہ اُس کو قائم نہ رکھ سکا، اور چند دنون کے بعد فسخ کردیا، ۱۷۷۵ء مین جب کہ اوس کا سن ۲۶ سال کا تھا، وہ اپنے اشعار اور تصنیفات کی بدولت جرمنی بلکہ تمام یورپ مین کافی شہرت حاصل کر چکا تھا، اوسکی ملاقات کارل اوگسٹ ڈیوک ویمر سے کارلسر مین ہوئی جس نے اوسکو سیر ویمر کی دعوت دی یہ پہلی ملاقات تھی، اوس کے بعد یہ ڈیوک خود فرانکفورٹ مین آیا، اور گیٹے سے دوبارہ ملاقات کی، اور ویمر آنے پر سخت اصرار کیا، گیٹے کا باپ اگرچہ امرا کے تعلقات کا مخالف تھا تاہم مجبوراً چند ہفتے کی اجازت دی لیکن یہ کیا معلوم تھا کہ یہ مقام گیٹے کا دوسرا وطن ہو جائیگا، اور اوسکی قبر کا گنبد یہین بنے گا،

اسوقت جرمنی کی حکومت جن مختلف حصون مین منقسم تھی، ویمر اس کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا، اوسکے باشندون کی تعداد بہت کم تھی، جو تمامتر زراعت پیشہ تھی، اس حصہ کی آمدنی بھی اگرچہ بہت کم تھی، تاہم اوسکے رئیس کی قدردانی سے وہ علما و فضلا کا بڑا مرکز بن گیا تھا، اور اس حیثیت سے پوٹسڈام کے سوا اس کا کوئی دوسرا حریف نتھا، البتہ دونون مین یہ فرق تھا کہ فریڈرک اعظم صرف لیٹین علم و فن کی قدردانی کرتا تھا، اور فرانسیسی زبان کا شیدائی تھا، لیکن اوسکے بخلاف ویمر کے تمام باشندے جرمن تھے، اور وہان صرف جرمن علوم و فنون کی فرمانروائی تھی، اور اس لحاظ سے جرمن علم ادب پر اوسکا خوشگوار و پایدار اثر پڑتا تھا،

ویمر اپنے مناظر طبعی کے لحاظ سے بھی ایک عمدہ مقام تھا، اسلئے گیٹے اپنے دوست ڈیوک کے ساتھ سیر تفریح کے بھی لطف اوٹھاتا تھا علمی گفتگو بھی کرتا تھا، اور ویمر کے سیاسی معاملات پر بھی بحث ہوتی تھی، دونون مین سخت بے تکلفی تھی، اور کاشتکارون اور مزدورون سے ملتے جلتے رہتے تھے، یہان تک کہ رات رات بھر مزدورن کی لڑکیون کے ساتھ رقص و سرود مین مصروف رہتے تھے، اگرچہ اس زندگی نے اون کے اصلی مشاغل پر کوئی اثر نہین ڈالا، تاہم ویمر کے ابتدائی سالون مین گیٹے کوئی قابل ذکر مصنف کی حیثیت سے نمایان نہو سکا، ڈیوک ویمر نے گیٹے کو بمشاہرہ ۱۲۰۰ ڈالر ایک سرکاری عہدے پر بھی سرفراز کیا جو ویمر مین ایک معزز عہدہ خیال کیا جاتا، لیکن ڈیوک کا یہ تقرب، اور دفعۃً اتنے بڑے عہدہ کا یہ تقرر قدیم ملازمین کے لئے باعث رشک ہوا، اور ان لوگون نے یہ شکایت کی کہ نیچے کے درجون سے ترقی کئے بغیر وہ اس عہدے کا مستحق نہین ہوسکتا، اسلئے جو لوگ اوسکے مستحق تھے، اون کی حق تلفی ہوگی، لیکن ڈیوک نے گیٹے کی قابلیت کی بنا پر اس کو اس عہدے کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیا،

اب اس تعلق سے ڈیوک اور گیٹے کے دوستانہ تعلقات اور بڑھ گئے، اور بڑے بڑے انتظامی معاملات اوسکے متعلق کئے گئے، ڈیوک نے گیٹے کو مستقل قیام کے لئے نہر آلم پر ایک چھوٹا سا خوشنما گھر بھی عنایت کیا، اور گیٹے نے ویمر مین قیام کرکے مستقل دس برس تک نہایت اہم اصلاحی اور سیاسی خدمتین انجام دین،

ادبی اور علمی خدمات کا سلسلہ اس سے الگ تھا، اور ایک تجربہ کار لیڈی شارلوٹ فان شتائن کی محبت کے رشتۂ دراز کا سلسلہ اس پر مستزاد تھا، ان تمام اعمال شاقہ کو دیکھکر ڈیوک کی خواہش تھی کہ گیٹے تھوڑا سا وقت آرام کے لئے بھی نکالے، لیکن گیٹے نے ۱۷۸۶ء سے پہلے کبھی آرام و اطمینان کی طرف رخ نہیں کیا، البتہ اس سن مین جب اوس نے اٹلی کا سفر کیا اور مستقل دو برس پہننے کی سیاحت مین اوسکو روم مین قوم روم کی تہذیب کے عظیم الشان آثار نظر آئے، تو ویمر کے سیاسی اور انتظامی امور کے انصرام سے وہ دل برداشتہ ہوگیا، علمی و ادبی خدمت کے انجام دینے کا شوق بہت زیادہ بڑھ گیا، چنانچہ اوس نے اٹلی سے ڈیوک کی خدمت مین استعفا بھیجدیا، اور ڈیوک نے دوستانہ تعلقات کی بنا پر اوسکو منظور کر لیا، البتہ گیٹے نے خود اپنی خواہش سے اون علمی اور فنی خدمات کو اپنے ہاتھ مین رکھا، جو تھیٹر سے تعلق رکھتی تھین، اوسکے بعد گیٹے ۱۷۸۸ء مین ویمر واپس آیا تو بالکل بدلا ہوا تھا، میڈم فان شتائن نے بھی اوسکی خشک مزاجی کو محسوس کیا، اور رفتہ رفتہ دونون کے عاشقانہ تعلقات منقطع ہوگئے، لیکن یہ طوق اس کے گلے سے جدا نہ ہوا، بلکہ ۱۷۸۸ء مین ویمر کے ایک باغ مین اوسکو ایک نوعمر لڑکی ملی جس کا نام کرشیان تھا، یہ لڑکی اگرچہ ادنیٰ درجہ سے تعلق رکھتی تھی، اور تعلیم مین بھی اوس کا درجہ بلند نہ تھا تاہم گیٹے اوس کے حسن و جمال اور لطافت اخلاق پر فریفتہ ہوگیا، اور اس قدر تعلقات بڑھائے کہ اوس سے شادی کرلی، تاہم چونکہ دونون کے درجہ و حیثیت مین نمایان فرق تھا، اس لئے گیٹے پر سخت ملامتون کی بوچھار لگگئی، وہ اگرچہ رسم و رواج کا پابند نہ تھا، تاہم ان اعتراضات کا اوس پر یہ اثر ضرور پڑا کہ وہ قانوناً اوسکے نکاح کا اعلان نہ کرسکا، بہرحال گیٹے نے اوسکی صحبت مین مدتون خوشگوار زندگی بسر کی، اور اوسکی اعانت سے اپنی بہترین نظم "منظومات رومانیہ" کو لکھ سکا، اور علمی تحقیقات اور بصریات و ریاضیات وغیرہ مین دیوانہ وار مصروف رہنے لگا، لیکن اسکے بعد یورپ کی سیاسی فضا مین سخت ہیجان پیدا ہوا، اور شاہی حقوق کے خلاف فرانس مین شورش برپا ہوئی، اور اوسکے مقابلہ مین تمام سلاطین یورپ نے باہم اتحاد کرکے شاہی حقوق کی حفاظت کیلئے جنگی تیاریان کین، گیٹے اگرچہ ان مین کسی کا حامی نہ تھا، تاہم شہنشاہ پرشیا بھی اس اتحاد مین شامل تھا،

اور اس تعلق سے اوس نے ڈیوک ویمر کو ایک فوج کا سپہ سالار بنایا، اس لئے گیٹے کو بھی اوسکی رفاقت کرنی پڑی
تاہم اس حالت مین بھی وہ اپنا وقت تمامتر علمی کامون مین صرف کرتا تھا، یہان تک کہ جب اتحادیون کو شکست
ہوئی تو وہ اس لئے خوش ہوا کہ اب وہ ان مشاغل کو اور بھی زیادہ دلجمعی سے انجام دے سکیگا،

اس کے بعد گیٹے ۱۷۹۲ء کے اخیر مین ویمر واپس آیا، اور دوسرے سال کے مئی مین انجمن تاریخ طبعی
کے ایک لکچر کے سلسلے مین شلر سے ملا، اور اوسوقت سے دونون مین دوستانہ تعلقات پیدا ہوئے، جو بعد کو اتنا
بڑھے کہ دنیا کی ادبی تاریخ مین اوسکی نظیر نہین ملتی،

بڑھاپے مین یورپ کے تمام جھگڑون سے الگ ہو کر گیٹے نے ایک دوسری قسم کی شاعرانہ و ادیبانہ
زندگی اختیار کی یعنی مشرقی علم ادب کی طرف متوجہ ہوا، اور اس سلسلے مین یک طرف اوسکے ہاتھ مین حافظ کا
دیوان اور دوسرے مین قرآن تھا، وہ ان دونون سے نہایت شغف رکھتا تھا، اگر وہ براہ راست عربی
اور فارسی زبان سے واقف ہوتا، اور اون کے ترجمون سے کام نہ لیتا، تو وہ ان سے اور بھی زیادہ متاثر ہوتا،
بہرحال اس تاثر کا نتیجہ ایک نادر کتاب "دیوان الشرق والغرب" کی صورت مین ظاہر ہوا، جسمین اوس نے
مشرق کی بہت سی تصویرین کھینچین اور ان اشعار کی شرح مین مشرق کے بہت بڑے تاریخی حالات بھی لکھے"
گیٹے نے طویل عمر پاکر ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء کو ویمر مین وفات پائی، اور اپنے دوست شیلر کے پہلو میں دفن ہوا،

"ع"

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اوسکی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات
اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعرا کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے۔ جس مین آبِ حیات کی غلطیون کا ازالہ
کیا گیا ہے، دکنی سے لیکر حالی اور اکبر کے حالات تک ضخامت :۔ ۵۴۸ صفحے۔ قیمت :۔ ۵

منیجر

اخبار علمیہ

سقوط یریحو

اب سے تین ہزار سال قبل یریحو (JERICHO) فلسطین کی ایک سرکش اور متمرد قوم کا دار السلطنت تھا، جب خداوند عالم کو منظور ہوا کہ وہ اس قوم کو سزا دے، اور وراثت ارض کا جو وعدہ بنی اسرائیل سے کیا تھا، اُسے پورا کرے تو اُس نے حضرت یشوع کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم تھے، یریحو کی تسخیر پر مامور فرمایا، چنانچہ حضرت یشوع بنی اسرائیل کو لیکر اس مہم پر روانہ ہوئے، اور وادی یردن میں پہنچکر اس شہر کا محاصرہ کیا اور ہدایت خداوندی کے بموجب سات کاہنون کو حکم دیا، کہ نرسنگھے پھونکین، اور ساتھ ساتھ پوری فوج زور سے للکارے، نرسنگھون کی آواز اور فوج کی للکار کا اثر یہ ہوا کہ شہر کی دیوارین گرگئین، اور یریحو مسخر ہوگیا،

سقوط یریحو کے متعلق کتاب یشوع (توراۃ) کی مذکورۂ بالا روایت عام طور پر تسلیم کی جاتی تھی لیکن حال مین اثریات کے ایک ماہر نے تحقیق جدید کی بنا پر اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے، اور دیوارون کے گرنے کا سبب زلزلہ کو قرار دیا ہے، پروفیسر گارستانگ (GARSTANG) جنھون نے یریحو کے آثار قدیمہ کی تحقیق کی ہے، روایت بالا سے انکار کی وجہ یہ بتاتے ہین کہ نرسنگھون اور آدمیون کی آواز کا اثر دیوار کی اینٹ اور چونے پر ایسا نہین پڑ سکتا کہ وہ ایک دوسرے سے علحدہ ہوجائین، اور دیوار گرجائے، برخلاف اس کے ان دیوارون کی حالت اور وہان کی زمین کی کیفیت دیکھ کر شبہہ نہین رہجاتا کہ یہ کسی زلزلہ کا اثر تھا، اس دعوی کے ثبوت مین پروفیسر موصوف بیان کرتے ہین کہ وادی یردن مین جہین

یریحو واقع ہی، زلزلہ کے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت بہت پائی جاتی ہے، چنانچہ ۱۹۲۷ء مین بھی وہان ایک زلزلہ آیا تھا، ایسا ہی زلزلہ اس وقت بھی آیا ہوگا، اور بنی اسرائیل منہدم دیوارون پر چڑھ کر شہر مین داخل ہوگئے ہون گے،

یریحو کی دیوارین نرسنگھون کی آواز سے گرین، یا پروفیسر گارسٹانگ کے زلزلہ سے اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہین کہ تحقیق جدید کا جو تیشہ مذہب، ورنہ مذہبی روایات کی دیوار پر لگایا جاتا ہی، اُس کا اثر عوام کی نگاہون مین بالکل نمایان ہی،

سوال یہ ہے کہ عین اوس وقت جب یہود حملہ آور ہوے یریحو کی دیوارین زلزلہ کے اثر سے کیون گر گئین، کیا ان دو واقعون مین بھی کسی اثر قدیم سے تناسب کا پتہ چل سکا،

زہریلی گیس کا تریاق

تہذیب حاضر نے آلاتِ حرب مین جہان سیکڑون حیرت انگیز ایجادین کی تھین، وہان ایک زہریلی گیس بھی بھی تھی جسکے استعمال سے بڑی بڑی آبادیان دیکھتے دیکھتے ہلاک و برباد ہوجاتی ہین، اور غنیم کی عظیم الشان آتش اندازتوپین بھی اسکی مدافعت مین بیکار ثابت ہوتی ہین، اس گیس کا مسئلہ عرصہ سے حکومتون کے زیر غور تھا، اور ماہرین فن ایک ایسے تریاق کی تحقیق مین کوشان تھے، جو ہر طرح کی زہریلی گیس سے محفوظ کردے، اسٹیٹسمین (۱ مئی ۱۹۳۲ء) کی اطلاع ہے کہ اس دریافت و تحقیق کا امتیاز برطانیہ کے حصہ مین آیا، اور وہان محکمہ جنگ کے ماہرین سائنس نے چودہ سال کی سعی و کاوش کے بعد ایک ایسا تریاق معلوم کرلیا ہے، جو زمانہ حال کی جنگون کی تمام مروجہ گیسون سے محفوظ کردیتا ہے، چنانچہ اس کا تجربہ بھی کیا گیا، اور یہ تریاق اُن لوگون پر استعمال کیا گیا جو بعض زہریلی گیسون سے متاثر ہوچکے تھے، اس کے استعمال سے وہ پھر صحیح و توانا ہوگئے، یہ ایجاد بنی نوع انسان کے حق مین ایک نعمت ثابت ہوگی، اور برطانیہ کا یہ کارنامہ ایک یادگار خدمت خلق تصور

کیا جائے گا، بشرطیکہ سائنس کی محیر العقول ترقیاں کسی روز اس تریاق کا جواب بھی تیار نہ کر دین،

ایک حیرت انگیز تلوار

اسٹیٹسمین (۲۲ ارمئی) کی روایت ہے کہ لندن کے ایک بینک مین ایک ایسی تلوار موجود ہے، جس سے ایک یورپین ملکہ کا قتل ہوا، اور جو اس درجہ منحوس ہے کہ جس کے پاس رہی اسے شدید نقصانات پہنچائے، سنہ ۱۹۰۳ء مین وائنا کے ایک شخص نے اسے بنا کر اس کے سرے کو زہر مین بجھایا تھا، اس کے بعد اسی میجر کوسٹک MAGOR KOSTICK نے خریدا، جو سربیا کے شاہی فوجی دستہ کا ایک افسر تھا، اسے خریدنے کے چند ہی روز بعد کوسٹک ان آٹھ آدمیون مین شامل ہوگیا جنھون نے ڈراگا (DRAGA) ملکہ سربیا کے قتل کی سازش کی تھی، چنانچہ اسی تلوار سے ڈراگا اور اُس کے شوہر شاہ اسکندر کو قتل کیا گیا، اور ان دونون کی نعشین محل شاہی کی کھڑکیون کے باہر پھینک دی گئین، اس قتل کے بعد کوسٹک کو ڈراگا اور اسکندر کی روحون نے پریشان کرنا شروع کیا، اور اس نے عاجز آکر وہ تلوار ایک کرنل کو دیدی، اُس کرنل نے بھی اُسے اپنے پاس رکھنا مناسب نہ خیال کرکے ایک نوجوان سرزی افسر کے حوالہ کر دیا، اس واقعہ کے چند ہی روز بعد اس افسر کے باپ، مان اور بھائی کا انتقال ہوگیا، گھبرا کر اس نے سنہ ۱۹۱۲ء مین اسے ایک امریکن کی نذر کر دیا، جو تاریخی اشیاء کے جمع کرنے کا شائق تھا، اس امریکن پر یہ گذری کہ اس کی بیوی ایک گانیوالے کے ساتھ نکل گئی چنانچہ اس نے بھی اسے علحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور اس کے متعلق اشتہار دیدیا، اسی سرزی افسر نے اسے پھر لیکر ایک انگریز کو دیا جو کسی کارخانہ کا مالک تھا، ایک روز یہ انگریز اپنے کارخانہ مین جا رہا تھا، کہ ایک چلتی ہوئی مشین مین پھنسا، اور بری طرح زخمی ہوا، اس واقعہ کے بعد اُس نے یہ تلوار اس سرزی افسر کو واپس کر دی، اور اب اس افسر کو یہ معلوم ہوا ہے، کہ سربیا کے بعض لوگون نے اس تلوار اور اس کے مالک کے سر کے لئے پانچ ہزار پونڈ کا انعام مقرر کیا ہے،

ٹرکی مین مسیحی مدرسے

ترکی اخبار سن بوسطہ (Son Posta) مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۳۱ء کا حسب ذیل اقتباس جو ڈاکٹر زویمر کے مشہور مسیحی رسالہ "مسلم ورلڈ" مین کسی قدر اظہار برہمی کے ساتھ شائع ہوا ہے ان حضرات کی دلچسپی کا باعث ہوگا، جو قومی تعلیم مین غیرون کی مداخلت بیجا کو گوارا نہین کرتے:۔

"صلح نامہ لاسین" (Lausanne Treaty) کی روسے ٹرکی مین مسیحی مبلغین کا حق تعلیم وتدریس امسال ختم ہوگیا ہے، حکومت ان تمام مسیحی مدرسون کو بند کرسکتی تھی، لیکن صورت حال اس کی متحمل نہ ہوسکتی، کیونکہ تمام بچّون کے لئے کافی مدرسے موجود نہین ہین، صورتِ حال کی اس نزاکت کو پیش نظر رکھ کر معلوم ہوتا ہے، کہ وزراتِ تعلیم نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ رفتہ رفتہ اس مقصد کی جانب قدم بڑھایا جائے، ان غیر ملکی مدرسون کے خلاف وزرات نے دو تدبیرین اختیار کی ہین، پہلی یہ کہ ترکی بچون کو ان مدارس مین ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ دی جائیگی، یہ ابتدائی درجون کو ان تبلیغی ادارون سے خارج کردینے کے لئے کافی ہوگا، دوسری تدبیر یہ ہے کہ یونیورسٹی بغیر امتحان کے ان ادارون کی اسناد کو قبول نہ کرے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بالآخر غیر ملکی مدارس کے اونچے درجون مین بھی طلبہ کی تعداد کم ہو جائے گی، لیکن ان ادارون کے فارغ التحصیل طلبہ بہت کم ترکی یونیورسٹی مین داخلہ کی درخواست دیتے ہین، وہ اعلےٰ تعلیم کے لئے یورپ یا امریکہ جاتے ہین، لہذا یہ تدبیر ترکی طلبہ کو مسیحی کالجون مین داخل ہونے سے نہ روک سکے گی............ ان تبلیغی مدارس سے جو نقصان پہنچ رہا ہے، وہ ظاہر ہے، انھین کسی نہ کسی طرح روکنا چاہئے، ہمین اُمید ہے کہ حکومت ایسے وسائل اختیار کرے گی، جن سے کم سے کم یہ تو ہو کہ ہمارے بچے مزید نقصانات سے محفوظ رہین"

"ع، ر"

ادبیات

تبرکاتِ حمید

حضرت مولینا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ متفرق غیر مطبوعہ کلام ہمارے پاس ہے جسکو ہم وقتاً فوقتاً ہدیۂ ناظرین کرین گے، ذیل مین اونکی چند رباعیان پیشکش ہین،

مرحوم عمر بھر حصولِ شہرت اور دنیا طلبی سے نفور رہی، ان رباعیون مین اپنے اسی اصولِ زندگی کی تشریح فرمائی ہے، یہ رباعیان اون کے مطبوعہ دیوان کے اوس نسخہ پر لکھی ہین، جو لارڈ کرزن کے سفر سواحلِ عرب کی معیت کے زمانہ مین دسمبر ۱۹۰۳ء مین سفر مین اون کے ساتھ تھا، ظاہر ہے کہ یہ موقع وہ تھا جو ایک شہرت پسند اور دنیا طلب انسان کیلئے زرین موقع کہا جاسکتا ہی، مگر اوس وقت بھی اون کے دل و دماغ مین جو خیالات جوش زن تھے، وہ ان جذبات کے بالکل برخلاف تھے،

نادان در جستجوے کام افتادہ ست　　　دانا در جستجوے نام افتادہ ست
بگریز فراہیا! ازین ہر دو کہ زود　　　بینی کہ گلوی شان بدام افتادہ ست

گویند کہ گمنام بدن از خامی است　　　آوازۂ و نام جو کہ خوش فرجامی است
در پیش فراہی اے نکو اندیشان　　　این جستنِ نام بدترین بدنامی است

ہے خاک اگر جہان مین کچھ ہے،　　　ہے وہم اگر گمان مین کچھ ہے
تجھ پر کیا ہو، اعتبار اے ہستی!　　　اک آن مین کچھ، اک آن مین کچھ ہے

پیامِ عشق

از جناب اظہر نعمانی صاحب ردولوی

پیامِ عیش بنکر پھر نسیمِ خوشگوار آئی ۔ ڈھلے اب بادۂ رنگین کہ گلشن مین بہار آئی
نسیمِ صبح گلشن مین جب آئی عطر بار آئی ۔ چٹک کر کہتے ہین غنچے بہار آئی بہار آئی
ہمارے رنج مین حصہ لیا سب اہلِ گلشن نے ۔ نسیم آئی پریشان حال شبنم اشکبار آئی
گریبان چاک گُل شبنم ہے گریان بلبلین نالان ۔ ریاضِ دہر مین غم آفرین اب کی بہار آئی
پریشان ہے جگر دل مضطرب ہے آنکھین روتی ہین ۔ قیامت کی گھڑی آئی کہ شامِ انتظار آئی
محبت مین ہے انکے وصل سے انکا خیال اچھا ۔ کہ وہ اک بار آئے یاد اونکی بار بار آئی
وصالِ یار کی حسرت جو اب تک زینتِ دل تھی ۔ وہی بعدِ فنا کچھ خاک اڑاتی تا مزار آئی
یہ جتنی بندشین ہین توڑ دے گا جوشِ آزادی ۔ قفس مین رہ نہین سکتے اگر فصلِ بہار آئی
جھلک امید کی پاتا ہون کچھ کچھ تیرہ بختی مین ۔ بڑھی ظلمت تو مین سمجھا کہ شامِ انتظار آئی
محبت مین نگہ وابستہ ہے جوشِ طبیعت سے ۔ یہ جب حیرت زدہ اٹھی تو وہ دیوانہ وار آئی
قفس والون سے کیون کہتے ہو اظہر قصۂ گلشن ۔ انھین کیا گر خزان آئی انھین کیا گر بہار آئی

جامِ صہبائی

از جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی ایم اے ایل ایل بی وکیل سیالکوٹ

مرتا ہون اگر بادۂ گلفام نہین، ۔ پیتا ہون تو پینا بھی خوش انجام نہین
یہ زیست اک اضطرابِ پیہم ہے اثر ۔ (۱) حاصل کسی پہلو مجھے آرام نہین

باقی نہین کچھ بھی داغِ حسرت کے سوا ۔ کیا حاصلِ زیست ہے خجالت کے سوا؟
اٹھ اٹھ کے فرو ہوئے ہزارون طوفان ۔ (۲) اب کچھ نہین گریۂ ندامت کے سوا،

مطبوعات جدیدہ

اصلاح المسلمین از جناب سید محمد ادریس صاحب پنشنر تحصیلدار، حجم ۷۰ صفحے، کاغذ عمدہ، لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت ۴ر مولف سے تاج گنج آگرہ سے طلب کریں،

جناب سید محمد ادریس صاحب پنشنر تحصیلدار نے جو تلاوت قرآن پر مزاولت رکھتے ہیں، مسلمانوں کے موجودہ دور انحطاط سے متاثر ہو کر ان کے سامنے قرآن مجید کی ایسی تعلیمات پیش کی ہیں، جو انھیں ترقی کی راہیں دکھلائیں اور اس مجموعۂ تعلیمات قرآنی کو "اصلاح المسلمین" کے نام سے موسوم کیا ہے، اس میں قرآن مجید سے سورۂ فاتحہ، اور قرآن مجید کی توصیف خود آیات قرآنی سے نقل کرنے کے بعد قرآن ہی سے حمد و نعت بیان کیگئی ہے، اور پھر آیات قرآنی سے اخذ کرکے انسان کی پیدائش کا تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر قرآن مجید کے مختلف اوامر و نواہی، جو مختلف ابواب عبادات، معاملات اور اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہیں، یکجا کئے گئے ہیں، ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں رسالہ کو عام طور پر شایع کیا جائے کہ اسکی تالیف کا اصل مقصد حاصل ہو،

کتاب العالم والمتعلم، (عربی) للامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان رحمہ اللہ ناشر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ شفاخانہ محمودیہ، جلال کوچہ، حیدرآباد دکن، حجم ۲۳ صفحے لکھائی چھپائی اچھی، کاغذ اوسط درجہ،

حیدرآباد دکن کی مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کا تعارف کسی گذشتہ پرچہ میں کرایا گیا ہے، اس مجلس کا مقصد متقدمین ائمہ و علمائے احناف کی غیر مطبوعہ کتابوں کو شائع کرنا ہے، مسرت ہے کہ اب اس مجلس نے عملی خدمت شروع کردی، اور سب سے پہلے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسالہ کتاب العالم والمتعلم کو شائع کیا ہے، یہ رسالہ عقائد و کلام کے چند اہم مسائل کفر و ایمان اور معاصی وغیرہ کی تشریح پر مشتمل ہے اور جسمین متعلم کی جانب سے سوالات ہیں اور امام اعظم

کی جانب سے جوابات درج کئے گئے ہین، رسالہ کے راوی ابومقاتل رحہ ہین، رسالہ کا تذکرہ کشف الظنون مین آیا ہے، لیکن معلوم نہین کہ یہ رسالہ کس قلمی نسخہ سے نقل کیا گیا ہے، ضرورت تھی کہ مقدمہ مین ان امور کی تشریح دیدیجاتی، اور نیز عنوان مباحث قائم کرکے فہرست مضامین بھی منسلک کیجاتی،

شرح کتاب النفقات (عربی) لحسام الدین عمر بن عبدالعزیز الصدر الشہید، حجم ۶۷ صفحے،

یہ دوسرا رسالہ ہے جسکو مجلس مذکور نے شائع کیا ہے، یہ رسالہ امام ابوبکر احمد بن عمرو بن مہیر الخصاف الشیبانی متوفی ۲۶۱ھ کے رسالہ کتاب النفقات کی شرح شیخ حسام الدین عمر بن عبدالعزیز الصدر الشہید ۵۳۶ھ کے قلم سے ہے، اسمین مختلف قسم کے نفقات و اخراجات کے وجوب اور ان کی ادائی کے مسائل کی تشریح مذہب حنفی کے رو سے کی گئی ہے، اس سلسلہ مین نفقۂ مرضعہ، نفقۂ صبی، اور نفقۂ ضال و آبق کی تفصیلات ہین، پھر مختلف قسم کے اشخاص کی باہم مشترک اشیاء مثلاً کوان، نہر، تالاب، اور دیوار وغیرہ کے مختلف اخراجات کی باہمی تقسیم و حصہ رسدی وغیرہ بیان کی گئی ہے، فہرست مضامین رسالہ کے ساتھ منسلک ہے، امید ہے کہ ہندوستان کے اہل علم اس مجلس کی ہمت افزائی اور اوسکی مطبوعات کی اشاعت مین امداد دیکر اوس کو مزید خدمات کے مواقع دین گے،

الرفیق الفہیم لطریق التعلیم:۔ مترجمہ مولوی محمد معین الدین صاحب، حجم ۴۸ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت ۴ر مترجم سے قصبہ افضل گنج ضلع بجنور کے پتہ سے طلب کرین،

علامہ برہان الدین زرنوجی کا ایک رسالہ تعلیم المتعلم لطریق التعلیم ہے، اسکو مولوی معین الدین صاحب مہتمم کتب خانہ حبیب گنج نے اردو مین منتقل کیا ہے، رسالہ مین علم فقہ کی تحصیل کے طریقے بتائے گئے ہین، اور اسی سلسلہ مین متعلم و معلم کے باہمی آداب، اور طریق تعلیم وغیرہ کے اصول بھی منضبط کئے گئے ہین، رسالہ کا مطالعہ عربی مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہوگا، نیز جو لوگ اسلامی نظام تعلیم مین تلامذہ اور اساتذہ کے باہمی تعلقات و اسلامی طریق تعلیم و اصول تدریس کا مطالعہ کرنا چاہین وہ اس رسالہ سے فائدہ اوٹھا سکتے ہین،

فضائل رمضان:۔ مؤلفہ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

حجم ۴۳ صفحے قیمت ۵ / پیسے، جناب محمد احتشام الدین صاحب کتبخانہ فیضی بستی نظام الدین اولیا دہلی،

رسالہ "فضائل رمضان" کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، اسمیں "فضیلت رمضان" "لیلۃ القدر" اور "اعتکاف" سے متعلق حدیثیں جمع کر کے ان کی تشریح کیگئی ہے، نیز سورۃ القدر کی تفسیر بھی شامل ہے، اور حدیثون کی تشریح کے ضمن مین مسائل صیام کا تذکرہ بھی آگیا ہے،

رنج و راحت:- از جناب چودھری سردار خان صاحب، بسروری، حجم ۸۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ، قیمت: ۱۲ عہ پتہ مولف سے گھوڑپری بریکس شہر پونہ کے پتہ سے طلب کر سکتے ہین

رسالہ "رنج و راحت" مین انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤن پر غور و فکر کے ساتھ نظر ڈالی گئی ہے، اور اس سلسلہ مین مقصد حیات انسانی، موت و حیات، جبر و قدر، حصول دولت، صرف دولت، تعلیم و تربیت، رسم و رواج اور پھر مختلف جذبات انسانی محبت، حرص، قناعت اور امید و بیم وغیرہ کے مباحث زیر بحث آئے ہین، اور دکھایا گیا ہے کہ رنج و راحت حیات انسانی کے لوازم ہین، جو قدرت کی جانب سے ہر انسان کو عطا کئے جاتے ہین،

حیات احمد بن حنبل:- از مولوی شاہ محمد عز الدین صاحب پھلواری، حجم ۷۵ صفحے تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی، قیمت: - ۸ / پیسے، پتہ: منیجر صاحب مجیبیہ بک ڈپو پھلواری شریف ضلع پٹنہ،

اردو مین ائمہ اربعہ مین سے تین امامون کے مفصل حالات شائع ہو چکے ہین، مولوی شاہ عز الدین صاحب پھلواری ندوی نے حضرت امام احمد بن حنبل کے سوانح و حالات پر یہ رسالہ لکھا ہے، جس مین امام موصوف کے تمام فضائل و حالات جستجو اور محنت سے فراہم کئے ہین،

رپورٹ کمیٹی تحقیقات سفر حج:- شائع کردہ فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹، سرکلر روڈ لاہور، حجم ۲۶۳ صفحے، کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی اوسط درجہ قیمت عہ

مجلس واضع قوانین ہند کی تحریک پر حکومت ہند کی جانب سے ہندوستانی حاجیون کے آرام و آسائش

اور سفرِ حج کی مشکلات کے رفع کرنے کے لئے جو تحقیقاتی کمیٹی قائم ہوئی تھی، اور جس نے ہندوستان کے صوبون کا دورہ کرکے اپنی رپوٹ حکومت کے سامنے پیش کی تھی، زیر تبصرہ کتاب اوسی رپوٹ کا مکمل اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف سلیس اور رروان ہے، امید ہے کہ اس زمانہ مین جب کہ اسی رپوٹ کی بنیاد پر حکومت کی جانب سے حاجیون کے متعلق چند مسودے اسمبلی کے آیندہ اجلاس مین پیش ہونے والے ہین، اس اردو ترجمہ کا مطالعہ اردو دان طبقہ مین دلچسپی سے کیا جائے گا، اور نیز اس کا مطالعہ سفرِ حج اختیار کرنے والون کے لئے مفید ہوگا،

عالم خیال:۔ مصنفہ مولوی احمد علی صاحب شوق، ناشر منیجر صاحب صدیق بک ڈپو لکھنؤ حجم ۹۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت عمر

منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی، کی مشہور مثنوی "عالم خیال" کسی تعارف کی محتاج نہین، منیجر صاحب صدیق بک ڈپو، لکھنؤ نے اس کا ایک خوبصورت اڈیشن حال مین شائع کیا ہے، اس مین ہر چہار رُخ شامل ہین، ابتدا مین جناب پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی کا مقدمہ ہے، اور پھر ہر رُخ پر اب تک جو اچھے تبصرے شائع ہوتے ہین، ان کو ہر ایک رُخ کی ابتدا مین درج کیا گیا ہے چنانچہ جناب مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹر ایٹ لا، سر شاہ محمد سلیمان، جناب سید مقصود علی صاحب اسھونی اور سید شبیر حسن صاحب بھوپالی کے تبصرے بہ ترتیب ہر رُخ کے ساتھ منسلک ہین،

مثنوی زیورِ خلاق:۔ مؤلفہ جناب محمد وزیر الدین صاحب انصاری عاقل، حجم ۴۴ صفحے، چھپائی، اور کاغذ عمدہ لکھائی لڑکیون کے مناسب، قیمت ۸، پتہ:۔ مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن،

مثنوی زیور اخلاق مین چھوٹی چھوٹی حکایتین لڑکیون کیلئے نظم کی گئی ہین، چند حکایتون کے عنوان یہ ہین، "ذکر شادی بنتِ رسول مقبول" "شوہر کو ایک دق کرنے والی بیوی" اور "ایک امیرزادے کی شادی کی دھوم" وغیرہ، مثنوی لڑکیون کے پڑھنے کے لائق ہے،

اکابر اسلام کی مستند سوانحعمریان

الفاروق، یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت یعنی کے فتوحات، طریقہ حکومت عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کرنیکا حال حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی علمی تعلیم کا شاندار منظر، مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہوچکے ہین مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائیٹل ضخامت ۴۱۲ صفحے .... قیمت للعہ

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چارون خلفاءؓ کے ذاتی حالات، فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے، ضخامت ۴۷۵ صفحے ...... قیمت ۴ر

مہاجرین حصہ اول، اس کتاب مین خلفائے راشدینؓ کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ، اکابر بنی ہاشم و قریش اور ان صحابہؓ کے حالات سوانح، اخلاق و فضائل کی تفصیل کی گئی ہے، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، شروع مین ایک مفصل مقدمہ مین قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجرین کی تفصیل کیگئی ہے، اور مہاجرین کے مخصوص فضائل بیان کئے گئے ہین، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، حجم ۴۲۹ صفحے، ... قیمت للعہ

مہاجرین حصہ دوم، عام مہاجر صحابہ کے حالات و سوانح ہے، ۴ر

انصار جلد اول، انصار کرام کے ایمان پرور حالات ... ۴ر

انصار جلد دوم، انصار کرام کے ایمان پرور حالات ... عہ

سیر الصحابیات، ازواج مطہراتؓ، بنات طاہراتؓ، اور عام صحابیاتؓ کی سوانح عمریان اور اُن کے علمی اخلاقی کارنامے، ضخامت ۱۸۹، عہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور انکا فلسفہ اور علم کلام، اخلاق اور تصوف مین ان کے مجددانہ کارنامے وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے، ضخامت ۱۲۸ صفحے ...... قیمت :- ۸ر

سیرت عائشہؓ (طبع دوم) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات، اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات، کاغذ در لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۳۵۰ صفحے .... قیمت ۴ر

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہؒ کی سوانحعمری اور اُن کے اجتہادات اور مسائل فقہ حنفی کی تاریخ اور اسکی تدوین کے حالات، فقہ حنفی کی خصوصیات علم حدیث، علم فقہ کی تاریخ، اور اسلامی قانون پر تبصرہ، ۲۲۴ صفحے، قیمت :- .... عہ

حیات امام مالک، امام مالکؒ کی سوانحعمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطائے امام مالک پر تبصرہ، طبع دوم ضخامت ۱۰۲ صفحے، قیمت :- .... عہ

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت عمرؒ بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور اُن کے مجددانہ کارنامے، طبع دوم، ضخامت ۱۶۰ صفحے، قیمت :- .... عہ

المامون، یعنی خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد سلطنت کے حالات، مولانا شبلی مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے، جسمین ممدوح نے تاریخ اسلام کے پر فخر عہد کے سیاسی، علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی حالات قلمبند کئے ہین، جنسے دولت عباسیہ کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، اب تک اُس کے بازاری نسخے عام طریقہ سے فروخت ہوتے تھے، اب مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کرا کے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۴۴ صفحے، قیمت :- عاہر و عہ

تصوف اسلام، خالص اسلامی تصوف اور قدما صوفیہ کے حالات اور تصنیفات کا مفصل بیان، لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۱۸۸ صفحے، قیمت :- عہ

سوانح مولانا روم، مولانا رومؒ کی مفصل سوانحعمری مع ان کے شعر کے حسن، علم کلام کے رموز اور مثنوی پر مبسوط تبصرہ، قیمت ۸ر

مولانا شبلی کا مجموعۂ مضامین

(مقالات شبلیؒ)

جلد اول کے مضامین	جلد دوم کے مضامین
دیباچہ	عربی زبان،
تاریخ ترتیب قرآن،	فن بلاغت،
علوم القرآن،	نظم القرآن وجمہرۃ البلاغۃ،
اعجاز قرآن،	شعر العرب،
قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں؟	عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ،
قضا و قدر اور قرآن مجید،	سر سید مرحوم اور اردو لٹریچر،
یورپ اور قرآن کے عدیم الصحۃ ہونے کا دعویٰ،	املا اور صحت الفاظ،
مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر،	اردو ہندی
وقف اولاد،	بھاشا زبان اور مسلمان،
پردہ اور اسلام،	تحفۃ الہند (ہندی صنائع و بدائع)
الاسلام،	
مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیے،	لکھائی چھپائی اعلیٰ،
غیر قوموں کی مشابہت،	ضخامت ۱۰۶ صفحے، قیمت:- ۱۲/
خلافت،	
حقوق الذمیین	ملنے کا پتہ
الجزیہ،	منیجر دار المصنفین شہر اعظم گڈھ،
اختلاف اور مسامحت،	
لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۲۸۸ صفحے، قیمت ۱۲/	(طابع و ناشر محمد ادریس دارمی)